پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کی شہرہ آفاق تالیف
"پریچنگ آف اسلام"
کا اردو ترجمہ

5651

دعوتِ اسلام

مترجم: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

شعبہ تحقیق ومطبوعات
محکمہ مذہبی اموروا وقاف۔ حکومت پنجاب

Marfat.com

81546

جملہ حقوق بحق محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب محفوظ ہیں۔

دوسرا ایڈیشن	:	طبع جدید جنوری 2004ء
تعداد	:	ایک ہزار
ناشر	:	شعبہ تحقیق و مطبوعات محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب
مطبع	:	مکتبہ جدید پریس 9۔ ریلوے روڈ لاہور
قیمت	:	

Marfat.com

دعوت اسلام

(THE PREACHING OF ISLAM)

دعوت اسلام کے پہلے انگریزی ایڈیشن کو پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ
نے اپنی اہلیہ کے نام ذیل کے اشعار کے ساتھ معنون کیا تھا:

لك الحكم فى امرى فما شئت فاصنعى
فلم تك الا فيك لا عنك رغبتى
و محكم حب لم يخامره بيننا
تخيل نسخ و هو خير ألية

اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن جو ۱۹۱۳ء میں لنڈن میں شائع ہوا، سر تھیوڈور ماریسن کے نام معنون ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی • لاہور پاکستان
ذخیرہ

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	دیباچہ طبع اول از مصنف	۱۷
۲۔	دیباچہ طبع ثانی از مصنف	۲۰
۳۔	تعارف	۲۲
	باب اول: دعوت اسلام	۲۳
۴۔	تمہید	۲۳
۵۔	اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے	۲۳
۶۔	اسلام کی روحانی فتوحات	۲۴
۷۔	وسعت عالم اسلام	۲۴
۸۔	فریضۂ تبلیغ	۲۵
۹۔	جبر و اکراہ کی ممانعت	۲۷
۱۰۔	پرامن تبلیغ کی تاکید	۲۸
۱۱۔	یہ کتاب تبلیغ اسلام کی تاریخ ہے	۳۰
	باب دوم: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مبلغ اسلام	۳۵
۱۲۔	حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۵
۱۳۔	مومنین سابقین	۳۶
۱۴۔	اہل مکہ کی مخالفت	۳۷
۱۵۔	مشرکین کی ایذا رسانی	۳۸
۱۶۔	ہجرت حبشہ	۳۹
۱۷۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام	۴۱
۱۸۔	بنو ہاشم کا مقاطعہ	۴۲
۱۹۔	سفر طائف	۴۳

Marfat.com

۲۰۔ اہل یثرب کی ملاقات ۴۴
۲۱۔ یثرب ۴۵
۲۲۔ بیعت عقبہ اولیٰ ۴۶
۲۳۔ یثرب میں اشاعت اسلام ۴۶
۲۴۔ سعد بن معاذ کا قبول اسلام ۴۷
۲۵۔ بیعت عقبہ ثانیہ ۴۹
۲۶۔ ہجرت مدینہ ۴۹
۲۷۔ ہجرت نبوی ﷺ ۵۰
۲۸۔ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے لئے ہے ۵۲
۲۹۔ عربوں کا قبائلی نظام ۵۶
۳۰۔ مؤاخات ۵۷
۳۱۔ مغربی علماء کی ایک غلط فہمی ۵۵
۳۲۔ بنو سعد کا قبول اسلام ۵۹
۳۳۔ جہینہ کا قبول اسلام ۶۰
۳۴۔ بنو دوس کا قبول اسلام ۶۱
۳۵۔ یمن میں تبلیغ اسلام ۶۲
۳۶۔ عام الوفود ۶۵
۳۷۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ۶۶
۳۸۔ اسلام اور جاہلیت کا مقابلہ ۶۶

باب سوم: مغربی ایشیا کی عیسائی قوموں میں اسلام کی اشاعت ۷۱

۳۹۔ فتوحات عرب ۷۱
۴۰۔ عیسائی عربی قبائل ۷۲
۴۱۔ حیرہ کے عیسائی باشندے ۷۵
۴۲۔ رومی دور کے مذہبی اختلافات ۷۷
۴۳۔ مسلمانوں کی رواداری ۷۹
۴۴۔ بیت المقدس کا عہد نامہ ۸۰
۴۵۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امان نامہ ۸۱
۴۶۔ جزیہ اور اس کی شرائط ۸۲
۴۷۔ جزیہ کی شرح ۸۳

Marfat.com

۴۸۔	خلفاء کے عیسائی عہدہ دار	۸۵
۴۹۔	گرجوں کی تعمیر	۸۷
۵۰۔	نسطوری فرقے کی ترقی	۸۹
۵۱۔	عیسائیت چھوڑنے کے اسباب	۹۰
۵۲۔	مختلف عیسائی فرقوں کی تعداد	۹۸
۵۳۔	قبول اسلام کی تفصیلات معلوم نہیں	۹۹
۵۴۔	خراسان کے عیسائیوں کا قبول اسلام	۱۰۰
۵۵۔	عمر بن عبدالعزیز کی تبلیغی کوششیں	۱۰۱
۵۶۔	اہل اسلام اور عیسائیوں کا مناظرہ	۱۰۱
۵۷۔	ہاشمی کا تبلیغی خط کندی کے نام	۱۰۲
۵۸۔	المامون کی تبلیغی کوششیں	۱۰۳
۵۹۔	بعض عیسائی علماء کا قبول اسلام	۱۰۳
۶۰۔	صلیبیوں کا قبول اسلام	۱۰۶
۶۱۔	دوسری صلیبی جنگ کا ایک واقعہ	۱۰۵
۶۲۔	سلطان صلاح الدین اور تبلیغ اسلام	۱۰۷
۶۳۔	تیسری صلیبی جنگ	۱۰۸
۶۴۔	عیسائی مصنفین کا طرز بیان	۱۰۹
۶۵۔	ایک جرمن عالم کا قبول اسلام	۱۱۰
۶۶۔	تبدیلئ مذہب کے اسباب	۱۱۱
۶۷۔	برکارڈ کا بیان	۱۱۱
۶۸۔	ارمنی کلیسا	۱۱۳
۶۹۔	گرجستانی کلیسا	۱۱۳
۷۰۔	گرجستان میں اشاعت اسلام	۱۱۴
۷۱۔	قفقاز میں اسلام کی اشاعت	۱۱۶
۷۲۔	چرکس قوم کا قبول اسلام	۱۱۶
۷۳۔	ابخاز قوم میں اشاعت اسلام	۱۱۷
	باب چہارم: افریقہ کی عیسائی اقوام میں اسلام کی اشاعت	۱۳۱
۷۴۔	فتح مصر	۱۳۱
۷۵۔	اسلامی حکومت میں قبطیوں کی حالت	۱۳۱

Marfat.com

۷۶۔ سلطان صلاح الدین کا عہد ۱۳۵
۷۷۔ اہل نوبہ سے مسلمانوں کے تعلقات ۱۳۶
۷۸۔ نوبہ میں اسلام کی اشاعت ۱۳۸
۷۹۔ حبشہ میں اشاعت اسلام ۱۴۰
۸۰۔ احمد گراں کی فتوحات ۱۴۱
۸۱۔ مسلمانان حبشہ کی اخلاقی برتری ۱۴۲
۸۲۔ اسلام کی ترقی اٹھارویں صدی میں ۱۴۳
۸۳۔ مسلمانان حبشہ پر ظلم وستم ۱۴۴
۸۴۔ شمالی افریقہ میں اشاعت اسلام ۱۴۶
۸۵۔ کلیسا کے انحطاط کے اسباب ۱۴۷
۸۶۔ افریقی کلیسا کا زوال ۱۵۰
۸۷۔ بربری قبائل میں اسلام کی اشاعت ۱۵۰

باب پنجم: اندلس کے عیسائیوں میں اسلام کی اشاعت ۱۶۱

۸۸۔ کلیسا کا جبر وتشدد ۱۶۱
۸۹۔ اندلس کے یہود ۱۶۲
۹۰۔ غلاموں کا قبول اسلام ۱۶۲
۹۱۔ عربوں کی رواداری ۱۶۳
۹۲۔ عیسائیوں کی مذہبی آزادی ۱۶۴
۹۳۔ مستغربین ۱۶۵
۹۴۔ اسلام کے مذہبی اثرات ۱۶۷
۹۵۔ اسلام کے علمی اور تمدنی اثرات ۱۶۸
۹۶۔ قرطبہ کے مسیحی شہداء ۱۶۹
۹۷۔ اسحٰق راہب کا واقعہ ۱۶۹
۹۸۔ مرابطین کا عہد حکومت ۱۷۰
۹۹۔ مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری ۱۷۱

باب ششم: یورپ کی عیسائی قوموں میں ترکوں کے ذریعے اشاعت اسلام ۱۷۷

۱۰۰۔ سلطنت عثمانیہ ۱۷۷

Marfat.com

۱۰۱۔	سلطان محمد فاتح کی مذہبی رواداری	۱۷۷
۱۰۲۔	ترکی حکومت کی برکات	۱۷۸
۱۰۳۔	ترکوں کا عدل وانصاف	۱۷۹
۱۰۴۔	تجارتی ترقی	۱۸۰
۱۰۵۔	ینی چری	۱۸۱
۱۰۶۔	جزیہ اور اس کی مقدار	۱۸۲
۱۰۷۔	ترکوں کی مذہبی رواداری	۱۸۴
۱۰۸۔	ترکوں کا شوق تبلیغ	۱۸۵
۱۰۹۔	پروٹسٹنٹ تحریک کی ناکامی	۱۸۸
۱۱۰۔	یونانی کلیسا کی خرابیاں	۱۹۲
۱۱۱۔	ترکوں کی اخلاقی خوبیاں	۱۹۴
۱۱۲۔	ترکی فتوحات اور ان کے اثرات	۱۹۶
۱۱۳۔	عیسائی غلاموں کا قبول اسلام	۱۹۷
۱۱۴۔	البانیہ میں اشاعت اسلام	۲۰۰
۱۱۵۔	البانیہ والوں کا قومی جذبہ	۲۰۱
۱۱۶۔	البانیہ میں اشاعت اسلام کی ابتداء	۲۰۲
۱۱۷۔	پادریوں کی جہالت	۲۰۵
۱۱۸۔	قبول اسلام کا ایک عجیب واقعہ	۲۰۶
۱۱۹۔	عیسائیوں کا زوال اور اس کے اسباب	۲۰۶
۱۲۰۔	ارباب کلیسا کا کردار	۲۰۷
۱۲۱۔	عیسائیوں کی بغاوت	۲۰۹
۱۲۲۔	البانیہ والوں کی دوسری بغاوت	۲۱۰
۱۲۳۔	سرویہ میں اشاعت اسلام	۲۱۳
۱۲۴۔	باشقر قوم کے مسلمان	۲۱۳
۱۲۵۔	سرویہ میں اسلام کی اشاعت	۲۱۵
۱۲۶۔	مونٹ نیگرو میں اسلام کی اشاعت	۲۱۶
۱۲۷۔	بوسنیہ میں اسلام کی اشاعت	۲۱۷
۱۲۸۔	فرقہ بوگومیل کے عقائد	۲۱۸
۱۲۹۔	کریٹ میں اسلام کی اشاعت	۲۲۰

Marfat.com

۱۳۰۔	وینس والوں کے مظالم	۲۲۰
۱۳۱۔	ترکوں کی مذہبی پالیسی	۲۲۱
۱۳۲۔	کریٹ میں اسلام کا فروغ	۲۲۲
	باب ہفتم: ایران اور وسطی ایشیا میں اسلام کی اشاعت	۲۳۷
۱۳۳۔	ایران کے مذہبی حالات	۲۳۸
۱۳۴۔	قدیم اور جدید عقائد کی یکسانی	۲۳۸
۱۳۵۔	عربی حکومت کی رواداری	۲۳۹
۱۳۶۔	ایرانیوں کا قبول اسلام	۲۴۰
۱۳۷۔	اسمٰعیلی دعوت	۲۴۱
۱۳۸۔	وسطی ایشیا میں اسلام کی اشاعت	۲۴۲
۱۳۹۔	خوارزم میں اسلام کی اشاعت	۲۴۳
۱۴۰۔	بغرا خان کا قبول اسلام	۲۴۴
۱۴۱۔	سلاجقہ کا قبول اسلام	۲۴۵
۱۴۲۔	افغانستان میں اسلام کی اشاعت	۲۴۶
	باب ہشتم: مغلوں اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت	۲۴۹
۱۴۳۔	ابن اثیر حملۂ تاتار کے تصور ہی سے کانپ اٹھا	۲۴۹
۱۴۴۔	چنگیز خاں کے جانشین	۲۵۰
۱۴۵۔	مغلوں کا قدیم مذہب	۲۵۱
۱۴۶۔	مذاہب ثلاثہ کی مسابقت	۲۵۱
۱۴۷۔	مغلوں میں عیسائیت کی اشاعت	۲۵۲
۱۴۸۔	نسطوری مبلغ	۲۵۳
۱۴۹۔	سمرقند کا ایک واقعہ	۲۵۳
۱۵۰۔	مغل حکمرانوں کے مظالم	۲۵۵
۱۵۱۔	ایک مناظرے کی کیفیت	۲۵۵
۱۵۲۔	مغلوں کا اسلام قبول کرنا	۲۵۶
۱۵۳۔	ایران کے ایلخانیوں میں اسلام کی ترویج	۲۵۸
۱۵۴۔	تکودار کا قبول اسلام	۲۵۸
۱۵۵۔	تکودار کا مراسلہ	۲۵۹

Marfat.com

۱۵۶۔	غازان خاں کا مسلمان ہونا	۲۶۱
۱۵۷۔	چغتائی خاندان	۲۶۲
۱۵۸۔	تو قلق خاں کا مسلمان ہونا	۲۶۳
۱۵۹۔	آلتون اردو اور اسلام	۲۶۶
۱۶۰۔	اوز بک خاں کی تبلیغی کوششیں	۲۶۷
۱۶۱۔	اوز بک خاں کا ایک فرمان	۲۶۷
۱۶۲۔	روسی لوگ مسلمان نہ ہو سکے	۲۶۹
۱۶۳۔	کریمیہ میں اسلام کی اشاعت	۲۷۱
۱۶۴۔	بلاد روس میں اسلام کی اشاعت	۲۷۲
۱۶۵۔	لتھوانیا کے مسلمان	۲۷۲
۱۶۶۔	قرغیز قبائل میں اسلام کی اشاعت	۲۷۲
۱۶۷۔	قازان تبلیغ اسلام کا مرکز تھا	۲۷۵
۱۶۸۔	چواش قوم میں اسلام کی اشاعت	۲۷۷
۱۶۹۔	سائبیریا کے تاتاری مسلمان	۲۷۷
	باب نہم: ہندوستان میں اسلام کی اشاعت	۲۸۳
۱۷۰۔	ہند کے مسلمان حکمران اور اشاعت اسلام	۲۸۴
۱۷۱۔	ہندوستان کا مغلیہ دور	۲۸۶
۱۷۲۔	راجپوتوں میں اشاعت اسلام	۲۸۷
۱۷۳۔	اورنگ زیب کا عہد حکومت	۲۸۸
۱۷۴۔	ٹیپو سلطان	۲۸۹
۱۷۵۔	جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت	۲۹۲
۱۷۶۔	مالا بار میں اسلام کی اشاعت	۲۹۲
۱۷۷۔	ماپلا قوم	۲۹۴
۱۷۸۔	عبدالرزاق سمرقندی کی سفارت	۲۹۴
۱۷۹۔	نیچ ذاتوں کا قبول اسلام	۲۹۶
۱۸۰۔	جزائر مالدیپ میں اسلام کی اشاعت	۲۹۷
۱۸۱۔	لکادیپ میں اسلام کی اشاعت	۲۹۷
۱۸۲۔	دکن میں اسلام کی اشاعت	۲۹۷
۱۸۳۔	سندھ میں اسلام کی اشاعت	۲۹۸

Marfat.com

۱۸۴۔ ہندو رعایا کو مذہبی آزادی دی گئی ۲۹۹
۱۸۵۔ ایک راجا کا قبول اسلام ۲۹۹
۱۸۶۔ مسلمان تاجر اور تبلیغ ۳۰۰
۱۸۷۔ پیر صدر الدین اسمٰعیل داعی ۳۰۱
۱۸۸۔ دیگر اسمٰعیلی داعی ۳۰۱
۱۸۹۔ بوہرہ قوم کا مسلمان ہونا ۳۰۲
۱۹۰۔ کچھ میں اشاعت اسلام ۳۰۳
۱۹۱۔ بنگال میں اسلام کی اشاعت ۳۰۳
۱۹۲۔ پنجاب میں اشاعت اسلام ۳۰۶
۱۹۳۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ ۳۰۷
۱۹۴۔ اُچ کا تبلیغی مرکز ۳۰۷
۱۹۵۔ بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۳۰۸
۱۹۶۔ ہندوستان میں انفرادی تبلیغی کوششیں ۳۰۸
۱۹۷۔ مولوی عبید اللہ ۳۰۹
۱۹۸۔ مسلمان واعظین کا طریق کار ۳۱۰
۱۹۹۔ اسلامی اصلاحی تحریک ۳۱۱
۲۰۰۔ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے اسباب ۳۱۲
۲۰۱۔ اسلام میں ذات پات نہیں ۳۱۲
۲۰۲۔ نیچ ذاتوں کا مسلمان ہونا ۳۱۴
۲۰۳۔ کشمیر میں اسلام کی اشاعت ۳۱۵

باب دہم: چین میں اسلام کی اشاعت ۳۲۵

۲۰۴۔ چین میں مسلمانوں کی آمد ۳۲۵
۲۰۵۔ چین اور عالم اسلام کے سفارتی تعلقات ۳۲۵
۲۰۶۔ تانگ خاندان کا عہد حکومت ۳۲۷
۲۰۷۔ تاتاریوں کا عہد حکومت ۳۲۷
۲۰۸۔ منگ خاندان ۳۲۸
۲۰۹۔ مانچو خاندان کا عہد ۳۳۳
۲۱۰۔ فغفور چین کا فرمان ۳۳۳
۲۱۱۔ کین لُنگ کا عہد حکومت ۳۳۴

Marfat.com

۲۱۲۔ اسلام کی خفیہ تبلیغ ۳۳۵
۲۱۳۔ چینی مسلمانوں کا طرز زندگی ۳۳۷
۲۱۴۔ مسلمانوں سے چینی حکومت کا سلوک ۳۳۸

باب یازدہم: افریقہ میں اسلام کی اشاعت ۳۴۱

۲۱۵۔ شمالی افریقہ میں اسلام کی اشاعت ۳۴۱
۲۱۶۔ بربروں میں اسلام کی اشاعت ۳۴۲
۲۱۷۔ مرابطین کا ظہور ۳۴۳
۲۱۸۔ موحدین کا ظہور ۳۴۴
۲۱۹۔ مرابط کی تبلیغی تحریک ۳۴۵
۲۲۰۔ سوڈان میں اسلام کی اشاعت ۳۴۵
۲۲۱۔ تمبکتو کا اسلامی شہر ۳۴۶
۲۲۲۔ ھوسا قوم کا قبول اسلام ۳۴۷
۲۲۳۔ وسطی سوڈان میں اسلام کی اشاعت ۳۴۷
۲۲۴۔ دارفور میں اسلام کی اشاعت ۳۴۹
۲۲۵۔ شیخ عثمان دانفودیو ۳۵۰
۲۲۶۔ نائجیریا میں اسلام کی اشاعت ۳۵۲
۲۲۷۔ اسلامی طریقے ۳۵۳
۲۲۸۔ مغربی افریقہ میں اسلام کی اشاعت ۳۵۴
۲۲۹۔ طریقہ قادریہ کی تبلیغ ۳۵۵
۲۳۰۔ تجانیہ طریقہ ۳۵۵
۲۳۱۔ صمدو کا تبلیغی جہاد ۳۵۷
۲۳۲۔ سنوسی طریقہ ۳۵۸
۲۳۳۔ جغبوب کا سنوسی مرکز ۳۵۹
۲۳۴۔ سنوسیہ کی تبلیغی کوششیں ۳۵۹
۲۳۵۔ نیگرو مسلمانوں کی اخلاقی برتری ۳۶۰
۲۳۶۔ افریقہ کا مغربی ساحل ۳۶۲
۲۳۷۔ اشانتی میں اسلام کی اشاعت ۳۶۳
۲۳۸۔ ڈاھومی ۳۶۳
۲۳۹۔ مشرقی افریقہ میں اسلام کی اشاعت ۳۶۴

Marfat.com

۲۴۰۔ شہر مقدشو کی تعمیر ۳۶۵
۲۴۱۔ شیرازیوں کی آمد ۳۶۵
۲۴۲۔ یوگنڈا میں اسلام کی اشاعت ۳۶۷
۲۴۳۔ نیاسالینڈ میں اسلام کی اشاعت ۳۶۹
۲۴۴۔ گالا قوم میں اسلام کی اشاعت ۳۶۹
۲۴۵۔ سومالی قوم میں اسلام کی اشاعت ۳۷۱
۲۴۶۔ جنوبی افریقہ میں اسلام کی اشاعت ۳۷۲
۲۴۷۔ جزیرۂ میڈاغاسکر ۳۷۴
۲۴۸۔ افریقہ میں اشاعت اسلام کے طریقے ۳۷۴
۲۴۹۔ اشاعت اسلام بذریعہ تبلیغ ۳۷۵
۲۵۰۔ مسلمان مبلغ اور معلم ۳۷۶
۲۵۱۔ اسلامی اخوت اور مساوات ۳۷۷
۲۵۲۔ اسلام میں نسلی امتیاز نہیں ۳۷۸
۲۵۳۔ مسلم حبشیوں کی تمدنی ترقی ۳۸۰
۲۵۴۔ بوز ورتھ سمتھ کی شہادت ۳۸۰

باب دوازدہم: ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت ۳۸۷

۲۵۵۔ عربوں کے تجارتی تعلقات ۳۸۷
۲۵۶۔ تاجروں نے اسلام پھیلایا ۳۸۸
۲۵۷۔ سماٹرا میں اسلام کی اشاعت ۳۸۹
۲۵۸۔ ابن بطوطہ کا بیان ۳۹۱
۲۵۹۔ وسطی سماٹرا میں اسلام کی اشاعت ۳۹۱
۲۶۰۔ وھابی تحریک کا اثر ۳۹۳
۲۶۱۔ ملایا میں اسلام کی اشاعت ۳۹۴
۲۶۲۔ ریاست کیدا میں اسلام کی اشاعت ۳۹۴
۲۶۳۔ شیخ عبداللہ کی تبلیغ ۳۹۶
۲۶۴۔ جاوا میں اسلام کی اشاعت ۳۹۷
۲۶۵۔ جاوا میں اسلام کی ابتدا ۳۹۹
۲۶۶۔ وسطی جاوا میں اسلام کی اشاعت ۴۰۴
۲۶۷۔ مشرقی جاوا میں اسلام کی اشاعت ۴۰۴

Marfat.com

۲۶۸۔	مغربی جاوا میں اسلام کی اشاعت	۴۰۴
۲۶۹۔	جزائر مولکا میں اسلام کی اشاعت	۴۰۵
۲۷۰۔	بورنیو میں اسلام کی اشاعت	۴۰۸
۲۷۱۔	جزیرۂ سیلبیز میں اسلام کی اشاعت	۴۱۰
۲۷۲۔	جزیرۂ سمباوا میں اشاعت اسلام	۴۱۴
۲۷۳۔	جزیرۂ لمبوک	۴۱۴
۲۷۴۔	جزائر فلپائن میں اسلام کی اشاعت	۴۱۵
۲۷۵۔	جزائر سولو میں اشاعت اسلام	۴۱۶
۲۷۶۔	نیوگنی میں اسلام کی کیفیت	۴۱۷
	باب سیزدہم: خاتمہ کلام	۴۲۵
۲۷۷۔	تبلیغ اسلام ایک فریضہ ہے	۴۲۵
۲۷۸۔	اشاعت اسلام میں عورتوں کا حصہ	۴۲۶
۲۷۹۔	سیدہ نفیسہ کی رحم دلی	۴۲۷
۲۸۰۔	تعلیم اسلام کی سادگی	۴۲۹
۲۸۱۔	اسلام عقل پر مبنی ہے	۴۲۹
۲۸۲۔	بشپ لافرائے کی رائے	۴۳۰
۲۸۳۔	فریضۂ حج کی اہمیت	۴۳۱
۲۸۴۔	نماز باجماعت کا مؤثر نظارہ	۴۳۲
۲۸۵۔	رمضان کے روزے	۴۳۴
۲۸۶۔	اسلام کے احکام واضح ہیں	۴۳۴
۲۸۷۔	اسلام کی مذہبی رواداری	۴۳۵
۲۸۸۔	مذہبی ہنگاموں کے اسباب	۴۳۵
۲۸۹۔	مسلمانوں کی مذہبی رواداری	۴۳۶
۲۹۰۔	مسلمانوں کے میل ملاپ کا اثر	۴۳۹
۲۹۱۔	اہل اسلام کی نیک عادات	۴۳۹
۲۹۲۔	وہابی تحریک	۴۴۱
۲۹۳۔	پین اسلامک تحریک	۴۴۱

Marfat.com

	ضمیمہ اول: مسلمانوں کی تبلیغی انجمنیں	۴۴۵
۲۹۴۔	ضمیمہ دوم:	۴۴۷
	اہل اسلام اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے درمیان مناظرانہ تحریریں	
۲۹۵۔	ضمیمہ سوم: الہاشمی کا تبلیغی مراسلہ الکندی کے نام	۴۴۸
۲۹۶۔	ضمیمہ چہارم: وہ نومسلم جنہوں نے مبلغین اسلام کی براہ راست تبلیغ کے بغیر اسلام قبول کیا	۴۵۶
۲۹۷۔	فصل اول	۴۶۱
۲۹۸۔	فصل دوم	۴۶۳
۲۹۹۔	فصل سوم	۴۶۵
۳۰۰۔	مسٹر کیولیم	۴۶۵
۳۰۱۔	رسل ویب	۴۶۶
۳۰۲۔	جدید تبلیغ کے اصول	۴۶۷
۳۰۳۔	ضمیمہ پنجم: جہاد	۴۶۸

Marfat.com

دیباچہ طبع اول

از مصنف

میں ان اوراق کو انتہائی تردد اور تذبذب کی حالت میں شائع کر رہا ہوں کیونکہ ان کا موضوع بہت وسیع ہے اور میں نے کتاب کو ایسے ناموافق حالات میں لکھا ہے کہ مجھے کامیابی کی امید کم ہی نظر آتی ہے۔ جب مجھے اس کام کے لئے بہتر ساز و سامان میسر آئے گا اور مزید مطالعے کے بعد اس کتاب کی خامیوں (۱) کو دور کرنے کا موقع ملے گا تو امید ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس شعبے میں (یعنی اشاعت اسلام کی تاریخ میں) اس کتاب کے ذریعے بہتر اضافہ کر سکوں گا۔ اس غرض سے میں ان علماء و فضلاء کا تہ دل سے شکر گزار ہوں گا جو اس کتاب کو اپنی چشم التفات سے نواز کر اس پر تنقید کریں گے اور اس کی اغلاط کی اصلاح فرمائیں گے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں سینٹ آگسٹن (St.Augustine) کے الفاظ میں یہ عرض کروں گا کہ "جو شخص اس تحریر کو پڑھتا ہے کہ میں اسے خوب سمجھتا ہوں، مگر مؤلف کا قول درست نہیں ہے بلکہ وہ واقعات کو اپنے ذاتی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اور میری رائے کے خلاف چلتا ہے۔ جو شخص ایسی بات از راہ محبت و اخلاص کہے اور مجھے سمجھانے کی کوشش کرے، تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی اس تالیف سے بہت کچھ ثمر حاصل کیا ہے (۲)"

اس کتاب میں جن تاریخی زمانوں کا ذکر آیا ہے، ان میں سے کسی زمانے یا عہد پر نہ تو میں سند ہوں اور نہ ہی اس کا محقق خصوصی۔ مزید برآں اس کتاب میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں جو علماء کے درمیان زیر بحث رہ چکے ہیں، اس لئے میں نے جن مصادر سے ان واقعات کو اخذ کیا ہے، ان کا پورا پورا حوالہ دے دیا ہے۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ کتابوں کا تفصیل کے ساتھ حوالہ دینا اس امر سے بہتر ہے کہ ان کا نام و نشان دینے میں کمی یا کوتاہی کی جائے۔ ایسے حوالہ جات کے تلاش کرنے میں، جو مبہم اور ناکافی تھے، میں نے خود بڑی پریشانی اٹھائی ہے اور بڑا وقت صرف کیا ہے۔ اس لئے میں ناظرین کو اس قسم کی پریشانی سے بچانا چاہتا ہوں۔ عام ناظرین ان تفصیلی حوالہ جات کو شاید شوق خود نمائی پر محمول کریں گے مگر کیا عجب ہے کہ کوئی شائق علم ایسا ہو جو کسی بیان کی تصدیق کرنا چاہے یا کسی مضمون کی مزید تحقیق کی خواہش رکھتا ہو، ایسے شائق کو مفصل حوالہ جات، زحمت سے بچا دیں گے۔

Marfat.com

جیسا کہ تمہید میں واضح کردیا ہے، مصنف کو اس بات کا اعتراف واقرار ہے کہ یہ کتاب صرف ان تبلیغی مساعی کی تاریخ ہے جو اسلام کی اشاعت کے لئے کی گئی ہیں۔ اس میں جبر واکراہ کا کوئی ذکر نہیں ہے (۳)۔ بہر حال میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ میں سختی کے ساتھ غیر جانبدار رہوں اور اس مسیحی مورخ (فرانسیسی ص ۵، Phrantzes) کے بیان کردہ اصول کی پابندی کروں، جس نے آل عثمان کی فتوحات اور سقراط قسطنطنیہ کی تاریخ لکھی ہے۔ اس کا قول ہے کہ "مؤرخ پر لازم ہے کہ وہ تاریخ اس غرض سے نہ لکھے کہ لوگ اس کو نیک نامی کے ساتھ یاد کریں اور نہ ہی اسے بغض وکینہ یا نفرت کے جذبات سے متاثر ہو کر یا کسی کی رضامندی حاصل کرنے کے خیال سے قلم اٹھانا چاہیے، بلکہ اسے تاریخ نویسی محض تاریخ نگاری کی خاطر کرنی چاہیے، تاکہ اہل علم اس کی تالیف کے صفحات کو طاق نسیاں پر رکھنے کی بجائے اس کو ہاتھوں ہاتھ لے کر اس کی خوب اشاعت کریں۔"

میں چاہتا ہوں کہ شاہزادی باربرینی (Princess Barberini) اور ہزایکسلینسی پرنس کیجی اور موسٹ ریورنڈ ڈاکٹر پال گوئٹلس آرچ بشپ آف کلکتہ اور دی رائٹ ریورنڈ فرانس پیلسئی بشپ آف الہ آباد اور ریورنڈ ایس۔ ایس۔ آلنٹ، کیمبرج مشن دہلی اور کتب خانہ ڈاکٹر ولیم (گارڈن سوکیئر لنڈن) کے متولیوں کا شکریہ ادا کروں کیونکہ ان تمام حضرات نے نہایت فراخ دلی سے مجھے اپنے کتب خانوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔

میں جیمز کینڈی صاحب (J.Kennedy) سابق ممبر بنگال سول سروس کا خاص طور پر ممنون ہوں جنہوں نے ازراہ کرم میری تالیف سے ہمیشہ دلچسپی کا اظہار فرمایا، ان کی ہمدردی، معاونت اور ان کا علمی شغف بھی میرے لئے محرک ثابت ہوا اور میری ممنونیت کا باعث بنا۔ میں کاؤنٹ اوگو بلزانی (Conte Ugo Balzani) کا بھی مرہون منت ہوں۔ اگر وہ میری امداد نہ فرماتے تو اس کتاب کے بعض حصوں کی ترتیب وتالیف میرے لئے ناممکن ہوجاتی۔ میں مرحوم پروفیسر رابرٹسن سمتھ کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے مجھے اس بارے میں مفید مشورہ دیا کہ شمالی افریقہ کے کلیسا کی تاریخ اور مسلمان حکمرانوں کی مسیحی رعایا کی حالت کا مطالعہ کس طریق سے کرنا چاہیے۔ السنۂ سامیہ کے علماء کو ان کی وفات پر بڑا گہرا افسوس ہے اور مجھے اس خیال سے اور بھی زیادہ تاسف ہے کہ مجھے ان کی فیاضانہ امداد اور ہمت افزائی کا اعتراف کرنے کا یہی ایک موقعہ ہاتھ آسکا۔

Marfat.com

میں سر سید احمد خان بہادر کے سی۔ایس۔آئی، ایل ایل۔ڈی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، نیز اپنے فاضل دوست اور ہم کار شمس العلماء مولوی محمد شبلی نعمانی کا احسان مند ہوں جنہوں نے صدر اسلام کی تاریخ کے متعلق وسیع معلومات سے، نہایت فیاضی کے ساتھ میری مدد فرمائی۔ میں اپنے سابق شاگرد مولوی بہادر علی ایم۔اے کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آخر میں مجھے سب سے بڑھ کر اپنی زوجۂ عزیزہ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو منتشر مواد کا ایک پریشان دفتر کبھی ترتیب پا کر موجودہ کتاب کی صورت اختیار نہ کرتا۔ ان کی ہمدردی اور لگاؤ میری محنت و مشقت کا بہترین صلہ ہے۔

علی گڑھ، ۱۸۹۶ء

حاشیہ

۱۔ مثلاً صقلیہ میں اسلام کی اشاعت اور بے شمار مسلمان اولیاء کی تبلیغی کوششیں۔

۲۔ De Trinitate, 1, 5 (Migne, tom XLIII. p. 823)

۳۔ اسی لئے ناظرین اس میں آرمینیہ یا کریٹ کی زمانہ حال کی تاریخ کا کوئی ذکر نہیں پائیں گے اور نہ ہی ترکی سلطنت کی انیسویں صدی کا کیونکہ یہ صدی ان کی تبلیغی کوششوں سے خلاف معمول خالی ہے۔

Marfat.com

دیباچہ طبع ثانی

از مصنف

چونکہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن کئی سال ہوئے ختم ہو چکا ہے اور اس کے نسخوں کے متعلق لوگ اکثر استفسار کرتے رہے ہیں لہذا میں نے اس کا نیا ایڈیشن تیار کیا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ کتاب پر، اس مواد کی روشنی میں نظر ثانی کی جائے جو گذشتہ سولہ برس میں جمع ہو چکا ہے، تاہم مجھے اس بات کا دعویٰ نہیں کہ میں نے ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے جو اس عرصے میں دس سے زیادہ مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔
اسلام اور اس کے متعلقہ علوم کے متعلق اہل مغرب کی جو دلچسپی روزمرہ بڑھ رہی ہے، اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۰۶ء سے لے کر آج تک پانچ مختلف علمی رسالے ایسے جاری ہو چکے ہیں جن کا موضوع بحث کتاب ہذا کے موضوع کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ ان رسائل کے نام حسب ذیل ہیں:

Revue du Monde Musulman, publiee par La Mission Scientifique du Maroe (Páris, 1906---)

Der Islam,ss Zeitschrift fur Geschichte und Kultur des islamischen Orients (Strassburg, 1910)

The Moslem World, a quarterly Review of Current Events, Literature and thought among Mohammedans, and the progress of Christian Missions in Moslem lands (London, 1911).

Mir Islama (St. Petersgurg, 1912)

Die welt des Islams, Zeitschrift der deutschen Gesellschaft fur Islam Kunde (Berlin , 1913)

عیسائیوں کی مشنری سوسائٹیاں اب پہلے کی بہ نسبت مسلمانوں کے درمیان تبلیغی کوششوں پر زیادہ توجہ مبذول کر رہی ہیں، لہذا اس تبلیغی کام کو ان کی مطبوعات میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ جگہ مل رہی ہے۔

کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن کئی سال پہلے مکمل ہو چکا ہوتا مگر چونکہ برٹش میوزیم کا دارالمطالعہ (ریڈنگ روم) سات بجے شام کو بند ہو جاتا ہے اس لئے میرے لئے وہاں بیٹھ کر مطالعہ کرنا سوائے ہفتے (۱) کے روز عملی طور پر ناممکن رہا، لہذا میں ان احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے (پروفیسر وینسنک کی وساطت سے) لائڈن اور اوٹریخت کی یونیورسٹیوں سے کتابیں مستعار لے کر میرے کام میں آسانی پیدا کی۔ اسی طرح پیرس کے مدرسہ السنہ شرقیہ سے بھی کتابیں مستعار ملیں۔ میں مسٹر جے۔ اے۔ اولڈہیم ایڈیٹر "انٹرنیشنل ریویو آف مشنز" کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے Allgemeine Missions- Zeitschrift کی بعض مجلدات مستعار

Marfat.com

دیں، جو مجھے لنڈن میں دستیاب نہ ہوسکی تھیں۔ میں خاص طور پر ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو۔ ٹومس کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مجھے انڈیا آفس کی لائبریری سے دیگر کتابوں کے علاوہ پرنس کائتانی کی ضخیم تواریخ اسلام (Annaali dell, Islam) عرصہ دراز تک مطالعہ کے لئے عطا کی۔ یہ کتاب صدر اسلام کی تاریخ کے لئے بیش بہا ہے مگر اتنی گراں قیمت ہے کہ عام علماء اس کی خرید کی استطاعت نہیں رکھتے۔ میں ان علماء کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن پر ریویو (REVIEW) فرمایا اور مجھے قیمتی آراء سے نوازا۔ سب سے بڑھ کر میں پروفیسر گولڈ سیھر (Goldziher) کا ممنون ہوں کیونکہ انہوں نے اس کتاب سے جس گہری دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے، اس سے اس کام کو جاری رکھنے میں میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔

لنڈن ۱۹۱۳ء

حاشیہ

ا۔ سائنس اور آرٹ کا طالب علم، جنوبی کنزنگٹن (S.Kensington) کی لائبریریوں کو ہفتہ میں تین بار شام کے دس بجے تک کھلا پاتا ہے، لیکن ملک کی ایک لائبریری (B.M) کو جس کا مقصد تکمیل ہے، صرف دن ہی کے وقت کھلا پاتا ہے۔ (اب برٹش میوزیم تین دن رات کو بھی کھلتا ہے، رشید)

Marfat.com

تعارف

پیش نظر کتاب سر تھامس آرنلڈ کی شہرہ آفاق کتاب THE PREACHING OF ISLAM کا اردو ترجمہ ہے۔ جسے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے تحریر کیا ہے۔ قبل ازیں اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد عنایت اللہ دہلوی نے کیا تھا جس کی طبع اول حسب الارشاد سر سید احمد خاںؒ 1898ء میں ان کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ہوئی تھی، اور طبع دوم 1964ء میں کراچی سے ہوئی۔

سر تھامس آرنلڈ ایک انگریز عالم تھے۔ انہوں نے فلسفہ اور عیسائی مذہب کی خصوصی تعلیم کیمبرج یونیورسٹی میں حاصل کی تھی۔ ابتداء میں ان کی توجہ اسلام اور تاریخ اسلام کی طرف یورپین مستشرقین کی طرح معاندانہ ہی تھی۔ لیکن جیسے جیسے ان کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا مزاج میں اعتدال آتا گیا، یہاں تک کہ وہ اگرچہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے مگر مداحین اسلام میں شمار ہونے لگے۔ سر تھامس آرنلڈ 1888ء میں پروفیسر ہو کر علی گڑھ آئے اور پھر 1898ء میں لاہور آ گئے اور یہیں علامہ اقبالؒ نے ان سے استفادہ کیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے پروفیسر آرنلڈ کا تذکرہ "یادرفتگاں" میں کیا ہے۔ جون 1930ء میں ان کا انتقال لندن میں ہوا۔

یہ کتاب پروفیسر آرنلڈ نے زمانہ قدیم علی گڑھ میں لکھی تھی، کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت اس مذہب کے سادہ اصول اور علماء اسلام کے اخلاق حمیدہ کا نتیجہ ہے۔ یورپ کے مستشرقین کی یہ رائے تاریخی حقائق کی روشنی میں کسی طرح صحیح نہیں کہ صرف مسلمان فاتحین کی تلوار سے اسلام پھیلا۔ یہ ایک مدلل کتاب ہے اور ایک یورپین عیسائی کی لکھی ہوئی ہے جسے ہم اپنے تعلیم یافتہ طبقہ کی خدمت میں بطور شاہد عدل پیش کر رہے ہیں۔

کتاب کا ترجمہ جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (متوفی 1977ء) نے کیا ہے جو ایک محقق عالم، تاریخ اسلامی اور عربی زبان و ادب کے موضوعات پر متعدد تحقیقی کتب کے مصنف اور مترجم ہیں۔ پیش نظر کتاب "دعوت اسلام" بھی ان کا اردو ترجمہ ہے جو اصل انگریزی کتاب کے مبانی اور معانی کا صحیح ترجمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم حضرات میں اس ترجمہ کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ بناء بریں دوسرا ایڈیشن اعلیٰ کتابت، معیاری طباعت، عمدہ کاغذ اور خوبصورت جلد بندی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے قارئین اسے پہلے سے زیادہ پسند فرمائیں گے۔

8154 6

شعبہ تحقیق و مطبوعات

محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب

Marfat.com

باب اول

دعوت اسلام

تمہید:

جب سے پروفیسر میکس مولر (Max Muller) نے مسیحی مشنوں کے جلسہ دعائیہ میں، جو دسمبر ۱۸۷۳ء میں ویسٹ منسٹر ایبی میں منعقد ہوا تھا، ایک لیکچر دیا ہے، اس وقت سے علمی حلقوں میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ دنیا کے چھ بڑے مذاہب کو تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم میں بودھ مت، عیسائی مذہب اور اسلام شامل ہیں اور دوسری قسم میں ہندو مت، یہودی اور زرتشتی مذاہب داخل ہیں۔ پروفیسر موصوف نے تبلیغی مذہب کی تعریف نہایت خوبی کے ساتھ یوں کی ہے کہ " تبلیغی مذہب وہ ہے جس میں سچائی کا پھیلانا اور غیر مذاہب والوں کو اپنے مذہب میں لانا بانیٔ مذہب یا اس کے قریب العہد جانشینوں نے ایک مقدس مذہبی فریضہ قرار دیا ہو۔ یہ ایمان والوں کے دلوں میں سچائی کا وہ جوش ہے جو چین سے نہیں بیٹھتا، تاوقتیکہ وہ ان کے عقیدے سے اور قول و فعل سے اپنے تئیں ظاہر نہیں کر دیتا، اور ان کو اس وقت تک اطمینان نصیب نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ اپنا پیغام ہر فرد بشر تک نہ پہنچا دیں اور تمام بنی نوع انسان اس چیز کو تسلیم نہ کر لے جسے وہ برحق یقین کرتے ہیں"۔(۱)

اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے:

اپنے مذہب کی سچائی کے بارے میں یہی وہ جوش و خروش ہے جس کے طفیل مسلمانوں نے اسلام کے پیغام کو ان تمام ملکوں کے باشندوں تک پہنچایا ہے جہاں وہ داخل ہوئے ہیں۔ اسی لئے اسلام کا شمار صحیح طور پر ان مذاہب میں ہوتا ہے جن کو ہم مشنری یا تبلیغی کہتے ہیں۔ تبلیغ اسلام کا یہ جوش کیسے پیدا ہوا؟ وہ کون سی قوتیں تھیں جنہوں نے اس کو ابھارا اور اس تبلیغ کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے؟ یہی وہ مضامین ہیں جو تالیف ہذا کا موضوع ہیں۔ چالیس کروڑ مسلمان، جو اس وقت زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، اسی تبلیغی سرگرمی کی زندہ شہادت ہیں جو تیرہ صدیوں سے جاری ہے۔

اسلام کی تعلیمات کو اہل مغرب کے سامنے سب سے پہلے ساتویں صدی مسیحی میں ایک پیغمبر نے پیش کیا

Marfat.com

جن کے علم کے نیچے دیارِ عرب کے متفرق و منتشر قبائل آخر کار ایک متحدہ قوم کی صورت میں جمع ہو گئے تھے۔ جب ان کی رگوں میں نئی قومی زندگی کی لہریں دوڑنے لگیں اور ان کے جوش و خروش نے ان کی فوجوں کو ایک بے پناہ اور ناقابل تسخیر قوت بخشی تو وہ دنیا کے تین براعظموں پر دیگر قوموں کو مفتوح و مغلوب کرنے کے لئے سیلاب کی طرح پھیل گئے۔ سب سے پہلے شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور ایران نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ پھر وہ مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے سپین تک جا پہنچے اور مشرق میں ان کی فوجیں دریائے سندھ کو عبور کر گئیں۔ ان فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول خدا ﷺ کے پیرو، ان کی رحلت کے سو سال بعد ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے جو رومی مملکت سے بھی، جبکہ اس کے عروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا، وسیع تر تھی۔

اسلام کی روحانی فتوحات:

اگرچہ بعد ازاں اس عظیم الشان سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے اور اسلام کی سیاسی قوت کو زوال آ گیا، تاہم دین اسلام کی روحانی فتوحات بدستور بے روک ٹوک جاری رہیں۔ جب تاتاری لشکروں نے دار الخلافہ بغداد کو تاخت و تاراج کیا (۱۲۵۸ء) اور ان کی خون آشام تلوار نے عباسی خاندان کی رہی سہی شان و شوکت کا بھی خاتمہ کر دیا، یعنی اس زمانے میں جبکہ لیون اور قشتالہ کا بادشاہ فرڈی ننڈ مسلمانوں کو قرطبہ سے نکال چکا تھا (۱۲۳۶ء) اور سرزمین اندلس میں اسلام کی آخری جائے پناہ یعنی شہر غرناطہ بھی عیسائی بادشاہ کا باجگزار بن چکا تھا، عین اسی زمانے میں اسلام نے جزیرہ سماٹرا میں اپنا قدم جمایا اور مجمع الجزائر ملایا میں اپنی فاتحانہ پیش قدمی کی ابتدا کی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے اپنے سیاسی زوال اور انحطاط کے زمانے میں بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات حاصل کی ہیں، مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو موقعے ایسے آئے ہیں جبکہ وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا، سلجوق ترکوں نے گیارہویں صدی اور تاتاریوں نے تیرہویں صدی میں، مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کر لیا جس کو انہوں نے مغلوب کیا تھا۔ مسلمان مبلغین نے اپنا مذہب وسطی افریقہ، چین اور جزائر ہند چین میں بھی پھیلایا ہے، حالانکہ ان کو وہاں کسی دنیوی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی۔

وسعت عالم اسلام:

آج دین اسلام مراکش سے لے کر زنجبار تک، سیرالیون سے سائبیریا اور دیوار چین تک اور بوسنیا سے لے کر نیوگنی تک پھیلا ہوا ہے۔ بعض ملک خالص اسلامی ہیں اور بعض ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی ہے، مثلاً چین اور روس۔ ان ملکوں کی حدود سے باہر بھی اہل اسلام کی چند مختصر جماعتیں ہیں جو کفار کے

Marfat.com

درمیان رہتی ہیں مگر دین اسلام کا کلمہ پڑھتی ہیں، مثلاً:

(۱) لتھوانیا (Lithuania) کے مسلمان جو تاتاری نسل سے ہیں اور پولینڈ کی زبان بولتے ہیں۔ یہ لوگ کولو، ولنو اور گروڈنو کے اضلاع میں رہتے ہیں (۲)

(۲) کیپ کالونی کے مسلمان جو ڈچ زبان بولتے ہیں

(۳) ہندوستانی قلی یعنی مزدور، جو اپنے مذہب کو اپنے ساتھ ویسٹ انڈیا کے جزائر، برٹش گائنا اور ڈچ گائنا میں لے گئے ہیں۔ گذشتہ سالوں میں انگلستان، شمالی امریکہ، آسٹریلیا اور جاپان میں بھی چند لوگ اسلام کے حلقہ بگوش بن چکے ہیں۔

روئے زمین کے اس قدر وسیع حصے میں اسلام نے جو اشاعت پائی ہے، اس کے کئی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی اسباب ہیں، مگر سب سے قوی سبب اس عظیم الشان کامیابی کا یہ ہے کہ مسلمان مبلغین نے اس بارے میں انتھک کوشش کی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے تھا، چنانچہ انہوں نے کفار اور منکرین کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لئے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا ہے۔

فریضۂ تبلیغ:

اسلام کی تاریخ میں فریضۂ تبلیغ ایسی چیز نہیں کہ اس کا خیال بعد کے زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ یہ وہ فرض ہے جو مسلمانوں پر ابتدا ہی سے عائد کر دیا گیا تھا، جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے جن کو ان کے اوقات نزول کے اعتبار سے یہاں ترتیب دیا گیا ہے:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (سورہ النحل: آیہ: ۱۲۵)

یعنی اے رسول ﷺ! لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو جو بہت اچھا ہو۔

وَإِنَّ الَّذِيْنَ أُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ (سورۃ الشوریٰ، آیات ۱۴۔۱۵)۔

Marfat.com

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کے بعد ورثے میں کتاب پائی ہے، وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں، اس لئے ان کو بلایئے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے، جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے، اور کہہ دیجئے کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو خدا نے اتاری ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا اور ہمیں اسی کے پاس لوٹنا ہے۔

ایسے ہی احکام ان مدنی سورتوں میں پائے جاتے ہیں جو ایسے زمانے میں نازل ہوئیں جبکہ رسول خدا ﷺ کے زیر فرمان ایک بڑی فوج تھی اور ان کی قوت اپنے اوج کمال پر تھی۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۠ (سورہ آل عمران، آیہ: ۲۰)۔

یعنی وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے، اور (عرب کے وہ لوگ) جو ان پڑھ ہیں، ان سے پوچھیے کہ کیا تم خدا کے سامنے جھکتے ہو؟ اگر انہوں نے بات مان لی تو وہ بے شک ہدایت پر ہیں اور اگر انہوں نے نہ مانی تو تیرا کام محض پیام پہنچانا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خوب پہچانتا ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ آل عمران۔ آیات ۱۰۳۔ ۱۰۴)

یعنی اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہیں جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے منع کریں اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ الحج، آیات ۶۷۔۶۸)

ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چلتی ہے۔ پس اس بارے میں تجھ سے کوئی نہ جھگڑے اور تو اپنے پروردگار کی طرف بلا۔ بے شک تو سیدھے راستے پر ہے۔ اور اگر لوگ تجھ سے جھگڑیں تو کہہ

Marfat.com

دے کہ جو تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات سورۂ توبہ سے نقل کی جاتی ہیں جن کی نسبت خیال ہے کہ وہ سب سے آخر میں نازل ہوئی تھیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (سورۃ التوبہ، آیہ ٦)

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے تا کہ وہ خدا کا کلام سنے، پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دے۔

ان منکروں کی نسبت جنہوں نے اپنے عہد و پیمان توڑے تھے اور جنہوں نے "اللہ کی آیات کو تھوڑے مول کے بدلے بیچ ڈالا، اور لوگوں کو اس کے راستے سے روکا"۔ اور وہ جنہوں نے کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت داری کی پروا کی اور نہ عہد و پیمان کی "ان کی نسبت کہا گیا کہ:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (سورۃ توبہ، آیہ:۱۱)۔

یعنی اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ پس ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

جبر و اکراہ کی ممانعت:

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام ابتدا ہی سے نظریہ، اور عمل، دونوں کے اعتبار سے ایک تبلیغی مذہب رہا ہے۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ کی سیرت اس امر کی روشن مثال ہے اور آپ ﷺ خود مبلغین اسلام کے اس طویل سلسلے کے سرخیل ہیں جنہوں نے کفار کے دلوں میں اپنے دین کے لئے راہ پیدا کر لی ہے۔ اگر اسلام کے تبلیغی جوش کا ثبوت تلاش کرنا ہو تو اسے کسی جابر شخص کی ایذا رسانی یا متعصب آدمی کے غیظ و غضب میں ڈھونڈنا عبث ہے۔ اسی طرح مسلم مجاہد کی وہ خیالی تصویر بھی حقیقت سے بہت دور ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن دکھایا گیا ہے (۳)۔ اسلام کی صحیح روح کا مظہر وہ مسلمان مبلغ اور تاجر ہیں جنہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے دین کو روئے زمین کے ہر خطے میں پہنچایا ہے۔ تبلیغ دین کے یہ پر امن طریقے صرف اس زمانے میں اختیار نہیں کیے گئے جبکہ سیاسی حالات نے جبر و اکراہ کے استعمال کو ناممکن یا خلاف مصلحت بنا دیا تھا، بلکہ قرآن

Marfat.com

شریف کی بہت سی آیات میں ایسے پرامن طریقوں کی سخت تاکید آئی ہے۔

پرامن تبلیغ کی تاکید:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ (سورہ المزمل: آیات ۱۰۔۱۱)

یعنی صبر کر اس بات پر جو وہ کہتے ہیں اور ان سے اچھے طریق پر الگ تھلگ ہو جا

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۔۔۔۔۔۔۔۔ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ (سورۃ الجن، آیہ: ۲۴)

یعنی کہہ دے، کہ میرے اختیار میں نہ تو تم کو نقصان پہنچانا ہے اور نہ ہی فائدہ ۔۔۔ میں تو محض خدا کی طرف سے پیغام لاتا ہوں اور اس کے احکام پہنچا دیتا ہوں۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ (سورۃ الجاثیہ، آیہ: ۱۴)

یعنی مومنوں سے کہہ دو کہ ان لوگوں سے درگزر کرو جو ان ایام کے آنے کی امید نہیں رکھتے جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدل دے گا (سورۃ الجاثیہ، آیہ: ۱۴)

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝

یعنی مشرکین نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم نہ تو اس کے سوا کسی کو پوجتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم خدا کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام جانتے۔ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی کیا ہے۔ پھر کیا پیغمبروں پر اس کے سوا اور کوئی فریضہ ہے کہ وہ (لوگوں تک) صاف صاف پیغام پہنچا دیں؟

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ (سورۃ النحل، آیہ: ۸۲)

یعنی اگر وہ نہ مانیں تو تیرا کام صرف حکم کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ

Marfat.com

أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ (سورۃ العنکبوت، آیہ ۴۶)

یعنی اہل کتاب کے ساتھ، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے، جھگڑا مت کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہت اچھا ہو اور کہہ دو کہ ہم اس پر جو ہم پر اتارا گیا ہے اور تم پر اتارا گیا ہے، ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اسی کو مانتے ہیں۔

فَإِنْ أَعْرَضُوْا فَمَآ أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (سورۃ الشوریٰ، آیہ:۴۸)

یعنی اگر وہ رخ پھیر لیں تو ہم نے تجھ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ تجھ پر صرف پیغام کا پہنچانا فرض ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ (سورۃ یونس، آیہ:۹۹)

یعنی اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگ، جو روئے زمین پر ہیں، ایک ساتھ ایمان لے آتے۔ کیا تو لوگوں پر دباؤ ڈالے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں؟۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔۔الخ (سورۃ سبا، آیہ:۲۸)

یعنی ہم نے نہیں بھیجا تجھ کو تمام لوگوں کی طرف مگر اس لئے کہ آپ خوش خبری دیں اور ڈرائیں

یہ ہدایات صرف مکی سورتوں ہی میں نہیں ہیں بلکہ ان سورتوں میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جو مدینے میں اتریں:

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ۔۔۔الخ (سورۃ البقرہ، آیہ:۲۵۶)

یعنی دین کے معاملے میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ (سورۃ تغابن، آیہ:۱۲)

یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم روگردانی کرو تو ہمارے پیغمبر کا کام صرف صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے۔

قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ (سورۃ النور، آیہ:۵۴)

یعنی کہہ دیجئے اے رسول! کہ اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول کی فرماں برداری کرو، اور اگر وہ

Marfat.com

روگردانی کریں تو اس کا فرض وہ ہے جو اس پر ڈالا گیا اور تمہارا فرض وہ ہے جو تم پر ڈالا گیا۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور نہیں ہے رسول پر کوئی ذمہ داری مگر حکم کو صاف صاف پہنچا دینا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۹﴾ (سورۃ الحج، آیہ:۴۹)

یعنی کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو صرف تم کو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۹﴾۔ (سورۃ الفتح، آیات ۸-۹)

یعنی ہم نے تجھ کو حق بتانے والا، لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح کرو صبح وشام۔

وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ (سورۃ المائدہ، آیہ: ۱۳)

تم (اب) بھی ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر (جو وہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہوئے کرتے رہتے ہیں) اطلاع پاتے رہتے ہو اور بہت تھوڑے ہیں جو ایسا نہیں کرتے (پس اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے کہ ان کی (ان خیانتوں سے) درگزر کرو، اور ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو۔ بلاشبہ اللہ ان کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں!!۔

یہ کتاب تبلیغ اسلام کی تاریخ ہے:

ذیل کے صفحات سے اس بات کی توضیح مقصود ہے کہ تبلیغ دین کے اس اعلیٰ تخیل کو تاریخ اسلام میں کس طرح عملی صورت دی گئی، اور تبلیغ کے اصول کو مبلغین اسلام کیونکر عمل میں لائے۔ قارئین کرام کو یہ بات ابتدا ہی سے بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ کتاب اس جبر واکراہ کی تاریخ نہیں ہے جس کا بعض مسلمانوں نے ارتکاب کیا، بلکہ یہ اسلامی مشن کی تاریخ ہے، لہذا اس تالیف کی غرض وغایت یہ نہیں کہ اسلام کے جبری اشاعت کی جو مثالیں اسلامی تاریخوں میں جا بجا پائی جاتی ہیں، ان کو قلمبند کیا جائے۔ یورپ کے مصنفوں نے ایسی مثالوں پر اس قدر زور دیا ہے کہ ان کے فراموش ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو دعوت اسلام کی تاریخ میں ان کا ذکر نہیں آ سکتا۔ مثلاً مسیحی مشن کی تاریخ میں ہم قدرتی طور پر اس بات کی توقع رکھیں گے کہ سینٹ لیوڈگر (St. Liudger) اور سینٹ ولہڈ (St. Willehad) کی کوششوں کا زیادہ ذکر آئے جو انہوں نے

Marfat.com

بت پرست سیکسن قوم کو عیسائی بنانے میں صرف کیں، بہ نسبت ان بپتسموں یعنی اصطباغوں کے جو شہنشاہ شارلمین نے اس قوم کو بنوک شمشیر دیئے (۴)۔ اسی طرح ڈنمارک میں مسیحی مذہب کے حقیقی مبلغ سینٹ انسگر (St.Ansgar) اور اس کے خلیفہ تھے، نہ کہ بادشاہ کنوٹ (Cnut) جس نے اپنی مملکت میں بت پرستی کی جبری طور پر بیخ کنی کی۔ (۵) اگرچہ ایبٹ گوٹفریڈ (Abbot Gottfried) اور بشپ کرسچن (Bishop Christian) کو پرشیا (Prussia) کی بت پرست قوم کو عیسائی بنانے میں کم کامیابی ہوئی، تاہم وہ مسیحی تبلیغی سرگرمی کے بہتر نمائندے تھے بہ نسبت ان مسیحی اخوان السیف (Brethren of the Sword) اور دیگر صلیبی محاربین کے جنہوں نے اپنی مساعی کو تلوار اور آگ کی راہوں سے تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح Ordo fratrum Militiae Christi یعنی اخوان المسیحیین کے جنگجو بہادروں نے لوونیہ (Livonia) کے باشندوں پر زبردستی عیسائیت کو ٹھونسا، مگر اس ملک میں عیسائیت کے حقیقی مبلغ یہ لوگ نہ تھے بلکہ مائن ہارٹ (Meinhard) اور تھیوڈورک (Theodoric) راہب تھے۔ یسوعی (Jesuit) فرقے کے مبلغین (۶) نے بعض اوقات جو تشدد اختیار کیا، اس سے اس تعظیم و توقیر میں کچھ فرق نہیں آ سکتا جس کے سینٹ فرانس زیویر (Fr. Xavier) اور اس فرقے کے دوسرے واعظین مستحق ہیں۔ ۱۶۹۹ء میں جزیرہ امبونا کے راجاؤں کے نام ایک فرمان جاری ہوا کہ جب پادری دورہ کرتا ہوا ان کے پاس پہنچے تو ان کو چاہیے کہ بت پرستوں کی ایک خاص تعداد اصطباغ پانے کے لئے حاضر رکھے (۷)، مگر اس حکم نامے سے ہم یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ ولن ٹائن (Valentyn) کا درجہ اس جزیرے کے مسیحی مبلغ ہونے کی حیثیت سے کم ہو گیا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی تاریخ میں تبلیغی کوششوں میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ تبلیغی سرگرمی کے بعد جمود و غفلت کا زمانہ آتا رہا ہے یا پرامن تبلیغ کی بجائے جبر و اکراہ سے کام لیا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخ اسلام کے مختلف زمانوں میں بھی تبلیغ دین میں مد و جزر آتا رہا ہے۔ لیکن چونکہ تبلیغ کا جوش و خروش دونوں مذہبوں کا امتیازی خاصہ رہا ہے اس لئے اشاعت دین کی تاریخ کو بحث و تحقیق کا ایک الگ موضوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ تحقیق و تمحیص کے دائرے سے مذہبی زندگی کے دوسرے مظاہر خارج کر دیئے جائیں، بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ مذہبی زندگی کے اس تبلیغی پہلو پر خاص توجہ مبذول کی جائے جس کی اپنی علیحدہ امتیازی خصوصیات ہیں۔ لہذا مسیحیت اور اسلام دونوں مذہبوں میں پرامن تبلیغ کی تاریخ کا مطالعہ جبر و اکراہ کے واقعات سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں مذہبوں میں تبلیغ کے پرامن اور جبری طریقے بعض اوقات آپس میں خلط ملط ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ مسیحی مذہب کی اشاعت میں ہمیشہ ایسے جبری طریقے اختیار نہیں کئے

Marfat.com

گئے جیسے کہ شاہ اولاف (Olaf Trygvesson) نے ملک ناروے کے جنوبی خطہ وکن میں استعمال کئے تھے۔ جو لوگ عیسائی مذہب قبول کرنے سے انکار کرتے، وہ ان کو قتل کر دیتا یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا یا ان کو جلاوطن کر دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اس طریقے سے وکن کے تمام علاقے میں عیسائی مذہب کو پھیلا دیا۔ (۸) اسی طرح سینٹ لوئس کی نصیحت کو دین مسیح کی تبلیغ کا اصول نہیں بنایا گیا، جس کا قول یہ تھا کہ "جب کوئی عیسائی عیسوی شریعت کی مذمت میں کوئی کلمہ سنے تو اس کو چاہیے کہ وہ دین کی حمایت میں تلوار کو اس طرح استعمال کرے کہ اسے منکر دین کے پیٹ میں ساری کی ساری گھونپ دے" (۹) بعینہ اسی طرح اہل اسلام میں بھی ایسے مبلغین گزرے ہیں، جنہوں نے تبلیغ دین میں صرف پر امن وسائل اختیار کئے ہیں، اور اموی خاندان کے آخری حکمران مروان کے اس وحشیانہ مقولے کو اپنے لئے مشعل راہ نہیں بنایا جس نے بقول عیسائی مؤرخ سیویروس (Severus) کہا تھا کہ "اہل مصر میں سے جو شخص میرے دین میں داخل نہیں ہوتا اور میری طرح عبادت نہیں کرتا اور میرے عقائد کی پیروی نہیں کرتا، میں اسے قتل کر کے سولی پر چڑھا دوں گا" (۱۰) اسی طرح خلیفہ المتوکل، الحاکم (خلیفہ مصر) اور ٹیپو سلطان کو اسلام کا مثالی اور معیاری مبلغ تصور نہیں کیا جا سکتا، اور ہم مولانا ابراہیم مبلغ جاوا، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور بے شمار دیگر واعظین اور مبلغین اسلام کو نظر انداز نہیں کر سکتے، جنہوں نے اپنے دین کی اشاعت محض پر امن طریقوں سے کی تھی۔

اگرچہ تبدیل مذہب کے ان واقعات کے درمیان جو جبر واکراہ یا پر امن تبلیغ کا نتیجہ ہیں صاف صاف تمیز کی جا سکتی ہے، تاہم ان اسباب اور محرکات کا دریافت کرنا آسان نہیں جن سے کسی شخص کو تبدیل مذہب کی ترغیب ہوئی۔ اسی طرح اس امر کا دریافت کرنا بھی آسان نہیں ہے کہ آیا مبلغ کے لئے محض دیگر نفوس کی محبت محرک ثابت ہوئی اور آیا اس کے پیش نظر بھی تبلیغ دین کا وہی بلند مقصد اور اعلیٰ تخیل موجود تھا جس کا باب ہذا کے ابتدائی جملے میں ذکر آیا ہے؟ عیسائیت اور اسلام دونوں مذہبوں میں ایسے سنجیدہ مزاج اشخاص موجود رہے ہیں جن کے لئے ان کا دین و مذہب ان کی زندگی کی اعلیٰ ترین حقیقت رہی ہے۔ روحانی معاملات میں ان کی گہری دلچسپی کا اظہار یوں ہوا کہ انہوں نے ان حقائق کو، جنہیں وہ عزیز رکھتے تھے، دوسروں تک پہنچانے میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیا اور جن مذہبی عقائد و قواعد کو وہ مکمل سمجھتے تھے، ان کو فتح یاب کرنے میں انہوں نے بڑا جوش وخروش دکھلایا۔ یہی مذہبی جوش و خروش اور یقین دنیا کی تمام تبلیغی تحریکوں کا محرک رہا ہے۔ بعض متین لوگ دین کے دائرے سے باہر تھے۔ انہوں نے مبلغین کی دعوت پر لبیک کہا اور نئے دین کو اسی جوش وخروش کے ساتھ قبول کیا۔ اس کے برعکس عیسائیوں کی طرح پیروان اسلام میں بھی بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کے لئے مذہبی رسوم و آداب ان کی سیاسی حکمت

Marfat.com

عملی کے لئے محض آلہ کار تھے یا اجتماعی نظام کی ایسی صورتیں تھیں جو باوجود ناخوشگوار ہونے کے ضروری اور ناگزیر تھیں، اور ایسے مسائل کا ایک آسان حل پیش کرتی تھیں جن کے بارے میں وہ خود سوچ بچار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس قسم کے افراد ان لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنا قدیمی مذہب چھوڑ کر عیسائیت یا اسلام کو اختیار کیا۔ چنانچہ عیسائیت اور اسلام دونوں مذہبوں کے پیروؤں میں ایسے طریقوں سے اس قسم کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالات میں اضافہ ہوا ہے جن کو تبلیغ دین کے صحیح مقاصد اور غرض و غایت کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ علاوہ ازیں تبلیغ کی تاریخ میں تبدیلِ مذہب کے متعدد واقعات کا ذکر آتا ہے، مگر تبدیلِ مذہب کے جو حقیقی محرکات اور اسباب تھے، ان کے تجزیے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے تبلیغ اسلام کی تاریخ میں مواد کی بے حد کمی ہے، کیونکہ اسلامی لٹریچر میں تبدیل مذہب کے اس قسم کے واقعات بہت کم ملتے ہیں جو عیسائیوں کی دینی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان وجوہ سے تبلیغ اسلام کی اس تاریخ میں ہر موقع پر اس بات کی صراحت کرنا ممکن نہ تھا کہ لوگوں نے اپنا مذہب سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی اغراض سے تبدیل کیا، یا اس امر میں محض دینی محرکات کارفرما تھے! اگرچہ کہیں کہیں ان محرکات اور اسباب میں سے کسی ایک سبب کی طرف اشارہ مل جاتا ہے۔

Marfat.com

حواشی

۱) ملاحظہ ہو "Fortnightly Review" جولائی ۱۸۷۴ء، مسٹر لیال (Lyall) کے مقالے "تبلیغی مذاہب" پر تبصرہ

۲) Reclus, vol v, p. 433: Gastowtt.p. 320

۳) اسلامی فتوحات کی یہ غلط توجیہہ وتاویل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ وہ جنگیں، جو دراصل کفار کے ملکوں میں اسلامی حکومت وسطوت قائم کرنے کے لئے لڑی گئیں تھیں، ان سے غیر مسلموں کا تبدیل مذہب مقصود تھا۔ گولڈ سیئر (Goldziher) نے سلطنت اسلام کی توسیع اور مذہب اسلام کی تبلیغ کے درمیان بہت خوبی سے تمیز کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "حضرت محمد (ﷺ) نے دیارعرب میں کفار کے ساتھ جو محاربہ کیا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی وصیت کی، اس میں انہوں نے کفار کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اس بات پر کہ ان کو اپنے دائرہ حکومت میں داخل کیا جائے جو بالفاظ دیگر حکومت الٰہیہ تھی۔ لہذا صدر اسلام کی اسلامی فتوحات کے دوران بھی مسلمان مجاہدین کا مقصد اولین یہ نہیں تھا کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے بلکہ ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ ان کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا جائے۔" (Vorlesungen Uber Den Islam, p.25)

۴) مؤرخ انہارڈی (Enhardi) اپنی تاریخ میں بذیل ۷۷۷ء لکھتا ہے کہ "بہت سے معرکوں اور قتل عام کے بعد سیکسن لوگ برباد ہوگئے اور آخر کار جبراً عیسائی بنالیے گئے اور فرنگیوں (Franks) کے مطیع ومنقاد ہوگئے۔"

۵) مذہب کی اشاعت کے جوش سے مشتعل ہو کر اس نے غیروں کی سلطنت کے خلاف جہاد کیا اور مفتوح اور مغلوب قوموں کی گردنوں پر عیسائی مذہب کا جوا رکھ دیا۔

۶) ملاحظہ ہو ایم۔ وی کروز (Croze) کی کتاب "تاریخ نصرانیت در ہند" ہیگ، ۱۷۲۴ء ص ۵۲۹۔ ۵۳۱

۷) تاریخ ادیان، جلد ۱۱، ص ۸۹۔

۸) ک۔ مورر (Maurer) عیسائیت، میونخ، ۱۸۵۵ء، جلد ۱، ص ۲۸۴۔

۹) ملاحظہ ہو: جے، جون ول (Joinville) سینٹ لوئیس ص ۳۰۔

۱۰) سویرس (Severus) ص ۱۹۱: (۱۱۔۲۱۔۲۲)۔

Marfat.com

باب دوم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مبلغ اسلام

اس باب کی تحریر سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کے متعلق جو بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ایک اور سوانح عمری کا اضافہ کریں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان کی زندگی کے ایک خاص پہلو کا مطالعہ کیا جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کیسے کی اور لوگوں تک نیا مذہب کیسے پہنچایا؟ اسلام کے بانی اور اس کے پہلے مبلغ کی زندگی سے ہمیں بجا طور پر یہ توقع ہوسکتی ہے کہ اس مذہب کی تبلیغی کوششوں کی اصلی اور حقیقی صورت ہم پر واضح ہو جائے۔ اگر ایک عام مسلمان کے لئے رسول خدا ﷺ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہوسکتی ہے تو ایک مسلمان مبلغ کے لئے وہ بالضرور ایک اعلیٰ نمونہ ثابت ہوگی۔ تبلیغ اسلام میں رسول خدا ﷺ نے جو عمدہ مثال قائم کی، اس سے ہمیں اس جوش اور حمیت کا کسی قدر انداز ہوسکتا ہے جو پیروان اسلام کے لئے محرک ثابت ہوئی اور ان طریقوں کا علم حاصل ہوسکتا ہے جو انہوں نے اپنا دین پھیلانے کے لئے اختیار کئے ہوں گے، کیونکہ اسلام کی تبلیغ ایسی بات نہیں کہ اس کا خیال بعد میں پیدا ہوا ہو۔ بلکہ یہ خیال اسلام میں ابتدا ہی سے جاری وساری رہا ہے۔ چنانچہ ذیل کے مختصر بیان سے اس امر کی توضیح مقصود ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ایک مسلمان مبلغ کے لئے کیسا نمونہ پیش کیا ہے۔ لہذا رسول خدا ﷺ کی زندگی کے ابتدائی حالات بیان کرنا یا ان واقعات کا ذکر کرنا جن کے زیر اثر آپ ﷺ نے نشوونما پائی، یا ان کا ایک مدبر ملک یا سپہ سالار کی حیثیت سے جائزہ لینا اس موقع پر خارج از بحث ہے، بلکہ ہم آپ ﷺ کی سیرت پر محض داعی اسلام کی حیثیت سے نگاہ ڈالیں گے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

جب ایک مدت دراز کی اندرونی کشمکش اور بے چینی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی رسالت اور اپنے مامور من اللہ ہونے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی کہ خود اپنے اہل خاندان کو اس نئے مذہب حق کو قبول کرنے کی دعوت دیں، جس کی بنیاد ان سادہ حقائق پر تھی کہ خدا ایک ہے، بت پرستی ایک نجس اور قابل نفرت چیز ہے اور اپنے خالق کی رضامندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا انسان کا فرض اولین ہے۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر آپ ﷺ کی وفادار اور شفیق زوجہ حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ حضرت خدیجہؓ نے بعثت سے پندرہ سال پہلے اپنے غریب قرابت دار کے ذریعے آنحضرت ﷺ کے عقد میں آنے کی

Marfat.com

پیش کش کی تھی اور اس سے پیشتر آپ کے سرمائے سے آنحضرت ﷺ ایک نمائندے کے طور پر کامیاب طور پر تجارت کر چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ سے یہ الفاظ کہے تھے کہ "اے چچازاد بھائی! مجھے آپ سے اس لئے تعلق خاطر ہوا ہے کہ آپ میرے قرابت دار ہیں اور آپ کی دیانت داری، راست گفتاری اور حسن اخلاق کی وجہ سے لوگ آپ کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں" (۱)۔ حضرت خدیجہؓ نے رسول خدا ﷺ کو افلاس کی حالت سے نکالا اور اس قابل بنا دیا کہ آپ ﷺ اس درجے اور رتبے کی زندگی بسر کریں جس کے آپ ﷺ اپنے عالی نسب ہونے کی بناء پر مستحق تھے۔ مگر یہ مالی امداد اس وفاداری اور محبت آمیز فداکاری کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی جس سے آپ اپنے شوہر کی دماغی پریشانیوں کو دور کرتی تھیں، اور دل شکستگی اور مایوسی کے عالم میں ان کی ڈھارس بندھاتی تھیں اور اپنی شفقت آمیز ہمدردی سے ان کی دل جمعی کا سامان بہم پہنچاتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ نے پچیس سال کی ازدواجی زندگی کے بعد ۶۱۹ء میں انتقال کیا۔ ان کی وفات کے وقت تک جب کبھی دشمنوں نے آنحضرت ﷺ کو ستایا یا شک وشبہ نے ان کے دل میں راہ پائی، تو حضرت خدیجہؓ نے ہمیشہ ان کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت دیا، ان کو تسلی وتشفی دی اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ رسول خدا ﷺ کا ایک سیرت نگار لکھتا ہے کہ "حضرت خدیجہؓ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائیں اور خدا کی طرف سے جو پیغام وہ لائے تھے اس کی تصدیق کی اور ان کے کام میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے میں انہوں نے سبقت کی، اور انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا بوجھ ہلکا کیا۔ چنانچہ جب کبھی لوگوں کی تردید و تکذیب سے رسول خدا ﷺ غمگین ہو جاتے اور وہ اس حالت میں حضرت خدیجہ کے پاس آتے تو اللہ تعالیٰ ان ہی کے ذریعے سے ان کا رنج وغم دور کرتا۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ رسول خدا ﷺ کی ڈھارس بندھاتی تھیں، ان کے غم و اندوہ کو ہلکا کرتیں اور ان کی تصدیق کر کے آپ کے لئے لوگوں کے معاندانہ رویہ کو برداشت کرنا آسان بنا دیتیں" (۲)

مومنین سابقین:

مومنین سابقین میں رسول خدا ﷺ کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور آپ ﷺ کے یار غار حضرت ابو بکرؓ شامل ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی نسبت آنحضرت ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے جب کبھی کسی شخص کو دین اسلام کی طرف بلایا تو اس نے تردد، تذبذب اور پریشانی کا اظہار کیا، سوائے ابو بکرؓ کے۔ جب میں نے ان کو اسلام کی بابت بتایا تو انہوں نے نہ توقف کیا اور نہ ہی کسی پریشانی کا اظہار کیا۔"

حضرت ابو بکرؓ ایک مال دار تاجر تھے اور شہر کے لوگ ان کی دیانت داری، ذہانت اور لیاقت کی وجہ سے ان کی بہت

Marfat.com

عزت کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنی دولت کا اکثر حصہ ان مسلمان غلاموں کو خریدنے اور آزاد کرنے میں صرف کر دیا جن کے آقا ان پر محض اس وجہ سے ظلم کرتے تھے کہ انہوں نے جناب رسالت مآب ﷺ کی تعلیم و تلقین کو قبول کر لیا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کی کوشش سے مومنین سابقین میں سے حسب ذیل پانچ اکابر، مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوئے: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، جو آئندہ چل کر فاتح عجم ہوئے۔ زبیر بن العوامؓ جو رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ دونوں کے قرابت دار تھے۔ طلحہؓ بن عبید اللہ جنہوں نے زمانہ مابعد میں اپنی شجاعت سے بڑا نام پیدا کیا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ جو ایک مال دار سوداگر تھے اور حضرت عثمان بن عفانؓ جو خلیفہ ثالث ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ابتدائے اسلام میں بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ان کے چچا نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا اور کہا" کیا تو ایک نئے مذہب کو اپنے آبائی دین پر ترجیح دیتا ہے؟ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تو اس نئے مذہب کو، جس کی تو پیروی کرتا ہے، ترک نہ کرے گا، میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گا"۔ جب ان کے چچا نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ اپنے دین میں بہت پکے ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔

مسلمانوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا گیا، خصوصاً غلاموں اور مفلس لوگوں میں سے متعدد اشخاص نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح سے رسول اکرم ﷺ اپنی رسالت کے ابتدائی تین سالوں میں اپنے پیرووں کی ایک مختصر سی جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب ان پوشیدہ اور خاموش کوششوں میں آپ ﷺ کو کامیابی حاصل ہوئی تو اس سے آپ ﷺ کی ہمت بندھی اور آپ ﷺ نے اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی اور اپنے خاندان والوں کو جمع کیا، ان کو نئے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی اور فرمایا" اہل عرب میں سے کسی شخص نے اپنی قوم کو وہ نعمتیں پیش نہیں کیں جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ میں تمہیں اس دنیا کی اور آخرت کی فلاح پیش کرتا ہوں۔ کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے؟" تمام لوگ خاموش رہے، صرف حضرت علیؓ لڑکپن کے جوش میں پکار اٹھے کہ "اے رسول خدا! میں تمہاری مدد کروں گا۔" اس پر تمام لوگ ہنس پڑے اور مجمع برخاست ہو گیا۔

اگرچہ اس مرتبہ آپ کو ناکامی ہوئی مگر آپ ﷺ نے ہمت نہ ہاری اور دیگر موقعوں پر ان کو بار بار اسلام کی طرف بلایا، مگر انہوں نے ان کے پیغام اور ان کی وعید کا جواب استہزاء و حقارت سے دیا۔

اہل مکہ کی مخالفت:

قریش مکہ نے کئی بار کوشش کی کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب کو اس خیال سے کہ وہ ہاشم خاندان کے سردار تھے جس سے رسول خدا ﷺ بھی تھے، اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ آپ ﷺ کو قریش کے آبائی مذہب پر حملہ کرنے سے روکیں، اور قریش نے دھمکی بھی دی کہ بصورت دیگر ان کے خلاف سخت رویہ اختیار

Marfat.com

کیا جائے گا۔ چنانچہ ابو طالب نے ان کے حسب منشا رسول خدا ﷺ سے کہا کہ اپنے اور اپنے خاندان کے سر پر آفت نہ لائیں۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ "اگر لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر اور مجھ سے کہا جائے کہ اس کام کو ترک کر دوں، تو اس کام کو ہرگز نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ خدا اس کو غالب کر دے یا میں اس کے حصول کی کوشش میں جان دے دوں۔" ابو طالب اس دلیرانہ جواب سے بہت متاثر ہوئے اور پکار اٹھے "اے میرے بھتیجے! جاؤ اور جو چاہو کہو، بخدا میں تجھے کبھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔"

قریش مکہ نئے دین کی ترقی کو روز افزوں بے اطمینانی اور عداوت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے فرض منصبی سے باز رکھنے کے لئے ہر ممکن حیلہ اور ذریعہ استعمال کیا۔ کبھی ڈرایا دھمکایا، کبھی وعدہ و وعید سے کام لیا، کبھی بے عزتی کی اور کبھی دنیوی عز و جاہ کا لالچ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار دشمنوں نے آنحضرت ﷺ کو بہت برا بھلا کہا اور جب آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قریش کی اس بدسلوکی کی خبر ملی تو انہیں اس بات سے نہ صرف انتہائی رنج پہنچا بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمدردی کا ایسا قوی جذبہ پیدا ہوا کہ انہوں نے کھلم کھلا مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اس طریق سے حضرت حمزہؓ، جو پہلے آنحضرت ﷺ کے مخالف تھے، آپ ﷺ کے ایک ثابت قدم پیرو بن گئے۔ حضرت حمزہؓ کا واقعہ اس ہمدردی کی واحد مثال نہیں جو بعض لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کی تکالیف دیکھ کر پیدا ہوئی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس زمانے میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے دل میں نئے دین کو اچھا سمجھتے تھے مگر اس کی آخری فتح کے دن تک اپنی مجبوریوں کی بناء پر اپنے عقیدے کا اعلان نہ کر سکے۔

مشرکین کی ایذا رسانی:

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، اسی نسبت سے قریش کی مخالفت بھی بڑھتی گئی۔ وہ اس کو بخوبی سمجھتے تھے کہ نئے دین کی کامیابی سے ان کا قومی مذہب اور قومی عبادت گاہیں برباد ہو جائیں گی، اور چونکہ وہ کعبہ شریف کے متولی تھے، اس لئے اپنے آبائی مذہب کی بربادی میں ان کو اپنی ثروت اور اقتدار کی بربادی نظر آ رہی تھی۔ رسول خدا ﷺ حضرت ابو طالب کی حمایت سے محفوظ تھے اور ان کے اہل خاندان یعنی بنو ہاشم کو اگرچہ نئے دین کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی، تاہم عربوں کی قبائلی عصبیت کے اصول پر وہ رسول خدا ﷺ کے پشتی بان تھے اور کوئی شخص ان کی جان پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ بایں ہمہ آنحضرت ﷺ دشمنوں کی ایذا رسانی سے بدستور تکلیف اٹھاتے رہے لیکن کمزور لوگوں کو اور غلاموں کو جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، انتہائی ظلم و ستم برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ان کو کبھی قید میں رکھا جاتا تھا اور کبھی سخت اذیت دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے نئے مذہب کو چھوڑ دیں۔ یہی موقعہ تھا

Marfat.com

جب حضرت ابوبکرؓ نے بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے جن کو رسول خدا ﷺ نے "حبشہ کا پہلا ثمر" کہا تھا۔ (۳) حضرت بلالؓ کو نہایت بیدردی سے ہر روز چلچلاتی دھوپ میں پشت کے بل لٹا دیا جاتا اور ان کے پیٹ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ان سے کہا جاتا کہ تم اسی طرح یہاں پڑے رہو گے، یہاں تک کہ مر جاؤ یا محمد (ﷺ) کا دین چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرو۔ اس کے جواب میں حضرت بلالؓ نعرہ لگاتے "احد، احد۔" دو مسلمان اس قسم کی تکلیف کی تاب نہ لا سکے اور جان بحق ہو گئے۔ معدودے چند اشخاص ہی اس سخت آزمائش میں ثابت قدم نہ رہ سکے، باقی لوگوں کے دلوں میں قریش کی ایذا رسانی سے جوش ایمان کی آگ اور زیادہ روشن ہوتی گئی۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے جرأت سے کام لے کر خود حرم کعبہ کے اندر قرآن مجید کی چند آیات کی قرأت کی، اور یہ وہ بات تھی کہ آج تک پیروان اسلام میں سے کسی کو اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ قریش کے جو لوگ وہاں جمع تھے، انہوں نے ان پر حملہ کیا، ان کے منہ پر طمانچے مارے اور آخر کار بڑی مشکل سے ان کو روکا۔ حضرت ابن مسعودؓ جب اپنے دوستوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ میں کل بھی اسی طرح اپنے مذہب کی علی الاعلان شہادت دینے کے لئے تیار ہوں، مگر انہوں نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ "اتنا آپ کے لئے کافی ہے، کیونکہ آپ نے ان کے کانوں میں وہ الفاظ ڈال دیئے ہیں جن کو وہ سننا نہیں چاہتے تھے"۔

غالباً قریش کی مخالفت کی اسی شدت کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے اپنے عہد رسالت کے چوتھے سال حضرت ارقمؓ کے گھر میں اقامت اختیار فرمائی۔ حضرت ارقمؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی تھی اور ان کا مکان ایسی مرکزی جگہ پر واقع تھا جہاں اکثر زائروں اور مسافروں کی آمدورفت رہتی تھی۔ یہاں رسول خدا ﷺ امن وامان کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرما سکتے تھے جو حق کی تلاش میں آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔ وہ ایام جب آنحضرت ﷺ ارقمؓ کے مکان میں فروکش تھے، تبلیغ اسلام کے لحاظ سے بہت اہم ہیں، کیونکہ بہت سے لوگ اسی زمانے میں مشرف بااسلام ہوئے۔

ہجرت حبشہ:

چونکہ آنحضرت ﷺ مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے بچانے سے قاصر تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ حبشہ کے ملک میں جا کر پناہ لیں۔ چنانچہ عہد رسالت کے پانچویں سال یعنی ۶۱۵ء میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے سمندر عبور کر کے حبشہ کو ہجرت کی۔ وہاں کا عیسائی بادشاہ ان لوگوں سے بہت مہربانی سے پیش آیا۔ ان مہاجرین میں سے ایک شخص مصعب بن عمیرؓ تھے جن کے حالات زندگی اس لحاظ سے دلچسپ ہیں کہ انہیں اس تلخ آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جو اپنا مذہب تبدیل کرنے والوں کو پیش آیا کرتی ہے،

Marfat.com

کیونکہ انہیں اپنے قرابت داروں اور عزیزوں کی عداوت اور نفرت کا نشانہ بننا پڑا۔ انہوں نے حضرت ارقمؓ کے گھر میں اسلام کی تعلیم پائی تھی، لیکن وہ اپنے اسلام کا اعلان کرنے سے خائف رہتے تھے، کیونکہ ان کے قبیلے کے لوگ اور ان کی والدہ، جو انہیں بہت چاہتی تھی، اسلام کی سخت مخالف تھی۔ جب ان کو مصعبؓ کے تبدیل مذہب کا حال معلوم ہوا اور انہوں نے اسے پکڑ کر قید میں ڈال دیا، لیکن مصعبؓ بھاگ نکلے اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قریش کو مہاجرین کے ساتھ اس درجہ عداوت تھی کہ انہوں نے ان کا تعاقب حبشہ تک کیا اور وہاں کے بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی جس کا مقصد یہ تھا کہ ان مہاجرین کو ملک سے نکال دیا جائے۔ لیکن جب بادشاہ نے خود مہاجرین کی زبان سے ان کا حال سنا تو اس نے ان کو اپنی حفاظت اور حمایت سے محروم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب بادشاہ نے ان سے ان کے مذہب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ "اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے اور مردار کھاتے تھے۔ برے کام کرتے تھے، قرابت داروں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہمسائیگی کے حقوق کو فراموش کر چکے تھے۔ ہم میں سے جو طاقتور تھے، وہ کمزوروں کو کھاتے جا رہے تھے، ہم اس حالت زار میں تھے کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں میں سے ایک شخص کو پیغمبر بنا کر بھیجا جس کے حسب نسب، صداقت، امانت داری اور پرہیز گاری سے ہم خوب واقف تھے۔ پس اس نے ہم کو اس بات کی تعلیم دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور پتھروں کو اور بتوں کو، جنہیں ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے آئے تھے، چھوڑ دیں۔ اس پیغمبر نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، امانتیں ادا کریں، رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کریں، ہمسائے کا حق پہچانیں اور حرام باتوں اور خونریزی سے اپنا ہاتھ روکیں۔ اس نے ہم کو بری باتوں اور دروغ گوئی سے روکا اور مردار کھانے اور نیک سیرت عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدائے واحد کی پرستش کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزوں کا بھی حکم دیا۔ ہم نے اس پیغمبر کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے اور اللہ کی طرف سے جو احکام وہ لائے تھے، ان کی پیروی کی۔ پس ہم نے خدائے واحد کی عبادت کی اور اس کا کسی کو شریک نہیں بنایا۔ جو کچھ اس نے حرام ٹھہرایا، اس کو ہم نے حرام سمجھا اور جو کچھ اس نے حلال قرار دیا، اسے حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، ہم کو عذاب دیا اور ہمیں آزمائش میں ڈالا تاکہ ہم اپنا یہ اختیار کردہ دین ترک کر دیں اور اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کی پوجا شروع کر دیں اور پلید چیزوں کو دوبارہ حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو ہم تمہارے ملک کی طرف نکل آئے اور تمہاری حفاظت اور حمایت کو اختیار کیا۔ ہمیں امید ہے کہ ہم جب تک تمہارے پاس ہیں، ظلم سے محفوظ رہیں گے۔" بادشاہ نے مہاجرین کی درخواست کو قبول کیا اور قریش مکہ کی

Marfat.com

سفارت نامراد واپس آئی۔ (۴)

اسی اثناء میں قریش نے پھر کوشش کی کہ رسول خدا ﷺ کو دولت اور اقتدار کا لالچ دے کر اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ اسلام کی تلقین و تبلیغ چھوڑ دیں۔ مگر یہ کوشش بھی بارآور نہ ہوسکی۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام:

جب اہل مکہ سفارت حبشہ کے نتیجے کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے، انہی ایام میں ایک ایسا شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوا جو اس سے پیشتر رسول خدا ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا اور بڑی ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ ان کی مخالفت کرتا تھا۔ وہ شخص جسے اہل اسلام اپنا سب سے زیادہ خطرناک اور زہریلا دشمن تصور کرنے میں حق بجانب تھے، بعدازاں وہی شخص صدر اسلام کی تاریخ میں ایک تابناک گوہر کی طرح چمکا، اس سے ہماری مراد حضرت عمرؓ بن الخطاب سے ہے۔ ایک دن وہ رسول خدا ﷺ پر غضبناک ہو کر ان کے قتل کے ارادے سے شمشیر بکف گھر سے نکلے۔ راستے میں ایک عزیز (نعیم بن عبداللہ) ملا، اس نے پوچھا "کہاں جاتے ہو؟" عمرؓ نے جواب دیا کہ "محمد ﷺ کی تلاش میں ہوں تاکہ اس صابی (تارک مذہب) کو قتل کر دوں جس نے قریش میں افتراق پیدا کر دیا ہے۔ وہ ان کو احمق کہتا ہے، ان کے مذہب کو برا کہتا ہے اور ان کے معبودوں کی تحقیر کرتا ہے۔" نعیم نے کہا کہ "تم پہلے ذرا اپنے خاندان والوں کی تو خبر لو اور ان کو درست کرو۔" عمرؓ نے پوچھا کہ "یہ میرے گھر والے کون ہیں؟" نعیم نے جواب دیا "تمہارا بہنوئی سعید اور تمہاری بہن فاطمہ، یہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور محمد ﷺ کے پیرو بن چکے ہیں۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر دوڑے ہوئے گئے اور دیکھا کہ فاطمہ اپنے شوہر کے ساتھ ہے اور ایک دوسرا مسلمان خباب بن الارتؓ انہیں قرآن کی ایک سورت پڑھا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ اچانک کمرے میں داخل ہو گئے اور پوچھا کہ "یہ کیا آواز تھی جو میں سن رہا تھا؟" انہوں نے جواب دیا کہ "کچھ نہ تھا۔" عمرؓ نے کہا کہ "نہیں، تم کچھ تو پڑھ رہے تھے۔ اور میں نے سنا ہے کہ تم نے محمد ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے؟" یہ کہہ کر حضرت عمرؓ سعیدؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو پکڑ لیا۔ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے فاطمہؓ درمیان میں آ گئیں اور کہنے لگیں کہ "ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں، تم جو چاہو کرو۔" اس کشمکش میں فاطمہؓ زخمی ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے جب اپنی بہن کے چہرے کو خون آلود دیکھا تو ان کا دل پسیجا اور کہنے لگے کہ مجھے بھی وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ قدرے تامل کے بعد فاطمہ نے وہ صحیفہ ان کے حوالے کر دیا۔ اس میں قرآن مجید کی بیسویں سورت یعنی سورۂ طٰہٰ مرقوم تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے اسے پڑھا تو پکار اٹھے کہ کیسا خوبصورت اور اعلیٰ کلام ہے۔ جوں جوں وہ پڑھتے گئے، ان کے دل پر ایمان و ایقان کا غلبہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ

Marfat.com

پکار اٹھے: "مجھے محمد ﷺ کے پاس لے چلو تا کہ میں اسلام کا اقرار کروں۔"

حضرت عمرؓ کا ایمان لانا ایک ایسا واقعہ ہے جس سے تاریخ اسلام کا رخ ہی بدل گیا۔ مسلمان اب اس قابل ہو گئے کہ وہ زیادہ جرأت سے کام لے سکیں۔ رسول خدا ﷺ نے حضرت ارقمؓ کا گھر چھوڑ دیا اور مسلمانوں نے کعبہ کے سامنے اعلانیہ نماز باجماعت شروع کر دی۔ یہ صورت حالات ایسی تھی کہ رؤسائے مکہ کو اس سے خوف پیدا ہونا ایک فطری امر تھا، کیونکہ اب ان کا مقابلہ ایک مظلوم اور حقیر گروہ کے ساتھ نہیں تھا جو عاجزی اور بے کسی کی زندگی بسر کر رہے تھے، بلکہ ایک طاقت ور جماعت کے ساتھ تھا۔ جس میں روز بروز باا ثر اور بارسوخ شہریوں کا اضافہ ہو رہا تھا، اور جس نے غیر ملک کے ایک زبردست بادشاہ کے ساتھ دوستی پیدا کر کے مکہ کی موجودہ حکومت کے بقاء و دوام کو معرضِ خطر میں ڈال دیا تھا۔

بنو ہاشم کا مقاطعہ:

ان حالات کے پیش نظر قریش مکہ نے فیصلہ کیا کہ شہر کی اس نئی جماعت کی مزید ترقی کو روکنے کے لئے ایک منظّم کوشش کی جائے۔ چونکہ بنو ہاشم خاندانی قرابت داری کی بنا پر رسول خدا ﷺ کی حمایت کرتے تھے، اس لئے مشرکین مکہ نے ان سے مقاطعہ کر لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان کے ہاں شادی بیاہ نہیں کریں گے۔ نہ اپنی عورتوں کو ان کے نکاح میں دیں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے۔ غرض کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ نہیں رکھیں گے۔ کہتے ہیں کہ تین برس تک بنو ہاشم شہر کے ایک حصے میں محصور رہے، سوائے ان چار مقدس مہینوں کے جب تمام بلاد عرب میں جنگ بند رہتی تھی، تا کہ اس امن کے زمانے میں حاجی لوگ کعبے کی زیارت کر سکیں جو تمام عرب قوم کا مذہبی مرکز تھا۔

رسول اکرم ﷺ موسم حج سے فائدہ اٹھا کر ان مختلف قبائل عرب کو اسلام کی تلقین کرتے تھے جو کعبہ کی زیارت کے لئے مکے میں یا اس کے قریبی میلوں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن انہیں چنداں کامیابی حاصل نہ ہوتی تھی، کیونکہ ان کا (۵) چچا ابولہب ان کے پیچھے لگا رہتا تھا اور بلند آواز سے چلاتا تھا کہ "یہ ایک جھوٹا شخص ہے جو تمہیں اپنے آبائی دین سے برگشتہ کر کے اپنے غلط عقائد کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے، اس سے دور رہو اور اس کی بات پر کان نہ دھرو"۔ چنانچہ دوسرے قبیلے آنحضرت ﷺ کو طعنہ دیتے اور کہتے کہ "تیرے اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ تجھ کو سب سے بہتر جانتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ وہ تجھ پر ایمان نہیں لاتے اور تیری پیروی نہیں کرتے؟"

رسول خدا ﷺ اور ان کے خاندان والوں نے جو تکلیفیں اور سختیاں اٹھائیں، ان کی وجہ سے قریش کے بعض لوگوں کو آخر کار ان سے ہمدردی پیدا ہوگئی اور انہوں نے بنو ہاشم کا مقاطعہ منسوخ کر دیا۔

Marfat.com

اسی سال حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی جس سے آنحضرت ﷺ کے دل پر غم واندوہ کے بادل چھا گئے، کیونکہ حضرت خدیجہؓ نے پچیس سال تک نہ صرف ایک وفادار بیوی کی طرح ان کا ساتھ دیا تھا، بلکہ وہ ان کی مشیر اور معاون بھی ثابت ہوئی تھیں۔ کچھ عرصے کے بعد آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے اور آپ ﷺ ایک زبردست محافظ کی حمایت سے محروم ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو مشرکین مکہ کی بدسلوکی اور تحقیر کا دوبارہ سامنا کرنا پڑا۔

سفر طائف:

دس سال کی مسلسل تلقین کے بعد بھی جب مشرکین مکہ نے رسول خدا ﷺ کا استہزاء اور انکار ہی کیا، تو آنحضرت ﷺ نے قصد فرمایا کہ ایسے دوسرے لوگ تلاش کئے جائیں جو آپ کی بات سننے کے لئے آمادہ ہوں۔ شاید ان کے ہاں تخم دین کو قبول کرنے کے لئے زیادہ زرخیز زمین مل سکے۔ اس امید پر آپ ﷺ شہر طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے تقریباً ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ رؤسائے شہر کے ایک مجمع کے سامنے آنحضرت ﷺ نے اپنے عقیدہ توحید باری تعالیٰ کی وضاحت کی اور اس دین کو لوگوں تک پہنچانے کا جو کام آپ کے سپرد ہوا تھا، اس کا ذکر فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اہل طائف انہیں مشرکین مکہ کی ایذا رسانی سے بچائیں۔ رسول خدا ﷺ کے بلند دعاوی (جو اہل طائف کے فہم و ادراک سے بالاتر تھے) اور ان کی بے کسی کے درمیان چونکہ (بظاہر) کوئی مناسبت نظر نہ آتی تھی اس لئے اہل طائف ان پر ازراہ حقارت ہنسے اور انہیں شہر سے نکال دیا، بلکہ بعض اوباشوں نے تو بیدردی سے ان پر پتھر بھی پھینکے۔

جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اپنے مشن کی کامیابی کی امید پہلے سے بھی کم نظر آئی تو آپ ﷺ نے اپنے روحانی حزن و ملال اور اپنی دلی کوفت کو حضرت نوحؑ کے حسب ذیل الفاظ میں ادا فرمایا:

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ (سورۃ نوح، آیات ۵-۶)

نوحؑ نے کہا کہ "اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو شب و روز بلایا، لیکن میرے بلانے سے وہ اور بھاگتے رہے، اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ آپ ان کو بخش دیں، انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑے سمیٹ لئے، اپنی ضد پر اڑے رہے اور کبر و نخوت کی راہ اختیار کی۔"

Marfat.com

اہل یثرب کی ملاقات:

رسول خداﷺ کی عادت تھی کہ حج کے موسم میں آپﷺ مختلف قبائل عرب کی فرودگاہوں میں تشریف لے جاتے تھے اور مذہب کے بارے میں ان سے گفتگو فرماتے تھے۔ بعض لوگ ان کی باتوں کو بے پرواہی سے سنتے تھے اور بعض ان کو حقارت سے رد کر دیتے تھے۔ لیکن آنحضرتﷺ کی تسلی اور تشفی کا سامان ایک ایسی جانب سے ہوا جس کا کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ آپﷺ کی ملاقات چھ سات آدمیوں کے ایک ایسے گروہ سے ہوئی جو یثرب سے آئے تھے۔ رسول خداﷺ نے ان سے پوچھا: "تم کس قبیلے سے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "قبیلہ خزرج سے۔" آپﷺ نے فرمایا" کیا تم یہود کے حلیفوں میں سے ہو؟" خزرجیوں نے جواب دیا "ہاں"۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا" کیا تم تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ نہ جاؤ گے تاکہ میں تم سے بات کروں؟" خزرجی بولے "ضرور"۔ پھر یہ لوگ رسول اللہﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ نے ان کو خدائے برحق کی خبر دی اور اسلام کی تلقین فرمائی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ اللہ نے اسلام کے فروغ کے لئے عجب سامان پیدا کر دیا۔ یثرب کے علاقے میں یہود آباد تھے جو آسمانی نوشتے اور حکمت رکھتے تھے، حالانکہ خود اہل یثرب مشرک اور بت پرست تھے۔ یہود اکثر اوقات ان کے ہاتھ سے ظلم وستم اٹھاتے تھے۔ اور جب کبھی ان کے درمیان لڑائی ہوتی تھی تو یہود کہا کرتے تھے کہ "عنقریب ایک پیغمبر آنے والا ہے اور اس کے ظہور کا وقت قریب ہے، ہم اس کی پیروی کریں گے اور اسی کے ساتھ مل کر تم کو قتل کریں گے، جیسے کہ عاد اور ارم قتل ہوئے تھے۔" اب جب کہ رسول خداﷺ نے ان لوگوں سے باتیں کیں اور ان کو خدائے برحق کی طرف بلایا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ یقین جانو کہ یہی وہ رسول ہے جس کی نسبت یہود نے ہم کو خبر دی ہے۔ آؤ جلدی کرو اور اس کے ساتھ شریک ہونے میں سبقت کرو۔" اس پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپﷺ سے عرض کیا کہ "ہمارے اہل وطن مدت دراز سے ایک شدید اور ہلاکت آفریں خانہ جنگی میں مصروف ہیں۔ شاید اب خدا تعالیٰ آپ کے طفیل اور آپ کی تعلیم کی برکت سے ان کے درمیان اتفاق واتحاد پیدا کر دے، لہٰذا ہم ان کو اسلام کی دعوت دیں گے اور اس دین سے ان کو آگاہ کریں گے جو ہم نے آپ سے سیکھا ہے۔" چنانچہ وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو کر اپنے ملک کو لوٹے۔(۲)

یہ اہم واقعہ جس نے رسول خداﷺ کے مشن کا رخ بدل دیا، روایات میں یونہی مذکور ہوا ہے۔ اب آپﷺ کی ایک ایسی قوم سے ملاقات ہوئی جس کے دل ودماغ اپنے سابقہ حالات کی بناء پر آنحضرتﷺ کی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے آمادہ تھے، اور جس کے موجودہ حالات، جیسا کہ آگے چل کر ثابت ہوگا، آنحضرتﷺ کی کامیابی کے لئے سازگار تھے۔

Marfat.com

یثرب:

یثرب کا شہر مدت سے یہودیوں کے قبضے میں چلا آ رہا تھا۔ یہ یہودی کسی قومی مصیبت کے سبب سے اور شاید قیصر ہدریان (Hadrian) کے ظلم وستم سے تنگ آ کر اپنے وطن مالوف سے نکل آئے تھے۔ بعدازاں دو عربی قبیلے اوس اور خزرج بھی نقل مکانی کر کے یثرب میں وارد ہوئے اور یہود کی اجازت سے وہاں آباد ہو گئے۔ جوں جوں ان کی تعداد بڑھتی گئی، وہ یہودی حکمرانوں کے اختیارات چھینتے گئے، اور آخرکار پانچویں صدی مسیحی کے آخر میں یثرب کی حکومت کلی طور پر انہی کے قبضے میں چلی گئی۔

بعض عربوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور بہت سے یہودی، جو پہلے یثرب کے مالک تھے۔ اب عربوں کے زیرنگیں رہتے تھے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں وہاں یہودیوں کی خاصی بڑی آبادی تھی۔ لہٰذا یثرب کے لوگ مسیح موعود کے عقیدے سے واقف تھے اور مشرکین مکہ کی بہ نسبت، جو مسیح کے تصور سے قطعاً ناآشنا تھے، حضرت محمد ﷺ کے دعویٰ رسالت کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر زیادہ آمادہ تھے۔ قریش مکہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا تصور اس سبب سے بھی ناگوار تھا کہ ان کی دنیوی خوش حالی اور دیگر قبائل پر ان کا اقتدار اس امر پر موقوف تھا کہ وہ کعبے کے پاسبان تھے، جہاں بہت سے بت پرست قبائل کے اصنام جمع ہو چکے تھے۔

اس کے علاوہ یثرب میں ایک مدت دراز سے اوس اور خزرج کے درمیان خانہ جنگی چلی آ رہی تھی۔ اس سے شہر میں فتنہ وفساد برپا رہتا تھا اور لوگ عجب پریشانی اور بے اطمینانی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان حالات میں کوئی بھی چیز، جو ان مخالف فریقوں کو مشترکہ مفاد کے رشتے میں منسلک کر سکتی، وہ شہر کے حق میں ایک بے بہا نعمت ثابت ہوتی۔ جس طرح قرون وسطیٰ میں شمالی اطالیہ کی جمہوری حکومتیں ایک اجنبی شخص کو اپنے شہروں میں اعلیٰ انتظامی عہدوں کے لئے انتخاب کر لیتی تھیں، تاکہ مخالف فریقوں میں توازن قائم رہے اور ان کی تجارت اور خوش حالی کو باہمی خانہ جنگی سے نقصان نہ پہنچے، اسی طرح اہل یثرب نے ایک بیرونی شخص کی آمد کو بدگمانی اور شک وشبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا، اگرچہ یہ بات قرین قیاس تھی کہ وہ حکومت کے خالی منصب پر ان کی رضامندی سے یا ازخود قبضہ کر لے گا۔

اس کے باوجود اہل یثرب نے حضرت محمد ﷺ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل شہر نے قبول اسلام کو ان فسادات کا علاج تصور کیا جن سے وہ نقصان اٹھا رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام سے اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ وہ ان کی زندگی کو ضبط میں لائے گا اور بے لگام انسانی جذبات کو ایسے احکام خداوندی کا پابند بنا دے گا جو افراد کی تلون مزاجی سے بالاتر ہوں۔ (۷)

Marfat.com

مذکورہ بالا واقعات سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ رسول خدا ﷺ ہجرت کے آٹھ سال بعد کس طرح دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر مکہ میں داخل ہو گئے، جہاں انہوں نے دس برس تک تبلیغ اسلام کے لئے کام کیا تھا، لیکن نتیجہ بہت ہی کمزور تھا۔

مگر ان باتوں کا تذکرہ ابھی پیش از وقت ہے۔ رسول خدا ﷺ نے عقبہ کی ملاقات میں قبیلہ خزرج کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ ان کے ساتھ بذات خود یثرب تشریف لے جائیں، مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اس ارادے سے اس وقت تک باز رکھا جب تک کہ اوس کے ساتھ ان کی مصالحت نہ ہو جائے۔ اہل خزرج نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ "ہمیں امسال اپنی قوم میں واپس جانے دیجئے، اگر خدا نے ہم میں امن وامان پیدا کر دیا تو آپ کے پاس دوبارہ آئیں گے۔ آپ ﷺ آئندہ موسم حج کو ملاقات کے لئے مقرر فرمائیے۔" یہ کہہ کر خزرجی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، چنانچہ بہت سے اشخاص ایمان لے آئے، یہاں تک کہ یثرب میں مشکل ہی سے کوئی ایسا گھر ہوگا جس میں رسول خدا ﷺ کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

بیعت عقبہ اولیٰ:

جب حج کا زمانہ پھر آیا تو یثرب کی ایک جماعت، جس میں دس آدمی خزرج کے اور دس اوس کے تھے، جائے مقررہ پر آنحضرت ﷺ سے ملے۔ آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ اسے بیعۃ العقبۃ الاولیٰ یعنی عقبہ کی پہلی بیعت کہتے ہیں کیونکہ یہ بیعت عقبہ کے مقام پر ہوئی تھی۔ اس بیعت کے الفاظ یہ تھے: "ہم خدائے واحد کے سوا اور کسی کی بندگی نہیں کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے، ہم زنا کا ارتکاب نہیں کریں گے، ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، ہم تہمت اور افترا پردازی سے پرہیز کریں گے۔ رسول خدا ﷺ ہم سے جو اچھی بات کہیں گے، اس کی پیروی کریں گے۔"

یہ آدمی اسلام کے مبلغ بن کر یثرب کو لوٹے۔ یثرب کی سرزمین قبول اسلام کے لئے اس قدر ساز گار تھی اور ان مبلغوں نے بھی اپنا کام اس سرگرمی سے کیا کہ اسلام ایک گھر سے دوسرے گھر اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں جلد جلد پھیلنے لگا۔

یثرب میں اشاعت اسلام:

جب اہل یثرب اپنے وطن کو لوٹے تو مصعب بن عمیرؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یثرب والوں نے ان کو خط لکھ کر منگوایا تھا۔ بہر حال یہ نوجوان مومنین اولین میں سے تھے اور ابھی ابھی حبشہ سے واپس آئے تھے، اس وجہ سے ان کو بہت کچھ تجربہ حاصل تھا۔ انہوں نے اعدائے دین کے ہاتھوں جو ظلم وستم

Marfat.com

برداشت کئے تھے، اس سے ان میں نہ صرف متانت اور سنجیدگی پیدا ہوگئی تھی بلکہ انہوں نے یہ بھی سیکھ لیا تھا کہ ظلم و تعدی کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیے، اور ان لوگوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے جو اسلام کی تعلیم کو سمجھے بغیر اسے مطعون کرتے ہیں۔ لہذا رسول اکرم ﷺ نے کامل بھروسے کے ساتھ نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور یثرب کی سرزمین میں نخل اسلام کی آبیاری کا مشکل کام مصعب بن عمیرؓ کے سپرد فرما دیا۔ مصعبؓ، اسعد بن زرارہ انصاری کے گھر میں ٹھہرے اور مسلمانوں کو نماز اور تلاوت قرآن سکھانے کے لئے کبھی اسعد اور کبھی بنوظفر کے گھر میں جمع کرتے۔ بنوظفر والا گھر شہر کے ایسے محلے میں تھا جس میں ظفر اور عبدالاشہل کے خاندان اکٹھے رہتے تھے۔

اس زمانے میں عبدالاشہل کے خاندان کے سردار محمد بن معاذ اور اسید بن حضیر تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مصعبؓ، اسعد کے ساتھ بنوظفر کے گھر میں بیٹھے چند نومسلموں کو تبلیغ کر رہے تھے۔ جب سعد بن معاذ کو ان کا پتا چلا تو اس نے اُسید بن حضیر سے کہا کہ "ان لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دو جو ہمارے گھروں میں آ گھسے ہیں اور ہمارے ناسمجھ لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ میں تمہیں اس امر کی تکلیف نہ دیتا مگر میرے اور اسعد کے درمیان قرابت داری ہے جو مجھے اس سے تعرض کرنے سے مانع ہے۔ وہ میری خالہ کا بیٹا ہے اس لئے میں اس کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتا۔" یہ سن کر اُسید نے نیزہ اٹھایا اور اسعد اور مصعب کے پاس پہنچا اور ان سے چلا کر کہا: "تم کیا کر رہے ہو! کیا ہمارے سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہو؟ اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو ابھی یہاں سے دور ہو جاؤ۔" مصعب نے آہستہ سے جواب دیا" کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات سنیں گے؟ اگر کوئی بات پسند آئے تو اسے قبول کیجئے اور اگر ناپسند ہو تو چھوڑ دیجئے۔" اُسید نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور سننے کے لئے بیٹھ گیا۔ مصعب نے اسلام کے بنیادی عقائد بیان کئے اور قرآن کی چند آیات پڑھیں۔ اس پر اُسید کا دل نور اسلام سے منور ہو گیا اور بے تاب ہو کر بولا" مجھے اس دین میں داخل ہونے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟" مصعبؓ نے جواب دیا: "غسل کر کے اپنے تئیں پاک کیجئے اور پھر کلمہ شہادت پڑھیے۔" اُسید نے فوراً اس ہدایت پر عمل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ "میرے علاوہ ایک اور شخص بھی ہے جس کو تمہیں راہ ہدایت پر لانا ہوگا (اس کا اشارہ سعد بن معاذ کی طرف تھا)۔ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کی ساری قوم اس کی پیروی کرے گی۔ میں اسے ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔"

سعد بن معاذ کا قبول اسلام:

یہ باتیں کر کے اُسید ان سے رخصت ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد سعد بن معاذ خود آ دھمکے۔ وہ اسعد پر اس وجہ سے غضب ناک ہو رہے تھے کہ انہوں نے اسلام کے مبلغوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی۔ مصعبؓ نے سعدؓ

Marfat.com

سے کہا کہ اسلام کی تعلیم سنے بغیر اسے برا نہ کہیے۔ اس پر سعد ان کی بات سننے پر راضی ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کے الفاظ نے ان کے دل پر بڑا اثر کیا، چنانچہ سعدؓ نے اسلام قبول کر لیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت سعدؓ جوش اسلام سے بھرے ہوئے اپنے قبیلے میں واپس پہنچے اور ان سے کہا کہ "اے بنی عبد الاشہل! بتاؤ تمہارے ہاں میرا کیا مرتبہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ "تو ہمارا سردار ہے اور ہم میں سب سے زیادہ عقل مند اور عالی نسب ہے۔" سعدؓ نے کہا کہ "تمہارے ساتھ گفتگو کرنا میرے لئے حرام ہے، جب تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ گے۔" چنانچہ اس دن سے عبد الاشہل کی تمام اولاد نے اسلام قبول کر لیا۔ (۸)

تبلیغ اسلام کے کام میں ایسے جوش و خروش اور ایسی سرگرمی کا اظہار ہوا کہ ایک سال کے اندر مدینے کے عربوں میں کوئی گھرانا ایسا نہ رہا جس میں چند آدمیوں نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی تعداد نہ بڑھائی ہو، سوائے قبیلہ اوس کی ایک شاخ کے، جو ابو قیس بن الاصلت کے اثر سے اسلام سے الگ رہی۔

جب آئندہ سال حج کا زمانہ آیا تو یثرب کے نومسلموں کی ایک جماعت، جس میں تہتر اشخاص تھے، اپنے ہم وطن مشرکین کے ساتھ مکہ میں آئی، تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر اور ہادی تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور ان کو یثرب چلنے کی دعوت دیں اور وہ دشمنوں کے غیظ و غضب سے مامون و مصون ہو جائیں۔ وہ تمام نومسلم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے دوران میں پہلے دو بار مل چکے تھے، اس اہم موقع پر مکہ میں پھر آئے اور ان کے معلم یعنی حضرت مصعبؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر مکہ میں پہنچتے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تبلیغ اسلام میں انہیں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی، اس کا ذکر کیا۔ جب مصعب کی والدہ نے اپنے بیٹے کی آمد کی خبر سنی تو اسے کہلا بھیجا کہ "اے نافرمان بیٹے! تو ایسے شہر میں آیا جہاں تیری ماں رہتی ہے لیکن مجھ سے پہلے ملنے نہ آیا۔" مصعبؓ نے کہلا بھیجا کہ "میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کی ملاقات کو ہرگز نہ جاؤں گا۔" جب مصعبؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض نیاز کر چکے اور ان سے گفتگو کر چکے تو پھر اپنی ماں کے پاس پہنچے۔ اس نے کہا کہ "میں دیکھتی ہوں کہ تو اب تک اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہے۔" مصعبؓ نے جواب دیا کہ "میں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حق کا پیرو ہوں۔" ماں کہنے لگی کہ "کیا تو ان پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھول گیا ہے جو تجھے حبشہ میں سہنی پڑیں تھیں اور اب پھر مدینے میں اٹھا رہا ہے؟" ان باتوں سے حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ ماں مجھے پھر قید کرنے کی فکر میں ہے، لہٰذا بلند آواز سے کہا کہ "کیا تو ایک شخص سے جبراً اس کا مذہب چھڑانا چاہتی ہے؟ اگر تم نے مجھے قید کرنے کی کوشش کی تو میں یقیناً اس شخص کو جان سے مار ڈالوں گا، جس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔" یہ سن کر ماں بولی "بس تو میری آنکھوں سے دور ہو جا" اور یہ کہہ کر رونے لگی۔ مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے

Marfat.com

لگے "اے میری ماں! میں تجھے از راہ محبت مشورہ دیتا ہوں کہ اس بات کی گواہی دے دو کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" لیکن اس نے جواب دیا کہ "قسم ہے مجھے درخشاں ستاروں کی کہ میں تیرے دین میں داخل ہو کر کبھی اپنے آپ کو احمق نہیں بناؤں گی۔ جا میں تجھ سے اور تیرے معاملات سے بیزار ہوں اور اپنے آبائی دین سے بدستور وابستہ ہوں۔"

بیعت عقبہ ثانیہ:

قریش کی بدگمانی اور دشمنی سے بچنے کے لئے عقبہ کے مقام پر ایک خفیہ اجتماع ہوا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں مدینے کے نومسلم گزشتہ سال بھی رسول خدا ﷺ سے ملاقات کر چکے تھے۔ رسول خدا ﷺ کے ساتھ ان کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ اگر چہ حضرت عباسؓ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے مگر رسول خدا ﷺ نے انہیں اس راز میں شریک کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس خفیہ جلسے میں آغاز سخن اس طرح کیا کہ پہلے تو اپنے برادر زادہ کی نسبت کہا کہ وہ اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ شریف اور معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اس خاندان نے ان کو ہمیشہ دشمنوں سے بچایا ہے، اگر چہ ان کی تعلیم کو قبول نہیں کیا۔ لیکن اب جبکہ وہ یثرب میں پناہ لینا چاہتے ہیں تو اہل یثرب کو چاہیے کہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے پہلے اس پر اچھی طرح سے غور و فکر کر لیں اور اس بات کا مصمم ارادہ کر لیں کہ وہ اپنے عہد و پیمان سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ اس پر براء ابن معرور نے جو بنی خزرج سے تھے، کہا کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کی حفاظت و حمایت کا جو ذمہ اٹھایا ہے، اس میں ثابت قدم رہیں گے۔ پھر رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو کچھ آپ ہم سے چاہتے ہیں، مفصل بیان فرمائیں۔

رسول اکرم ﷺ نے پہلے قرآن مجید کی چند آیات پڑھیں اور پھر ان کو تاکید فرمائی کہ انہوں نے خدائے واحد اور اس کے پیغمبر سے جو اقرار کیا ہے اس پر قائم رہیں۔ پھر ان سے فرمایا کہ وہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت دشمنوں کے مقابلے میں اسی طرح کریں جیسے کہ اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ براہ بن معرور نے رسول خدا ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اور جس نے آپ کے واسطے سے ہم پر دین حق ظاہر کیا ہے، ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسی کہ ہم اپنی جان کی کرتے ہیں۔ پس ہم سے (بیعت) لیجئے، ہم مرد میدان ہیں اور لڑائی کا تجربہ رکھتے ہیں، اور شجاعت والے ہیں، جو ہم نے اپنے بزرگوں سے ورثے میں پائی ہے۔" پس اسی طرح سب نے باری باری رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔

ہجرت مدینہ:

جب قریش کو اس خفیہ کارروائی کی خبر پہنچی تو وہ مسلمانوں پر اور زیادہ ظلم و ستم توڑنے لگے۔ آخر کار

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے ان کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ "یثرب کو چلے جاؤ، کیونکہ اللہ نے تم کو اس شہر میں بھائی دیئے ہیں اور گھر دیا ہے، جس میں تم پناہ لے سکتے ہو۔" پس مسلمان دو دو، تین تین کر کے یثرب کو ہجرت کرنے لگے، جہاں ان کا سچے دل سے خیر مقدم ہوا۔ چنانچہ ان کے برادران دینی ان کی خاطر و مدارت کرنے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ دو ماہ کے اندر مکہ کے تقریباً تمام مسلمان، جن کی تعداد ایک سو پچاس کے قریب تھی، شہر سے نکل گئے، سوائے ان لوگوں کے جو اسیری کی حالت میں تھے۔ ان مسلمان مہاجرین میں سے ایک شخص صہیب نامی تھا جسے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے "سابق الروم" کا لقب عطا ہوا تھا (صہیب ایک رومی غلام تھے، ان کے آقا نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور انہوں نے تجارت کر کے بہت سی دولت جمع کر لی تھی)۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو اہل مکہ نے ان سے کہا "جب تو یہاں آیا تھا تو بالکل مفلس اور قلاش تھا، تو نے ہمارے ہاں رہ کر دولت پیدا کی ہے اور موجودہ خوش حالی کو پایا ہے، اور اب تو ہجرت کر رہا ہے، نہ صرف تن تنہا بلکہ اپنے تمام مال و منال کے ساتھ، بخدا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔" اس پر صہیب نے کہا "اگر میں اپنا مال چھوڑ جاؤں تو اس صورت میں مجھے جانے کی اجازت ہے؟" انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا اور صہیب نے اپنا مال و دولت چھوڑ کر چھٹکارا پایا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے یہ ماجرا سنا تو فرمایا کہ "صہیب نے بڑا اچھا سودا کیا ہے۔"

ہجرت نبوی ﷺ:

رسول خدا ﷺ نے اپنی روانگی میں توقف فرمایا، بلاشبہ اس نیت سے کہ مسلمانوں کی طرف سے مشرکین مکہ کی توجہ ہٹائے رکھیں مگر آخر کار جب دشمنوں نے آپ ﷺ کے قتل کی مکمل اور مصمم سازش کر لی، اور زیادہ توقف کرنے میں آپ ﷺ کو اپنی ہلاکت نظر آئی تو آپ ﷺ نے ایک تدبیر کر کے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی۔

یثرب میں نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد شہر کا نام "مدینۃ النبی ﷺ" یا محض مدینہ قرار پایا۔ آنحضرت ﷺ کو سب سے پہلے ایک مسجد کی تعمیر کی فکر ہوئی، جہاں مسلمان نماز ادا کر سکیں اور اکٹھے ہو سکیں، کیونکہ اس وقت تک وہ اس غرض کے لئے کسی انصاری کے گھر میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ابتدا میں نمازی بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور یہ قبلہ غالباً اس امید پر اختیار کیا گیا تھا کہ یہودی بھی دائرہ اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو مختلف طریقوں سے رضامند کرنے کی کوشش کی، مثلاً ان کی اپنی مذہبی کتابوں کا بار بار حوالہ دیا، ان کو پوری مذہبی آزادی دی اور سیاسی لحاظ سے بھی ان کو مساوی حقوق دیئے، مگر انہوں نے اس التفات کا جواب نفرت اور استہزاء سے دیا۔ جب باہمی ملاپ کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تو آنحضرت ﷺ نے

Marfat.com

مسلمانوں کو حکم دیا کہ نماز کے وقت کعبہ شریف کو اپنا قبلہ بنائیں (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ، آیہ ۱۴۴)(۹)

تحویل قبلہ ایک بڑی معنی خیز بات تھی کیونکہ یہ واقعہ دراصل اسلام کی قومی زندگی کا دیباچہ تھا۔ اس حکم سے کعبہ شریف، جو مکہ معظمہ میں ہے، تمام اہل اسلام کا مذہبی مرکز بن گیا، جیسا کہ وہ نہایت قدیم الایام سے تمام قبائل عرب کی زیارت گاہ چلا آتا تھا۔ اسی طرح حج کعبہ کی قدیم عربی رسم کو شعائر اسلام میں داخل کرنا بھی ایک پر معنی بات ہے۔ یہ وہ فریضہ ہے جس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ واجب ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں عربوں کو ان کے قومی جذبے کے واسطے سے متاثر کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اس نعمت الٰہی کو یاد رکھیں کہ آسمانی وحی خود انہی کی زبان میں نازل ہوئی ہے اور انہی کے ملک کے ایک آدمی کی زبان سے ادا کی گئی ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ (سورہ الزخرف، آیہ: ۲)

ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اتارا تاکہ تم سمجھ سکو۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ------- الخ ۝ (سورہ شوریٰ، آیہ: ۷)

اور ہم نے تم پر نازل کیا قرآن جو عربی زبان میں ہے تاکہ تم مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈراؤ۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ (سورہ حم السجدہ، آیہ ۴۴)

اگر ہم قرآن کو کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان میں اتارتے تو مشرکین کہتے کہ اس کے احکام کو اچھی طرح سے کھول کر کیوں بیان نہیں کیا گیا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۲۸ (سورۂ الزمر، آیات ۲۷۔۲۸)

اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور یہ کلام عربی زبان میں ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں، تاکہ وہ خدا سے ڈریں۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۹۲ ---- بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝۱۹۵ (سورۂ الشعراء: آیات ۱۹۲ تا ۱۹۵)

ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دو

Marfat.com

اور ہٹ دھرمی کرنے والوں کو ڈراؤ۔

اسلام کا پیغام تمام دنیا کے لئے ہے:

لیکن اسلام کا پیغام صرف اہل عرب کے لئے نہ تھا بلکہ اس میں تمام دنیا شریک تھی۔(۱۰) جس طرح خدا واحد ہے، اسی طرح دین بھی ایک ہونا چاہیے، جس کی طرف تمام لوگوں کو دعوت دی جائے۔ اسلام کا یہ دعویٰ کہ وہ عالم گیر ہے اور تمام لوگوں اور قوموں پر حاوی ہے، اس کی عملی مثال ان مراسلات میں ملتی ہے جو رسول اکرم ﷺ نے ۶ ھ مطابق ۶۸۸ء میں اپنے زمانے کے حکمرانوں کو بھیجے تھے۔ چنانچہ اسی سال میں قیصر روم ہرقل، شاہ ایران، حاکم یمن، مقوقس مصر اور نجاشی حبشہ کے نام مراسلات بھیجے گئے اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دی گئی۔ روایت ہے کہ ہرقل کو جو خط بھیجا گیا اس کی عبارت یہ تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد عبداللہ و رسولہ الیٰ ہرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین و یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ ط فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون o

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے ہرقل شاہ روم کے نام۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اما بعد میں تجھے دین اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر آپ اسلام قبول کرلیں تو سلامتی پائیں گے اور خدا تجھے دگنا ثواب دے گا، اور اگر آپ روگردانی کریں گے تو تیری رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، یعنی یہ کہ ہم کسی کو سوائے اللہ کے نہ پوجیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں، اور نہ ہی ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پروردگار بنائیں۔ اگر تم انکار کرو تو آگاہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہ دعوت نامہ ان لوگوں کو، جن کے پاس بھیجا گیا، خواہ کیسا ہی بے معنی معلوم ہوا ہو، لیکن واقعات آئندہ نے ثابت کردیا کہ ان کی تحریر میں خالی خولی جوش کارفرما نہ تھا (۱۱)۔ یہ خطوط، جو سلاطین کو بھیجے گئے، اسلام کے اس دعوے کا کھلا اعلان کرتے ہیں کہ وہ تمام دنیا کے لئے ہے اور یہ دعویٰ وہ ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝ (سورہ ص، آیات ۸۷۔۸۸)

یہ قرآن تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور تم کچھ مدت کے بعد اس کی سچائی پہچانو گے۔

Marfat.com

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۂ یٰسین، آیات ۶۹۔۷۰)

بلا شبہ یہ تو ایک نصیحت ہے اور صاف صاف کلام ہے تا کہ پیغمبر ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے دل زندہ ہیں اور کافروں پر حجت پوری ہو۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۂ الانبیاء، آیہ ۱۰۷)

بے شک ہم نے آپ ﷺ کو پوری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔۔۔ الخ (سورۂ سباء، آیہ ۲۷)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ (سورۂ الفرقان، آیہ: ۱)

برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن کو نازل کیا اپنے بندے پر تا کہ وہ پوری کائنات کو ڈرائے۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورہ الصّف، آیہ ۹)

اسی نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ، تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے، اگر چہ مشرک اس بات کو ناپسند کریں۔

ایک ایسی ساعت میں جب کہ رسول خدا ﷺ پر یاس اور ناامیدی کے سیاہ بادل چھائے تھے، اور اہل مکہ آنحضرت کی بات سننے سے بشدت انکاری تھے (سورۂ النحل، آیات ۲۳ و ۱۱۴) اور نومسلموں کو انتہائی اذیت دی جا رہی تھی تا کہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں (سورہ النحل، آیہ ۱۰۸) اور دیگر مسلمان اپنے دشمنوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ آزمائش کی ایسی گھڑی میں اللہ کی طرف سے یہ وعدہ آیا کہ "وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا" اور جس دن ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ قائم کریں گے (سورۃ النحل آیہ ۸۴)۔(۱۲)

مذکورہ بالا آیات میں اسلام کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے ہے اس کی طرف ایک اشارہ حدیث نبوی میں بھی پایا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو "سابق الحبشہ" اور حضرت صہیبؓ کو "سابق الروم" فرمایا، اور حضرت سلمانؓ کو جو پہلے ایرانی نومسلم ہیں اور سنہ ۱ھ میں اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تھے "سابق الفرس" کا لقب دیا۔ پیشتر اس کے کہ مسلمان، ملک گیری کا خواب دیکھیں، رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ اسلام کو قوم عرب تک محدود رکھنا مقصود نہیں ہے۔ ایک

Marfat.com

اور حدیث میں بھی، جس میں مختلف قوموں کی طرف سے مبلغین ارسال کرنے کا ذکر آیا ہے، اسلام کے اسی دعوے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "تم سب صبح کو میرے پاس آؤ۔" صبح کی نماز کے بعد جیسا کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی، تھوڑی دیر آپ تسبیح اور دعا میں مصروف رہے، پھر صحابہ کی طرف رخ فرمایا، چند صحابہ کو ایک طرف بھیجا اور چند کو دوسری طرف، اور ان سے فرمایا کہ "بندگان خدا کے بارے میں خدا کے ساتھ خلوص اور سچائی کا برتاؤ کرو، کیونکہ جس شخص کو لوگوں کے معاملات میں سے کوئی کام سپرد کیا جاتا ہے اور وہ ان کی بھلائی کا خیال نہیں رکھتا، تو خدا اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ جاؤ مگر ایسا مت کرو جیسا عیسیٰ بن مریم کے رسولوں نے کیا تھا، کیونکہ جو قریب تھے ان کے پاس پہنچے اور دور رہنے والوں کو انہوں نے چھوڑ دیا۔" پھر آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ مبلغین میں سے ہر ایک شخص اس قوم کی زبان بولنے لگ گیا جس کی طرف وہ مامور ہوا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بندگان خدا کے متعلق اللہ کی طرف سے جو فرائض ان پر عائد ہیں، ان میں تبلیغ کا یہ کام سب سے اہم فریضہ ہے۔ (۱۳)

اسلام کی ہمہ گیری اور اس کے اس دعوے کا ثبوت کہ وہ تمام انسانوں کی قبولیت کے لئے ہے، اس امر پر مبنی ہے کہ یہ آسمانی مذہب ہے جو اللہ کی طرف سے تمام نوع انسان کے لئے آیا ہے اور اب لوگوں پر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے، جو خاتم النبیین ہیں (سورہ احزاب، آیہ ۴۰) از سر نو منکشف ہوا ہے جیسے کہ پہلی قوموں کو دیگر انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے دیا گیا تھا۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (سورۂ یونس، آیہ ۱۹)

سب لوگ ایک ہی امت تھے، پھر وہ الگ الگ ہو گئے۔ اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی سے حکم صادر نہ ہو چکا ہوتا، تو جس بات میں وہ اختلاف رکھتے ہیں، اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۔۔۔ (سورۃ الاحقاف، آیہ: ۹)

آپ کہہ دیجئے کہ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا رسول ﷺ تو ہوں نہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (سورۃ البقرہ، آیہ ۲۱۳)

تمام لوگ ابتدا میں ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے انبیاء کو بھیجا جو خوش خبری دیتے تھے اور ڈراتے تھے،

Marfat.com

اور ان کے ساتھ کتاب اتاری سچائی کے ساتھ تا کہ جس بات میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، اس کا فیصلہ کر دے۔ اور یہ لوگ باہم دگر مختلف ہوئے تو اس لئے نہیں کہ ہدایت سے بے خبر تھے، نہیں، وحی الٰہی کے صاف احکام ان کے سامنے تھے، مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت سے اختلاف کرنے لگے تھے، پس اللہ نے اپنی مہربانی سے ایمان والوں کو وہ سیدھی راہ بتا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (سورۃ النحل، آیت ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ پر وحی بھیجی کہ پیروی کیجئے ابراہیمؑ کے طریقہ کی، ہر طرف سے ہٹا ہوا اور جو مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الانعام، آیت ۱۶۲)

کہہ دیجئے اے پیغمبر ﷺ! کہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی ہے، وہی صحیح دین ہے اور یہی ابراہیمؑ کی ملت ہے کہ ایک ہی خدا کا ہو جانا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ؕ (سورہ البقرہ آیہ ۱۳۵)

کہہ دیجئے اے پیغمبرؐ! کہ ہم پیروی کرتے ہیں ابراہیمؑ کے دین کی جس میں کجی نہیں اور وہ مشرکوں میں سے نہیں ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورہ آل عمران، آیت ۹۵ـ۹۶)

کہہ دیجئے اے پیغمبر ﷺ! کہ اللہ نے سچ کہا ہے۔ پس پیروی کیجئے ابراہیمؑ کے دین کی جس میں کجی کا نام نہیں اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ بے شک پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہ تھا جو مکہ میں ہے، وہ برکت والا ہے اور اہل عالم کے لئے باعث ہدایت ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ۝ (سورۃ النساء، آیت ۱۲۵)

اور کون ہے اچھے دین والا بہ نسبت اس شخص کے جس نے اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ اچھے کام کرنے والا ہے اور پیروی کی ابراہیمؑ کے دین کی جس میں کجی نہیں اور اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا تھا۔

Marfat.com

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۬ ۔۔۔ الخ (سورة الحج، آیت ۷۸)

خدا نے تم کو چنا اور دین کے بارے میں تم پر کوئی تکلیف نہیں ڈالی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کی، خدا ہی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

عربوں کا قبائلی نظام:

ہجرت کے بعد مدینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام تھا؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم جزیرہ عرب کے اس حصے میں عرب معاشرے کی جو خاص حالت اور نوعیت تھی، اس کو ذہن نشین کرلیا جائے، وہاں نہ تو کوئی ملکی نظم ونسق تھا اور نہ ہی عدالت گستری کا ایسا طریقہ رائج تھا جو آج کل کے طرز حکومت کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ ہر ایک قبیلہ ایک دوسرے سے الگ اور کلیتاً آزاد تھا اور اسی طرح ہر قبیلے کے افراد بھی آزاد تھے اور وہ صرف اپنے سردار کی قیادت اور اس کے اختیارات کو تسلیم کرتے تھے۔ سردار قبیلہ رائے عامہ کی پابندی کرتا تھا، مگر ان باتوں کے باوجود قبیلے کا فرد اس کے کسی فیصلے کو خواہ وہ متفقہ ہی کیوں نہ ہو، رد کرنے میں آزاد تھا اگرچہ اس صورت میں وہ اپنے قبیلے کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔ علاوہ ازیں سردار کے منصب کے انتقال کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا۔ عام طور پر ہر قبیلے والے ایسے شخص کو سردار منتخب کرتے تھے جو عمر رسیدہ ہو، مالدار ہو، اور سب سے زیادہ مقتدر خاندان سے ہو اور ایسی شخصیت کا مالک ہو، جس کی سب لوگ عزت کرسکیں۔ اگر کسی قبیلے کی تعداد بڑھ جاتی، تو وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا، اور یہ تمام حصے الگ الگ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور صرف خاص خاص موقعوں پر مشترکہ حفاظت کے لئے یا کسی غیر معمولی فوجی مہم کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جاتے تھے۔

مذکورہ بالا حالات سے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنے پیرووں کی کثیر اور ترقی پذیر جماعت کے سردار بن گئے جو صرف انہی کو اپنا رہنما سمجھتے تھے اور کسی دوسرے شخص کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس سے نہ کسی شخص کو اپنی سلامتی کے بارے میں خدشہ پیدا ہوا اور نہ ہی کسی رئیس کو اپنے مسلمہ اختیارات کے چھن جانے کا ایسا اندیشہ لاحق ہوا جو قدیم یونان کے کسی شہر میں، یا اسی طرز کی کسی دوسری منظم جماعت میں پیدا ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر ایسے ہی دنیوی اختیارات رکھتے تھے، جیسے کوئی دوسرا خودمختار سردار رکھتا ہو۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اہل اسلام کے ہاں قدیم خاندانی اور نسلی تعلقات کی جگہ دینی رشتے نے لے لی۔ اس طرح سے اسلام کم از کم نظری طور پر ایک سیاسی اور مذہبی نظام بن گیا اور اس کی یہ نوعیت اور خصوصیت ہمیشہ قائم رہی۔

Marfat.com

فون کریمر (Von Kremer) لکھتا ہے کہ "حضرت محمد ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالیں اور وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے، مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک سیاسی نظام بھی قائم کیا جو ایک بالکل جدید اور خاص نوعیت رکھتا تھا۔ پہلے ان کی صرف یہ خواہش تھی کہ ان کے اہل وطن خدائے واحد یعنی اللہ پر ایمان لائیں، مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس طرز حکومت کو الٹ دیا جو ان کے وطن مالوف میں رائج تھا۔ عہد رسالت سے پیشتر ممتاز خاندانوں کے سردار مل کر حکومت کا کاروبار چلاتے تھے۔ سرداران قبائل کی حکومت کی بجائے رسول خدا ﷺ نے ایک ایسی حکومت الٰہیہ قائم کی جس کی باگ ڈور خود ان کے اپنے ہاتھ میں بحیثیت خلیفۃ اللہ علی الارض کے تھی۔

آنحضرت ﷺ کی رحلت سے پہلے ہی تقریباً تمام ملک ان کی اطاعت اختیار کر چکا تھا۔ وہ عرب جس نے آج تک کسی ایک بادشاہ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی، اب اس میں دفعتاً سیاسی اتحاد پیدا ہو گیا اور اس نے ایک حاکم خود مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مختلف قسم کے سینکڑوں چھوٹے بڑے قبیلوں سے، جو ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ دست و گریبان رہتے تھے، حضرت محمد ﷺ کے ایک کلمے نے ایک قوم تیار کر دی۔ ایک مشترک مذہب اور مشترک حاکم نے عرب کے مختلف قبائل کو ایک ایسے سیاسی نظام میں منسلک کر دیا جس نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اپنے مخصوص اوصاف پیدا کر لیے۔ یہ نتیجہ صرف ایک ہی زبردست اصول کے ذریعے سے پیدا ہو سکتا تھا اور وہ قومیت کا اصول تھا۔ عربوں کے قبائلی نظام کو کلیتاً توڑا نہ جا سکا، تاہم اسے مذہبی اتحاد کے جذبے کے تابع کر دیا گیا۔ اس عظیم الشان کام میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا، تو ملک کے اکثر حصے میں ایسا خدائی امن قائم ہو چکا تھا، جس سے عرب قبائل، جو لوٹ مار اور انتقام لینے کے دلدادہ تھے، قطعاً نا آشنا تھے۔ یہ دین اسلام ہی تھا جس نے یہ اتفاق و اتحاد پیدا کیا۔" (۱۴)

مؤاخات:

مدینہ پہنچتے ہی رسول خدا ﷺ کو اس امر کی فکر دامن گیر ہوئی کہ اپنے اعلیٰ معاشرتی تخیل کو کسی طرح عملی جامہ پہنائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم کر دیا، اور خون کی قرابت داری کی جگہ مذہبی اتحاد اور ایک مشترک مذہبی زندگی نے لے لی۔ جب کوئی شخص انتقال کر جاتا تو رشتہ داروں کے حقوق نظر انداز کر دیئے جاتے تھے، اور اس کا دینی بھائی اس کی تمام جائداد کا وارث بن جاتا تھا، لیکن جنگ بدر کے بعد جب اس قسم کی مؤاخات کی ضرورت باقی نہ رہی تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اس قسم کا انتظام صرف اس وقت تک ضروری تھا جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ان کی اجتماعی زندگی ایک انوکھی بات تھی۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ

Marfat.com

کے ورود مدینہ پر ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ مسلمانوں کی تعداد جلد جلد بڑھنے لگی اور اس قسم کا اجتماعی نظام ناقابل عمل ہوگیا۔ یہ بات متوقع تھی کہ مدینے میں مہاجرین مکہ کی ایک مستقل اور خود مختار جماعت کی تشکیل وترقی سے آخر کار لڑائیاں برپا ہو جائیں گی۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ تمام کتب سیرت ان لڑائیوں اور خونریز جنگوں کے حالات سے بھری پڑی ہیں، جو مسلمانان مدینہ اور مشرکین مکہ کے درمیان ہوئیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ۶۳۰ء بمطابق ۸ھ میں مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ انہی کتابوں میں معاندانہ اور مخالفانہ تعلقات کا بھی ذکر آیا ہے، جو آنحضرت ﷺ کی رحلت (۶۳۳ء) تک بہت سے دیگر قبائل کے ساتھ جاری رہے۔

مغربی علماء کی ایک غلط فہمی:

غزوات نبوی کا بیان کتاب ہذا کے موضوع سے خارج ہے، لیکن اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ جب آنحضرت ایک مسلح جماعت کے سردار بن گئے تو انہوں نے دفعتاً ایک پرامن واعظ کے منصب کو چھوڑ کر ایک متعصب مذہبی جنونی کا قالب اختیار نہیں کیا، جو دوسرے لوگوں کو تبدیل مذہب پر بزور شمشیر مجبور کرے۔ (۱۵)

مغربی مصنفوں نے اکثر یہی لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت کی، اور ان کے حالات زندگی بدل گئے تو وہ ایک بالکل نئے انداز میں ظاہر ہوئے۔ اب وہ واعظ اسلام نہیں تھے جن کا کام رسول خدا ﷺ کی حیثیت سے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور انہیں اسلام کی حقانیت کا قائل کرنا تھا۔ بلکہ (نعوذ باللہ) اب وہ ایک متعصب شخص ثابت ہوئے، اور بغیر کسی پس وپیش کے اپنی قوت اور تدبیر کے تمام ممکنہ وسائل کو اپنی بات منوانے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ لیکن یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ مدینے میں آکر آنحضرت ﷺ نے داعی اسلام کے منصب کو خیر باد کہہ دیا تھا، یا یہ کہ جب ایک بڑا لشکر آپ کی سرکردگی میں جمع ہوگیا تو آپ ﷺ نے منکرین کو اسلام کی طرف بلانا چھوڑ دیا۔ ابن سعد نے اپنی کتاب "الطبقات" میں متعدد ایسے تبلیغی مراسلات درج کئے ہیں جو رسول خدا ﷺ نے مدینے سے مختلف قبائل عرب کے سرداروں کو بھیجے تھے۔ یہ مراسلات ان مکاتیب کے علاوہ ہیں جو آپ ﷺ نے بیرونی ملکوں کے حکمرانوں کے نام روانہ کئے تھے اور جن میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ ذیل کے صفحات میں آپ کو متعدد مثالیں اس بات کی ملیں گی کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے قبائل کے ہاں مبلغین کو بھیجا جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بعض اوقات ان کو ناکامی ہوئی، مگر اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی کوششیں خالص تبلیغی تھیں اور کسی طرح کا جبر اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس قسم کی ناکام کوشش کی ایک مثال وہ تبلیغی مشن ہے جو آنحضرت ﷺ نے ۴ھ میں قبیلہ بنو عامر

Marfat.com

بن صعصعہ کی طرف بھیجا تھا۔ اس قبیلے کا سردار، ابو براء عامر مدینہ میں آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرتﷺ نے اس کو اسلام کی تلقین کی مگر اس نے قبول اسلام سے انکار کیا۔ تاہم اسے اسلام کی طرف قدرے رغبت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس نے آنحضرتﷺ سے درخواست کی کہ چند مسلمانوں کو نجد میں اسلام کی تلقین کرنے کے لئے بھیج دیں۔ آنحضرتﷺ نے اس مقصد کے لئے چالیس مسلمانوں کی ایک جماعت بھیج دی، جن میں اکثر مدینے کے نوجوان تھے۔ یہ لوگ قرآن خوانی کے ماہر تھے اور قرأت اور عبادت کے لئے اکثر اوقات راتوں کو جمع ہوا کرتے تھے۔ مگر باوجود اس پروانۂ راہداری کے جو ابو براء عامر نے ان کی سلامتی اور امان کے لئے دیا تھا، ان کو دھوکہ سے قتل کرادیا گیا، اور ان میں سے صرف تین آدمی بھاگ کر اپنی جانیں بچا سکے۔ (۱۶)

بہرحال جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں تو مختلف قبائل کے افراد، خصوصاً وہ قبیلے جو مدینے کے گردونواح میں آباد تھے، اسلام کی طرف روز بروز کھنچتے چلے آئے اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوگیا۔ مختلف قبائل کے جو وفود مدینے میں آتے تھے، آنحضرتﷺ ان سے خوش اخلاقی سے پیش آتے، ان کی شکایات دور کرتے اور حکمت وفراست کے ساتھ ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے۔ جو لوگ قبول اسلام میں سبقت کرتے، آپﷺ ان کو صلے میں اراضی عطا کرتے۔ ان باتوں سے آپﷺ ہر دلعزیز ہوگئے اور تمام ملک میں آپ کا شہرہ ایک عظیم، فیاض اور سخی پرنس کی حیثیت سے ہوگیا۔ (۱۷)

بنو سعد کا قبول اسلام:

بسا اوقات ایسا ہوا کہ کسی قبیلے کا ایک آدمی رسول اکرمﷺ کی خدمت میں مدینے میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا اور پھر مبلغ اسلام بن کر اپنے وطن کو لوٹا، تاکہ اپنے بھائیوں کو بھی اسلام کا حلقہ بگوش بنائے۔ سن ۵ ھ میں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سفیر بنا کر رسول خداﷺ کی طرف بھیجا۔ اس نے مسجد کے دروازے پر پہنچ کر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کی اگلی ٹانگ کو باندھ دیا۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا جہاں رسول اکرمﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے اور ان کے قریب آکر پوچھا کہ آپ میں سے ابن عبدالمطلب کون ہے؟ رسول اکرمﷺ نے جواب دیا کہ ابن عبدالمطلب میں ہوں۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ ہی محمدﷺ ہیں؟ اس کے جواب میں رسول پاکﷺ نے فرمایا کہ "ہاں، میں ہی محمدﷺ ہوں۔" پھر وہ شخص بولا کہ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے چند اہم سوالات پوچھوں۔ رسول اکرمﷺ نے فرمایا کہ "جو دل میں آئے پوچھو، میں برا نہیں مانوں گا۔" اس پر اس شخص نے کہا کہ "میں آپ کو قسم دیتا ہوں اللہ کی جو آپ کا خدا ہے اور ان لوگوں کا خدا

Marfat.com

ہے جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اور آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا واقعی اللہ نے آپ کو ہماری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟" رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا "ہاں، قسم ہے اللہ کی۔" پھر وہ شخص بولا "میں آپ کو قسم دیتا ہوں اللہ کی جو آپ کا خدا ہے اور ان لوگوں کا خدا ہے جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اور آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا واقعی اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے اس بات کا کہ ہم صرف اسی کو پوجیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں؟ اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے؟" رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا "ہاں، قسم ہے اللہ کی"۔ پھر اس شخص نے تمام فرائض اسلام مثلاً نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے متعلق یکے بعد دیگرے پوچھا اور ہر بار رسول خدا ﷺ کو قسم دلائی۔ پھر آخر میں کہا کہ "میں شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، میں تمام اوامر کی پیروی کروں گا، اور جن باتوں سے آپ نے روکا ہے، ان سے پرہیز کروں گا اور ان میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں کروں گا"۔

پھر ضمام رخصت ہوا اور اپنے قبیلے میں چلا گیا۔ جب اس کے قبیلے والے جمع ہوئے تو سب سے پہلی بات جو ضمام نے ان سے کہی یہ تھی کہ "لات اور عزیٰ بیکار چیزیں ہیں۔" اس پر اہل قبیلہ پکار اٹھے، اے ضمام! اپنی زبان کو روکو، مبادا کہ تم برص، جذام یا جنون میں مبتلا ہو جاؤ"۔ اس نے جواب دیا "بخدا! وہ نہ تو ہمیں کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع۔ خدا نے ایک رسول بھیج دیا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے تم کو گمراہی سے نجات دلائی ہے۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، اور میں ان کے پاس سے اللہ کے اوامر و نواہی لایا ہوں"۔ ضمام کی تلقین کا نتیجہ یہ ہوا کہ دن ڈھلنے سے پہلے ہی قبیلہ کے تمام مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئیں۔ (۱۸)

جہینہ کا قبول اسلام:

اسی قسم کا ایک اور مبلغ اسلام عمرو بن مرہ تھا جو قبیلہ بنو جہینہ سے تھا، جو مدینہ اور بحر احمر کے درمیانی علاقے میں رہتے تھے۔ اس نے سن ۵ ھ میں اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کیا ہے: "ہمارے ہاں ایک بت تھا، جس کی ہم تعظیم کرتے تھے، اور میں ہی اس کا مجاور تھا۔ جب میں نے رسول خدا ﷺ کی بابت سنا، تو میں نے وہ بت توڑ ڈالا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اور نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اور حلال و حرام کے بارے میں جو احکام وہ لائے تھے، ان پر ایمان لایا۔ چنانچہ اسی موقع پر میں نے ذیل کے اشعار کہے تھے:

شھدت بان الله حق و انني   لآلهة الاحجار اول تارك

Marfat.com

و شمرت عن ساقی الازار مهاجراً　　الیک اجوب الوعث بعد الدکادک
لاصحب خیرالناس نفساً و والداً　　رسول ملیک الناس فوق الحبائک

(ترجمہ) "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سچا ہے اور میں پتھروں کے بنے ہوئے خداؤں کو ترک کرنے میں سبقت کرنے والا ہوں۔ میں نے ترک وطن پر کمر باندھی اور نشیب وفراز کو طے کیا تا کہ اس ذات گرامی سے جاملوں جو اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لحاظ سے سب لوگوں سے افضل ہے، اور اس خدا کا پیغمبر ہے جو تمام انسانوں کا بادشاہ ہے اور آسمانوں پر ہے۔"

رسول خدا ﷺ نے عمرو کو اس کے قبیلے کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کیا، چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور سوائے ایک شخص کے سب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔(۱۹)

صلح حدیبیہ (۵۶) کے بعد جب اہل مکہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تو مکہ کے بہت سے لوگ، جن کو ابتداء عہد رسالت میں رسول خدا ﷺ کے ارشادات سننے کا موقع ملا تھا، اسلام قبول کرنے کے لئے مدینے پہنچ گئے۔ ان میں سے بعض اشخاص اثر ورسوخ والے تھے، مثلاً حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص۔

بنو دوس کا قبول اسلام:

اہل مکہ کے ساتھ جنگ وجدال مسلسل طور پر جاری رہا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو قبیلے مکہ سے جنوب کی طرف رہتے تھے، وہ اب تک اسلام سے ناآشنا اور اس کے حلقہ اثر سے باہر رہے تھے۔ مگر صلح حدیبیہ سے جنوبی عرب کے ساتھ آمدورفت ممکن ہوگئی۔ چنانچہ یمن کی شمالی سرحد سے بنو دوس کے چند لوگ آئے اور مدینے میں رسول کریم ﷺ سے ملے۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی بنو دوس میں چند اشخاص ایسے تھے جنہوں نے ایک ایسے مذہب کی جھلک دیکھی تھی جو اس زمانے کی مروجہ بت پرستی سے بالاتر تھا۔ اور انہوں نے استدلال کیا تھا کہ کائنات کا ضرور کوئی خالق ہے، اور جب رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان میں سے ایک شخص جس کا نام طفیل بن عمرو تھا، مکہ آیا تا کہ رسول خدا ﷺ سے دریافت کرے کہ اس کائنات کا بنانے والا کون ہے۔

اگرچہ قریش مکہ نے طفیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ محمد ﷺ کی گفتگو کا اثر بڑا خطرناک ہے، تاہم ایک دن جب رسول خدا ﷺ کعبہ میں عبادت کرنے کے بعد لوٹے تو طفیل ان کے پیچھے پیچھے ان کے مکان تک جا پہنچا۔ رسول خدا ﷺ نے اسے احکام اسلام بتائے، اور وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ جب وہ گھر پہنچا تو صرف اپنے باپ اور اپنی بیوی کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوا۔ مگر قبیلے کے دوسرے لوگ اپنی آبائی بت پرستی چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اپنی ناکامی سے دل شکستہ ہوکر وہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں دوبارہ

Marfat.com

حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ بنو دوس کے حق میں بد دعا کیجئے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کی ہمت بندھائی اور فرمایا کہ "اپنی کوشش جاری رکھو، اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ اور ان کو دین اسلام کی طرف بلاؤ، مگر ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو"۔ اس کے ساتھ ہی رسول کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ "خدایا! بنو دوس کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر"۔ طفیل کو اپنی تبلیغ میں ایسی کامیابی ہوئی کہ ۷ھ میں جب وہ مدینے آئے تو ان کے ہمراہ ان کے قبیلے کے ستر اسی خاندان تھے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد طفیل نے لکڑی کے اس ٹکڑے کو آگ لگا دی، جس کو اس کے قبیلے کے لوگ صنم کے طور پر پوجتے آئے تھے۔ (۲۰)

۷ھ میں پندرہ اور قبیلوں نے رسول خدا ﷺ کی اطاعت قبول کی، مگر آج تک اکثر قبائل عرب یہ کہہ کر الگ تھلگ رہے تھے کہ "محمد ﷺ اور ان کے قبیلے کو آپس میں لڑنے دو۔ اگر وہ فتح یاب ہوئے تو بے شک وہ سچے نبی ہیں"۔ (۲۱) فتح مکہ کے بعد جب اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا، تو یہ سب قبائل قبول اسلام کے لئے دوڑے آئے۔ جو لوگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرت ﷺ کو سخت اذیتیں پہنچائی تھیں، مگر آپ ﷺ نے بردباری اور عفو سے کام لے کر ان کو معاف کر دیا اور اسلامی برادری میں شامل کر لیا۔

اگلے سال حضرت عروۃ بن مسعودؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا جو اہل طائف کے سرداروں میں سے تھے۔ جب اہل اسلام نے شہر طائف کا محاصرہ کیا، ان دنوں عروہ یمن کی طرف گئے ہوئے تھے۔ محاصرہ اٹھنے کے تھوڑے عرصے بعد سفر سے واپس آئے۔ دو برس پہلے حدیبیہ میں وہ رسول اکرم ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کر چکے تھے، اور حضور ﷺ کی عظمت کا نقش ان کے دل میں بیٹھ چکا تھا۔ اب وہ مدینہ میں قبول اسلام کی غرض سے آئے۔ ان کے سینے میں اسلام کا جوش ایسا موجزن ہوا کہ انہوں نے طائف واپس جانے کا قصد کر لیا، تا کہ اہل وطن کو بھی دولت اسلام سے مالا مال کریں۔ رسول خدا ﷺ نے ان کو اس خطرناک مہم سے روکنا چاہا مگر عروہ اپنے وطن واپس چلے گئے، اور وہاں پہنچ کر برسر عام اعلان کیا کہ میں نے بت پرستی ترک کر دی ہے، اور لوگوں سے کہا کہ تم بھی میری پیروی کرو۔ جس وقت وہ اسلام کی تلقین کر رہے تھے، ایک تیر ان کے آ کر لگا، جس نے کاری زخم پہنچایا۔ مرتے وقت انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کو شہادت کا رتبہ بخشا۔

یمن میں تبلیغ اسلام:

غالباً ایک برس کے بعد رسول اکرم ﷺ کے ایک اور صحابی نے یمن میں تبلیغ اسلام کی کوشش کی جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے الحارث، مسروح، اور نعیم بن عبد

Marfat.com

کلال حمیری کو اس مضمون کا خط لکھا:

"سلم انتم ما آمنتم باللہ و رسولہ و أن اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ بعث موسیٰ بآیاتہ و خلق عیسیٰ بکلماتہ۔ قالت الیہود عزیر ابن اللہ و قالت النصاریٰ اللہ ثالث ثلاثۃ و عیسیٰ ابن اللہ۔

(ترجمہ) تم پر سلامتی ہو جب تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمات کے ساتھ پیدا کیا۔ یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے اور عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ گرامی نامہ عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کے ہاتھ بھیجا اور ان سے فرمایا کہ "جب تم ان کے شہر میں پہنچو تو رات کے وقت ہرگز داخل نہ ہونا۔ جب صبح ہو جائے تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو اور تمہارا خیر مقدم ہو۔ اور اللہ کی پناہ مانگنا۔ تب میرا نامہ اپنے داہنے ہاتھ میں لینا اور اپنے داہنے ہاتھ سے ان کے داہنے ہاتھ میں دینا، اور وہ اس کو قبول کریں گے۔ پھر ان کے سامنے یہ آیات پڑھنا:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ (سورہ البینہ آیت ۱۔۸)۔

(ترجمہ): اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ منکر ہوئے، وہ (اپنے دینوں) سے ہٹنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس ایک روشن دلیل آ گئی، یعنی اللہ کا رسول، جو پاکیزہ صحیفے پڑھتا ہے جن میں عمدہ احکام ہیں اور اہل کتاب نے اس واضح دلیل کے بعد ہی اختلاف کیا۔ حالانکہ ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں یکسو ہو کر، اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں، اور یہی عمدہ طریقہ ہے۔ بے شک اہل کتاب میں

Marfat.com

سے جو کافر اور مشرکین ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ بدترین خلائق ہیں، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں رہنے کو باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ جنت اور رضا اس شخص کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے:"۔

جب تم ان آیات کی تلاوت کر چکو تو کہنا کہ محمد ﷺ اس پر ایمان لے آئے ہیں اور میں ان پر ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ اور جو اعتراض تم پر کریں گے تم اس کا جواب دے سکو گے۔ اور جو چمکیلی کتاب وہ پڑھیں گے اس کی چمک جاتی رہے گی۔ وہ تمہارے سامنے قرأت کریں گے، اور جب وہ غیر زبان میں بولیں تو ان سے کہنا کہ ترجمہ کرو۔ اور ان سے کہنا کہ "خدا میرے لئے کافی ہے، میں اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے کام ہمارے لئے ہیں اور تمہارے کام تمہارے لئے، ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ خدا ہم سب کو اکٹھا کرے گا۔ اور ہم سب کو اسی کے پاس جانا ہے۔" اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان سے ان کی تین لکڑیوں کی بابت پوچھنا، جن کے سامنے وہ سجدہ کرتے ہیں۔ ایک لکڑی تو اثل یعنی جھاؤ کی ہے جس پر سفید اور زرد داغ ہیں، اور ایک لکڑی میں بید کی طرح گانٹھیں ہیں اور ایک آبنوس کی مانند سیاہ ہے۔ ان لکڑیوں کو باہر نکالنا اور ان کو بازار میں جلا ڈالنا۔"

عیاش کا بیان ہے کہ "میں روانہ ہوا اور جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا، ویسا ہی کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سب لوگوں نے لباس فاخرہ پہن رکھا ہے۔ ان کو دیکھنے کے لئے جب آگے بڑھا تو میں تین بڑے پردوں کے پاس آیا جو تین دروازوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے پردہ اٹھایا اور درمیانی دروازے سے داخل ہوا، اور دیکھا کہ لوگ مکان کے صحن میں جمع ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کا فرستادہ ہوں، اور میں نے ویسا ہی کیا جیسا رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ انہوں نے میری بات قبول کی اور ایسا ہی ہوا جیسا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔" (۲۲)

سن ۹ ھ میں بنو عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ بنو کلاب کا ایک وفد، جو تیرہ اشخاص پر مشتمل تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "آپ کا ایک صحابی ضحاک بن سفیان ہمارے پاس آیا اور کتاب اللہ اور آپ کی سنت ہمارے پاس لایا اور ہمیں اللہ کی طرف بلایا چنانچہ ہم نے نئے دین کو قبول کر لیا ہے۔" (۲۳) اسی قبیلے کی ایک اور شاخ، یعنی بنو رؤاس بن کلاب اپنے ہی قبیلے کے ایک فرد عمرو بن مالک کی کوشش سے مشرف باسلام ہوئی۔ عمرو مدینہ جا کر مسلمان ہو چکا تھا۔ پھر وہ اپنے قبیلے میں واپس گیا اور اس کی ترغیب سے تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (۲۴)

Marfat.com

اسی سال یعنی سنہ ۹ ھ میں ایک نومسلم واثلہ بن الاصقع نے اپنے قبیلے کو مسلمان کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قبیلے کو بھی قبول اسلام کی ترغیب دی، مگر اس کے باپ نے اسے حقارت سے رد کر دیا، اور کہا کہ بخدا! میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔ اس کے قبیلے میں سے کوئی شخص اس کی باتوں پر ایمان لانے کے لئے رضامند نہ ہوا، سوائے اس کی بہن کے جس نے ان کے لئے پیغمبر کے پاس مدینے واپس جانے کا سامان مہیا کر دیا۔ (۲۵)

عام الوفود:

سن ۹ ھ کو "عام الوفود" کہتے ہیں کیونکہ اس سال عرب کے بہت سے قبیلوں اور شہروں نے اپنے آدمی رسول خدا ﷺ کی خدمت میں اظہار اطاعت کے لئے روانہ کئے تھے۔ عرب معاشرے کا قدیم نظام خون کے رشتے پر قائم تھا، مگر اخوت اسلامی سے اہل عرب میں سوشل اتحاد کا ایک نیا اصول جاری ہوا جس نے قبائلی عصبیت کو کمزور کر دیا۔ جب کوئی شخص اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام کی نئی برادری میں شامل ہوتا، تو اس سے عربوں کی معاشرت کا ایک بنیادی قاعدہ ٹوٹ جاتا۔ چونکہ اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آئے اس لئے قبائلی نظام ڈھیلا پڑ گیا اور اہل اسلام کی قومی زندگی کے سامنے کمزور ہو گیا، جس میں نہ صرف مذہبی جوش و خروش تھا بلکہ قومی اتفاق واتحاد بھی تھا۔ لہذا قبائل عرب رسول خدا ﷺ کی اطاعت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ آپ ﷺ بلاد عرب کی سب سے بڑی فوجی طاقت کے سردار تھے، بلکہ اس خیال سے بھی کہ آپ ﷺ ایک ایسے اصول معاشرت کے معلم تھے جس نے دوسرے ہر طرح کے سوشل نظام کو کمزور اور معطل کر دیا تھا۔ (۲۶) آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے کی معاشرتی بدنظمی کے مقابلے میں قومی اتحاد کا جذبہ اور باہمی حقوق و فرائض کا ایسا احساس پیدا کیا جس سے عرب لوگ نا آشنا تھے۔ (۲۷) اس طرح سے اسلام نے ان تمام قبائل عرب کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کر دیا جو اس سے پہلے ایک دوسرے سے دست و گریباں چلے آتے تھے۔ اور جوں جوں اسلام کی متحدہ جماعت بڑھتی گئی، عرب کے کمزور قبیلے اس میں شریک ہوتے گئے۔ قبائل عرب کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں رسول خدا ﷺ کے اس وعدے کا بار بار ذکر آتا ہے کہ اسلام قبول کرنے پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کی جائے گی۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ کی رحلت کی خبر سن کر ایک عرب چلا اٹھا: "ہائے افسوس ہے محمد ﷺ کی رحلت کا، جب تک آپ زندہ تھے، تو میں امن میں تھا اور اپنے دشمنوں سے محفوظ تھا۔" اور اس فریاد کی گونج تمام دیار عرب میں پھیل گئی ہو گی۔

بہت سے قبائل عرب کا لگاؤ اسلام کے ساتھ سرسری اور سطحی تھا۔ یہ امر اس بات سے ظاہر ہے کہ رسول خدا ﷺ کے انتقال کے بعد وہ جلدی ہی اسلام سے منحرف ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حالات میں ان کا

Marfat.com

قبول اسلام مذہبی جوش یا روحانی بیداری کا نتیجہ نہ تھا بلکہ انہوں نے اسلام کی حلقہ بگوشی سیاسی مقاصد سے یا جبر و تعدی کے دباؤ سے اختیار کی تھی، اور وہ اُس رو میں بہہ نکلے تھے جس نے اب ایک عظیم الشان قومی تحریک کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جو لوگ فتح مکہ کے بعد اپنا نفع نقصان سوچ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، ان میں دین کا وہ جوش اور ولولہ نظر نہیں آتا، جو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر ان میں بہت سے لوگ ایسے ضرور ہوں گے جنہوں نے سچے مومنوں کی تعداد میں اضافہ کیا، اور جن کے سینوں میں دین کی سچی تڑپ موجود تھی اور وہ تبلیغ اسلام میں اور اپنے بھائیوں کی تعلیم و تلقین میں اپنی جانوں پر کھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار تھے۔

صحابہ کرامؓ:

"یہی وہ لوگ تھے جو رسول خدا ﷺ کے حقیقی وارث اور ان کی تعلیمات کے سچے امین تھے اور آئندہ چل کر اسلام کے مبلغ بننے والے تھے۔ رسول خدا ﷺ کی صحبت اور الفت و محبت سے ان میں ایک نیا انداز فکر اور ایک نیا شعور پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اس سے پیشتر ایسے اعلیٰ و ارفع اور مہذب تخیل سے کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ اب ان کی حالت ہر لحاظ سے بہتر ہو گئی اور بعد کے زمانے میں انہوں نے ملکوں کی سیاست اور فوجوں کی قیادت کے موقع پر ایسی تدبیر و دانش سے کام لیا جو اس بات کی بین اور ناقابل انکار دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خیالات اور تعلیمات کی تخم ریزی عمدہ اور نفع بخش زمین میں ہوئی تھی۔ اس سے ایسے آدمیوں کی جماعت پیدا ہوئی جو نہایت اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے۔ قرآن پاک ان کو ازبر یاد تھا اور ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول خدا ﷺ کے ہر قول اور ہر حکم کی انتہائی احتیاط و حزم کے ساتھ حفاظت کی۔ آنحضرت ﷺ کی اخلاقی وراثت کے یہی وہ پاسبان تھے جو شجر اسلام کی بیخ و بن ثابت ہوئے اور جن سے بعد ازاں اسلام کے فقہاء، علماء اور محدثین پیدا ہوئے۔" (۲۸)

اسلام اور جاہلیت کا مقابلہ:

صحابہ کرام جیسے مخلص اور صاحب اوصاف اشخاص کے بغیر اسلام کی وسیع تحریک کبھی سالم اور متحد نہیں رہ سکتی تھی اور خصوصاً رسول خدا ﷺ کی رحلت سے جو صدمہ پہنچا، اسے یہ تحریک کبھی برداشت نہ کر سکتی۔ کیونکہ اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ عرب کے بت پرست ملک میں اسلام نے ایک بالکل نئی تحریک چلائی تھی اور اسلام اور جاہلیت کے عقائد اور خیالات ایک دوسرے سے متضاد اور متناقض تھے۔ (۲۹) عرب کے معاشرے میں اسلام کی اشاعت سے صرف یہ مطلب نہ تھا کہ چند وحشیانہ رسوم و عادات کو مٹا دیا جائے بلکہ قدیم خیالات اور تصورات کو یکسر تبدیل کر دینا مقصود تھا۔

Marfat.com

مذکورہ بالا امور میں اس بات کا قطعی ثبوت موجود ہے کہ رسول خدا ﷺ کا لایا ہوا مذہب فی نفسہ ایک تبلیغی مذہب ہے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے کے حالات ایک نئی سیاسی جماعت کی ساخت کے لئے سازگار رہوں، مگر یہ بات یقینی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے معاصرین ان کی مذہبی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے، لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس عہد کے لوگ صرف اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ کوئی شخص آئے اور ان کے دلوں کی مخفی آرزوؤں کو الفاظ کا جامہ پہنائے۔ یہی وہ شوق انتظار تھا جو عربوں میں مفقود تھا۔ کم از کم ملک عرب کے اس حصے میں معدوم تھا جس کی طرف رسول خدا ﷺ نے پہلے پہل اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ وہ ایک نئے معلم کا وعظ سننے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہ تھے، خصوصاً ایسے شخص کا وعظ جو "رسول اللہ ﷺ" کا لقب رکھتا تھا اور جس کا کوئی مفہوم ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا"۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی باہمی مساوات اور عام اخوت عرب اور عجم کی تفریق کو جائز نہیں رکھتی تھی اور اسی طرح آزاد شخص اور غلام کے امتیاز کو بھی روا نہیں رکھتی تھی۔ یہ ایک ایسا تصور تھا جو پر غرور عربوں کی قبائلی عصبیت کے بالکل منافی تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کی ذاتی عزت ان کے آباءواجداد کی شہرت پر موقوف تھی، اور اسی بنا پر وہ ان لڑائیوں کا لاانتہا سلسلہ جاری رکھتے تھے، جن میں وہ بہت خوش رہتے تھے، اسلام کے بنیادی اصولوں سے عربوں کے ان عقائد اور خیالات پر فی الواقع اعتراض وارد ہوتا تھا جو ان کو بہت عزیز تھے کیونکہ ایک نومسلم کو اس بات کی تلقین کی جاتی تھی کہ وہ ان باتوں کو اخلاق حسنہ تصور کرے (مثلاً برائی کے بدلے میں نیکی کرنا) جن کو وہ پہلے نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا آیا تھا۔

ایام جاہلیت کے عربوں کے نزدیک دوستی اور دشمنی کی مثال اس قرض کی تھی جس کا مع سود کے ادا کرنا ضروری تھا۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینے میں وہ فخر محسوس کرتے تھے اور جو شخص اس کے برعکس عمل کرتا، اسے کمزور اور نکما سمجھ کر بنظر حقارت دیکھتے تھے۔

ایسے لوگوں کو پیغمبر ﷺ کی زبانی یوں خطاب ہوا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (سورۃ المومنون، آیت ۹۶)

آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ النور، آیت ۲۲)

یعنی چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے، اور بے شک اللہ بخشنے والا ہے۔

Marfat.com

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۴۔۱۳۳)

"اور جنت جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، تیار کی گئی ہے ان پرہیز گار لوگوں کے لئے جو خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

جب رسول خدا ﷺ نے پہلے پہل عربوں کو پیغام الٰہی سنایا تو انہوں نے نماز کا مضحکہ اڑایا۔ چنانچہ فرائض رسالت کی ادائیگی میں سب سے زیادہ دشوار کام جو آنحضرت ﷺ کو پیش آیا، وہ یہ تھا کہ ان کے دلوں میں اپنے خالق کی تعظیم وتکریم کا جذبہ پیدا کریں۔ اس خدا ترسی کی تلقین تو یہود اور نصاریٰ کے مذاہب میں بھی موجود تھی مگر ایام جاہلیت کے بت پرست لوگ اس سے نا آشنا تھے۔ ان کی غفلت اور مذہبی روح سے محرومی، جس میں قومی تکبر بھی شامل ہو گیا تھا، کی بناء پر ان کی طبیعتوں میں رسول خدا ﷺ کی تعلیم پر کان دھرنے کا بہت کم میلان پایا جاتا تھا۔ وہ ایسے رسول ﷺ کی بات کیوں کر سن سکتے تھے جو یہ فرماتے تھے کہ:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۗ (سورۃ الحجرات، آیت ۱۳)

یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ صاحب عزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے۔

ان کی آزاد روی پر اسلام جو پابندیاں عائد کرتا تھا وہ ان کے لئے نا قابل برداشت تھیں۔ ایام جاہلیت کے عرب، شراب، چنگ و رباب اور حسن نسوانی کے بے حد دلدادہ تھے اور یہی وہ چیزیں تھیں جن پر رسول خدا ﷺ نے اپنے شدید احکام جاری کر کے سخت پابندیاں لگا دی تھیں۔

غرض کہ اسلام ابتدا ہی سے ایک تبلیغی دین رہا ہے، جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کر کے ان کو اپنا حلقہ بگوش بنائے اور اسلامی برادری میں شامل کرے۔ اسلام کا جو مسلک ابتدا میں تھا، اسی مسلک پر وہ اب تک قائم ہے، جیسا کہ قارئین کرام پر آئندہ صفحات میں واضح ہو جائے گا۔

Marfat.com

حواشی

۱) سیرت ابن اسحاق، ص ۱۲۰۔

۲) ایضاً ص ۱۵۵۔

۳) جو آج تمام عالم اسلام میں پہلے مؤذن کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔

۴) سیرت ابن اسحاق، ص ۲۱۹۔۲۲۰۔ طبری نے اس مشن کا تذکرہ نہیں کیا، اس لئے کیتانی (ص ۲۷۸) کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ بعد میں گھڑا گیا ہے۔

۵) ابن اسحاق، ص ۲۲۵۔۲۲۶

۶) ابن اسحاق، ص ۲۸۶۔۲۸۷

۷) کیتانی (Caetani) ج اص ۳۳۴۔۳۳۵۔

۸) ابن اسحاق، ص ۲۹۱

۹) صیام رمضان کی فرضیت بھی جس کا سورۂ بقرہ (آیات ۱۷۹۔۱۸۴) میں ذکر آیا ہے، بلاشبہ اس بات کی علامت ہے کہ اہل اسلام نے یہود سے قطع تعلق کر لیا تھا، کیونکہ اس سے یوم الکفارہ کا روزہ منسوخ ہو گیا۔

۱۰) جرمن پروفیسر زخاؤ ایک مضمون میں، جو انہوں نے ۱۹۰۲ء میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کی سیرت پر لکھا تھا، (ص ۲۹۳۔۲۹۴) رقم طراز ہیں کہ "پیغام الٰہی فقط عربوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ کے احکام تمام کائنات کے لئے ہیں، لہذا تمام نوع انسان سے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ چونکہ محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے اس لئے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرنے میں وہ حق بجانب تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ مؤقف ابتدائے اسلام ہی سے ان کے مذہب کا ایک لازمی حصہ رہا ہے۔" گولڈ سیر اور پروفیسر نوئلڈیکہ نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ (اسلام ص ۲۵, WZKM جلد ۲۱، ص ۳۰۷ بالترتیب۔)

۱۱) ان خطوط کی صحت پر شک و شبہ کا اظہار کیا گیا ہے، دیکھیے، کیتانی، جلد اص ۷۲۵۔

۱۲) یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کے باوجود بعض لوگوں نے اس امر کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ بانئ اسلام کا ابتدا ہی سے یہ منشا تھا کہ اسلام تمام خلائق کا مذہب ہو۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "یہ خیال کہ اسلام تمام دنیا کے لئے ہے، بعد میں پیدا ہوا۔ اگرچہ بہت سی احادیث اس خیال کی تائید میں ہیں، تاہم پیغمبر اسلام کے ذہن میں اگر یہ تصور آیا بھی تھا تو وہ دھندلا سا تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی کل کائنات عرب تک محدود تھی اور نیا دین اسی ملک کے لئے مخصوص تھا۔ اول سے لے کر آخر تک اہل عرب ہی کو دعوت دی گئی اور انہی سے خطاب کیا گیا۔ ایک عالم گیر مذہب کا بیج یقیناً بو دیا گیا تھا لیکن اگر وہ بار آور ہوا تو اس کی یہ وجہ ہوئی کہ حالات نے مساعدت کی، نہ یہ کہ اس کے بانی کا یہ منشا اور ارادہ تھا" (تاریخ خلافت، لندن، ۱۸۹۱ء، ص ۴۳۔۴۴)، کیتانی بھی اسی رائے کے قائل ہیں، جلد ۵ ص ۳۲۳۔۳۲۴)

۱۳) طبقات ابن سعد، ایس، ۱۰۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کہانی موضوع ہو، لیکن اس سے اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس امر کا احساس کہ

Marfat.com

اسلام ایک تبلیغی مشن ہے، شروع ہی سے تھا۔

۱۴)فون کریمر (Von Kremer) ص ۳۰۹-۳۱۰ (۳)۔

۱۵)معلوم ہوتا ہے کہ ولیم میور کو بھی اس بات کا اعتراف ہے، چنانچہ اس نے بنی قریظہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ "حضرت محمد ﷺ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، اس کے اسباب واضح طور پر خالصتاً سیاسی تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تا حال لوگوں کو دائرۂ اسلام میں بجبر لانے یا منکرین کو سزا دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا"۔ (سیرت جلد ۳، ص ۲۸۲)۔

۱۶)ابن اسحاق، ص ۶۴۸۔

۱۷)میور، سیرت، جلد ۴ ص ۱۰۷، ۱۰۸، نیز ملاحظہ ہو کیتانی جلد ا، ص ۶۶۳ آپ لکھتے ہیں: "اگرچہ آنحضرت ﷺ کی وعظ و تذکیر بڑی دلنشین تھی، اور اسلام کی تعلیم بذاتِ خود بہت اچھی تھی، تاہم مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا، اس میں اسلامی فتوحات کو بڑا دخل تھا۔ قبائل عرب کے ساتھ اپنے تعلقات میں آنحضرت ﷺ نے جس حسن سلوک، رواداری اور مصلحت اندیشی کا ثبوت دیا، اس سے بھی اسلام کی سریع اشاعت میں بڑی مدد ملی۔"

۱۸)سیرۃ ابن اسحاق، ص ۹۴۳-۹۴۴ (یہ کہانی ایک مشکوک روایت پر مبنی ہے، دیکھیے کیتانی جلد ا، ص ۶۱۰)

۱۹)طبقات ابن سعد (الیس) ۱۱۸۔

۲۰)ابن اسحاق، ص ۲۵۲-۲۵۴

۲۱)کیتانی، جلد ۲ (TI) ص ۳۴۱

۲۲)طبقات ابن سعد، مطبوعہ مصر، جلد ثانی، ص ۵۶۔

۲۳)ایضاً، ص ۸۵۔

۲۴)ایضاً، ص ۸۶۔

۲۵)ایضاً، ص ۹۱۔

۲۶)حیات محمد، از شپرنگر، جلد سوم، صفحہ ۳۶۰-۳۶۱

۲۷۔ کیتانی، جلد ۲، ص ۴۳۳۔

۲۸)کیتانی، جلد ۲، ص ۴۲۹۔

۲۹)یہ بات کسی کتاب میں اس قدر تفصیل اور خوبی سے بیان نہیں ہوئی جتنی کہ پروفیسر گولڈ سیر کی تصنیف محمد انشے شٹوڈین کی پہلی جلد میں مذکور ہوئی ہے۔ میں نے مذکورہ بالا ملاحظات اسی کتاب سے اخذ کئے ہیں۔

Marfat.com

باب سوم

مغربی ایشیا کی عیسائی قوموں میں اسلام کی اشاعت

فتوحات عرب:

جس لشکر کو رسول خدا ﷺ نے شام کی مہم کے لئے مقرر فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسے حدود شام کی طرف روانہ کر دیا۔ بلاد عرب کی مضطرب اور مخدوش حالت کے پیش نظر بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا مگر خلیفۂ رسول نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ "میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو واپس نہیں لوں گا۔ مدینہ چاہے درندوں کا شکار ہو جائے لیکن لشکر اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرے گا۔" یہ فوجی مہم اس سلسلۂ محاربات کی پہلی کڑی تھی جس میں عربوں نے شام، ایران اور شمالی افریقہ کو فتح کیا۔ ایران کی قدیم سلطنت کو تہہ و بالا کر دیا اور رومیوں سے ان کی سلطنت کے چند بہترین صوبے چھین لئے۔ ان مختلف مہموں کے حالات قلمبند کرنا تالیف ہذا کی حدود سے خارج ہے، مگر اس لحاظ سے کہ عرب فاتحین کے نقش قدم پر مذہب اسلام بھی پھیلتا چلا گیا، ان حالات اور کوائف کا دریافت کرنا ضروری ہے، جن کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کا امکان پیدا ہوا۔

ایک بڑے مؤرخ (۱) نے اسی مسئلے کو، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "کیا یہ خالص مذہبی جوش تھا یعنی دین کا ایک تازہ ولولہ تھا جو پہلی بار اپنی پاکیزگی میں ظاہر ہوا اور جس کی بدولت عربوں کو ہر معرکے میں فتح نصیب ہوئی؟ اور انہوں نے ناقابل یقین قلیل عرصے میں ایک ایسی وسیع اور عظیم الشان سلطنت قائم کر دی جس کی مثال چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ مگر ایسی کوئی شہادت موجود نہیں جس سے یہ صورت حال ثابت ہو سکے، کیونکہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جنہوں نے آزادی اور دلی یقین کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیم کو قبول کیا ہو۔ اس کے برعکس ان لوگوں کا شمار بہت زیادہ تھا جو بیرونی دباؤ سے یا دنیوی فوائد کی امید میں مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو گئے تھے۔ قریش کے بہت سے افراد کے تبدیل مذہب میں زبردستی اور ترغیب دونوں قسم کے اسباب و محرکات شامل تھے۔ چنانچہ خالد بن الولید نے، جو سیف من سیوف اللہ، یعنی اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے، کہا تھا کہ "اللہ نے ہمارے دلوں کو تسخیر کیا اور ہمیں بالوں سے پکڑ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے پر مجبور کر دیا"۔ ایک مشترکہ قومیت کا افتخار آمیز احساس بھی اس بارے میں بڑا مؤثر ثابت ہوا، کیونکہ یہ احساس اس زمانے کے عربوں میں دوسری

Marfat.com

قوموں کے مقابلے میں شاید زیادہ قوی تھا۔ اور اسی وجہ سے ہزاروں آدمیوں نے اپنے ہم قوم نبی اور اس کے مذہب کو بیرونی انبیاء علیہم السلام پر ترجیح دی، مگر اس سے بھی زیادہ پرزور کشش اس خیال میں تھی کہ نئے دین کی خاطر لڑنے میں مال غنیمت ہاتھ آئے گا اور اپنے بنجر اور پتھریلے بیابانوں کی بجائے، جہاں انہیں ادنیٰ روزی میسر آتی تھی، ایران، شام اور مصر کے زرخیز اور شاداب ممالک حاصل ہوں گے۔"

یہ عظیم الشان فتوحات، جن سے عربی سلطنت کی بنیادیں پڑیں، یقیناً کسی جہاد کا نتیجہ نہیں تھیں جو اسلام پھیلانے کی غرض سے جاری ہوئی ہوں، مگر ان فتوحات کے بعد عیسائیوں نے اس کثرت سے اپنے آبائی دین کو خیر باد کہا کہ لوگوں نے بسا اوقات یہی سمجھا کہ ان فتوحات کی غرض و غایت اشاعت اسلام ہی تھی۔ چنانچہ مسیحی مؤرخوں نے تلوار کو اسلامی تبلیغ کا آلۂ کار سمجھا اور تیغ اسلام کی کامیابی سے اہل اسلام کی اصلی اور خالص تبلیغی سرگرمی نظر انداز ہو گئی۔ عربوں کی جو فوجیں رومی اور ایرانی سلطنتوں کی سرحدوں پر حملہ آور ہوئیں، ان کے دلوں میں لوگوں کو مسلمان بنانے کا کوئی جذبہ موجود نہ تھا، بلکہ اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربی فوجوں کے دل و دماغ میں مذہبی خیالات اور احساسات کو بہت کم دخل حاصل تھا۔ (۲) عربی فتوحات کی صحیح توجیہہ یہ ہے کہ بھوک اور افلاس نے ایک صاحب ہمت اور طاقتور قوم کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے بے آب و گیاہ صحراؤں کو چھوڑ کر اپنے خوش نصیب ہمسایوں کے زرخیز ملکوں پر چڑھ دوڑے۔ (۳) تاہم وہ چیز جس نے اسلامی تحریک میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کی وہ مدینے کی حکومت الٰہیہ تھی جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابیوں نے قائم کیا تھا۔ (۴) یہی وہ لوگ تھے جن کے سینے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین کے خزینے تھے اور جن کی حرارت دینی اور اخلاقی برتری نے اسلام کو ایک سرکاری مذہب کی حیثیت سے زندہ رکھا۔ باوجود ان عربوں کی بے پروائی کے جن کی وفاداری اسلام کے ساتھ برائے نام تھی، دین اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیلا، اس کے اسباب ہمیں ملکی فتوحات کی تاریخ میں نہیں بلکہ مفتوحہ اقوام کے حالات و کوائف میں تلاش کرنے چاہییں۔

عیسائی عربی قبائل:

قبائل عرب کی نقل و حرکت کی نوعیت چونکہ قومی تھی، اس لئے حملہ آور فوجوں کا جن سرحدی علاقوں میں گزر ہوا وہاں کے بہت سے عربی قبیلے بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس لئے یہ امر ہمارے لئے باعث تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی بدوی اس زبردست تحریک کی تیز و تند رو میں بہہ نکلے، اور ان عربی قبیلوں نے جو کئی صدیوں سے عیسائی چلے آرہے تھے، اپنا مذہب ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا۔ ان میں بنو غسان کا قبیلہ بھی تھا جو فلسطین کے مشرقی صحرا اور جنوبی شام پر مسلط تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کی بابت یہ کہا گیا تھا کہ "وہ زمانۂ جاہلیت

Marfat.com

میں سردار تھے اور اسلامی دور میں بھی ستارے بن کر چمکے۔"(۵) جب ایرانی لشکر نے جو رستم کی قیادت میں تھا، سن ۱۴ ہجری میں قادسیہ کی جنگ میں شکست فاش کھائی تو بہت سے عیسائی بدوی قبیلے، جو دریائے فرات کے دونوں کناروں پر آباد تھے، مسلمان امیر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "جو قبیلے ہم سے پہلے اسلام لے آئے وہ ہم سے زیادہ عقل مند نکلے۔ اب جب کہ رستم مارا گیا ہے، ہم نیا دین قبول کرتے ہیں۔"(۶) اسی طرح شمالی شام کی فتح کے بعد بہت سے بدوی قبیلے کسی قدر تامل کے بعد پیروان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو گئے۔(۷)

تبدیل مذہب کے معاملے میں جبر و تعدی کو بالکل کوئی دخل نہ تھا۔ یہ بات عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی دوستانہ تعلقات سے ثابت ہے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسیحی قبیلوں سے عہد نامے کئے تھے اور ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور اس بات کی ضمانت دی تھی کہ وہ اپنے مذہبی معاملات میں آزاد رہیں گے اور ان کے قسیس اور پادریوں کے حقوق اور اختیارات بدستور قائم رہیں گے۔(۸)

اسی قسم کی دوستی کا رشتہ مسلمانوں اور قدیم مذاہب کے عربوں کے درمیان قائم تھا، جن میں سے بہت سے لوگ اپنی رضامندی سے آگے بڑھے اور انہوں نے مسلمانوں کو ان کی فوجی مہموں میں مدد دی، اور نئی حکومت کے ساتھ اسی وفاداری کا ثبوت دیا جس طرح انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد سے علیحدگی اختیار کی تھی۔(۹) وہ عیسائی قبیلے جو رومی سلطنت کی سرحدوں کے محافظ تھے، انہوں نے اپنی قسمت کو مسلمان حملہ آوروں سے وابستہ کر دیا۔ جبکہ ہرقل نے ان کو سرحدوں کی محافظت کا معاوضہ دینے سے انکار کیا۔(۱۰)

جنگ جسر (۱۳ھ) میں جب عرب سراسیمگی کے عالم میں دریائے فرات اور ایرانی لشکر کے درمیان گھر گئے اور قریب تھا کہ ان کی فوج تباہ و برباد ہو جائے، تو سنوطی کا ایک عیسائی سردار لپک کر آگے بڑھا اور ایک دوسرے عرب کے ساتھ مل کر امیر لشکر مثنیٰ بن حارثہ کے دوش بدوش ایرانیوں کے مقابلے میں ڈٹ گیا اور کشتیوں کے پل کی حفاظت میں سینہ سپر ہو گیا، جس کے ذریعے سے عرب لوگ ترتیب کے ساتھ پسپا ہو سکتے تھے۔ اس داغ کو دھونے کے لئے جب تازہ دم فوجیں بھرتی کی گئیں اور ہر سمت سے کمک کے لئے لوگ آنے لگے، تو ان میں بنونمر کا وہ عیسائی قبیلہ بھی تھا جو رومی سلطنت کی حدود میں آباد تھا۔ چنانچہ جنگ بویب (۱۳ھ) میں اس آخری دھاوے سے ذرا پہلے، جس سے میدان جنگ کا نقشہ عربوں کے حق میں بدل گیا، مثنیٰ گھوڑے پر سوار ہو کر عیسائی سردار کے پاس آیا اور کہنے لگا "ہم اور تم ایک نسل سے ہیں، چلو میں دھاوا کرتا ہوں، تم بھی میرے ساتھ دھاوا کرو"۔ غرض کہ دونوں کے طوفانی حملے سے ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور اسلامی فتوحات کی شاندار فہرست میں ایک اور فتح کا اضافہ ہو گیا۔ اس معرکے میں جن لوگوں نے داد شجاعت دی، ان میں ایک دوسرے عیسائی بدوی قبیلے کا نوجوان بھی

Marfat.com

تھا، جو اپنے چند اسپ فروش ساتھیوں کے ہمراہ میدان جنگ میں عین اس وقت نمودار ہوا تھا جب عربی فوج اپنی صفیں درست کر رہی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے ہم قوم عربوں کا ساتھ دیا اور جب خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، تو یہ عیسائی نوجوان ایرانی لشکر کے قلب میں جا گھسا اور ان کے سردار کو قتل کر کے اس کے آراستہ گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور اسے تیز بھگا کر مسلمانوں کی صفوں میں یہ پکارتا ہوا واپس آیا کہ "میں بنو تغلب میں سے ہوں، میں وہ ہوں جس نے عجمی سردار کو قتل کیا ہے۔" (۱۱)

یہ نوجوان جس قبیلے کے انتساب پر فخر کرتا تھا، وہ ان قبائل میں سے تھا جنہوں نے عیسائی مذہب پر قائم رہنا پسند کیا تھا، لیکن الجزیرہ کے دوسرے قبیلے مثلاً بنو نمر اور بنو قضاعہ مسلمان ہو گئے تھے۔ بنو تغلب نے ۹ھ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سفارت بھیجی تھی۔ اس وفد کے جو افراد مشرک تھے وہ تو مسلمان ہو گئے اور باقی ماندہ عیسائیوں کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد نامہ کیا جس کی رو سے وہ لوگ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہنے کے مجاز تھے، مگر اپنے بچوں کو عیسائی بنانے کے لئے اصطباغ (بپتسمہ) نہیں دے سکتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عیسائی عربوں کے ساتھ جو رواداری بالعموم برتتے تھے یہ شرط اس رویے کے قطعی منافی ہے، کیونکہ عیسائیوں کو اس بات کا اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں، مگر انہیں تبدیل مذہب پر کبھی مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ خود تغلب کے عیسائی خاندانوں نے یہ شرط جز رسی (۱۲) کے خیال سے تجویز کی ہوگی۔ مگر چونکہ ایک مدت دراز تک عیسائی مذہب اس قبیلے میں زندہ رہا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شرط پر یقیناً عمل درآمد نہیں ہوا۔ جب یہ قبیلہ تبدیل مذہب پر راضی نہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے اور انہیں مذہبی امور میں بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے، لیکن اگر قبیلے کا کوئی فرد اسلام قبول کرنا چاہے تو ان کی طرف سے مزاحمت نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی وہ ایسے افراد کے بچوں کو اصطباغ دے سکیں گے جو مسلمان ہو چکے ہوں۔ (۱۳) ان کو حکم دیا گیا کہ وہ جزیہ ادا (۱۴) کریں جو غیر مسلموں پر عائد کیا جاتا تھا، مگر انہوں نے ایسے ٹیکس کی ادائیگی کو اپنے لئے باعث تحقیر سمجھا جو جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ سے اس بات کی درخواست کی کہ انہیں اسی قسم کا ٹیکس ادا کرنے کی اجازت دی جائے جو مسلمانوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ جزیہ کی بجائے دوگنا صدقہ دیتے تھے۔ (۱۵) یہ وہ ٹیکس تھا جو مسلمانوں کی اراضی اور ان کے مال مویشی پر لگایا جاتا تھا۔ (۱۶) مسلمانوں کو یہ بات خاص طور پر ناگوار گزرتی تھی کہ عرب قوم میں سے کوئی شخص بھی عیسائی مذہب پر وفاداری کے ساتھ قائم رہے۔ ۱۲ھ میں جب قبیلہ تنوخ کے اکثر لوگوں نے دوسرے عیسائی قبائل کے ساتھ مل کر خالد بن الولید کی اطاعت اختیار کر لی (۱۷) تو ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنے قدیم مذہب پر تقریباً

Marfat.com

ایک سو پچاس سال تک قائم رہے۔ خلیفہ مہدی نے، جس کا عہد حکومت ۱۵۸ھ سے ۱۶۹ھ تک رہا، ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا تھا جو حلب کے نواح میں آباد تھے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک عیسائی ہیں، تو اس نے غضب میں آ کر ان کو اسلام قبول کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے، جن کی تعداد پانچ ہزار تھی، اسلام اختیار کرلیا، سوائے ایک شخص کے جس نے شہادت کو ترک مذہب پر ترجیح دی۔ (۱۸) شمالی عرب کے عیسائی قبائل میں سے دین مسیح کیسے غائب ہوگیا؟ اس کی اکثر تفصیلات مفقود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر طرف سے مسلمانوں میں گھرے ہوئے تھے اور رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر ان میں جذب ہوگئے۔ اگر اسلامی حکومت کے ابتدائی ایام میں انہیں جبراً مسلمان بنانے کی کوشش کی جاتی تو ان میں سے بعض لوگوں کا عباسی خلفاء کے زمانے تک عیسائی رہنا ناممکن تھا۔ (۱۹)

حیرہ کے عیسائی باشندے:

خالد بن الولید نے اہل حیرہ کو اسلام قبول کرنے کی بہت کچھ رغبت دلائی مگر ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ یہ شہر تاریخ عرب کے نہایت مشہور شہروں میں تھا۔ اور اسلام کے اس بہادر سپوت کا یہ خیال تھا کہ ان کو رسول عربی ﷺ کی امت میں شامل کرنے کے لئے صرف اتنا یاد دلانا کافی ہوگا کہ ان کی رگوں میں عربی خون دوڑ رہا ہے۔ چنانچہ جب شہر کے قلعہ بند لوگوں نے مسلم سپہ سالار کے پاس اپنے سفیر بھیجے تا کہ شرائط صلح طے کر کے شہر اس کے حوالے کر دیا جائے، تو خالد بن الولید نے ان سے پوچھا کہ "تم کون ہو؟ عربی ہو یا عجمی؟" وفد کا سردار عدی بولا "نہیں، ہم خالص عرب ہیں اور دوسرے ہم میں متعرب ہیں، یعنی پردیسی جو متعرب بن چکے ہیں۔" خالد نے کہا کہ "اگر تم عرب ہوتے، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، تو تم ہماری مخالفت نہ کرتے اور نہ ہی ہماری بات سے کراہت کرتے"۔ عدی بولا "ہمارے قول کے ثبوت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہم سب کی زبان عربی ہے"۔ خالد نے کہا "تم سچ کہتے ہو۔ اب تم ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرلو، اول ہمارا دین اختیار کرلو، اس صورت میں تمہارے حقوق اور فرائض وہی ہوں گے جو ہمارے ہیں۔ چاہے تم اٹھ کر کسی دوسرے ملک میں چلے جاؤ، چاہے اپنے ملک میں رہو، دوسرے جزیہ دو، تیسرے جنگ کرو۔ بخدا میں تمہارے پاس ایسے لوگ لایا ہوں، جو مرنے کی اس سے زیادہ آرزو رکھتے ہیں جتنی کہ تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو۔" عدی نے جواب دیا "نہیں، ہم جزیہ دیں گے۔" خالد نے کہا "تم بدقسمت ہو، کفر ایک ایسا بیابان ہے جس میں انسان اپنا راستہ کھو دیتا ہے۔ اور وہ عرب احمق ہے جس کو دو رہبر ملیں، ایک ان میں عرب ہو اور دوسرا عجمی اور وہ عرب کو چھوڑ کر غیر عرب کو اپنا رہبر بنائے۔" (۲۰)

Marfat.com

نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لیے مناسب انتظام کیا گیا۔ قبیلے کے قبیلے جلدی جلدی اسلام قبول کر رہے تھے اس لئے اس بات کی احتیاط لازم تھی کہ عقائد اور عبادات کی تلقین میں ایسی غلطیاں سرزد نہ ہونے پائیں جن کا اندیشہ ناقص التعلیم نومسلموں کی حالت میں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہر ایک ملک میں معلم مقرر کیے جن کا یہ کام تھا کہ نومسلموں کو قرآن کی تعلیم دیں اور احکام دین سمجھائیں۔ قاضیوں کو بھی اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ سب مسلمانوں کی، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان، نگرانی کریں اور دیکھیں کہ یہ لوگ نماز کے لیے اور خاص کر نماز جمعہ اور ماہ رمضان میں حاضر ہوتے ہیں یا نہیں۔ نومسلموں کی تعلیم کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ شہر کوفہ میں یہ خدمت جس معزز عہدہ دار کے سپرد تھی وہ بیت المال کا خازن تھا۔ (۲۱)

پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحین اور ان کے بعد کی نسلوں نے مسیحی عربوں کے ساتھ جس رواداری کا سلوک کیا، اس کی مذکورہ بالا مثالوں سے ہم یقینی طور پر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جن عیسائی قبیلوں نے اسلام اختیار کیا تھا، انہوں نے اسے بہ رضا ورغبت قبول کیا تھا۔ (۲۲) آج کل کے عیسائی عرب جو مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں، اس رواداری اور مدارات کی زندہ شہادت ہیں۔ لیئرڈ (Layard) نے لکھا ہے کہ الکرک کے قریب بحیرۂ مردار کے مشرق میں عیسائی عربوں کی ایک خیمہ گاہ پر جب اس کا گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ عیسائی عرب لباس اور آداب معاشرت میں مسلمان عربوں سے کسی طرح مختلف نہ تھے۔ (۲۳) کوہ سینا کے راہبوں نے برکہارٹ (Burckhardt) کو بتایا کہ گذشتہ صدی تک بدوی عیسائیوں کے کئی خاندان ہنوز باقی تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا آخری فرد ایک بڑھیا تھی جو ۱۷۵۰ء میں فوت ہوئی اور دیر کے باغ میں مدفون ہوئی۔ (۲۴)

بنو غسان نے، جو خالص عربی نسل سے تھے، چوتھی صدی کے اختتام کے قریب عیسائی مذہب اختیار کیا تھا۔ اس مشہور قبیلے کے بہت سے لوگ اب تک اس مذہب پر قائم ہیں اور دو سو سال ہوئے، جب سے انہوں نے رومی کلیسا کی اطاعت اختیار کی ہے وہ اپنی مذہبی عبادات ورسوم میں عربی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ (۲۵)

اہل بادیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ہم اس رویے پر غور کریں جو شہریوں اور عجمیوں نے دین جدید کے بارے میں اختیار کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فتوحات کے بعد لوگوں نے قبول اسلام میں کسی جلد بازی کا اظہار نہیں کیا بلکہ رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں کے اکثر باشندے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے اور اب تک کثیر تعداد میں بدستور قائم چلے آتے ہیں۔

اسلامی عمل داری میں عیسائیوں کی جو حالت تھی، اس کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے، نیز ان اثرات اور محرکات کا اندازہ لگانے کے لئے جو بعض اوقات ان کے تبدیل مذہب کا باعث ہوئے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کہ ہم اختصار کے ساتھ بیان کر دیں کہ اس سے پہلے رومی سلطنت کے عیسائی دور میں ان کی کیا کیفیت رہ چکی تھی۔

رومی دور کے مذہبی اختلافات:

ظہور اسلام سے تقریباً ایک سو سال پہلے قیصر یوسیتنیان رومی سلطنت میں اتحاد پیدا کرنے میں بظاہر کامیاب رہا تھا، مگر اس کی وفات کے بعد سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، کیونکہ دارالسلطنت اور صوبجات کے درمیان ایک مشترکہ قومیت کا جذبہ بالکل باقی نہیں رہا تھا۔ ہرقل نے کوشش کی تھی کہ شام کے ملک کو مرکزی حکومت کے ساتھ دوبارہ وابستہ کرے اور اسے اس میں کسی قدر کامیابی بھی ہوئی تھی، مگر بدقسمتی سے اس نے مصالحت کے لئے جو طریقے اختیار کئے، ان سے اختلاف رفع ہونے کی بجائے اور شدید ہو گیا۔ لوگوں کے دلوں میں مذہبی تعصّبات نے قومی جذبے کی جگہ لے رکھی تھی لہذا قیصر نے کوشش کی کہ دین مسیحی کی تفسیر وتشریح ایسے طریق پر کرے جس سے مخالف فرقوں کے باہمی مناقشات مٹ جائیں اور جو لوگ دین سے منحرف ہو چکے ہیں ان کو آرتھوڈوکس (۲۶) کلیسا اور مرکزی حکومت کے ساتھ متحد کر دیں۔ خلقیدونہ کے مقام پر مسیحی علماء کی جو مجلس ۴۵۱ء میں بیٹھی تھی اس نے اس عقیدے کا اعلان کیا تھا کہ "حضرت مسیحؑ کے دو اقنوم تسلیم کرنے چاہیں، اس طور پر کہ ان میں کوئی اختلاط یا تبدیلی یا تقسیم یا علیحدگی نہیں ہے۔ ان کی فطرتوں کا جو اختلاف ہے وہ ان کے اجتماع سے باطل نہیں ہو جاتا بلکہ ہر اقنوم کے خواص برقرار ہیں اور ایک ذات اور ایک وجود میں موجود ہیں مگر اس طرح نہیں کہ یہ خواص دو ہستیوں میں منقسم یا الگ الگ ہوں بلکہ وہی ایک بیٹا ہے، اکلوتا، کلمۃ اللہ۔ مگر مونوفزائٹ (Monophysites) فرقے نے اس عقیدے کو رد کر دیا کیونکہ وہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ "مسیح کی ذات میں صرف ایک اقنوم ہے، یہ ذات مرکب ہے جس میں تمام ربانی اور انسانی صفات شامل ہیں، مگر وہ وجود جس میں یہ صفات ہیں، اس میں دوئی نہیں ہے بلکہ وہ ایک مرکب وحدت ہے۔" اس فرقے کے لوگ خاص طور پر شام، مصر اور رومی سلطنت کے باہر کے ملکوں میں آباد تھے۔ چنانچہ ان دونوں فرقوں کے درمیان اس مسئلے پر دو صدیوں تک گرما گرم مباحثہ جاری رہا، یہاں تک کہ ہرقل نے آ کر فریقین کے درمیان مونوتھیلٹزم (Monotheletism) کے عقیدے کے ذریعے سے مصالحت پیدا کرنی چاہی۔ اس عقیدے کا مفہوم یہ تھا کہ اقانیم کی دوئی کو تسلیم کرتے ہوئے مسیح کی واقعی زندگی میں ذات کی وحدت کو قائم رکھا جائے، اس لئے کہ ایک واحد ذات میں حرکت وعمل کے دو سلسلے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ مسیح، جو ابن اللہ ہیں، ایک ہی ذریعے اور وسیلے سے انسانی اور ربانی دونوں قسم کے نتائج پیدا کرتے ہیں، یعنی کلمۂ مجسم میں ایک ہی مشیت کارفرما

Marfat.com

ہے۔(۲۷)

مگر ہرقل کا بھی وہی انجام ہوا جو بہت سے اور صلح کرانے والوں کا ہوا کرتا ہے، کیونکہ نہ صرف مناظرے کی آگ اور بھڑک اٹھی بلکہ لوگوں نے قیصر پر بے دینی کا الزام لگایا اور اسے دونوں فرقوں کا مورد عتاب بننا پڑا۔

لوگوں کے دلوں میں فی الواقع ایسی ناراضگی پیدا ہو چکی تھی کہ اس بات کو باور کرنے کے لئے قوی وجوہات موجود ہیں کہ رومی سلطنت کے جو صوبجات ہرقل کے عہد حکومت میں فتح ہوئے، وہاں کی آرتھوڈوکس رعایا کے اکثر لوگ عربوں کے بہی خواہ تھے کیونکہ وہ قیصر کو بے دین سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے اور اس بات سے خائف تھے کہ مبادا وہ ان پر مذہب کے بارے میں تشدد کرے اور اپنے مونوتھیلٹیک عقائد ان پر زبردستی سے ٹھونسے۔(۲۸) اس لئے انہوں نے نئے حاکموں کا بڑے شوق سے خیر مقدم کیا، جنہوں نے ان سے مذہبی آزادی اور رواداری کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ قیصر کے مذہبی تشدد کے خطرے سے بچنے کے لئے وہ اپنے مذہب اور اپنی قومی آزادی کو خدشے میں ڈالنے پر رضامند ہو گئے۔

انطاکیہ کے یعقوبی بطریرک میکائیل الاکبر نے، جس نے بارہویں صدی کے نصف ثانی میں ایک تاریخ لکھی تھی، اپنے فرقے کے اس فیصلے کو سراہا ہے اور کہا ہے کہ عربوں کی فتوحات میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اور اس نے یہ رائے اس وقت قلمبند کی تھی جب کہ مشرقی کلیساؤں کے پیرو پانچ سو سال تک اسلامی حکومت کا تجربہ کر چکے تھے۔ ہرقل کے مذہبی تشدد کا حال بیان کرنے کے بعد بطریرک مذکور لکھتا ہے کہ "خدائے منتقم جو قادر مطلق ہے، انسانی حکومتوں کو جس طرح چاہتا ہے، تبدیل کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، اعلیٰ مراتب عطا کرتا ہے۔ جب اس نے رومیوں کی بدی اور سرکشی کو دیکھا، جنہوں نے اپنی تمام مملکت میں ہمارے گرجوں اور خانقاہوں کو لوٹ لیا تھا اور ہمارے ساتھ انتہائی بے رحمی کا سلوک کیا تھا، تو اسی خدائے قہار نے جنوب کی سمت سے بنو اسمٰعیل کو بھیجا تاکہ ان کے ذریعے سے ہمیں رومیوں کے ہاتھوں سے نجات دلائے۔ جو گرجے ہم سے چھین کر کلسیدونیوں کو دے دیئے گئے تھے، عربی فتوحات کے بعد انہی کے قبضے میں رہے۔ اس سے ہمیں کچھ نقصان بھی ہوا، کیونکہ جب شہروں نے عربوں کی اطاعت اختیار کی تو فاتحین نے ہر ایک فرقے کے پاس وہ عبادت گاہیں رہنے دیں جو اس وقت ان کے قبضے میں تھیں (چنانچہ اس وقت حمص اور حران کے بڑے گرجے ہم سے چھین لئے گئے تھے)، تاہم ہمارے لئے اس بات میں کچھ کم فائدہ نہ تھا کہ ہمیں رومیوں کی بے رحمی سے نجات ملی، اور ان کے غیظ و غضب سے امن نصیب ہوا۔"(۲۹)

Marfat.com

مسلمانوں کی رواداری:

جب اسلامی لشکر اردن کی وادی میں پہنچا اور ابوعبیدہ نے فحل کے مقام پر اپنے خیمے گاڑ دیے تو ملک کے عیسائی باشندوں نے عربوں کو لکھا کہ "اے مسلمانو! ہم تمہیں رومیوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں، کیونکہ تم ہمارے ساتھ عہد و پیمان کی زیادہ پابندی کرتے ہو اور ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہو اور بے انصافی سے احتراز کرتے ہو۔ اور تمہاری حکومت ہمارے اوپر ان کی حکومت سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے گھروں اور ہمارے مال و متاع کو لوٹ لیا ہے۔" (۳۰) اسی طرح جب ہرقل کی فوج حمص کے قریب آئی تو شہر والوں نے فصیل کے دروازے بند کر لیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور تمہارے انصاف کو رومیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔ (۳۱)

۶۳۳ء اور ۶۳۹ء کے درمیان عربوں نے معرکہ آرائی کر کے جب رومی فوجوں کو بتدریج ملک شام سے نکال دیا تو اس زمانے میں اہل شام کے ویسے ہی خیالات اور جذبات تھے جیسے اوپر بیان ہوئے۔ اور ۶۳۷ء میں جب اہل دمشق نے عربوں کے ساتھ عہد و پیمان باندھنے کی ایک مثال قائم کر دی اور اس طرح سے لوٹ مار سے مامون و محفوظ ہو گئے اور دیگر مفید مطلب شرائط بھی حاصل کر لیں تو شام کے دوسرے شہروں نے بھی ان کی پیروی کرنے میں خاصی چستی دکھلائی۔ چنانچہ حمص، شیزر اور منبج وغیرہ شہروں نے بھی عربوں کے ساتھ عہد نامے کئے اور ان کے باج گزار بن گئے۔ اسی طرح کی شرائط پر بیت المقدس کے بطریرک نے بھی شہر کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ لوگ قیصر کے جبر و اکراہ سے خائف تھے، اس لئے جب مسلمانوں نے مذہبی رواداری اور آزادی کا وعدہ کیا تو ان کا یہ وعدہ لوگوں کو رومی سلطنت اور عیسائی حکومت کے تعلق کی بہ نسبت زیادہ دلکش نظر آیا۔ اور جب ان کے دلوں سے عربی فوجوں کا خوف و ہراس دور ہو گیا تو وہ عرب فاتحین کی طرف مائل ہو گئے۔ (۳۲)

رومی سلطنت کے ان صوبوں کو، جن کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا، ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی جو انہیں اپنے مونوفزائٹ اور نسطوری عقائد کی وجہ سے کئی صدیوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں اب بالکل آزاد تھے۔ اگر ان پر چند پابندیاں عائد تھیں تو ان کا مقصد فقط یہ تھا کہ مقابل مذاہب کے پیروؤں کی باہمی کشمکش کا انسداد ہو سکے یا اس مذہبی جنون اور تعصب کو روکا جائے جو مسلمانوں کے لئے ناپسندیدہ تھا، (۳۳) اور جسے مذہبی رسوم کی کھوکھلی نمائش سے شہ ملتی تھی۔ اس قسم کی مذہبی آزادی ساتویں صدی کے زمانے میں ایک عجوبہ تھی اور اس کی وسعت کا اندازہ ان شرائط سے ہو سکتا ہے جن کو اہل اسلام نے بلاد مفتوحہ کے حق میں منظور کیا۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ تھا کہ اطاعت گزاری اور جزیہ کی ادائیگی کے بدلے میں عرب حکام رعایا کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور انہیں مذہبی آزادی دیں گے۔ (۳۴)

Marfat.com

بیت المقدس کا عہد نامہ:

ان معاہدوں کی صحیح صحیح تفصیلات کو ان باتوں سے علیحدہ کرنا آسان نہیں جن کا بعد میں اضافہ ہوا۔ یہ عہد نامے حرف بحرف صحیح ہوں یا نہ ہوں، مگر ان سے بہر حال اس تاریخی روایت کا پتا چلتا ہے جو دوسری صدی ہجری کے مسلمان مؤرخین کے نزدیک قابل قبول تھی۔ اگر اس روایت کے خلاف کوئی شہادت موجود ہوتی تو اس صورت میں اس روایت کو مشکل ہی سے تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی مثال کے طور پر ہم وہ شرائط نقل (۳۵) کرتے ہیں جو بیت المقدس کو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حوالے کرتے وقت لکھی گئی تھیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ هذا ما اعطىٰ عبدالله عمر امیرالمومنین اهل ایلیاء من الامان اعطاهم اماناً لانفسهم و اموالهم ولكنائسهم و صلبانهم و سقيمها و بريئها و سائر ملتها انه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيزها ولا من صليبهم ولا من شيءٍ من اموالهم ولا يكرهون علىٰ دينهم ولا يضار احد منهم ٥(۳۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المومنین نے ایلیاء والوں کو عطا کی۔ یہ امان ان کی جان و مال اور ان کے کنیسوں اور صلیبوں کے لئے ہے، ان کی ساری ملت، چاہے وہ بیمار ہوں یا تندرست سب شامل ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو گرایا جائے گا۔ نہ کنیسوں، ان کے ملحقات، ان کی صلیبوں اور ان کی جائیدادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ دین کے بارے میں ان پر جبر واکراہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں کسی کو آزار پہنچایا جائے گا۔

بیت المقدس کے باشندوں پر جو ٹیکس یعنی محصول لگایا گیا اس کی شرح یہ تھی: پانچ دینار دولت مندوں پر، چار دینار متوسط الحال لوگوں پر اور تین دینار کم استطاعت لوگوں پر۔ بطریرک کے ہمراہ حضرت عمرؓ نے مقامات مقدسہ کی زیارت کی، اور روایت ہے کہ جب وہ دونوں کنیسۃ القیامت میں تھے تو نماز کا وقت آ گیا۔ بطریرک نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کنیسہ ہی میں نماز پڑھ لیں لیکن امیر المومنین نے دور اندیشی سے کام لے کر انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو ہو سکتا ہے کہ اہل اسلام آئندہ دعویٰ کریں کہ یہ ایک اسلامی معبد ہے۔

حضرت عمرؓ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو حسن سلوک کرتے تھے وہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ آپ نے بعض عیسائی جذامیوں کے لئے وظیفہ مقرر کر رکھا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس مد میں خوراک اور نقدی بیت المال یعنی سرکاری خزانے سے ملتی تھی۔ (۳۷) حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو اپنی آخری وصیت میں بھی یاد رکھا اور اپنے جانشین کو اپنے اعلیٰ منصب کے فرائض یاد دلاتے ہوئے ان کے بارے میں بھی ہدایت کی اور کہا کہ "میں اہل

Marfat.com

الذمہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہیں۔ ان کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا گیا ہے اس کی پابندی کرو اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔" (۳۸)

حضرت عمرؓ کا امان نامہ:

بعد کے زمانے میں حضرت عمرؓ کی طرف چند ایک سخت قوانین منسوب کئے گئے جن سے عیسائیوں کی مذہبی آزادی میں خلل آیا، لیکن پروفیسر ڈی خویہ (۳۹) اور پرنس کائتانی (۴۰) نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ یہ قوانین و شرائط یقیناً زمانہ مابعد کی اختراع ہیں۔ مگر علمائے متاخرین نے، جن میں رواداری کم تھی، ان قواعد کو صحیح تسلیم کیا۔ بہر حال ان کی اہمیت اس امر میں مضمر ہے کہ ان سے مسلمان حکمرانوں کی عیسائی رعایا کی مذہبی حالت کے متعلق رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ بہر کیف حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کردہ امان نامے کی عبارت یوں ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب ہے فلاں شہر کے عیسائیوں کی طرف سے عمر بن الخطابؓ کے نام۔ جب تم نے ہماری طرف کوچ کیا تو ہم نے تم سے اپنے لئے، اپنے اہل و عیال کے لئے، اپنے مال کے لئے اور اپنے ہم مذہبوں کے لئے امان چاہی، اس شرط پر کہ ہم اپنے شہر یا اس کے مضافات میں کوئی نیا دیر، گرجا، حجرہ یا خانقاہ تعمیر نہیں کریں گے (۴۱) اور ایسی عمارات میں سے اگر کوئی عمارت گر پڑے گی تو ہم اس کی مرمت نہیں کریں گے۔ اور ان کو جو مسلمانوں کے محلوں میں ہوں گی، از سر نو تعمیر نہیں کریں گے۔ ہم اہل اسلام کو دن یا رات کے وقت اپنے گرجوں میں داخل ہونے سے منع نہیں کریں گے۔ اور ان کے دروازوں کو مسافروں اور راہ گیروں کے لئے کھلا رکھیں گے۔ ہم ہر مسلمان مسافر کو اپنے گھروں میں جگہ دیں گے اور تین دن تک اسے مہمان رکھیں گے۔ ہم کسی جاسوس کو اپنے گرجاؤں یا گھروں میں پناہ نہیں دیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی دشمن کو اپنے ہاں چھپائیں گے۔ ہم اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھوائیں گے۔ (۴۲) ہم عیسائی مذہب کی نمائش نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ ہمارا کوئی عزیز اگر قبول اسلام کی خواہش کرے تو ہم اسے اسلام قبول کرنے سے نہیں روکیں گے۔ ہم مسلمانوں کی عزت کریں گے اور جب کبھی وہ ہماری محفلوں میں آئیں گے تو ہم احتراماً کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم اپنے لباس میں ان کی نقل نہیں کریں گے، نہ ٹوپی میں، نہ عمامے میں، نہ جوتی میں اور نہ مانگ نکالنے میں۔ ہم مسلمانوں کے مخصوص جملوں اور فقروں کو استعمال نہیں کریں گے (۴۳) اور نہ ہی ان کے القاب اختیار کریں گے۔ ہم زین پر سوار نہیں ہوں گے اور نہ تلواریں کمر میں باندھیں گے۔ ہم ہتھیار نہیں رکھیں گے اور نہ ان کو لگائیں گے اور نہ اپنی انگوٹھیوں پر عربی عبارتیں کندہ کریں گے۔ ہم شراب نہیں بیچیں گے۔ ہم

Marfat.com

اپنی پیشانی کے بال مونڈا کریں گے۔ ہم اپنا ہی طرز لباس برقرار رکھیں گے۔ جہاں کہیں ہم ہوں، ہم اپنی کمر میں پٹیاں لگائیں گے۔ ہم اپنے گرجاؤں پر صلیب کی نمائش نہیں کریں گے اور نہ ہی اپنی صلیبوں اور مقدس صحیفوں کو مسلمانوں کے محلوں یا بازاروں میں دکھائیں گے۔ (۴۴) ہم اپنے گرجاؤں کے ناقوس (۴۵) ہلکے بجائیں گے اور کسی مسلمان کی موجودگی میں اپنی نماز بلند آواز سے نہیں پڑھیں گے۔ ہم کھجور کی شاخوں یا اپنی مورتیوں کو قطار در قطار بازاروں میں سے نہیں گزاریں گے۔ اپنے مردوں کی تدفین کے وقت ہم بلند آواز سے دعائیں نہیں مانگیں گے اور نہ روشن شمعیں مسلمانوں کے محلوں اور بازاروں سے لے کر گزریں گے۔ ہم ایسے غلام نہیں رکھیں گے جو مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکے ہوں، اور نہ ہی ان کے گھروں میں جاسوسی کریں گے۔ ہم کسی مسلمان کو زدوکوب نہیں کریں گے۔ ہم اپنی طرف سے اور اپنے ہم مذہبوں کی طرف سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان سب باتوں کی پابندی کریں گے، اور اس کے بدلے میں تمہاری حفاظت اور حمایت حاصل کریں گے اور اگر ہم عہد نامے کی کسی شرط کو توڑیں تو ہم تمہاری حفاظت سے محروم ہو جائیں گے اور تمہیں اختیار ہوگا کہ ہمارے ساتھ دشمنوں اور باغیوں کا سا سلوک کرو۔" (۴۶)

جزیہ اور اس کی شرائط:

اس دستاویز کا ذکر سب سے پہلے ابن حزم نے کیا ہے جس نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں وفات پائی۔ اس دستاویز کی دفعات زمانۂ مابعد کے تشدد آمیز طرز عمل کا پتا دیتی ہیں اور حقیقت میں ایسے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہیں، جن پر باقاعدگی کے ساتھ عملدرآمد نہیں ہوتا تھا، بلکہ ان کا نفاذ صرف اسی صورت میں ہوتا تھا جب متعصب لوگوں کا مذہبی جوش اس کا مطالبہ کرے۔ اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں عیسائیوں کے لئے مذہبی پابندی کے بارے میں شکایت کرنے کی بہت کم گنجائش تھی۔ یہ سچ ہے کہ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہنے کی حالت میں جزیہ دینا ان کو سخت ناگوار تھا۔ لیکن اس کی مقدار اتنی قلیل تھی کہ اس کو بار تصور نہیں کیا جا سکتا، خاص کر ایسی صورت میں جب کہ جزیہ کی ادائیگی سے عیسائی لوگ اس فوجی خدمت سے بری الذمہ ہو جاتے تھے جو اہل اسلام کے لئے لازمی تھی۔ ابتدا میں جزیہ ہر قسم کے خراج کو کہتے تھے، جس کی ادائیگی عربی سلطنت کی غیر مسلم رعایا پر لازم تھی، لیکن جب نئے حکمرانوں نے اپنا مالی نظام درست کیا تو جزیہ کا لفظ اس ٹیکس کے لئے استعمال ہونے لگا جو رعایا سے فی کس کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ (۴۷) اسلام قبول کرنے میں عیسائیوں کے لئے کسی قدر مالی فائدہ یقینی تھا، لیکن اگر کسی نے محض جزیہ سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہو تو اس سے ظاہر ہے کہ اس کا دین اس کے دل میں راسخ نہ ہوگا۔ قبول اسلام کے بعد نومسلم اس بات کا مجاز تھا کہ

Marfat.com

وہ جزیہ کی بجائے سالانہ زکوٰۃ ادا کرے جو کئی اقسام کی منقولہ اور غیر منقولہ (۴۸) جائیداد پر لگائی جاتی تھی۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں جب مالی مشکلات نے عربوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ نومسلموں سے قبول اسلام کے بعد بھی بدستور جزیہ وصول کرتے رہیں، تو ان کے اس طرز عمل سے مفتوحین کے لئے جزیہ سے بچنے کے لئے تبدیل مذہب میں کوئی کشش باقی نہ رہی۔ (۴۹) اس کے برعکس اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جب کبھی مسلمان حکام کو روپے کی ضرورت پیش آتی تھی تو رعایا کے غیر مسلم طبقے کو ان کی زرستانی کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا تھا۔

جزیہ کی شرح:

عرب فاتحین نے جزیہ کی جو شرحیں پہلے پہل مقرر کیں، وہ یکساں نہ تھیں۔ (۵۰) چنانچہ ان کی فروعات کے متعلق امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ میں اختلاف رائے ہے۔ (۵۱) ذیل کی تفصیلات کتاب الخراج سے ماخوذ و منقول ہیں جس کو قاضی ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید (۷۸۶ء۔۸۰۹ء) کی فرمائش پر لکھا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ عہد عباسی میں مسلمان حکام کا ان ہی ضوابط پر عمل رہا ہوگا۔ جزیہ کی شرح دولت مندوں کے لئے ۴۸ درہم (۵۲) سالانہ اور متوسط الحال لوگوں کے لئے ۲۴ درہم سالانہ تھی، مگر مفلسوں سے، مثلاً دست کار اور کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں سے صرف ۱۲ درہم سالانہ لیے جاتے تھے۔ یہ جزیہ جنسؑ میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ مثلاً مویشی، مال تجارت، اسباب خانہ، حتیٰ کہ سوئی سلائی تک زروسیم کے عوض میں قبول ہو سکتی تھی، لیکن سور، شراب اور مردہ جانور جزیہ میں نہیں لیے جاتے تھے۔ جزیہ صرف تندرست مردوں پر عائد ہوتا تھا، عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔ (۵۳) ایسے تنگدست جن کی روزی خیرات پر تھی اور ایسے سن رسیدہ مفلس جو کام کاج سے معذور تھے، جزیہ کی ادائیگی سے بری تھے۔ اسی طرح اندھے، لنگڑے، لولے، لا علاج مریض اور دیوانے بھی (بشرطیکہ وہ دولت مند نہ ہوں) جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ یہی رعایت عیسائی عالموں اور راہبوں کے لئے تھی۔ اگر ان کا گزر اوقات امراء کی خیرات پر ہوتا تو وہ جزیہ سے مستثنیٰ رہتے، لیکن اگر صاحب مقدور اور آسودہ حال ہوتے تو ان سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ جزیہ وصول کرنے والے عاملوں کو خاص ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ نرمی سے کام لیں، اور عدم ادائیگی کی صورت میں بدسلوکی اور جسمانی سزا ہی سے اجتناب کریں۔ (۵۴)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عیسائیوں پر جزیہ محض اس لئے لگایا جاتا تھا کہ انہیں قبول اسلام سے انکار تھا، مگر یہ خیال درست نہیں ہے، کیونکہ جزیہ کی ادائیگی میں وہ لوگ بھی دیگر ذمیوں کے ساتھ شریک تھے جو اپنے مذہب کی وجہ سے فوجی خدمت سرانجام دینے سے قاصر تھے اور جزیہ کے عوض میں مسلمان حکام ان کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ چنانچہ جب شہر حیرہ کے باشندوں نے جزیہ کی مقررہ رقم ادا کی تو انہوں نے اس بات کی خاص طور پر

Marfat.com

وضاحت کردی کہ ہم نے یہ رقم اس شرط پر دی ہے کہ "مسلمان اور ان کا امیر ہمیں ظالموں کی تعدی سے بچائے گا، خواہ وہ ظالم مسلمان ہوں یا غیر مسلم" (۵۵) اسی طرح جب حضرت خالد بن ولید نے حیرہ کے گرد و نواح کی آبادیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تو انہوں نے عہد نامے میں لکھا تھا کہ "اگر ہم تمہاری حفاظت کریں تو تمہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا اور اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکیں تو اس صورت میں تم پر جزیہ واجب الادا نہ ہوگا۔" (۵٦) مسلمان اس شرط کو خوب سمجھتے تھے اور اس کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ اس امر کی تصدیق اس واقعے سے ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا تھا۔ ہرقل قیصر روم نے عساکر اسلام کی روک تھام کے لئے ایک لشکر عظیم جمع کیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے آنے والے معرکے کے لئے اپنی تمام فوجوں کو اکٹھا کیا اور ان کے امیر حضرت ابو عبیدہؓ نے شام کے مفتوحہ شہروں کے حکام کو حکم دیا کہ ان شہروں سے جزیہ کی جو رقوم وصول ہوئی تھیں، وہ انہیں واپس کر دی جائیں، اور وہاں کے باشندوں کو لکھ بھیجا کہ "جو روپیہ ہم نے تم سے لیا تھا اس کو ہم واپس کرتے ہیں، کیونکہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ ایک لشکر جرار ہمارے مقابلے کے لئے آ رہا ہے۔ ہم میں اور تم میں یہ وعدہ تھا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، مگر یہ بات اب ہماری طاقت سے باہر ہے، اس لئے جو کچھ ہم نے تم سے لیا تھا، اسے واپس کرتے ہیں۔ اگر ہم فتح یاب ہوئے تو اپنے آپ کو سابقہ عہد نامے کی شرائط کا پابند سمجھیں گے۔" اس حکم کے مطابق بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں واپس کر دی گئیں اور عیسائیوں نے اہل اسلام کو دعائیں دیں اور کہا کہ خدا تمہیں ہم پر حاکم بنائے اور رومیوں پر تم کو فتح یاب کرے۔ اگر تمہاری جگہ رومی ہوتے تو ہمیں کچھ بھی واپس نہ کرتے بلکہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس کو بھی چھین لیتے۔" (۵۷)

جیسا کہ اوپر بیان ہوا جزیہ صرف صحیح و سالم مردوں سے اس فوجی خدمت کے عوض میں لیا جاتا تھا جو ان کے مسلمان ہونے کی صورت میں ان پر لازم ہوتی، یہ امر بالکل واضح ہے کہ جب کوئی عیسائی قوم یا قبیلہ اسلامی فوج میں داخل ہوتا تو وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جراجمہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ یہ ایک عیسائی قبیلہ تھا جو انطاکیہ کے قرب و جوار میں آباد تھا، انہوں نے مسلمانوں سے صلح کا عہد و پیمان باندھا اور وعدہ کیا کہ ہم مسلمانوں کے حلیف اور دوست بن کر ان کے دوش بدوش میدان جنگ میں لڑیں گے، مگر اس شرط پر کہ ہم سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور مال غنیمت میں سے ہمیں مناسب حصہ دیا جائے۔ (۵۸) جب عرب فاتحین کے قدم بڑھتے بڑھتے سن ۲۲ھ میں شمالی ایران تک جا پہنچے، تو وہاں کے ایک سرحدی قبیلے سے ان کا اسی قسم کا معاہدہ ہوا اور وہ لوگ بھی فوجی خدمت کے معاوضے میں جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ قرار دیئے گئے۔ (۵۹)

جزیہ کی منسوخی کی مثالیں ہمیں ان عیسائیوں کے ہاں بھی ملتی ہیں جو ترکوں کی بری یا بحری فوج میں ملازم تھے۔ مثلاً مگارس کے باشندے جو البانیہ کے عیسائیوں میں سے تھے اور جزیہ سے اس شرط پر مستثنیٰ تھے کہ وہ مسلح

Marfat.com

آدمیوں کی ایک جماعت مہیا کریں، جو جبل سھران اور گرانیہ کے ان دروں کی حفاظت کرے جہاں سے خاکنائے کورنتھ کو راستہ جاتا تھا۔ اسی طرح وہ عیسائی جو ترکی فوج کے ہراول کے طور پر کام کرتے تھے، سڑکوں کی مرمت کرتے تھے اور پل بناتے تھے، نہ صرف خراج کی ادائیگی سے بری تھے بلکہ حکومت نے انہیں اراضی دے رکھی تھیں جو ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھیں۔(۶۰) ہائیڈرا کے عیسائی بھی سلطان کو براہ راست ٹیکس ادا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی بجائے بحری بیڑے کے لئے ۲۵۰ آدمیوں کی جماعت مہیا کرتے تھے جن کے تمام اخراجات مقامی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔(۶۱)

جنوبی رومانیہ کے باشندے، جو ارماتولی (۶۲) کہلاتے تھے اور سولھویں اور سترھویں صدی میں ترکی فوج کا ایک طاقت ور عنصر تھے، نیز مردی جو البانیہ کے ایک کیتھولک مذہب کا عیسائی قبیلہ تھا، اور سقوطری کے شمالی پہاڑوں میں آباد تھا، ٹیکسوں کی ادائیگی سے اس شرط پر مستثنیٰ تھا کہ وہ جنگ کے زمانے میں ایک مسلح دستہ دیا کرے گا۔(۶۳) اسی اصول کے مطابق یونانی عیسائی جو ان نہروں کی نگرانی پر مقرر تھے جن کے ذریعے سے قسطنطنیہ میں پینے کا پانی آتا تھا۔(۶۴) یا شہر کے بارود خانے کی حفاظت پر متعین تھے (۶۵) اپنی خدمات کے صلے میں جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ تھے۔ اس کے برعکس جب مصر کے مسلمان کاشتکار فوجی خدمت سے مستثنیٰ قرار دے دیئے گئے تو اس کے عوض میں ان پر اسی قسم کا ٹیکس لگایا گیا جو عیسائیوں سے وصول کیا جاتا تھا۔(۶۶)

چونکہ عیسائیوں کا جان و مال محفوظ تھا اور انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل تھی اس لئے عیسائی قوم نے اور خصوصاً شہروں کے باشندوں نے اسلامی خلافت کے ابتدائی دور میں بڑی خوش حالی اور آسودگی کی زندگی بسر کی۔

خلفاء کے عیسائی عہدہ دار:

حضرت امیر معاویہؓ (۶۶۱ء۔۶۸۰ء) نے عیسائیوں کو بڑی کثرت سے اپنی ملازمت میں داخل کیا اور اس بارے میں ان کے خاندان کے دوسرے افراد نے بھی ان کی پیروی کی۔(۶۷) چنانچہ ان کے عہد میں بہت سے عیسائی مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ مثلاً ایک عیسائی عرب جس کا نام الاخطل تھا، ان کا درباری شاعر تھا اور قدلیس یوحنا دمشقی کا باپ خلیفہ عبدالملک (۶۸۵ء۔۷۰۵ء) کا مشیر تھا۔ خلیفہ معتصم کی ملازمت میں دو بھائی تھے جو عیسائی تھے اور امیر المومنین کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ ان میں سے ایک کا نام سلمویہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عہدہ آج کل کے سیکرٹری آف سٹیٹ کے برابر تھا اور کوئی شاہی فرمان اس وقت تک مستند تصور نہ ہوتا تھا جب تک کہ اس پر اس کے دستخط ثبت نہ ہوتے تھے۔ اس کے بھائی کا نام ابراہیم تھا جس کی تحویل میں مہر خلافت رہتی تھی۔ وہ بیت المال پر بھی مامور تھا۔ یہ عہدہ ایسا تھا جس کی نوعیت کے سبب سے گمان ہوسکتا تھا کہ کسی مسلمان کو اس پر مقرر کیا جاتا

Marfat.com

مگر خلیفہ کو ذاتی طور پر ابراہیم کے ساتھ اتنا انس تھا کہ جب وہ بیمار ہو گیا تو خلیفہ بذات خود اس کی عیادت کے لئے گیا اور اس کی موت کا اسے اس قدر سخت رنج ہوا کہ ابراہیم کی تدفین کے دن خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کا جنازہ محل شاہی میں لایا جائے اور تمام نصرانی رسوم باضابطہ طور پر بڑی متانت سے ادا کی جائیں۔(۶۸)

خلیفہ عبدالملک نے الرھا (اڈیسہ) کے ایک عیسائی عالم اتاناسیوس کو اپنے بھائی عبدالعزیز کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ جب عبدالعزیز مصر کا والی مقرر ہوا تو اتاناسیوس بھی اپنے شاگرد کے ساتھ مصر گیا اور اس نے وہاں بڑی دولت جمع کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس چار ہزار غلاموں کے علاوہ بہت سے گاؤں، مکانات اور باغات تھے اور بے اندازہ سونا چاندی تھا۔ جب سپاہیوں کو تنخواہیں ملتیں تو اس کے بیٹے ہر ایک سپاہی سے ایک دینار (اشرفی) وصول کر لیا کرتے تھے۔ مصر میں سپاہ کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اتاناسیوس نے مصر کے اکیس سالہ قیام میں کتنا مال و دولت جمع کیا ہوگا۔(۶۹) آٹھویں صدی کے خاتمے پر ایک عیسائی شخص ابونوح انباری موصل کے والی ابوموسیٰ بن مصعب کا کاتب تھا اور اپنے اثر و رسوخ کو اپنے عیسائی بھائیوں کے حق میں استعمال کرتا تھا (۷۰)۔

خلیفہ معتضد (۸۹۲ء-۹۰۲ء) کے عہد میں انبار کا حاکم عمر بن یوسف ایک عیسائی تھا۔ خلیفہ نے اس کی تقرری کی اس بنا پر منظوری دے دی کہ اگر ایک عیسائی کسی عہدے کے قابل اور لائق مل جائے تو اسے مامور کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک یہودی، مسلمان یا زرتشتی کی بہ نسبت ایک عیسائی پر اعتماد کرنے کے لئے زیادہ معقول وجوہ موجود ہیں۔(۷۱) الموفق نے، جو اپنے بھائی معتمد کے عہد خلافت (۸۷۰ء-۸۹۲ء) میں سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کا مالک تھا، فوج کا بندوبست ایک عیسائی اسرائیل کے سپرد کر رکھا تھا۔ اسی طرح خلیفہ معتضد کے کاتبوں میں سے ایک عیسائی مالک بن الولید تھا اور خلیفہ مقتدر (۹۰۸ء-۹۳۲ء) کے زمانے میں فوج کا دفتر ایک عیسائی کی تحویل میں تھا۔ (۷۲)

خاندان بویہ کا بادشاہ عضدالله ۹۴۹ء سے لے کر ۹۸۲ء تک جنوبی ایران اور عراق پر حکمران رہا۔ اس کا وزیر اعظم نصر بن ہارون بھی عیسائی تھا۔(۷۳) ایک مدت دراز تک حکومت کے دفاتر، خصوصاً محکمہ مال عیسائیوں اور ایرانیوں سے معمور رہا۔(۷۴) ایک عرصے تک مصر میں بھی یہی حال رہا، جہاں اس قسم کے تقریباً تمام عہدے عیسائیوں کے قبضے میں تھے۔(۷۵) خاص کر طبابت کے پیشے سے عیسائیوں نے بہت سی دولت جمع کر لی تھی اور اعلیٰ گھرانوں میں ان کی بڑی عزت و توقیر ہوتی تھی۔ جبرائیل، جو خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص تھا، نسطوری فرقے کا عیسائی تھا۔ آٹھ لاکھ درہم کے علاوہ، جو اسے ہر سال اپنی ذاتی جائیداد سے حاصل ہوتے تھے، دو لاکھ اسی ہزار درہم سالانہ اسے خلیفہ کی خدمت کے صلے میں ملتے تھے۔ دوسرا طبیب بھی عیسائی تھا اور بائیس ہزار درہم

Marfat.com

سالانہ تنخواہ پاتا تھا۔(۷۶)

تجارت اور سوداگری سے بھی عیسائیوں نے بڑی ثروت پیدا کرلی تھی، اور فی الواقع ان کی یہی دولت و ثروت تھی جس سے عام لوگوں کے دلوں میں حسد کے ساتھ لالچ پیدا ہوتا تھا، اور متعصب لوگ اس جذبے سے فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم وستم کرتے تھے۔اس کے علاوہ غیر مسلم قومیں قریب قریب آزاد تھیں۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے ان کے اندرونی معاملات کا انتظام ان کے اپنے ہاتھ میں دے رکھا تھا اور ان کے اپنے مذہبی پیشوا ان کے باہمی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔(۷۷) ان کی عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں بالعموم دخل نہیں دیا جاتا تھا۔ سوائے بڑے شہروں کے جہاں کے بعض گرجاؤں کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔مگر اس پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اسلام کی مسلسل اشاعت سے مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور اسی نسبت سے عیسائیوں کی تعداد میں کمی آ گئی تھی۔

ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب عربوں نے دمشق فتح کیا تو وہاں کے گرجے فاتحین اور مقامی عیسائیوں کے درمیان اس عذر کی بنا پر برابر برابر تقسیم کر دیئے گئے کہ ایک عرب امیر، شہر کے مشرقی دروازے سے بہ زور شمشیر داخل ہوا تھا، لیکن مغربی دروازے پر دوسرے امیر کے سامنے حاکم شہر نے پرامن طریق سے سرتسلیم خم کر دیا تھا۔مگر تازہ تاریخی تحقیقات نے اس روایت کو غلط ثابت کر دیا ہے۔اسی طرح تاریخی دستاویزوں کی چھان بین سے اور عمارت کے نقشے کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اور مسلمان قدیس یوحنا کے بڑے گرجا کو مشترکہ طور پر ہرگز استعمال نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ عرب مؤرخین نے لکھا ہے۔(۷۸) مؤرخین کے زعم میں تقریباً اسی سال تک یہ صورت حالات قائم رہی۔اس سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ امر ابتدا ہی سے مسلم تھا کہ عیسائی لوگ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں آزاد ہیں۔

گرجوں کی تعمیر:

دارالاسلام میں غیر مسلم اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔حنفیہ کا قول یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے عبادت گاہیں تعمیر کرنا ممنوع ہے، ہاں اگر قدیم عبادت گاہیں تباہ یا منہدم ہوگئی ہوں تو ان کی مرمت جائز ہے، اور گاؤں اور چھوٹی آبادیوں میں جہاں شعائر اسلام ظاہر نہ ہوں، نئے گرجے تعمیر ہو سکتے ہیں۔حنابلہ، جن میں رواداری نسبتاً کم ہے، کہتے ہیں کہ نہ تو نئے گرجے تعمیر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی منہدم شدہ عبادت گاہوں کی مرمت ہو سکتی ہے۔بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ذمیوں کے حقوق ان کے عہدناموں کے مطابق مختلف ہو سکتے ہیں۔ان شہروں میں جو بہ زور شمشیر فتح ہوئے ہوں،

Marfat.com

ذمی نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکتے۔ مگر ہاں خاص معاہدے کی رو سے یہود اور نصاریٰ نئی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔ (۷۹) مگر مسلمان فقہاء کی دوسری بہت سی آراء کی طرح ان کے ان احکام کو بھی واقعات سے بہت کم واسطہ رہا ہے۔ (۸۰) مثلاً فقہاء خواہ اس بارے میں متفق الرائے ہوں کہ ذمی مسلمانوں کے بنا کردہ شہروں میں نئی عبادت گاہیں نہیں بنا سکتے، مگر اس کے باوجود مسلمان حکام نے قبطیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ قاہرہ کے نئے دارالحکومت میں گرجے بنائیں۔ (۸۱) دوسرے شہروں میں بھی نصاریٰ کو اجازت دی گئی کہ وہ نئے گرجے اور خانقاہیں تعمیر کریں۔ خلیفہ عمر ثانی نے، جن کا عہد خلافت پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ہے (۹۹ھ۔۱۰۱ھ مطابق ۷۱۷ء۔۷۲۰ء) حکم دیا کہ وہ تمام گرجے مسمار کر دیئے جائیں جو نئے تعمیر ہوئے تھے۔ (۸۲) ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد خلیفہ متوکل (۸۴۷ء۔۸۶۱ء) کو پھر اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ وہ اس فرمان کو دوبارہ جاری کرے۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے گرجوں کی تعمیر کے بارے میں جو ممانعت تھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا تھا۔ (۸۳)

نئے گرجوں کی تعمیر کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جن کا عیسائی اور مسلمان مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ عبدالملک کے عہد خلافت میں (۶۸۵ء۔۷۰۵ء) شہر الرہا (اڈیسہ) کے ایک دولت مند نصرانی نے، جس کا نام اتاناسیوس تھا، اپنے آبائی شہر میں ایک نفیس گرجا حضرت مریم کے نام پر تعمیر کیا اور بپتسمہ یعنی اصطباغ دینے کے لئے بھی ایک علیحدہ عمارت بنائی۔ اس میں حضرت مسیحؑ کی تصویر رکھی جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ شاہ ابجر کو بھیجی گئی تھی۔ اس نے فسطاط میں دو عظیم الشان گرجے بنائے اور مصر کے دوسرے شہروں میں بھی گرجے اور راہبوں کے لئے خانقاہیں تعمیر کیں۔ (۸۴) عبدالعزیز بن مروان والی مصر کی ملازمت میں چند عیسائی حاجب تھے۔ انہوں نے اسلامی حکومت کی اجازت سے شہر حلوان میں ایک گرجا قدیس یوحنا کے نام پر تعمیر کیا۔ (۸۵)، حالانکہ اس شہر کی بنا مسلمانوں نے ڈالی تھی۔ ۷۱۱ء میں یعقوبی فرقے کا ایک گرجا شہر انطاکیہ میں خلیفہ الولید (۷۰۵ء۔۷۱۵ء) (۸۶) کے حکم سے تعمیر ہوا۔ یزید ثانی کے عہد حکومت میں (۷۲۰ء) انطاکیہ کا یعقوبی اسقف مار الیاس بہت سے پادریوں اور راہبوں کے ساتھ بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ انطاکیہ میں داخل ہوا، اور ایک نئے گرجے کا افتتاح کیا جو اس نے وہاں بنوایا تھا۔ اگلے سال اس نے ضلع انطاکیہ کے ایک گاؤں سرمدہ میں ایک اور گرجے کا افتتاح کیا۔ اور اگر کسی نے اس کی مخالفت کی تھی تو وہ ان کا اپنا ہی ایک حریف عیسائی فرقہ تھا جس نے خلقدونہ (Chalcedon) کی مذہبی مجلس کے عقائد اختیار کر رکھے تھے۔ (۸۷) آئندہ خلیفہ کے عہد حکومت میں خالد القسری نے، جو ۷۲۴ء سے لے کر ۷۳۸ء تک عراق عرب اور عراق عجم کا والی رہا، ایک گرجا تعمیر کرایا تھا تاکہ اس کی والدہ، جو مسیحی دین پر تھی، اس میں عبادت کر سکے۔ (۸۸) ۷۵۹ء میں نصیبین کے مقام پر ایک گرجا کی عمارت پایۂ

Marfat.com

تکمیل کو پہنچی جس پر نسطوری بشپ کپریان نے چھپن ہزار دینار صرف کیئے تھے۔(۸۹) اسی صدی میں ابوسرجہ کے گرجا کی تعمیر ہوئی جو قدیم قاہرہ کے پرانے رومی قلعے مین بنایا گیا تھا۔(۹۰)

خلیفہ مہدی عباسی کے عہد حکومت (۷۷۵ء۔۷۸۵ء) میں ایک گرجا ان عیسائی قیدیوں کے لئے بغداد میں تعمیر ہوا جو بلاد روم کی جنگوں میں پکڑے گئے تھے۔(۹۱) دارالخلافہ بغداد میں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں (۷۸۶ء۔۸۰۹ء) ایک اور گرجا سالو کے باشندوں نے تعمیر کیا جو خلیفہ کی اطاعت اختیار کر کے اس کے سایہ عاطفت میں آ بسے تھے۔(۹۲) اسی خلیفہ کے عہد میں بصرہ کے نسطوری مطران سرجیوس نے اپنے شہر میں ایک گرجا تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کی، حالانکہ بصرے کی بنیاد حضرت عمرؓ نے ۶۳۸ء میں ڈالی تھی۔(۹۳) اسی طرح بابل میں ایک عالی شان گرجا تعمیر ہوا اور اس میں دانیال نبی اور حزقیل نبی کے تابوت رکھے گئے۔(۹۴) جب خلیفہ المامون (۸۱۳ء۔۸۳۳ء) مصر میں تھا تو اس نے اپنے دو درباریوں کو اجازت دی کہ مقطم کی پہاڑی پر، جو قاہرہ کے قریب ہے، ایک گرجا بنائیں۔ اسی خلیفہ کی اجازت سے ایک دولت مند عیسائی نے، جس کا نام، بکام تھا، کئی خوب صورت گرجے بورہ کے مقام میں تعمیر کرائے تھے۔(۹۵) نسطوری بطریرک تیموثیوس (متوفی ۸۲۰ء) نے ایک گرجا تکریت میں اور ایک خانقاہ بغداد میں تعمیر کی۔(۹۶) دسویں صدی عیسوی میں ابوسیفین کا خوش نما قبطی گرجا فسطاط میں تعمیر ہوا۔(۹۷) فاطمیۂ مصر کے ساتویں حکمران الظاہر (۱۰۲۰ء۔۱۰۳۵ء) کے عہد میں جدہ میں ایک نیا گرجا تیار ہوا۔(۹۸) خلیفہ المستضی عباسی (۱۱۷۰ء۔۱۱۸۰ء) کے عہد میں بھی نئے گرجے تعمیر ہوئے۔(۹۹) ۱۱۸۷ء میں فسطاط میں ایک گرجا تعمیر ہوا اور مریم عذرا کے نام سے منسوب ہوا۔(۱۰۰)

نسطوری فرقے کی ترقی:

بجائے اس کے کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے عیسائی کلیسا کی ترقی رک جاتی، نسطوری فرقے کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ جب یہ فرقہ اسلامی حکومت کے زیرنگین آیا، تو اس کی مذہبی زندگی میں ایک حیرت انگیز جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔(۱۰۱) اس سے پہلے اس فرقے کے بیشتر لوگ ایرانی سلطنت میں پائے جاتے تھے جہاں شاہان عجم کبھی تو ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور کبھی بدسلوکی کرتے۔ لہٰذا ان کی زندگی اضطراب اور تزلزل کی حالت میں بسر ہو رہی تھی۔ خصوصاً جب ایران اور روم کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تو ان پر اس بدگمانی کی بنا پر سختی کی جاتی تھی کہ وہ ایران کے عیسائی دشمنوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، مگر مسلمان خلفاء کے زیر حکومت ان کو اپنے وطن میں ایسا امن و امان نصیب ہوا کہ انہوں نے بیرونی ملکوں میں اپنی تبلیغی کوششوں کی مہم تیز تر کر دی چنانچہ انہوں نے چین اور ہندوستان کی طرف اپنے مشنری روانہ کیے اور آٹھویں صدی میں ان دونوں ملکوں میں وہاں کے مذہبی

Marfat.com

عہدہ داروں کو ترقی دے کر مطران (۱۰۲) کے منصب تک پہنچا دیا گیا۔ اسی زمانے میں نسطوریوں نے مصر میں اپنا قدم جمایا اور اس کے بعد عیسائی مذہب کو پھیلاتے ہوئے ایشیا کے دوسرے سرے تک لے گئے اور گیارہویں صدی میں تاتاریوں میں سے بہت سے لوگوں کو عیسائی بنالیا۔ (۱۰۳)

اگر دوسرے عیسائی فرقوں نے ایسی سرگرم کوششوں کا اظہار نہیں کیا تو اس میں مسلمانوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ اسلامی سلطنت نے سب فرقوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور اس کے علاوہ وہ ایک فرقے کو دوسرے فرقے پر ظلم وستم کرنے سے روکتی تھی۔ (۱۰۴) پانچویں صدی میں برسومہ نے جو ایک نسطوری بشپ تھا شاہ ایران سے کہا کہ نسطورا ایرانیوں کا دوست ہے اور اس کے عقائد بھی ان کے مذہب سے قریب کا واسطہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ آرتھوڈوکس کلیسا کے خلاف ایک سخت مہم جاری کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کلیسا کے ۷۸۰۰ پادری اور ان کے ساتھ بہت سے عیسائی عوام بھی اس ہنگامے میں مارے گئے۔ (۱۰۵) اسی قسم کا ایک اور ہنگامہ اسی فرقے کے خلاف خسرو ثانی کے عہد میں برپا ہوا تھا۔ جب قیصر ہرقل نے ایران پر حملہ کیا تو یعقوبی فرقے کے ایک عیسائی نے شاہ ایران کو بہکایا اور کہا کہ آرتھوڈوکس فرقے کے عیسائی ہمیشہ اپنے ہم مذہب بزنطینیوں کی طرف مائل رہیں گے۔ (۱۰۶) لیکن اہل اسلام جو مذہبی آزادی کے اصول کے پابند تھے، ایسی بے انصافیوں کو روا نہ رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی یہی کوشش رہی ہے کہ اپنی تمام عیسائی رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کریں۔ ان کے عدل کی ایک مثال یہ ہے کہ فتح مصر کے بعد یعقوبی فرقے کے عیسائیوں نے رومی حکام کے اخراج سے فائدہ اٹھایا اور آرتھوڈوکس عیسائیوں کے گرجاؤں پر قبضہ کرلیا لیکن بعدازاں جب ان عبادت گاہوں کے اصل مالکوں نے اپنا حق ملکیت ثابت کر دیا تو مسلمانوں نے ان کو ان کی عبادت گاہیں واپس دلوا دیں۔ (۱۰۷)

عیسائیت چھوڑنے کے اسباب:

اس مذہبی آزادی کے پیش نظر جو مسلمان حکام نے عیسائی رعایا کو اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں عطا کر رکھی تھی، اس عام خیال کو قبول کرنا دشوار ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اور ہم اس بات پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جبر واکراہ کی بجائے دوسرے اسباب کو تلاش کریں جو ان کے تبدیل مذہب کا موجب ہوئے۔ بدقسمتی سے اس موضوع کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں اور ہمیں مجبوراً قیاس ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔ (۱۰۸) ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے زمانے میں، جب مذہبی مباحثے زوروں پر تھے، بعض ایسے صاحب فکر بھی موجود ہوں جن کے دل ودماغ اپنے اندازفکر کی بنا پر اسلامی عقائد قبول کرنے پر آمادہ ہوں، مثلاً آٹھویں صدی کے ایران کے وہ شہریگان یعنی

Marfat.com

زمیندار جو عیسائی کہلاتے تھے مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت مسیحؑ ایک بشر تھے اور خدا کے نبی تھے۔ (۱۰۹) معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ لوگ نسطوری پادریوں کے لئے خاص زحمت کا باعث ہوئے جو انہیں راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ (۱۱۰) یہ لوگ اپنے عقائد میں عیسائیت کی بہ نسبت اسلام سے زیادہ قریب تھے، اور جب عربوں نے ایران کو فتح کیا تو ان کے قبول اسلام سے نو مسلموں کی تعداد میں غالباً بہت اضافہ ہوا ہوگا۔

بہت سے عیسائی علماء کا خیال (۱۱۱) ہے کہ اس زمانے میں مشرقی کلیسا کی اخلاقی اور روحانی پستی سے لوگوں کے دل عیسائیت سے برگشتہ ہو گئے تھے اور وہ لوگ ایک پاکیزہ روحانی فضا کی جستجو میں اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے تھے جو ایک نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ ان تک پہنچا تھا۔ (۱۱۲) مثلاً ڈین ملمین نے سوال کیا ہے کہ "ان ملکوں میں عیسائیوں کی کیا حالت تھی جن پر اسلام کا سب سے پہلے حملہ ہوا؟ ایک فرقہ دوسرے فرقے کا مخالف تھا اور مسیحی علماء ایک دوسرے کے ساتھ دینی عقائد کے نہایت دقیق مسائل پر لڑ رہے تھے۔ آرتھوڈوکس، نسطوری، یعقوبی اور یوٹیکس کے پیرو انتہائی دشمنی کے ساتھ ایک دوسرے پر ظلم وستم کر رہے تھے اور مذہبی اختلافات کی خرابیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ بجائے اس بات کے کہ تمام عیسائی فرقے مل کر عیسائیت کی حفاظت وحمایت کرتے، وہ اپنے مخالفین کو اہل اسلام کے زیر نگیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جن کے ایمان کو ان مسلسل مباحثوں نے متزلزل کر دیا ہوگا، لہذا یہ امر باعث تعجب نہیں کہ ہزاروں لوگوں نے ان متواتر مباحثوں سے پریشان اور بیزار ہو کر توحید الٰہی کے سیدھے سادے عقیدہ میں پناہ لی، اگرچہ انہیں اس کے ساتھ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار بھی کرنا پڑا۔" (۱۱۳)

کیتانی کا بھی یہی خیال ہے کہ مشرقی کلیساؤں کے پیروؤں میں اسلام کی اشاعت اسی وجہ سے ہوئی کہ وہ لوگ ان موشگافیوں سے تنگ آ گئے تھے جو یونانی طرز فکر نے عیسائی مذہب میں داخل کر دی تھیں۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ "اہل مشرق صاف اور سادہ تصورات کو پسند کرتے ہیں، لہذا مذہبی نقطہ نظر سے یونانی تہذیب ان کے لئے ایک آفت اور مصیبت ثابت ہوئی جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی سادہ اور اعلیٰ تعلیمات کو ایک ایسے دین میں تبدیل کر دیا جس کے عقائد انسانی فہم سے بالاتر تھے اور شکوک وشبہات سے پر تھے۔ ان شکوک نے لوگوں کے دلوں میں یاس اور ناامیدی پیدا کر دی اور ان کے مذہبی عقیدے کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ چنانچہ آخرکار جب ان کو خبر پہنچی کہ صحرائے عرب میں ایک نئی وحی اتری ہے تو مشرقی ملکوں کی یہ مسخ شدہ عیسائیت، جو اندرونی اختلافات سے پارہ پارہ ہو چکی تھی، جس کے بنیادی عقائد متزلزل تھے اور جس پر شکوک وشبہات کی وجہ سے یاس کا عالم چھایا تھا، ایک نئے مذہب کی دلفریبی کا مقابلہ نہ کر سکی، جس نے ان کے تمام شکوک دور کر دیئے۔ اس نئے مذہب کے عقائد صاف، واضح اور سادہ تھے اور ان کے قبول کرنے سے انہیں بہت سے دنیوی فوائد بھی حاصل

Marfat.com

ہو سکتے تھے۔ چنانچہ مشرق کے عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خیر باد کہا اور پیغمبر عرب کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی۔" (۱۱۴)

اسی طرح کینن ٹیلر صاحب (Canon Taylor) اپنے مقالے (۱۱۵) میں یوں لکھتے ہیں کہ "اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ اسلام، جو دراصل یہودی مذہب کی ایک اصلاح شدہ صورت ہے، افریقہ اور ایشیا میں اس سرعت کے ساتھ کیسے پھیلا۔ افریقہ اور شام کے عیسائی علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کی جگہ دقیق اور دشوار فلسفیانہ مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اپنے زمانے کی بدکاری کا مقابلہ کرنے کی انہوں نے یوں کوشش کی کہ تجرد کی آسمانی خوبیوں کی تلقین کریں اور کنوار پنے کے ملکوتی وصف کی ستائش کریں۔ ترک دنیا تقدس کی راہ ٹھہری اور میل مٹی رہبانوں کا خاصہ۔ لوگ عملی طور پر مشرک تھے کیونکہ وہ شہداء، اولیاء اور ملائکہ کے ایک جم غفیر کی پرستش کرتے تھے۔ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے مردانہ اوصاف کھو چکے تھے اور متوسط درجے کے لوگ محصولوں کے بار کے نیچے دبے جا رہے تھے۔ (۱۱۶) باقی رہے غلام، ان کو نہ تو اس دنیا میں کسی فلاح و بہبود کی امید تھی اور نہ ہی آخرت میں۔ اسلام نے گویا ایک خدائی جھاڑو سے ان تمام توہمات اور خرافات کو خس و خاشاک کی طرح صاف کر دیا۔ اسلام کیا تھا؟ خالی خولی مذہبی مباحثات کے خلاف ایک بغاوت تھی، اور اس تجرد کے خلاف جسے تقدس کا تاج سمجھا جاتا تھا، ایک مردانہ وار احتجاج تھا۔ اسلام نے مذہب کے بنیادی اصولوں کو پیش کیا، یعنی خدا کی وحدانیت، عظمت، رحمت اور عدالت کا اعلان کیا اور کہا کہ اسی کی ذات اطاعت اور تسلیم و رضا کی مستحق اور سزاوار ہے۔ اسلام نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور جوابدہ ہے اور آخرت میں یوم الحساب آنے والا ہے جہاں گنہگاروں پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ اس نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کو فرض قرار دیا اور مصنوعی قسم کی نیکیوں اور مذہبی دجل و فریب کی سختی کے ساتھ تردید کی، اور بگڑے ہوئے انسانی جذبات اور مذہبی مناظروں کی لفظی باریکیوں کی مذمت کی۔ اسلام نے رہبانیت کی جگہ مردانگی کو دی، غلام کو نجات کی امید دلائی، نوع انسان کو اخوت کی تلقین کی اور انسانی فطرت کے بنیادی حقائق کا اعتراف کیا۔

اسلام کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان بیزنطینی پادریوں کے اندازِ فکر کے خلاف ایک ردِ عمل تھا (۱۱۷) جو قیصر روم کے دربار کو عرش معلیٰ کی ایک نقل سمجھتے تھے اور قیصر کو نہ صرف تمام عیسائیوں کا حاکم اعلیٰ جانتے تھے بلکہ اسے ان کا مذہبی پیشوا بھی تصور کرتے تھے۔ (۱۱۸) یوستینین (Justinian) کے عہد میں اس کلیسائی نظام نے ایک استبداد کی صورت اختیار کر لی تھی جس کے آہنی شکنجے میں پادری لوگ اور عوام سختی کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں کلیسا اور سلطنت دونوں کے بارے میں جو عام بے اطمینانی اور ناراضی پائی جاتی تھی، اس نے ۵۳۲ء میں قیصر یوستینین کی حکومت کے خلاف ایک کھلی بغاوت کی صورت اختیار کر لی، جو

Marfat.com

پینتیس ہزار آدمیوں کے قتل کے بعد فرو ہو سکی۔ باغیوں کی جماعت نے جو سبز پوش کہلاتے تھے، سرکس یعنی تماشا گاہ میں قیصر کے ظلم و جور کے خلاف سختی سے احتجاج کیا اور پکار کر کہا کہ "عدل و انصاف دنیا سے اٹھ گیا ہے اور کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ ہم یہودی ہو جائیں گے بلکہ یونانی بت پرستی دوبارہ اختیار کرلیں گے۔" (۱۱۹) ایک صدی گزرنے کے بعد بھی بے چینی اور بے اطمینانی کے وہ اسباب دور نہ ہو سکے جو بغاوت کی صورت میں ظاہر ہو چکے تھے۔ چنانچہ بیزنطینی حکومت نے اس قدر سختی سے کام لیا کہ ۵۳۲ء جیسی بغاوت دوبارہ برپا ہونے کا سدباب کر دیا اور باغی لوگ روپوش ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ۵۶۱ھ میں چند خفیہ بت پرست پکڑے گئے اور ان کو سزائیں بھی دی گئیں۔ (۱۲۰) لیکن اس قسم کے باغیوں کو سرحدوں پر دارالحکومت سے دور زیادہ حفاظت میسر آئی۔ چنانچہ ملحدوں نے اور دیگر لوگوں نے، جو بیزنطینی سلطنت اور کلیسا سے متنفر تھے، مشرقی صوبوں میں پناہ لی اور یہی وہ علاقے ہیں (یعنی شام اور فلسطین) جہاں ایک سو برس بعد باغیوں اور ملحدوں کی اولاد نے مسلمان فوجوں کا خیر مقدم کیا، وہی ملحد جو ایک سو سال پہلے اپنا مسیحی دین کسی دوسرے مذہب سے تبدیل کرنا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ جب عربی زبان تمام اسلامی سلطنت میں اور خصوصاً شہروں اور آبادی کے بڑے مرکزوں میں عام طور پر مروج ہو گئی اور مفتوحہ اقوام کے بہت سے افراد نے دو سو برس کے عرصے میں فاتحین کے آداب و اطوار بتدریج اختیار کر لیے اور ان کی قومی زندگی میں شیر و شکر ہو گئے، تو ان حالات میں بہت سے ذمیوں کی مذہبی اور عملی زندگی نے اسلام کا اثر یقیناً قبول کیا ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ معتزلہ کی اس عقلی تحریک نے، جو دوسری صدی سے پانچویں صدی ہجری تک بڑے زور شور سے جاری رہی، عیسائی علماء کو بھی متاثر کیا ہو اور ان کو ایسے مذہب سے برگشتہ کر دیا ہو جس کے دینی عقائد کا اس زمانے میں یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ ناممکن بات کو محض اس لئے واجب الیقین سمجھا جائے کہ وہ ناممکن ہے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان مصنف (یعنی مسعودی) نے ایک قبطی عیسائی کے ساتھ اپنی گفتگو کا ذکر کیا ہے، جس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مشرق کے دیگر عیسائی فرقوں کا عام انداز فکر کیا تھا۔ قبطی نے کہا (۱۲۱)

"میرے نزدیک عیسوی دین کی صحت و صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں اس کے عقائد کو باہم متناقض پاتا ہوں اور وہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں، اور انسانی عقل ان کو رد کرتی ہے، اور ان کے باہمی اختلاف اور تضاد کی وجہ سے لوگ ان سے بھاگتے ہیں۔ نہ تو غور و خوض سے ان کو تقویت ملتی ہے اور نہ ہی بحث و مباحثہ سے ان کی صحت ثابت ہوتی ہے، اور نہ ہی عقلی اور حسی براہین سوچ بچار اور تحقیق کے بعد ان کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے دیکھا ہے کہ بہت سی قوموں اور عظیم الشان بادشاہوں نے جو معرفت اور درست رائے کے مالک تھے، ان کی پیروی کی ہے اور ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اگر عیسائی عقائد کو

Marfat.com

ان کے باہمی تناقض کے باوجود قبول کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے معجزات اور کرامات کا مشاہدہ کیا ہے، جس سے وہ ان کی پیروی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"

اس کے علاوہ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ وہ لوگ جو اپنے زمانے کے عقلی رجحانات کے اثر سے نصرانیت چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، ان کو معتزلہ کے عقائد میں بہت سی ایسی باتیں ملی ہوں گی جو دونوں مذہبوں میں مشترک تھیں، لہذا جہاں تک اجزائے ایمان اور بہت سے دیگر دینی مسائل کا تعلق ہے، انہوں نے دین کی تبدیلی کو ایسی سختی سے محسوس نہیں کیا ہوگا جتنا کہ ان کے بارے میں گمان ہو سکتا ہے۔ قطع نظر ان متعدد بنیادی عقائد کے جو ان لوگوں کے ذہن میں بھی متبادر ہوں گے جن کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے، اور بہت سے ایسے مشترکہ مسائل ہیں جو دمشق میں اموی عہد میں اور بعد کے زمانے میں بھی مسیحی اور مسلمان علماء کے باہمی گہرے تعلقات سے براہ راست پیدا ہوئے۔ کیونکہ بعض علماء کے نزدیک اس بات کی صریح شہادت موجود ہے کہ بیزنطینی علماء اسلامی عقائد کی باقاعدہ تشکیل و تدوین پر اثر انداز ہوئے تھے۔ چنانچہ عربی زبان میں اسلامی عقیدے کی جو قدیم ترین صورت اور ترتیب ہے، اس کا یوحنا دمشقی (۱۲۲) اور دیگر نصرانی علماء کے دینی رسائل سے مقابلہ و موازنہ ہو سکتا ہے (۱۲۳) اسی طرح قدیم ترین عربی تصوف، جس کا میلان خالص زہد کی طرف تھا (اور جو زمانہ مابعد کے اس تصوف سے جداگانہ تھا جس نے ہمہ اوست کا عقیدہ اختیار کیا)، زیادہ تر مسیحی خیالات کے اثر سے پیدا ہوا۔ (۱۲۴) اور اس اثر کا پتہ خصوصاً بعض ایسے معتزلی علماء کے مسائل سے بھی چلتا ہے، جو بیزنطینی عالموں کے طریقے پر خدا کی ذات وصفات کی بحث میں منہمک ہو گئے تھے۔ (۱۲۵) اسلام کے فرقہ قدریہ نے اپنے عقیدۂ قدر کو غالباً عیسائیوں ہی کے اس مسلک سے براہ راست اخذ کیا تھا کہ انسان اپنے افعال و اعمال میں خود مختار ہے۔ اسی طرح مرجیہ نے جس نے دائمی عذاب جہنم سے انکار کیا، ان کا یہ عقیدہ بھی، جو عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف تھا، مشرقی کلیسا کی تعلیم کے ساتھ کلی مطابقت رکھتا تھا۔ (۱۲۶)

اس کے برعکس کفار کو مسلمان بنانے میں اسلام کے راسخ العقیدہ علماء نے جو اثر و رسوخ دکھلایا، اس کی شہادت اس روایت سے ملتی ہے کہ جب امام احمد بن حنبلؒ نے انتقال کیا تو ان کے ارشاد و ہدایت سے بیس ہزار عیسائی، یہودی اور مجوسی مسلمان ہو چکے تھے۔ (۱۲۷) اسی حنبلی مذہب کے ایک مشہور فقیہہ ابوالفرج ابن الجوزی (۱۱۱۵ء۔۱۲۰۱ء) نے جو اپنے زمانے کے ایک مقبول واعظ اور کثیر التصنیف عالم تھے فخریہ کہا تھا کہ ان کے ہاتھ پر بھی اسی قدر یعنی بیس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ (۱۲۸)

اس کے علاوہ افواج اسلام کی وسیع اور بے مثال کامیابی نے بھی ان مسیحی قوموں کے ایمان کو متزلزل کر دیا، جو اہل اسلام کی محکوم بنیں اور جنہوں نے اسلامی فتوحات میں خدا کا ہاتھ کارفرما دیکھا (۱۲۹) وہ دنیا کی خوش

Marfat.com

حالی اور اقبال مندی کو خدا کی مہربانی کا نتیجہ سمجھتے تھے، اور یہ خیال کرتے تھے کہ رب الافواج صرف ان ہی لوگوں کو فتح و ظفر عطا کرتا ہے جو اس کے برگزیدہ بندے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کی کامیابی میں ان کو اسلام کی حقانیت کی دلیل نظر آتی۔

اسلامی اخوت، جس کی رو سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی تصور ہوتے ہیں، اسلام کا ایک ایسا اعلیٰ اصول تھا جس میں لوگوں کے لئے بے انتہا کشش تھی۔ کئی نسلوں تک عرب لوگ اپنے نسبی افتخار کے زعم میں اس بات میں کوشاں رہے کہ نومسلموں کو فرمانروا قوم کے اختیارات اور امتیازات نہ ملنے پائیں۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب نومسلم مختلف عربی قبائل کے ساتھ موالی کی حیثیت سے وابستہ ہو گئے تو اس طرح انہوں نے ملت اسلامی میں اپنے لئے ایک مسلّم درجہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے خاتمے پر ان نومسلموں نے اسلامی اخوت کے اصول کو اسلامی عقائد میں اس کا حقیقی مرتبہ دلا دیا تھا یا اسلامی سلطنت میں اسے کم از کم اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ (۱۳۰)

لیکن اسلامی عہد میں عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ ایسی رواداری کا سلوک نہیں ہوا جس قسم کی رواداری ان کے ساتھ ابتدائے خلافت میں برتی گئی تھی۔ مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر بعض اوقات ذمیوں پر ایسی تکلیف دہ شرائط اور پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں جن سے اہل اسلام کو معاشرے میں فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا تھا۔ کئی خلفاء نے کوشش کی کہ ذمیوں کو سرکاری عہدوں سے محروم کر دیں، لیکن ان کو اس بارے میں کامیابی نہ ہوئی۔ خلیفہ المنصور (۷۵۴ء۔۷۷۵ء)، المتوکل (۸۴۷ء۔۸۶۱ء)، المقتدر (۹۰۸ء۔۹۳۲ء) اور مصر کے فاطمی خلیفہ الآمر (۱۱۰۱ء۔ ۱۱۳۰ء) کے علاوہ مملوک سلاطین نے بھی چودھویں صدی میں اس بارے میں فرمان جاری کئے۔ (۱۳۱) لیکن ان احکام کا بار بار جاری ہونا ہی اس بات کی بین علامت تھی کہ اس پالیسی میں نہ کوئی تسلسل تھا اور نہ ہی ایسے متعصّبانہ احکام کی تعمیل میں کسی مستعدی سے کام لیا جاتا تھا۔ درحقیقت ان احکام کے اجراء کا یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی عہدہ دار اپنی سختی اور گستاخانہ برتاؤ سے عوام میں ناراضی پیدا کر دیتے تھے۔ (۱۳۲) یا عوام کا تعصب پھوٹ پڑتا تھا جس سے حکومت ایسا تشدد کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی جو اسلامی حکومت کے عام اصول کے منافی تھا۔ لہٰذا اس قسم کے احکام بہت جلد خود بخود کالعدم ہو جاتے تھے۔

دیسی عیسائیوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد (۷۸۶ء۔۸۰۹ء) سے شروع ہوتا ہے۔ اس نے عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک خاص لباس پہنا کریں اور جن سرکاری عہدوں پر وہ مامور ہیں، مسلمانوں کے لئے خالی کر دیں۔ پہلے حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد نامے کے کم از کم ایک حکم کی بہت پابندی ہوئی تھی۔ یہ احکام کسی مذہبی جذبے کا نتیجہ نہ تھے بلکہ اس زمانے کے ملکی حالات ان کے مقتضی ہوئے۔

Marfat.com

اسلامی حکومت میں عیسائیوں نے اکثر اوقات اس وجہ سے نقصان اٹھایا ہے کہ بیرونی عیسائی حکومتیں مسلمان فرمانرواؤں کے ساتھ بے ایمانی اور بدعہدی کرتی تھیں، اور اس موقع پر بھی یہ بیزنطینی قیصر نقفورس کی عہد شکنی اور دغابازی تھی جس کی وجہ سے کسی عیسائی کا نام سنتے ہی ہارون الرشید کی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔ (۱۴۳)

اسلامی ملکوں میں عیسائیوں کے ساتھ جب کبھی بدسلوکی ہوئی ہے، اس کا بیشتر سبب یہی رہا ہے کہ غیر ملکی عیسائیوں یا اسلام کے دشمنوں کی سازشوں اور بے جا دخل اندازی سے عیسائی رعایا کی وفاداری مشکوک ہو جاتی تھی یا عیسائی مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کر کے یا اپنے وحشیانہ برتاؤ سے مسلمانوں کے دلوں میں دشمنی ڈال دیتے تھے۔ لیکن مذہبی تعصب بھی بسا اوقات اس بدسلوکی کا باعث ہوا ہے، مثلاً خلیفہ المتوکل کے عہد (۸۴۷ء۔۸۶۱ء) میں عیسائیوں کو دبانے کے لئے بڑے سخت اقدامات کئے گئے (لیکن اس کا تشدد صرف عیسائیوں تک محدود نہ تھا) گذشتہ خلفاء کے عہد میں عقلی تحریکوں اور آزاد خیالی کے رجحانات کو جو غلبہ حاصل رہا تھا، جب اس کے خلاف راسخ العقیدہ لوگوں میں ایک سخت ردعمل پیدا ہوا تو المتوکل نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو ان لوگوں کا حامی و ناصر ظاہر کر کے میدان عمل میں اتر آیا۔ اگرچہ معاشرے کے اعلیٰ طبقے ان لوگوں سے الگ تھلگ رہے، لیکن اکثر عوام الناس انہی لوگوں سے وابستہ تھے۔ (۱۴۴) یہ لوگ اس جور و ستم کا انتقام لینا چاہتے تھے، جو انہوں نے گذشتہ خلفاء کے عہد میں برداشت کیا تھا۔ (۱۴۵) چنانچہ المتوکل نے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے معتزلہ پر سختی شروع کر دی۔ خلق قرآن کے مسئلے پر مزید بحث کو قطعاً روک دیا اور اعلان کر دیا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے گا وہ ملحد ہے۔ اس نے شیعان علی کو قید خانے میں ڈال دیا اور ان کو زدوکوب کیا۔ کربلا میں حضرت حسین کے روضے کو مسمار کر دیا اور اس مقام کی زیارت کی ممانعت کر دی۔ جب المتوکل کی طرف سے ملحدوں پر ظلم و ستم ہوا تو لامحالہ عیسائیوں کو بھی ان کا حصہ دار بننا پڑا۔ چنانچہ گذشتہ زمانے میں ذمیوں کے امتیازی لباس کے بارے میں جو احکام جاری ہوئے تھے، المتوکل نے ان پر سختی سے عمل کیا اور حکم دیا کہ سرکاری دفاتر میں عیسائیوں کو مقرر نہ کیا جائے۔ اس نے جزیہ کی رقم کو دوگنا کر دیا اور ان کو مسلمان غلاموں سے خدمت لینے یا مسلمانوں کے حمام استعمال کرنے کی ممانعت کر دی، غرضیکہ خلیفہ نے اس قسم کی سختیوں اور پابندیوں سے عیسائیوں کو بہت تنگ کیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نسطوری فرقے کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس قسم کا تشدد جو المتوکل کے ساتھ مخصوص تھا، ان کے لئے ایک نئی چیز تھی۔ اور جب اس خلیفہ کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی اس کے تشدد اور سخت گیری کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ المتوکل کے ایک جانشین یعنی خلیفہ المقتدر (۹۰۸ء تا ۹۳۲ء) نے ان احکام کو ازسرنو جاری کیا، کیونکہ نصف صدی گزرنے کے بعد یہ ضوابط بظاہر متروک ہو چکے تھے۔

عوام کے مذہبی تعصب سے جو ہنگامے برپا ہوتے تھے، ان میں یہود اور نصاریٰ کی عبادت گاہیں تباہ

Marfat.com

برباد ہو جاتی تھیں، اور اس قسم کے جور و تعدی کے خوف سے بہت سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا تھا، لیکن اس قسم کا ظلم و ستم اسلام کے اصول رواداری کے خلاف تھا اور اس تعلیم کے منافی تھا جو ذمیوں کے بارے میں از روئے روایات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔(۱۳۶) متعصب لوگوں نے اس بات کی بے سود کوشش کی کہ ذمیوں کی تذلیل کے لئے جابرانہ احکام پر سختی سے عمل کیا جائے۔ "علماء اس صورت حالات پر غور کرتے تھے، وہ خاموشی کے ساتھ روتے اور کراہتے تھے، لیکن حکمران جو ان مجرمانہ دراز دستیوں کو روکنے کی قدرت رکھتے تھے، ان کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے۔" (۱۳۷) جو قواعد وضوابط متعصب ملاّ لوگ غیر مسلموں کو دبانے کے لئے وضع کریں، وہ ایسے قوانین نہیں ہیں کہ ان کو سول گورنمنٹ کے عمل درآمد کے لئے معیار قرار دیا جا سکے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو لوگ سمجھ نہ سکے اور اسی غلط فہمی کی بناء پر اسلامی حکومت میں عیسائیوں کی مشکلات کی مبالغہ آمیز تصویریں ان مصنفوں کے قلم سے تیار ہوئیں جنہوں نے غلطی سے یہ بات فرض کر لی تھی کہ چند علماء کے بنائے ہوئے قوانین پر دوامی طور پر عمل ہوتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس قسم کے ہنگامے اس اشتعال کی وجہ سے بھی برپا ہوتے تھے کہ جو عیسائی اسلامی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے تھے، وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے تھے، اور مسلمانوں پر ظلم کر کے ان کے دلوں میں اپنے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا کر لیتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ منصبوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو لوٹتے تھے اور تنگ کرتے تھے۔ ان سے بڑی سختی اور گستاخی سے پیش آتے تھے اور ان سے ان کی اراضی اور زر و مال چھین لیتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کی شکایات خلیفہ المنصور (۷۵۴ء تا ۷۷۵ء)، المہدی (۷۷۵ء تا ۷۸۵ء)، المامون (۸۱۳ء تا ۸۳۳ء)، المتوکل (۸۴۷ء تا ۸۶۱ء)، المقتدر (۹۰۸ء تا ۹۳۲ء) اور ان کے بہت سے جانشینوں کے سامنے پیش ہوئیں۔(۱۳۸) انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی طرف سے اس وجہ سے بھی متنفر کر لیا تھا کہ وہ عباسی خلفاء کے مخبر تھے اور اموی خاندان کے طرف داروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کراتے تھے۔(۱۳۹) اس زمانے کے بعد صلیبی جنگوں کے دوران میں ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ صلیبیوں کے ساتھ باغیانہ خط و کتابت رکھتے ہیں۔(۱۴۰) ان وجوہ سے ان پر ایسی سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں جن کو از روئے انصاف مذہبی نوعیت کی ایذا رسانی نہیں کہا جا سکتا۔

محکوم لوگوں کی زندگی میں جس نسبت سے دشواری بڑھتی گئی اسی نسبت سے ان کے لئے کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھنے کی ترغیب بڑھتی گئی، تاکہ وہ اپنی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ جب کبھی اسلامی حکومت کو روپے کی ضرورت پیش آتی (اور یہ ضرورت روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی) تو محکوم رعایا پر بیش از بیش محاصل کا بوجھ ڈال دیا جاتا تھا، جس سے نومسلموں کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی اور اسی نسبت سے

Marfat.com

قبول اسلام کی مثالیں بھی بڑھتی گئیں۔ اس متاخر زمانے کے عیسائی مؤرخین کی کتابیں جن افسوس ناک اور رسوا کن واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائی کلیسا اپنے پیروؤں میں ایمان اور اخلاق کی وہ قوت پیدا کرنے میں ناکام رہا تھا جس کی بدولت وہ ناموافق حالات کی سختی کو برداشت کر سکتے۔ چنانچہ جب جور وستم کا دور آیا تو انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا، اور جیسا کہ نسطوری فرقے کے ایک مؤرخ نے لکھا ہے۔ (۱۴۱) اس ترک مذہب کے اسباب یہ تھے کہ لوگ مذہبی فرائض کی ادائیگی سے غافل ہو گئے تھے اور پادریوں کی زندگی فاسقانہ تھی۔

عیسائی آبادی میں جو کمی واقع ہوئی اس کا ایک اور سبب یہ ہوا کہ بہت سی عیسائی عورتیں جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آ گئی تھیں، اور ان کے حرم سراؤں میں پہنچا دی گئی تھیں۔ ان سے جو اولاد پیدا ہوئی تھی وہ اپنے باپ کے مذہب پر پرورش پاتی تھی۔ ایک اور سبب یہ ہوا کہ عیسائی غلام کو اپنے مہربان آقا کی طرف سے ہمیشہ اس امر کی ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اسلام قبول کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ایسی کوئی منظم کوشش ہمارے علم میں نہیں آئی جس کا مقصد غیر مسلم آبادی کو بہ جبر مسلمان بنانا ہو اور نہ ہی ہمیں کسی ایسے باقاعدہ ظلم و تعدی کا پتہ چلتا ہے جس سے عیسائی مذہب کی بیخ کنی مراد ہو۔ اگر خلفائے اسلام ان دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ بھی اختیار کر لیتے تو وہ عیسائیت کو اپنی مملکت سے اسی آسانی کے ساتھ مٹا سکتے تھے، جس آسانی سے فرڈی ننڈ اور ازابیلا نے مسلمانوں کو اندلس سے نکال دیا تھا، یا جس طرح شاہ لوئی چہاردہم نے پروٹسٹنٹ مذہب کو فرانس میں قانوناً جرم قرار دیا تھا، یا جس طرح ساڑھے تین سو برس تک حکومت انگلستان نے یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ ایشیا میں جس قدر مشرقی کلیسا تھے، ان کا باقی مسیحی دنیا سے بالکل قطع تعلق ہو چکا تھا، اور مغرب کے عیسائی ملکوں میں کوئی شخص ایسا موجود نہ تھا جو ان کی حمایت میں ایک انگلی تک اٹھاتا، کیونکہ مشرقی کلیساؤں کو ملحد اور اصلی دین سے منحرف سمجھا جاتا تھا۔ پس ان کلیساؤں کا آج کے دن تک زندہ رہنا ہی اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ اسلامی حکومتوں نے ان کو بالعموم مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ (۱۴۲)

مختلف عیسائی فرقوں کی تعداد:

اسلامی فتوحات کے زمانے میں مغربی ایشیا میں جو قدیمی کلیسا موجود تھے، ان میں سے ڈیڑھ لاکھ نسطوری اب تک پائے جاتے ہیں۔ (۱۴۳) اور ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہوتی، اگر دوسرے عیسائی کلیسا اپنی تبلیغی کوششوں سے ان کو اپنے مذہب میں نہ لے آتے۔ کالڈی عیسائیوں کی تعداد، جو رومی کلیسا کے تابع ہیں، ستر ہزار ہے۔ ۱۸۹۸ء میں نسطوری بشپ مار جونان متعدد پادریوں اور پندرہ ہزار نسطوریوں کے ساتھ روسی آرتھوڈوکس کلیسا میں شامل ہو گیا تھا، اور بعض نسطوری ایسے بھی تھے جو پروٹسٹنٹ ہو گئے تھے۔ (۱۴۴) انطاکیہ کا یعقوبی بطریک

Marfat.com

اس قدیم کلیسا کے تقریباً اسی ہزار افراد کا مذہبی پیشوا ہے، جب کہ یونیٹ یعقوبیوں کے پچیس ہزار خاندان سوریہ کے کیتھولک بطریرک کے زیر فرمان ہیں۔(۱۴۵) یونانی آرتھوڈوکس کلیسا میں سے ۲۸۸۳۶ خاندان انطاکیہ کے بطریرک کے ماتحت ہیں اور پندرہ ہزار سے زیادہ یروشلم کے بطریرک کے تابع ہیں۔(۱۴۶) گریک کیتھولک یعنی ملکائیٹ عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار ہے۔(۱۴۷) مارونی کلیسا کے پیرو تین لاکھ ہیں۔ یہ کلیسا ۱۱۸۲ء سے رومن کیتھولک چرچ کے ساتھ وابستہ ہے۔(۱۴۸)

یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے کہ یہ متفرق اور منتشر مذہبی فرقے ایک عرصہ دراز سے ہنوز زندہ وسلامت ہیں، اگرچہ ان کو جنگ کی تباہ کاریوں، وباؤں اور قحطوں کا خطرہ درپیش رہا ہے۔(۱۴۹) ان کی بود و باش ایسے ملک میں رہی ہے جو صدیوں تک ایک مسلسل میدان کارزار بنا رہا ہے، اور جس پر ترک، تاتاری اور صلیبی یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔(۱۵۰) اس کے علاوہ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ان کو اسلامی قانون کی رو سے اس بات کی ممانعت تھی کہ اپنی تعداد کی کمی کو اپنے مذہب کی اشاعت کے ذریعے سے پورا کرسکیں، لیکن اسلامی فتوحات سے پہلے ہی سوائے نسطوریوں (۱۵۱) کے مشرقی عیسائیوں میں اشاعت مذہب کا جوش مفقود ہو چکا تھا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جوش تبلیغ کے بغیر کسی عیسائی فرقے کے لئے صحت مند زندگی بسر کرنا محال ہے۔ اس کے علاوہ اس رائے کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ ذیل کے اسباب نے بھی عیسائیوں کی آبادی کو بڑھنے نہیں دیا۔ مثلاً راہبوں کا اصول تجرد یعنی شادی بیاہ سے اجتناب جو مشرقی ملکوں میں بہت عام تھا اور عیسائیوں میں صرف ایک بیوی کرنے کا دستور اور خوف و خطرہ کا احساس، علاوہ بریں محکومی کی ذلت نے بھی نصاریٰ کی تعداد کو محدود رکھا۔(۱۵۲)

قبول اسلام کی تفصیلات معلوم نہیں:

قبول اسلام کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہمارے پاس تفصیلی معلومات موجود نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب عیسائی ملکوں پر پہلے پہل عربوں کا تسلط ہوا تو بہت سے عیسائی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس قدیم زمانے میں عراق میں جو عیسائی مسلمان ہوئے ان کی تعداد کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ خراج کی وہ آمدنی جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں دس اور بارہ کروڑ درہم کے درمیان تھی، وہ پچاس سال بعد عبدالملک کے زمانے میں صرف چار کروڑ رہ گئی تھی۔ اگرچہ محاصل ملکی کی یہ کمی زیادہ تر جنگوں اور بغاوتوں میں بربادی اور تباہ کاری کی وجہ سے ہوئی تھی، لیکن اس کی بیشتر وجہ یہ ہوئی کہ عیسائیوں نے نہایت کثرت سے اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو گئے تھے۔(۱۵۳)

Marfat.com

خراسان کے عیسائیوں کا قبول اسلام:

اسی زمانے میں خراسان کے بہت سے عیسائی مسلمان ہوگئے ۔ یہ امر اس خط سے واضح ہوتا ہے جو اس عہد کے ایک عیسائی مذہبی پیشوا یعنی نسطوری بطریرک ایشوعیبہ سوم نے شہرار دشیر کے مطران شمعون کو لکھا تھا۔ چونکہ ہمارے ہاں پہلی صدی ہجری کے عیسائیوں کی دستاویزیں بہت کمیاب ہیں اور اس خط سے اسلام کی پرامن اشاعت کی قوی شہادت ملتی ہے، نیز زمانہ حال کے مورخین نے اس تحریر کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، اس لئے ہم اس کو یہاں مکمل صورت میں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ بطریرک ایشوعیبہ لکھتا ہے کہ " کہاں ہیں تیرے بیٹے؟ اے باپ جو اپنے بیٹوں سے محروم ہوگیا ہے۔ کہاں ہیں شہر مرو کے وہ بزرگ لوگ جنہوں نے نہ تلوار دیکھی، نہ آگ اور نہ ہی کوئی اذیت اٹھائی، لیکن اس کے باوجود وہ محض اپنے نصف مال کی محبت میں گرفتار ہوگئے اور احمقوں کی طرح سچے راستے سے بھٹک کر بے دینی کے غار میں سر کے بل جاگرے، جہاں ہمیشہ کا عذاب ہے۔ وہ تمام نیست و نابود ہوگئے اور صرف دو پادری (جو برائے نام پادری تھے) کفر کے بھسم کرنے والے شعلوں سے اس طرح بچ سکے جیسے بھڑکتی آگ سے دو جلتی ہوئی لکڑیاں نکال لی جائیں۔ افسوس، صد افسوس! اتنے ہزار لوگوں میں سے جو عیسائی کہلاتے تھے، ایک شخص بھی سچے دین کے لئے اپنا خون بہا کر خدا کے حضور میں سرخرو نہ ہوسکا۔ کہاں ہیں کرمان اور تمام فارس کے مقدس عبادت خانے؟ یہ دنیا میں شیطان کی آمد نہ تھی اور نہ ہی شاہان عالم کے فرمان تھے یا والیان ملک کے احکام تھے جنہوں نے ان کو تباہ و برباد کر دیا، بلکہ یہ تو ایک چھوٹے سے حقیر بھوت کی کمزور پھونک تھی، جس کو ان بھوتوں نے کسی عزت کے لائق نہ سمجھا جنہوں نے اسے اس کے پیغام کے ساتھ بھیجا تھا، اور نہ ہی بہکانے والے شیطان نے اسے فریب دینے والی کوئی ایسی قوت دی تھی جس کا اس نے تمہارے ملک میں مظاہرہ کیا ہو، بلکہ اس نے اپنے حکم کے محض ایک اشارے سے تمہارے فارس کے تمام گرجاؤں کو مسمار کر دیا ہے۔ اور عرب جن کو اس وقت خدا نے دنیا کی بادشاہت دے رکھی ہے، اگرچہ وہ تم میں رہتے ہیں، جیسا کہ تم جانتے ہو، لیکن وہ مسیحی دین پر حملہ نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس وہ ہمارے مذہب کی رعایت کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور راہب خانوں پر بخشش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود تمہارے مرو کے باشندوں نے ان عربوں کے پاس خاطر سے اپنا دین چھوڑ دیا؟ حالانکہ عربوں نے، جیسا کہ خود عرب کے لوگ کہتے ہیں، ان کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان سے یہ کہا تھا کہ اگر وہ عربوں کو اپنے مال کا نصف حصہ دے دیں، تو وہ اپنے دین پر صحیح سلامت قائم رہ سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا جس سے ابدی نجات حاصل ہوتی ہے اور اس دنیائے فانی کے مال و متاع کے نصف حصے کے ساتھ چمٹے رہے۔ وہ دین جس کو تمام قوموں نے اپنا خون دے کر خریدا اور اب بھی اپنے خون سے خریدتی ہیں اور اس طرح حیات

Marfat.com

جاودانی حاصل کرتی ہیں، تمہارے مرو کے باشندے اس کو اپنے مال کے نصف حصے بلکہ اس سے بھی قلیل متاع پر فروخت کرنے کے لئے رضامند ہو گئے۔" (۱۵۴)

عمر بن عبدالعزیز کی تبلیغی کوششیں:

خلیفہ عمر ثانی کا عہد خلافت (۷۱۷ء۔۷۲۰ء) اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ ان کے زمانے میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ خلیفہ وقت نے اشاعت اسلام کے لئے ایک باقاعدہ تحریک سرگرمی کے ساتھ شروع کی اور مفتوحہ اقوام کو اسلام کی ہر طرح ترغیب دی، بلکہ ان کو زر و مال عطا کیا۔ روایت ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے ایک عیسائی فوجی افسر کو ایک ہزار دینار دیئے تاکہ اسے اسلام کی طرف رغبت ہو۔ (۱۵۵) انہوں نے تمام والیان مملکت کے نام احکام جاری کئے کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ الجراح بن عبداللہ والی خراسان نے چار ہزار افراد کو مسلمان بنایا۔ (۱۵۶) روایت ہے کہ اس نے بزنطینی قیصر لیوسوم کو بھی ایک مراسلہ لکھا تھا اور اسے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ (۱۵۷) ۷۰۰ء میں جو احکام اس مقصد سے جاری ہوئے تھے کہ بیت المال میں روپے کی قلت نہ ہونے پائے اور جن کے مطابق نومسلم جزیہ سے بری نہیں ہوتا تھا، بلکہ بدستور سابق اس کی ادائیگی پر مجبور ہوتا تھا، ان احکام کو خلیفہ نے منسوخ کر دیا۔ اگر کوئی ذمی جزیہ کی سالانہ ادائیگی سے ایک دن پہلے اپنے دین کو خیر باد کہتا یا عین اس وقت جب اس کی ادا کردہ رقم ترازو میں تل رہی ہو، اسلام قبول کر لیتا تو اس کے جزیہ کی رقم اس نومسلم کو واپس کر دی جاتی تھی۔ (۱۵۸) خلیفہ نے اراضی کے مسلمان مالکوں سے خراج کی وصولی بند کر دی اور اس کی بجائے ان پر عشر لگا دیا جو خراج کے مقابلے میں بہت خفیف تھا۔ اگرچہ مالی اعتبار سے یہ احکام بہت نقصان دہ تھے، لیکن نیک نفس خلیفہ کے نقطہ نظر سے بہت کامیاب رہے، کیونکہ ان کے اجراء کے بعد بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (۱۵۹)

اہل اسلام اور عیسائیوں کا مناظرہ:

بہرحال ہمیں یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ محض اس قسم کے دنیاوی فوائد اور اغراض کے لئے عیسائی لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے، بلکہ اسی صدی میں یوحنا دمشقی نے مذہبی مسائل کے متعلق جو کتابیں مناظرانہ رنگ میں لکھی تھیں، ان سے ہمیں اس مذہبی حمیت اور سرگرمی کا پتا چلتا ہے جس کی بدولت مسلمان مسیحی دین کی بنیادوں کو دلیل و برہان کے ذریعے سے کھوکھلا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان مکالمات میں مسلمان مناظر کے مخاصمانہ انداز کو خوب وضاحت کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے، اور یہ بات عین قرین قیاس ہے کیونکہ اس جلیل القدر عیسائی عالم کا یہ مقصد نہ تھا کہ اسلام کی معذرت یا حمایت میں کوئی بات کہے۔ (۱۶۰)

Marfat.com

یوحنا دمشقی کے شاگرد اسقف تھیودور ابو قرہ نے بھی مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ انداز میں متعدد مکالمات قلمبند کئے۔(۱۶۱) ان میں وہ تمام مسائل زیر بحث آئے ہیں جن کے بارے میں دونوں مذہبوں میں باہمی اختلاف تھا۔ ان مکالمات میں بدستور سابق مسلمان مناظر سب سے پہلے اعتراض اٹھاتا ہے، اس سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں کسی سرگرمی اور جوش کے ساتھ اسلام کی حمایت کی جاتی تھی۔ چنانچہ ابو قرہ لکھتا ہے کہ "بنو ہاجرہ (یعنی مسلمانوں) کے تمام خیالات اور ان کا مذہبی جوش تمام تر اس بات کے لئے وقف ہوتا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی الوہیت کا انکار کریں اور وہ اپنی ساری کوششیں اس مقصد کے لئے صرف کرتے ہیں۔"(۱۶۲)

ایک نسطوری بطریرک، جس کا نام تیموتھیس تھا، خلیفہ الہادی اور خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مذہبی مناظرے کیا کرتا تھا۔ اس نے ان مناظروں کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیا تھا جو اب ضائع ہوچکی ہے۔(۱۶۳) تیموتھیس اپنے کلیسا (۱۶۴) کے بہت سے بارسوخ عہدہ داروں کے مقابلے میں بطریرک کے منصب کے لئے منتخب ہوا تھا۔ اس کے مخالفین میں شہر مرو کا مطران یوسف بھی تھا۔ اس نے تیموتھیس کے خلاف خلیفہ مہدی (۷۷۵ء۔۷۸۵ء) پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی، لیکن خلیفہ نے یوسف کو قبول اسلام کی ترغیب دی، چنانچہ یوسف نے اپنا مذہب ترک کردیا اور اس ارتداد کے صلے میں بہت سا انعام واکرام پایا۔ اس کے علاوہ خلیفہ نے اسے بصرہ میں ایک سرکاری عہدے پر مقرر کردیا۔(۱۶۵)

ہاشمی کا تبلیغی خط کندی کے نام:

اسلام کی پہلی دو صدیوں کے جو واقعات اشاعت اسلام کے بارے میں صفحات بالا میں مذکور ہوئے ہیں وہ اپنی تفصیلات کے لحاظ سے بہت تشنہ ہیں۔ ان سے محض تبلیغی کوششوں کا پتا تو چلتا ہے مگر ترویج اسلام کے متعلق کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ سب سے قدیم دستاویز، جو بین طور پر تبلیغی حیثیت رکھتی ہے، خلیفہ المامون (۸۱۳ء۔۸۳۳ء) کے عہد سے تعلق رکھتی ہے اور وہ ایک خط کی صورت میں ہے جو خلیفہ کے ایک عمزاد بھائی نے اپنے ایک عیسائی دوست کو لکھا تھا۔(۱۶۶) وہ ایک عالی نسب عربی خاندان سے تھا اور دربار خلافت میں بڑا اعزاز رکھتا تھا اور خلیفہ المامون بھی اس کی بڑی توقیر کرتا تھا۔ اس خط میں ہاشمی نے اپنے دوست کندی سے اسلام اختیار کرنے کی درخواست کی ہے اور ایسے محبت آمیز کلمات اور ایسی زبان استعمال کی ہے جس سے اس بات کی بین شہادت ملتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمان، ملت مسیحی کے ساتھ کس رواداری سے پیش آتے تھے۔ اشاعت اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس خط کو ایک منفرد اور بے مثال درجہ حاصل ہے، اس لئے ہم نے اس خط کو اس کتاب کے ایک ضمیمے میں بجنسہ مکمل صورت میں نقل کردیا ہے۔(۱۶۷)

Marfat.com

ہاشمی اور کندی کی باہمی مراسلت سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ المامون نے ایک مرتبہ امراء کے ایک مجمع سے خطاب کیا، اور نہایت حقارت آمیز الفاظ میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیوی فوائد اور ذاتی اغراض کی خاطر بظاہر مسلمان ہو گئے تھے، ان کی مثال ان منافقین کی تھی جنہوں نے بظاہر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اندرونی طور پر ان کو شہید کرنے کی سازش کی تھی۔ لیکن جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدی کا بدلہ نیکی سے دیا تھا، اسی طرح خلیفہ نے بھی اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بھی ان منافق لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور بردباری سے پیش آئے گا، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان کے درمیان انصاف کر دے گا۔ (۱۶۸) خلیفہ کی زبان سے جو شکایت بیان ہوئی وہ اس لحاظ سے دلچسپ اور قابل توجہ ہے کہ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نو مسلموں سے بے غرض اور خالص ایمان کی توقع کی جاتی تھی اور جب ان کی خود غرضی اور نازیبا اغراض کا انکشاف ہوتا تھا تو وہ انتہائی ملامت کے سزاوار ٹھہرتے تھے۔

المامون کی تبلیغی کوششیں:

المامون خود بھی اسلام کی اشاعت میں بہت سرگرم تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی قلمرو کے دور دراز صوبجات، مثلاً ماوراء النہر اور فرغانہ کے غیر مسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ (۱۶۹) لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں کو زبردستی مسلمان کرکے اپنی شاہانہ سطوت کا ناجائز استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ جب یزدان بخت، جو فرقۂ مانویہ کا ایک پیشوا تھا، بغداد میں آیا اور اس نے مسلمان علماء کے ساتھ مناظرہ کیا، جس میں وہ لاجواب ہو گیا۔ (۱۷۰) تو المامون نے اسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، لیکن یزدان بخت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "اے امیر المومنین! میں نے آپ کی نصیحت سنی اور آپ کی تمام باتیں بھی سنیں، لیکن آپ ان لوگوں میں سے ہیں، جو لوگوں کو اپنا دین ترک کرنے پر مجبور نہیں کرتے"۔ بجائے اس کے کہ خلیفہ اپنی کوشش کی ناکامی پر ناراض اور خفا ہوتا، اس نے یزدان بخت کی حفاظت کے لئے سپاہ کا دستہ مامور کر دیا، تاکہ وہ متعصب لوگوں کی توہین و تحقیر سے محفوظ و مصئون رہے۔ (۱۷۱)

بعض عیسائی علماء کا قبول اسلام:

مسیحی مؤرخین نے چند ایک ایسے واقعات کے مختصر حوالے دیئے ہیں جن میں کلیسا کے عہدہ داروں کے قبول اسلام کا ذکر آیا ہے، مثلاً جب بحرین کا اسقف جارج نویں صدی کے وسط میں کسی جرم کی پاداش میں اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا تو اس نے مسیحی دین چھوڑ کر اسلام اختیار کر لیا تھا۔ نیز اس واقعے کا بھی ذکر آیا ہے کہ فارس کے مطران جبرائیل کا بھائی دسویں صدی کے وسط کے قریب مسلمان ہو گیا تھا۔ (۱۷۲) اس واقعے کا ذکر اس

Marfat.com

وجہ سے آیا ہے کہ جب نسطوری کلیسا کے بطریرک کے عہدے کے انتخاب کا وقت آیا تو اس موقع پر یہ کہا گیا تھا کہ جبرائیل اس منصب کے لائق نہیں ہے، کیونکہ اس کا بھائی مسلمان ہو چکا ہے۔ (۱۷۳)

اسی صدی کے ابتدائی حصے میں بیت جارمی کا نسطوری اسقف تھیوڈور مسلمان ہوگیا۔ کلیسا کے جس مؤرخ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، اس نے اس بارے میں کسی جبر و اکراہ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر کسی قسم کا تشدد ہوا ہوتا تو مؤرخ اس کا بھی ضرور ذکر کرتا۔ (۱۷۴) چند سال بعد یعنی ۹۶۲ء اور ۹۷۹ء کے درمیان آذربائی جان کا یعقوبی (۱۷۵) اسقف بھی مسلمان ہوگیا، جس کا نام فیلوزینس تھا۔ (۱۷۶) سن ۱۰۱۶ء میں بھی اسی یعقوبی فرقے کا ایک پیشوا، جس کا لقب اگناتیوس (۱۷۷) تھا مسلمان ہوگیا۔ یہ پچیس برس تک شہر تکریت کا مطران رہ چکا تھا۔ اس نے بغداد کا سفر اختیار کیا اور وہاں خلیفہ القادر کے سامنے اسلام کا اقرار کیا اور اپنا نام ابو مسلم رکھا۔ (۱۷۸) یہ بات بے حد دلچسپ ہوتی اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی زندگی کا تذکرہ لکھ جاتا جس سے اس کے مذہبی خیالات کی نشو و نما کا پتہ چل سکتا۔ مذکورہ بالا تینوں اشخاص کے متعلق عیسائی مؤرخ ابوالفرج ابن العبری) نے بداخلاقی کا اشارہ کیا ہے لیکن جب تک ہمارے پاس اس الزام کے ثبوت میں کوئی دوسری شہادت موجود نہ ہو، اس قسم کا الزام مشکوک اور مشتبہ قرار دیا جائے گا۔ (۱۷۹) اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے کوئی رومن کیتھولک اپنے کسی ہم مذہب پادری کے تبدیل مذہب کا حال لکھے جو پروٹسٹنٹ ہوگیا ہو، پھر وہ اس پر کوئی الزام عائد کرے تو وہ الزام لامحالہ مشتبہ سمجھا جائے گا۔ اگر ان سربرآوردہ عیسائی عہدہ داروں کے تبدیل مذہب کا تذکرہ ہم تک پہنچا ہے جو دو مخالف فرقوں میں معزز منصب رکھتے تھے، تو اس کی بلاشبہ یہ وجہ ہے کہ وہ ملت مسیحی میں ممتاز اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے، لیکن ان کے برعکس جو لوگ گمنام تھے ان کے حالات قلمبند نہیں ہوئے۔ ابن العبری (۱۸۰) کلیسا کی تاریخ کو جوں جوں اپنے زمانے کے قریب لاتا ہے، وہ اس قسم کے نومسلموں کے بارے میں زیادہ تفصیلات قلمبند کرتا ہے۔ مثلاً وہ یعقوبی فرقے کے بعض اساقفہ کے سلسلے میں، جنہوں نے بارہویں صدی کے وسط میں اپنے دین کو ترک کر دیا تھا، خراسان کے ایک اسقف ہارون نامی کا ذکر کرتا ہے۔ جب اس کی ایک اخلاقی لغزش ثابت ہوگئی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور چاہا کہ اسے اسقف کے منصب پر دوبارہ بحال کر دیا جائے، لیکن جب اسے اس بات میں ناکامی ہوئی تو وہ قسطنطنیہ چلا گیا جہاں اس نے یعقوبی کلیسا کے عقائد سے حلفاً انکار کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ میں اس کی خاطر خواہ آؤ بھگت نہیں ہوئی، لہذا اس نے دوبارہ یعقوبی کلیسا کی طرف رجوع کیا، لیکن بعد ازاں، بغیر کسی وجہ کے اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس نے پھر توبہ کی اور اپنی زندگی کے آخری ایام جبل لبنان کے مارونی (۱۸۱) عیسائیوں میں بسر کیے۔

تیرہویں صدی عیسوی میں ابن العبری کا ایک معاصر دانیال نامی تھا جو خابور کا بشپ تھا اور جس کے

Marfat.com

بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیوی علوم میں بھی بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ اسے حلب کا اسقف بنا دیا جائے، لیکن جب اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو اس نے عیسائی مذہب کو ترک کر دیا اور مسلمان ہو گیا۔ جس سے تمام عیسائی لوگ بہت رنجیدہ اور شرمسار ہوئے۔ "لیکن خدا کا شکر ہے (الحمدلله علی فضله) کہ اس نے جلد ہی اپنی غمزدہ امت کی تسکین و تسلی کا سامان دیا اور ان سے شرم و عار کے داغ کو دور کر دیا، کیونکہ چند مہینوں کے بعد وہ کم بخت ایک کارواں سرائے میں ذلت کی موت مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا نام و نشان بھی مٹ گیا اور قدرت نے اسے ہمارے درمیان سے اٹھا لیا۔ چنانچہ اب کسی شخص کو معلوم نہیں کہ اس کا مسکن کہاں ہے۔" (۱۸۲)

لیکن یاق داوتری، عکہ کا اسقف (۱۲۱۶ء تا ۱۲۲۵ء) اس بات کی قیمتی شہادت فراہم کرتا ہے کہ تبدیل مذہب کے یہ واقعات شاذ و نادر نہ تھے۔ ارض مقدس (فلسطین) میں اسے مشرقی کلیسا کا جو ذاتی تجربہ ہوا، اس کی بنا پر وہ لکھتا ہے کہ "جھوٹے نبی کی جھوٹی ترغیب (معاذ الله) اور لذات نفسانی کی دلکشی اور دلفریبی نے کلیسا کو کمزور کر دیا ہے اور اپنے دام فریب میں بری طرح گرفتار کر لیا ہے، بلکہ اسے شدید طور پر زخمی کر دیا ہے۔ مسیحی کلیسا انحطاط پذیر ہو چکا ہے اور اس کی مثال اس دلہن کی ہے جو خوبصورت سرخ لباس میں ملبوس ہو اور پھر نجاست کے ڈھیر کو گلے لگا لے۔" (۱۸۳)

صلیبیوں کا قبول اسلام:

اب تک ایسے مسیحی فرقوں کا بیان ہوا ہے جو اسلام کے دائرہ اثر میں آئے۔ وہ مشرق کا آرتھوڈوکس کلیسا ہے یا ملحدوں کی وہ جماعتیں ہیں جو اس سے پیدا ہوئیں۔ لیکن گیارہویں صدی کے اختتام کے قریب شام اور فلسطین کی عیسائی آبادی میں ایک اور جدید عنصر کا اضافہ ہوا۔ یہ عنصر لاطینی کلیسا کے ان کثیر التعداد صلیبیوں کا تھا جو یروشلم (بیت المقدس) کی ریاست میں آ کر آباد ہو گئے تھے یا دیگر ریاستوں میں، جن کو ان لوگوں نے قائم کیا تھا اور جنہوں نے دو صدیوں تک ایک مخدوش حالت میں زندگی بسر کی۔ اس عرصے میں ان نو آباد عیسائیوں میں سے، جو بیرونی ملکوں سے آئے تھے، بعض لوگ کبھی کبھی اسلام قبول کرتے رہے، مثلاً پہلی صلیبی جنگ میں جرمنی اور لمبارڈی (شمالی اٹلی) کے باشندوں کا ایک گروہ، جو ایک سردار رینو نامی کی سرکردگی میں تھا، اصل لشکر سے جدا ہو گیا اور سلجوقی سلطان ارسلان نے ان کو ایک قلعے میں محصور کر دیا۔ رینو اور اس کے ذاتی ملازموں نے یہ دھوکہ دے کر کہ ہم قلعے سے نکل کر دشمن پر دھاوا کر رہے ہیں، اپنے بدقسمت ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترکوں سے جا ملے اور ان کے ہاں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ (۱۸۴)

Marfat.com

دوسری صلیبی جنگ کا ایک واقعہ:

دوسری صلیبی جنگ کی بدقسمت تاریخ میں بھی اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا جو بدرجۂ غایت قابل توجہ ہے۔ سینٹ ڈینس کا ایک راہب اودونامی، جس نے لوئی ہفتم شاہ فرانس کے ذاتی چپلین کی حیثیت سے اس کے ہمراہ اس صلیبی جنگ میں شرکت کی تھی اور بعدازاں اس کی چشم دید روئداد قلم بند کی تھی۔ وہ اس واقعے کو یوں بیان کرتا ہے کہ "جب مجاہدین بری راستے سے ایشیائے کوچک میں یروشلم کی طرف سفر کر رہے تھے تو انہوں نے فریجیا کے پہاڑی دروں میں ترکوں کے ہاتھ سے شکست فاش کھائی (۱۱۴۸ء) اور بہت مشکل سے اطالیہ کی بندرگاہ تک پہنچ سکے۔ جو لوگ یونانی تاجروں کو ان کی منہ مانگی رقمیں ادا کر سکے، انطاکیہ (شام) کے لئے جہازوں میں سوار ہو گئے، لیکن بیمار اور زخمی آدمی اور زائرین کا انبوہ کثیر ان کے دغاباز حلیفوں یعنی یونانیوں کے رحم و کرم پر اطالیہ ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ شاہ لوئی نے روانگی کے وقت یونانیوں کو پانچ ہزار مارک اس شرط پر دیئے کہ وہ زائرین کی حفاظت کے لئے سپاہ مہیا کریں گے اور بیماروں کی تیمارداری کریں گے، یہاں تک کہ وہ سفر کرنے کے قابل ہو جائیں۔ لیکن جونہی صلیبیوں کا لشکر اطالیہ سے روانہ ہوا، یونانیوں نے ترکوں کو زائرین کی بے کسی اور بے بسی سے مطلع کر دیا اور خود چپ چاپ ان کی مصیبتوں کا تماشا دیکھنے لگے۔ قحط، بیماری اور دشمنوں کے تیروں نے ان بدقسمت لوگوں کی چھاؤنی میں ہلاکت اور بربادی پھیلا دی۔ مایوسی کے عالم میں تین یا چار ہزار آدمیوں نے بھاگنے کا قصد کیا، لیکن ترکوں نے ان کو اپنے حلقے میں لے لیا اور تہ تیغ کر ڈالا اور فتح کو مکمل کرنے کے لئے ان کے کیمپ کا رخ کیا۔ اب بقیۃ السیف لوگوں کی سلامتی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی، اگر ان کی حالت زار دیکھ کر مسلمانوں کے دل نرم نہ پڑ جاتے اور وہ ان پر ترس نہ کھاتے۔ الغرض مسلمانوں نے بیماروں کی تیمارداری کی اور وہ مفلسوں اور فاقہ کشوں کے ساتھ کشادہ دلی سے پیش آئے۔ بعض مسلمانوں نے وہ فرانسیسی سکے خرید لئے جو یونانیوں نے زائرین سے زبردستی یا فریب دے کر حاصل کئے تھے، اور پھر ان کو محتاج عیسائیوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ زائرین کے ساتھ غیر مذہب والوں نے جو حسن سلوک کیا تھا، جب زائرین نے اس کا مقابلہ اپنے ہم مذہب یونانیوں کی بے رحمی سے کیا جو ان سے بیگار لیتے تھے، ان کو مارتے پیٹتے تھے اور ان کی رہی سہی پونجی کو بھی ان سے چھین چکے تھے، تو ان کو دونوں قوموں کے طرز عمل میں اتنا تفاوت نظر آیا کہ بہت سے عیسائی اپنی خوشی اور رضامندی سے اپنے نجات دہندوں کے دین کے حلقہ بگوش بن گئے۔" چنانچہ یہ قدیم مؤرخ لکھتا ہے کہ "عیسائیوں نے اپنے ہم مذہبوں کو چھوڑ کر جنہوں نے ان سے بے رحمی کا برتاؤ کیا تھا، وہ کافروں (یعنی ترکوں) کے پاس امن و امان کے ساتھ چلے گئے جنہوں نے ان پر رحم کھایا تھا۔ اور ہمارے سننے میں آیا ہے کہ جب ترکوں نے کیمپ سے کوچ کیا تو تین ہزار سے زیادہ عیسائی ان کے ہمراہ ہو لئے اور ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ لہٰذا مہربانی دغابازی کے مقابلے میں زیادہ ظالم

Marfat.com

ثابت ہوئی۔ ترکوں نے ان کو روٹی دی لیکن ان سے ان کا ایمان چھین لیا۔ اگر چہ یہ بات یقینی ہے کہ ترکوں نے صرف اس خدمت پر قناعت کی جو عیسائی لوگ انجام دیتے تھے اور انہوں نے ان میں سے کسی شخص کو اپنا دین ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا۔" (۱۸۵)

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی تعلقات بڑھتے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے دلوں میں اپنے حریفوں کے اوصاف اور محاسن اخلاق کی قدر دانی بھی بڑھتی گئی۔ (۱۸۶) یہ وہ امر ہے جو صلیبی حروب کے متاخر مؤرخوں کو متقدم مؤرخین سے نمایاں طور پر ممتاز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ فرنگیوں نے جوارض مقدس میں آباد ہو گئے تھے، بہت سے مشرقی رسوم و آداب اختیار کر لیئے تھے۔ یہ سب باتیں ایسی تھیں جن سے عیسائیوں کے مذہبی خیالات متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی اثر کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ بہت سے عیسائی سرداروں نے دین اسلام کے بارے میں رواداری کا انداز اختیار کر لیا اور یہ انداز فکر اور روش وہ ہے جس پر ارباب کلیسا نے بڑی سختی کے ساتھ ملامت کی۔

بارہویں صدی کا ایک شامی امیر اسامہ بن منقذ (۱۸۷) ایک مرتبہ صلح کے زمانے میں بیت المقدس میں گیا اور نائٹ ٹمپلرز (۱۸۸) کے ہاں ٹھہرا۔ وہ ان دنوں مسجد اقصیٰ میں مقیم تھے۔ انہوں نے اسامہ کو مسجد کے قریب ہی گرجا کا ایک حصہ نماز پڑھنے کے لئے دے دیا۔ اسی اثنا میں ایک صلیبی تازہ وارد ہوا، جس نے اپنے ہم مذہبوں کی اس قسم کی رواداری کو ایک نہایت قبیح فعل تصور کیا اور اسامہ کی نماز گزاری میں دخل دینا چاہا، لیکن نائٹ ٹمپلرز اس کی خلل اندازی سے بہت ناراض ہوئے۔ (۱۸۹)

جب خود عیسائی علماء نے مسلمانوں کے ساتھ ذاتی میل ملاپ کے بعد ان کے دین کے بارے میں زیادہ منصفانہ رائے قائم کی اور نئے طرز خیال نے لوگوں کے دلوں کو ڈگمگا دیا، جس سے طرح طرح کے ملحدانہ خیالات پیدا ہو رہے تھے، تو ان حالات میں یہ امر باعث تعجب نہیں کہ بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہوں۔ (۱۹۰) چنانچہ بارہویں صدی میں عیسائی تارکین مذہب کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کا ذکر صلیبیوں کی کتب آئین میں آنے لگا، اور جن کو یروشلم کا ضابطہ قوانین کہا جاتا ہے۔ اس ضابطے کے مطابق بعض حالتوں میں ان کی ضمانت قبول نہیں کی جاتی تھی۔ (۱۹۱)

سلطان صلاح الدین اور تبلیغ اسلام:

اگر ہم ان مسلمانوں کا حال دریافت کر سکتے جنہوں نے لوگوں کو مسلمان بنانے میں اپنی ہمت صرف کی، تو یہ بات ہماری دلچسپی کا موجب ہوتی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کوششوں کی کوئی یادداشت نہیں

Marfat.com

چھوڑی۔ تاہم ہمیں اتنا معلوم ہے کہ ان لوگوں میں سلطان صلاح الدین کا نام سرفہرست تھا۔ سلطان کے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ وہ اپنے عیسائی مہمانوں کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرتا تھا اور ان کو قبول اسلام کی ترغیب دیتا تھا۔ (۱۹۲)

معلوم ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین کی حسن سیرت اور شجاعت نے اس کے ہم عصر عیسائیوں کے دلوں پر ایک عجیب افسوں کیا تھا اور بعض عیسائی بہادروں کے لئے اس کی شخصیت میں اتنی کشش تھی کہ وہ اپنے مذہب و ملت کو چھوڑ کر اہل اسلام میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ اس قسم کی مثال ایک انگریز ٹمپلر کی ہے جس کا نام رابرٹ تھا اور جو سینٹ البنس کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۱۱۸۵ء میں دین مسیح ترک کر کے اسلام قبول کر لیا اور بعد ازاں سلطان کی ایک نواسی سے شادی کر لی۔ (۱۹۳) دو سال کے بعد صلاح الدین نے فلسطین پر چڑھائی کر دی اور حطّین کی جنگ میں عیسائی لشکر کو شکست فاش دی۔ اور جو لوگ قید ہوئے ان میں بیت المقدس کا بادشاہ گائی بھی تھا۔ لڑائی سے ایک رات پہلے اس کے چھ نائٹ "جن کے سر پر شیطانی روح سوار تھی" بادشاہ کو چھوڑ کر سلطان کے لشکر میں بھاگ آئے اور یہاں اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے۔ (۱۹۴) اسی زمانے میں سلطان صلاح الدین اور شہر طرابلس الشام کے حاکم ریمنڈ سوم کے درمیان یہ سمجھوتا ہوا تھا کہ ریمنڈ اپنے ماتحتوں کو مسیحی دین چھوڑ کر اسلام اختیار کرنے کی ترغیب دے گا، لیکن ریمنڈ کی اچانک موت کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل نہ ہو سکا۔ (۱۹۵)

تیسری صلیبی جنگ:

جب بیت المقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور سلطان صلاح الدین نے ارض مقدس میں کئی فتوحات حاصل کیں تو ان باتوں نے اہل یورپ کو تیسری صلیبی جنگ برپا کرنے پر برانگیختہ کیا۔ اس جنگ کا سب سے بڑا واقعہ شہر عکہ کا محاصرہ ہے جو ۱۱۸۹ء سے لے کر ۱۱۹۱ء تک جاری رہا۔ اس لڑائی میں قحط اور بیماری کی وجہ سے عیسائی لشکر کو جن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان سے مجبور ہو کر بہت سے عیسائیوں نے اپنے لشکر کو چھوڑ دیا اور فاقہ کشی سے نجات پانے کے لئے مسلمانوں کی لشکر گاہ میں چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ مسیحی لشکر میں واپس آ گئے لیکن بہت سے لوگوں نے اپنی قسمت کو اہل اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ بعض نے مسلمانوں کی ملازمت اختیار کر لی لیکن وہ اپنے دین پر قائم رہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے نئے آقاؤں سے خوش تھے، اور بعض اسلام اختیار کر کے اچھے اور نیک مسلمان ثابت ہوئے۔ (۱۹۶)۔ ان عیسائیوں کے ترک مذہب کا ذکر اس مؤرخ نے بھی کیا جو اس جنگ میں شاہ رچرڈ اول کے ہمراہ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہمارے بعض آدمی (جن کے مقدر کا حال بغیر رنج و تأسف کے نہ تو کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنا جا سکتا ہے) قحط کی سختی سے تنگ آ کر اپنی جان

Marfat.com

بچانے کے لئے دین وایمان کو غارت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب مصیبت کا بڑا حصہ ختم ہو گیا تو وہ ہم کو چھوڑ کر ترکوں میں بھاگ گئے اور انہوں نے اپنے دین کو ترک کرنے اور مرتد ہونے میں بھی تامل نہ کیا۔ اپنی حیات دنیوی کو چند دن اور بڑھانے کے لئے انہوں نے کلمات کفر کہہ کر جاودانی ہلاکت کو خریدا، اور ان کا یہ فعل خسارے کا سودا ثابت ہوا۔ یہ ایک ایسا شرمناک فعل تھا جو ہر قسم کی سزا اور عقوبت سے بڑھ کر ہے۔ افسوس! نادان آدمی جو نادان حیوانوں کی مانند ہے، وہ اس موت سے بھاگتا ہے جس کا آنا ناگزیر ہے اور وہ ابدی ہلاکت سے خوف نہیں کھاتا۔" (۱۹۷)

اس عہد کے بعد جو عیسائی لوگ اپنا دین چھوڑ گئے تھے، ان کا ذکر بکثرت ان سیاحوں کی تحریروں میں آتا ہے جنہوں نے ارض مقدس اور دوسرے مشرقی ملکوں کا سفر کیا تھا۔ جب لوئی شاہ فرانس گرفتار ہو گیا اور اس نے اپنی رہائی کے لئے زرفدیہ ادا کرنے کا حلف اٹھایا (۱۲۵۰ء)، تو اس موقع پر حلفیہ کلمات کے تجویز کرنے والے وہ لوگ تھے جو پہلے پادری تھے مگر اب مسلمان ہو چکے تھے۔ (۱۹۸) ابھی زرفدیہ کی ادائیگی کا قصہ ہنوز جاری تھا کہ ایک اور مرتد فرانسیسی آیا جو پروانس میں پیدا ہوا تھا اور اس نے شاہ فرانس کے حضور میں ایک ہدیہ پیش کیا۔ اس شخص کا قصہ یوں ہے کہ جب جان شاہ یروشلم (بیت المقدس) نے ۱۲۱۹ء میں دمیاط پر چڑھائی کی تھی تو وہ اس کے ہم رکاب تھا لیکن اس نے بعد ازاں مصر ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ایک مسلمان عورت سے شادی کر کے اس ملک میں ایک امیر کبیر بن گیا تھا۔ (۱۹۹) جو عیسائی زائرین ارض مقدس میں جاتے تھے، ان کے مسلمان ہو جانے کا خطرہ اتنا شدید تھا کہ اموری دی لا روش نے، جو فرانس میں نائٹ ٹملپرز کا سردار تھا، ۱۲۶۶ء کے قریب ایک "یادداشت" لکھی تھی اور اس میں اس نے پاپائے روم اور فرانس اور صقلیہ کے سفیروں سے درخواست کی تھی کہ وہ ایسے لوگوں کو سمندر عبور کر کے فلسطین جانے سے روکیں جو نادار یا بوڑھے ہوں یا ہتھیار اٹھانے کے قابل نہ ہوں، کیونکہ اس قسم کے لوگ یا تو مارے جاتے ہیں یا گرفتار ہو جاتے ہیں یا اپنا دین ترک کر کے مرتد ہو جاتے ہیں۔ (۲۰۰) لوڈولف دی سوشم، جس نے ۱۳۳۶ء سے لے کر ۱۳۴۱ء تک ارض مقدس میں سیاحت کی تھی، لکھتا ہے کہ مجھے شہر حبرون میں تین مرتد ملے۔ وہ منڈن کے علاقے سے آئے تھے اور اب ویسٹ فالیہ کے ایک ایسے سردار کی ملازمت میں تھے جس کو سلطان اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے ہاں بڑا اعزاز حاصل تھا۔ (۲۰۱)

عیسائی مصنفین کا طرز بیان:

ان متفرق اور منتشر واقعات سے بلا شبہ اور بہت سے ایسے عیسائیوں کا پتہ چلتا ہے جو مسیحی دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے، لیکن ان کے بارے میں کوئی تحریری بیان یا یادداشت ہم تک نہیں پہنچی۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ

Marfat.com

پندرہویں صدی کے خاتمے کے قریب قاہرہ میں پچیس ہزار مرتد موجود تھے۔(۲۰۲) (جو عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو چکے تھے)۔علی ھذا القیاس بیت المقدس اور مشرقی لاطینی ریاستوں میں بھی اس قسم کے اور بہت سے لوگ ہوں گے۔لیکن اس عہد کے مسلمان مؤرخوں کو سلاطین کے کارناموں اور حکمران خاندانوں کے انقلابات کے بیان سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ گمنام اشخاص کے تبدیل مذہب کی طرف توجہ مبذول کر سکیں۔اور جہاں تک میں دریافت کر سکا ہوں،انہوں نے عیسائیوں کے قبول اسلام کا اتنا ہی کم تذکرہ کیا ہے جتنا اپنے ہم مذہب اشخاص کا،جنہوں نے مسیحی دین اختیار کر لیا تھا،لہذا ہم مجبور ہیں کہ ان ہر دو قسم کے واقعات کے لئے نصرانی مصنفین پر بھروسا کریں،لیکن ان کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہو گیا ہو تو اس کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ اور ہمدردی کے لہجے میں کرتے ہیں،لیکن اس کے برعکس اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو گیا ہو تو اس قسم کے واقعات کی شہادت بڑی ناپسندیدگی سے دیتے ہیں اور نو مسلموں کے تبدیل مذہب کے محرکات اور اغراض کو بہت برے رنگ میں دکھاتے ہیں۔اس بات کا امکان کہ کوئی نصرانی نیک نیتی کے ساتھ اسلام کا حلقہ بگوش ہو سکتا ہے،ان مصنفین کے تصور سے باہر ہے۔اگر اس قسم کا خیال ان کے دل میں گذرا ہو تو ان کو اس بات کی بہت کم جرأت ہوئی ہوگی کہ اس کا علانیہ اظہار کریں اور اپنے آپ کو ارباب کلیسا کے غیظ و غضب کا نشانہ بنائیں۔

ایک جرمن عالم کا قبول اسلام:

تبدیل مذہب کے اس قسم کے واقعات کا تذکرہ بہت کم آیا ہے۔اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جس کو فیر رفان ہائمن ڈورف نے بیان کیا ہے۔وہ ۱۵۶۵ء میں قاہرہ میں موجود تھا۔اس نے ایک جرمن عالم کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے جس نے لائپزگ کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔وہ لکھتا ہے کہ "جن دنوں میں ہم قاہرہ میں مقیم تھے،انہی ایام میں ایک جرمن،جس کا نام یوستوس سٹیفن تھا اور شہر ہامیلنسی کا رہنے والا تھا۔ہمارے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا تھا۔اس نے مسیحی دین کو چھوڑ کر مذہب اسلام اختیار کرنے کا اقدام کیا اور اسی سلسلے میں اس نے اپنا ختنہ بھی کرا لیا۔وہ ایک عالم شخص تھا اور ہم سے اکثر کہا کرتا تھا کہ اس نے ایک مدت تک وٹن برگ اور لائپزگ میں تعلیم پائی ہے۔جب ہم نے اس سے تبدیل مذہب کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ میرے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہے،گویا مجھ میں ایک عجیب روح کار فرما ہے جس کے اشارے کے بغیر میں نہ تو کچھ کر سکتا ہوں اور نہ ہی کچھ سوچ سکتا ہوں۔اس شخص کے انکار نے ہمارے دلوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا کر دیئے، اور سچ بات تو یہ ہے کہ اسی شخص کے کردار نے ہم کو فرار پر مجبور کیا۔اسی دن ایک یہودی کو شہر میں ایک جلوس کی صورت میں پھرایا گیا۔اس سے چند روز قبل اس نے اسلام قبول کیا تھا۔اور سپاہیوں نے ہم سے کہا کہ اسی طرح

Marfat.com

سٹیفن کا بھی جلوس نکالا جائے گا۔"(۲۰۳)

تبدیل مذہب کے اسباب:

مندرجہ بالا تاریخی مصادر سے ان تبلیغی کوششوں کا بہت کم پتا چلتا ہے جو تبدیل مذہب کا باعث ہوئیں۔ اسی طرح ہمیں ان سے مذہب تبدیل کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں بھی بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات قبول اسلام کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ ارتداد کی سزا سے بچنا چاہتے تھے۔ یورپ کے سیاح اس قسم کے واقعات کا بکثرت ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی قسم کے واقعے کی ایک مثال، جس کا تعلق زمانۂ متاخر سے ہے، ایک یسوعی مصنف کی روئداد ہے۔(۲۰۴) جس کو ہم نے اس وجہ سے انتخاب کیا ہے کہ مصنف نے اپنے زور قلم سے سارے واقعے کی گویا الفاظ میں تصویر کھینچ دی ہے۔ یہ مصنف، جو ۱۶۲۷ء میں قاہرہ میں موجود تھا، یوں لکھتا ہے کہ میں نے ایک قبطی (یعنی مصری عیسائی) کو دیکھا جس نے اپنے ہاتھ سے اپنے بھائی کو شدید نفرت کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا کیوں کہ اس نے نہایت کمینگی سے کام لے کر یسوع مسیح کو چھوڑ دیا تھا اور محض ترکوں کی آزار رسانی سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس فعل کے ارتکاب کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ وہ شخص جذبات کی رو میں بہہ گیا اور دوسرا سبب اس کا حد سے بڑھا ہوا مذہبی جوش تھا جس میں احتیاط اور شعور کو بہت کم دخل تھا۔ یہ بے چارہ کم نصیب عین ارتکاب جرم کے موقع پر پکڑا گیا، لیکن اس نے بڑی جرأت سے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ مرتد شخص اس کا بھائی کہلانے کے قابل نہ تھا، لہذا اس شرم و عار کے سیاہ داغ کو صرف اس کے خون ہی سے دور کیا جا سکتا تھا۔ اس سے بالاصرار کہا گیا کہ تم اپنا مذہب تبدیل کر کے اپنی جان بچا لو، لیکن اس نے علی الاعلان اپنا یہ مصمم ارادہ ظاہر کیا کہ میں نصرانی ہو کر ہی مرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس کے جلادوں نے اسے ایسی سخت اذیتیں پہنچائیں جنہوں نے اس کی قوت ارادی کو کمزور کر دیا اور اس نے آخر کار ہمت ہار دی۔ اور "اس مصیبت نے ایک لمحے میں اسے شہید کے مرتبے سے گرا کر مرتد، ولی اللہ کی بجائے مردود ملعون اور فرشتہ کی بجائے سچ مچ کا شیطان بنا دیا۔ چنانچہ اس نے جب مسلمانوں کا کلمہ شہادت پڑھا تو اسے آزاد کر دیا گیا۔ لیکن یہ آزادی مردان خدا کی آزادی نہ تھی بلکہ روحانی ہلاکت کی آزادی تھی"۔ بعدازاں اس کے ضمیر نے جب اسے ملامت کی تو اس نے اپنے عقائد سے رجوع کر لیا اور ارتداد کی پاداش میں مسلمانوں نے اسے مار ڈالا۔(۲۰۵)

برکارڈ کا بیان:

جب صلیبی اپنے آخری قلعوں سے نکال دیئے گئے اور لاطینی ریاستوں کا بالآخر مشرق میں خاتمہ ہو گیا تو ان واقعات سے چند سال پہلے برکارڈ (۲۰۶) راہب ۱۲۸۳ء کے قریب یوں رقم طراز ہے کہ "تمام عالم اسلام

Marfat.com

میں عیسائیوں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور مسلمانوں کی تعداد، سوائے مصر اور بلاد عرب کے، تمام آبادی کی تین یا چار فی صد سے زیادہ نہیں ہے"۔ یہ بیان بلاشبہ مبالغہ آمیز ہے، کیونکہ نیک نفس برکارڈ نے جلد بازی سے کام لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو صورت حال صلیبیوں کے شہروں اور ارمینیۂ کوچک میں اس کے مشاہدے میں آئی ہے وہی صورت مشرق کے دوسرے شہروں کی ہوگی۔ مگر اس کی عبارت سے اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں لوگ بکثرت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب ارض مقدس (یعنی فلسطین) میں مسلمانوں کی حکومت دوبارہ قائم ہوئی تو انہوں نے عیسائیوں کو ویسی ہی مذہبی آزادی دی جیسی کہ ان کو پہلے حاصل تھی اور جزیہ کی ادائیگی کے عوض ان کو امن وامان دیا۔ گمان غالب یہی ہے کہ تبدیل مذہب کی یہ مثالیں ان عیسائی افراد کی ہیں جن کے دل ودماغ میں، آخری قدم اٹھانے سے پہلے، قبول اسلام کی طرف رغبت پیدا ہو چکی تھی۔ ان عیسائیوں کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں جنہوں نے مسلمان آقاؤں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ یروشلم (بیت المقدس) کا ضابطہ قانون دو طرح کے لوگوں میں تمیز کرتا تھا۔ ایک وہ لوگ تھے "جنہوں نے خدا کا انکار کیا اور کسی دوسرے مذہب کی پیروی کی" اور دوسرے وہ تھے "جنہوں نے عربوں اور دیگر کافروں کی، عیسائیوں کے خلاف، ایک برس اور ایک دن سے زیادہ فوجی خدمت سرانجام دی تھی"۔ (۲۰۷)

دیسی عیسائی مسلمانوں کی حکومت کو صلیبیوں کی حکومت پر یقیناً ترجیح دیتے تھے (۲۰۸) جب ۱۲۴۴ء میں بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تو معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کی عیسائی آبادی نے نئے حکمرانوں کا خیر مقدم کیا اور خاموشی اور رضامندی سے ان کی اطاعت اختیار کر لی۔ (۲۰۹)

اسلامی حکومت میں عیسائیوں کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی، اس سے اس زمانے میں ایشیائے کوچک کے بہت سے عیسائیوں کو اس بات کی تحریک وترغیب ہوئی کہ وہ سلجوقی ترکوں کو اس امید پر خوش آمدید کہیں کہ وہ ان کو بیزنطینی حکومت سے نجات دلائیں گے۔ وہ بیزنطینی حکومت سے نہ صرف اس وجہ سے نفرت کرتے تھے کہ وہ ان پر بھاری ٹیکس لگاتی تھی بلکہ وہ یونانی کلیسا کی (جو حکومت کا سرکاری مذہب تھا) ظالمانہ روش سے بھی نالاں تھے، کیونکہ بیزنطینی حکمرانوں نے پالوسی اور بت شکن فرقوں پر الحاد کا الزام لگا کر سخت ظلم وستم کئے تھے۔ چنانچہ میکائیل ہشتم کے عہد (۱۲۶۱ء تا ۱۲۸۲ء) میں ایشیائے کوچک کے اندرونی شہروں کے باشندوں نے کئی مرتبہ ترکوں سے درخواست کی کہ وہ ان کے شہروں پر قبضہ کر لیں تاکہ وہ بزنطینی قیصروں کے جور وستم سے نجات حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ امیر وفقیر دونوں طبقوں کے لوگ بسا اوقات اپنا وطن چھوڑ کر ترکوں کے علاقوں میں چلے جاتے تھے۔ (۲۱۰)

Marfat.com

ارمنی کلیسا:

مغربی ایشیا کے دو مشرقی کلیساؤں، یعنی ارمنی اور گرجستانی کلیسا، کا ذکر کرنا ہنوز باقی ہے۔ ارمنی کلیسا کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام مشرقی کلیساؤں میں سے، جو اسلامی حکومت کے مطیع ہوئے ہیں، یہی کلیسا ایسا ہے جس نے (اپنی تعداد کے لحاظ سے) اپنے بہت کم افراد کو اسلام کی امت بڑھانے کے لئے پیش کیا ہے۔ اس بہادر قوم کی سرگزشت بڑی دلچسپ ہے جس نے کثیر التعداد مخالفین کے مقابلے میں اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ ارمنی قوم وفاداری کے ساتھ مسیحی دین کے ساتھ وابستہ رہی ہے اور کئی صدیوں تک جنگ و پیکار میں مصروف رہی ہے اور اس نے سیاسی ظلم و ستم، مذہبی جور و جفا اور جلاوطنی کے مصائب کو برداشت کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ دلچسپ سرگزشت اس کتاب کے موضوع اور اس کی حدود سے خارج ہے اور اہل اسلام کی تاریخ کے ساتھ اس کا جو تعلق ہے اس کی طرف ہم محض مختصر سا اشارہ کر سکتے ہیں۔ ارمنی سلطنت عربی فتوحات کے شدید تصادم کے بعد بھی زندہ رہی اور نویں صدی میں اس نے ایک خاصی اہم سلطنت کی حیثیت سے دوبارہ ظہور کیا اور خلافت بغداد کے عہد انحطاط میں خوب پھلی پھولی، لیکن گیارہویں صدی عیسوی میں سلجوقی ترکوں نے اس کا تختہ الٹ دیا۔ بعض ارمنوں نے فرار ہو کر ارمینیۂ کوچک کی ریاست قائم کر لی لیکن چودھویں صدی میں یہ ریاست بھی مٹ گئی۔ اگرچہ آزادی ان کے ہاتھ سے جا چکی تھی، لیکن ان کی زندگی من حیث القوم بدستور جاری رہی، اور جیسا کہ ترکوں کی حکومت میں یونانیوں کا حال تھا، ویسے ہی ارمنوں کا دین اور ان کا قومی کلیسا ان کے پر جوش اور غیر فانی حب وطن کا مرکز بن گیا۔ اگرچہ چند لوگوں نے جور و تعدی سے تنگ آ کر اسلام اختیار کر لیا لیکن اکثر ارمنی اپنے قدیم مذہب پر بدستور قائم رہے اور جیسا کہ تاورنیر (۲۱۱) نے لکھا ہے (اگرچہ اس کا لب و لہجہ ہمدردی سے خالی ہے) "ہوسکتا ہے کہ چند ارمنوں نے دنیوی اغراض سے اسلام قبول کر لیا ہو، لیکن یہ لوگ بالعموم دنیا میں سب سے بڑھ کر ضدی اور ہٹیلے واقع ہوئے ہیں اور اپنے توہم آمیز عقائد پر بڑی سختی سے قائم ہیں۔"

گرجستانی کلیسا:

گرجستان (۲۱۲) کا کلیسا، جو چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا میں قائم ہوا، یونانی کلیسا کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ چھٹی صدی کے وسط میں اس کے بطریک یعنی پیشوا نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا مگر یہ کلیسا ہمیشہ یونانی کلیسا کے ساتھ وابستہ رہا۔ اندرونی اختلافات نے گرجستانی قوم کے اتحاد کو ہمیشہ پارہ پارہ کئے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ یونانی، ایرانی، عرب، ترک اور تاتاری لوگ بھی اس پر یکے بعد دیگرے مسلسل حملے کرتے رہے ہیں، لہذا اس بہادر قوم کی تاریخ اس مسلسل جنگ و جدال سے بھری پڑی ہے جو اس نے اپنے بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں

Marfat.com

جاری رکھی ہے۔ مقامی سرداروں کے باہمی شدید لڑائی جھگڑے اس پر مستزاد ہیں۔ صرف ایک یا دو ایسے طاقت ور حکمران گزرے ہیں جن کے زمانے میں مختصر عرصے کے لئے ان کی رعایا کو امن و امان نصیب ہوا مگر اس سے ملک کی عام بدنظمی اور بدامنی اور بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ گرجستانی اپنی قومی آزادی کے ایسے دلدادہ تھے کہ وہ کسی غیر قوم کی حکومت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے، لہذا جب ان کے ہمسایہ مسلمان ان کو اپنا مطیع بنانے یا اپنے مذہب پر لانے میں ناکام رہتے تو ان کا غیض و غضب جنون کی حد تک پہنچ جاتا چونکہ مذہب کی تبدیلی کے ساتھ ان کی قومی آزادی بھی ہاتھ سے جاتی تھی، اس لئے اکثر گرجستانی شہادت کو ترک دین پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں گرجستانی کلیسا کی سالانہ تقویم (جنتری) میں مسیحی شہیدوں کے نام بکثرت ملتے ہیں، حالانکہ اسی عہد کے یونانی کلیسا کی تاریخ ایسے معزز ناموں کی فہرست سے خالی ہے۔

جب تک گرجستان پر تاتاریوں کا گزر نہیں ہوا تھا، دین مسیح وہاں بدستور قائم رہا لیکن (تیرہویں صدی عیسوی میں) جب ان کی غارت گر فوجوں نے ملک کو روند ڈالا، عبادت گاہوں اور خانقاہوں کو تباہ و برباد کیا اور مقتولین کی کھوپڑیوں سے مینار بنائے تو مسیحی دین بھی آخرکار بازی ہارنے لگا۔ (۲۱۳) کیونکہ نہ صرف دینی پیشواؤں کی تعداد کم ہوگئی تھی، بلکہ ان پر جہالت کی تاریکی چھاگئی تھی اور عامۃ الناس روحانی تعلیم و تربیت سے محروم ہوگئے تھے۔ جو لوگ ابھی تک اپنے آبائی دین پر قائم تھے، انہوں نے ارباب کلیسا کی مصیبتوں میں اس طرح اضافہ کیا کہ وہ کلیسا کی جائدادوں کو لوٹنے لگے اور گرجاؤں اور خانقاہوں کی آمدنی کو اپنے مصرف میں لانے لگے۔ اس طرح انہوں نے عیسائیت کے زوال کی رفتار کو اور تیز کر دیا۔ (۲۱۴)

گرجستان میں اشاعت اسلام:

جب ۱۴۰۰ء میں امیر تیمور نے گرجستان پر لشکرکشی کی تو اہل گرجستان کے ہولناک مصائب اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔ اگرچہ سکندر اول (۱۴۱۴ء تا ۱۴۴۲ء) نے اپنے عہد حکومت میں تھوڑے سے عرصے کے لئے ملک کو غیروں کے تسلط سے نجات دلائی اور مسلمانوں کو باہر نکال دیا تھا لیکن اس کی وفات کے بعد گرجستان کی مملکت پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگئی، جن سے ترکوں اور ایرانیوں نے ان کی رہی سہی آزادی بھی چھین لی۔ لیکن مسلمان حکمرانوں کے لئے گرجستان ہمیشہ ایک سرکش اور باغی صوبہ ثابت ہوا، جہاں کے لوگ ذرا سا موقع ملتے ہی علانیہ بغاوت کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ ترکوں اور ایرانیوں کی دونوں حکومتوں نے اس بات کی کوشش کی کہ گرجستان کی سرکش رعایا کو مسلمان کر کے اس کی اطاعت حاصل کی جائے۔ (۲۱۵) چنانچہ فتح قسطنطنیہ (۱۴۵۳ء) کے بعد جب ایشیائے کوچک میں ترکوں کی سطوت و شوکت اور بڑھ گئی تو اخلت سخہ اور دیگر مغربی اضلاع کے باشندے مسلمان

Marfat.com

ہو گئے۔ ۱۵۷۹ء میں دو گرجستانی شہزادے، جو آپس میں بھائی بھائی تھے، دو سو ملازموں کے ساتھ سفیر بن کر قسطنطنیہ میں آئے، اور یہاں پہنچ کر چھوٹا بھائی مع اپنے ملازموں کے مسلمان ہو گیا۔ (۲۱۶) اس کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کا منصب لینا چاہتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد ترکوں کی فتوحات کی بدولت بعض ایسے اضلاع، جو گرجستان کے عین مرکز میں تھے، ان کے قبضے میں آ گئے اور وہاں کے باشندوں نے اپنے فاتحین کا مذہب اختیار کر لیا۔ (۲۱۷) اسی زمانے میں سمت زخہ نے، جو گرجستان کا سب سے مغربی حصہ ہے، جب سلطان ترکی کو اپنا حاکم بالادست تسلیم کر لیا تو وہاں کے حکمرانوں اور عوام کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ بغیر کسی مداخلت کے مسیحی دین پر قائم رہیں، لیکن ۱۶۲۵ء میں وہاں کا حکمران خاندان مسلمان ہو گیا اور بہت سے ارکان سلطنت اور امرائے مملکت نے بھی اس کی پیروی کی۔

کسانوں اور کاشت کاروں پر عیسائیت کی گرفت بدستور قائم رہی، لیکن جب سمت زخہ کے پادریوں نے کرتھلی کے جاثلیق یعنی مذہبی پیشوا کی اطاعت سے انکار کر دیا تو وہاں کے باشندوں کی دینی تربیت اور ہدایت کا سامان جاتا رہا۔ امرائے دولت نے تبدیل مذہب سے پیشتر ہی کلیسا کے اوقاف کو لوٹنا شروع کر دیا تھا، اور قبول اسلام کے بعد انہوں نے قدرتی طور پر نذر و نیاز چڑھانی چھوڑ دی، اس سے گرجے اور خانقاہیں ویران ہو گئیں اور ان کی جگہ مساجد نے لے لی۔ (۲۱۸)

گرجستان کے باقی حصے نے حکومت ایران کی اطاعت قبول کر لی، اور جس وقت تاورنیر نے سترہویں صدی کے وسط میں ملک کے اس حصے کی سیاحت کی، تو اس نے دیکھا کہ یہ علاقہ دو ریاستوں میں منقسم ہے۔ یہ دونوں ریاستیں ایرانی سلطنت کے صوبے ہیں اور وہاں مقامی گرجستانی شہزادوں کی حکومت ہے، جن کے لئے منصب حکومت پر فائز ہونے سے پہلے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ (۲۱۹) ان شہزادوں میں سے ایک کا نام زاروچ قسطنطین تھا جو اسکندر ثانی شاہ کاخیت کا بیٹا تھا۔ اس نے ایرانی دربار میں پرورش پائی تھی اور سترہویں صدی کے شروع میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ (۲۲۰) کرتھلی کے پہلے مسلمان بادشاہ زاروچ رستم (۱۶۳۴ء۔ ۱۶۵۸ء) نے بھی ایران میں پرورش پائی تھی۔ وہ اور اس کے جانشین سترہویں صدی کے اختتام تک مسلمان رہے۔ (۲۲۱)

تاورنیر کا بیان ہے کہ گرجستانی دین کے معاملے میں بڑے جاہل ہیں اور ان کے پادری یعنی مذہبی پیشوا ان پڑھ اور بدکار ہیں۔ بعض ارباب کلیسا نے فی الواقع عیسائی لڑکوں اور لڑکیوں کو بطور لونڈی یا غلام کے ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے۔ (۲۲۲) معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں گرجستان کے بہت سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو خیر باد کہا، خصوصاً اعلیٰ طبقوں نے اور ان اشخاص نے جو دربار ایران کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (۲۲۳) ۱۷۰۱ء میں گرجستان کے تخت و تاج کا مالک واختنگ ششم عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اس نے

Marfat.com

اپنے عہد حکومت کے پہلے سات سال اصفہان میں ایرانیوں کی قید میں گزارے، جہاں اس بات کی بہت کوشش کی گئی کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ جب اس نے علی الاعلان کہا کہ میں تخت و تاج چھوڑنے کو ترجیح دیتا ہوں، مگر ارتداد کے عوض میں سلطنت حاصل کرنا نہیں چاہتا تو اس کا چھوٹا بھائی جو گرجستان کا بطریک یعنی سب سے بڑا مذہبی پیشوا تھا، عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا، بشرطیکہ اسے مملکت کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ حکومت ایران نے اختیارات شاہی اسے تفویض کر دیے لیکن رعایا نے اسے اپنا حاکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسے مملکت سے باہر نکال دیا۔ (۲۲۴)

قفقاز میں اسلام کی اشاعت:

اٹھارہویں صدی کے اختتام پر گرجستان کے بادشاہ نے اپنی رعایا کو سلطنت روس کی حفاظت میں دیدیا۔ جب تک بیرونی حملہ آور مسلمان تھے، گرجستانیوں کی گہری وطنیت نے ان کے درمیان مسیحی دین کو زندہ و سلامت رکھنے میں مدد دی تھی، لیکن اب جب کہ بیرونی حکومت، جو ان سے ان کی آزادی چھیننا چاہتی تھی، عیسائی تھی تو حب وطن کا یہی جذبہ اسلام کے حق میں کارفرما ہو گیا۔ داغستان میں ایک درویش منصور نامی نے قفقاز کی مختلف قوموں کو روس کے مقابلے میں متحد کرنے کی کوشش کی اور اسلام کی تبلیغ کر کے یو بیچستان اور داغستان کے شہزادوں اور رئیسوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب رہا، جو اب تک مسلمان ہیں۔ اس کی تبلیغ سے بہت سے چرکسی (۲۲۵) بھی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے جلاوطنی کو روس کی اطاعت پر ترجیح دی۔ (۲۲۶) لیکن ۱۷۹۱ء میں منصور گرفتار ہو گیا اور ۱۸۰۰ء میں گرجستان باقاعدہ طور پر سلطنت روس میں شامل کر لیا گیا۔

چرکس قوم کا قبول اسلام:

چرکس قوم کو مسلمان بنانے میں صرف منصور درویش ہی نے کوشش نہیں کی، بلکہ دیگر تاریخی واقعات نے بھی اس کی مساعدت کی ہے۔ جب معاہدہ کوچک قینارچی کی رو سے ترکوں نے ملک کریمیہ کی خودمختاری کو تسلیم کر لیا اور انہوں نے بحیرۂ اسود کو بھی روسی جہازوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دیا، تو ترکی حکومت کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ بحیرۂ اسود کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ روسیوں کا سیاسی اثر ورسوخ اور بڑھ جائے گا۔ لہذا انہوں نے یہ طے کیا کہ چرکسی قوم کو روس کی مزاحمت کے لئے تیار کریں۔ چنانچہ ۱۷۸۲ء میں ایک ترک افسر فرح علی کو بھیجا گیا تاکہ وہ بحیرۂ ازوف کے دہانے کے قریب اناپہ کے مقام پر ایک فوجی مرکز قائم کرے اور چرکسی قبیلوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرے۔ فرح علی نے وہاں پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ چرکسی قبیلے کے ایک سردار کی بیٹی سے شادی کر لی اور اس کے باپ کو بہت سے قیمتی ہتھیاروں اور گھوڑوں کا تحفہ پیش کیا۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے

Marfat.com

رچائی گئی اور فرح علی نے اپنے ساتھی سپاہیوں کو بھی اپنے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دی اور ان کے شادی بیاہ کے تمام اخراجات ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی چرکسی عورتیں ترکوں کی فوجی چھاؤنی میں داخل ہوگئیں اور انہوں نے اپنے شوہروں کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ پھر نومسلموں کے تازہ جوش و ولولہ سے کام لے کر انہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔ چنانچہ اس طرح تبلیغ کی ایک زبردست تحریک شروع ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چرکسی لوگوں نے، جن کے تعلقات اس ترکی نوآبادی سے قائم ہوئے تھے، اپنے کافرانہ عقائد چھوڑ کر بہ رضا و رغبت دین اسلام اختیار کیا تھا۔ ملا لوگ نومسلموں کو اسلام کی تعلیم دینے میں مصروف رہے اور نومسلموں کی تعداد یہاں تک بڑھ گئی کہ ان کی کثرت تعداد سے نپٹنے کے لئے قسطنطنیہ سے امداد طلب کرنی پڑی۔ (۲۲۷) لیکن فرح علی کے کام کو دوام نصیب نہ ہوسکا۔ اس نے ۱۷۸۵ء میں انتقال کیا اور لوگ اس کی مرقد کو ایک ولی کی قبر کی طرح متبرک سمجھنے لگے، لیکن فرح کا کام اس کے ساتھ ہی ختم ہوگیا، کیونکہ اناپہ کا مقام بالآخر ۱۸۱۲ء میں روسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ جب ۱۸۶۴ء میں چرکسوں کی مزاحمت کو آخر کار دبا دیا گیا تو پانچ لاکھ سے زیادہ چرکسی مسلمان سلطنت کے علاقوں میں ہجرت کر گئے۔

ابخاز قوم میں اشاعت اسلام:

روسی قانون کے مطابق رعایا کے لئے یونانی کلیسا کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرنا ممنوع تھا، اس لئے روسی مقبوضات میں اسلام کی مزید اشاعت رکی رہی، یہاں تک کہ زار کی طرف سے ۱۹۰۵ء کا فرمان جاری ہوا جس کی رو سے تمام روسی رعایا کو مذہبی آزادی ملی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ قفقاز (کاکیشیا) میں ابخاز قوم (۲۲۸) کے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ یہ لوگ اس سے پیشتر برائے نام عیسائی ہو چکے تھے، لیکن اب اس کثرت سے مسلمان ہونے لگے کہ یونانی کلیسا کے پادریوں میں خوف و ہراس پھیل گیا، اور انہوں نے ابخاز میں مذہبی رسائل تقسیم کرنے کے لئے ایک خاص انجمن بنائی تا کہ اسلامی اثرات کی روک تھام کی جاسکے۔ (۲۲۹)

Marfat.com

حواشی

۱۔ ڈولنگر (Dollinger) ص ۵۔۶۔

۲۔ کیتانی، ایس، ایس اورینٹل، جلد 1، ص ۳۶۵۔

۳۔ کیتانی نے نہایت قابلیت کے ساتھ عربی فتوحات کی تعبیر و تشریح یوں کی ہے کہ یہ فتوحات دراصل سامی اقوام کی ہجرت کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں (تاریخ اسلام، جلد دوم، ص ۸۳۱۔۸۶۱)

۴۔ پرنس کیتانی اپنی تاریخ اسلام جلد دوم ص ۴۵۵ میں لکھتے ہیں کہ "مدینے میں مسلمانوں کی ایک خاص بڑی مرکزی جماعت بن گئی تھی۔ اس میں مختلف عناصر شامل تھے مگر اہل مدینہ کی تعداد غالب تھی۔ اس جماعت کے افراد نے اسلام کو نہایت خلوص کے ساتھ قبول کیا تھا اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ اس نئے دین کی تعلیمات پر عمل کریں، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اسی میں نیکوکاری اور خیر و برکت ہے۔

۵۔ مروج الذہب، از مسعودی، جلد چہارم، ص ۲۳۸۔

۶۔ تاریخ خلافت، از ولیم میور، ص ۱۲۱۔۱۲۲۔

۷۔ کیتانی: جلد ۳، ص ۸۱۴۔

۸۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۲۶۰۔۲۹۹۔۳۵۱۔

۹۔ ایضاً، ص ۲۹۷، نیز جلد ۳، ص ۲۵۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۱۲۔۱۵

۱۱۔ میور: خلافت، ص ۹۰۔۹۴۔

۱۲۔ کیتانی: جلد ۲، ص ۲۹۹۔ ویل ہاوسن: جلد ۴، ص ۱۵۶۔

۱۳۔ طبری، ص ۲۴۸۲۔

۱۴۔ نفیس تنقیدی جائزے کے لئے ملاحظہ کیجیئے کیتانی: جلد ۵۔ ص ۳۱۹، مسلم مصر در قرون اول۔ ملاحظہ ہو بیل: ص ۱۶۷۔ بیکر: ص ۸۱۔

۱۵۔ کیتانی: جلد ۴، ص ۲۲۷۔ کیتانی کا خیال ہے کہ اس کہانی کو بعد میں وضع کیا گیا ہے۔

۱۶۔ لیمنس نے امیہ میں اس قبیلے کے بارے میں عرب مؤرخین کے کام کو نہایت عمدگی سے ایجاز کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو کیتانی، جلد ۴، ص ۲۲۷۔

۱۷۔ کیتانی: جلد ۲، ص ۱۱۸۰۔

۱۸۔ تاریخ مختصر الدول، لابن العبری، مطبوعہ بیروت۔

۱۹۔ تاریخ اسلام، از کیتانی، جلد دوم، ص ۸۲۸، مطبوعہ میلانو۔

۲۰۔ تاریخ طبری، جلد ۱، ص ۲۰۴۱، بذیل ۱۲ھ۔

۲۱۔ مروج الذہب، از مسعودی، جلد چہارم، صفحہ ۲۵۶۔

۲۲۔ "ابتدائی سالوں میں عربوں نے کسی شخص کے ساتھ مذہب کی بنا پر بدسلوکی روا نہیں رکھی اور نہ ہی انہوں نے کسی کا مذہب تبدیل

Marfat.com

کرنے کی زحمت اٹھائی۔ چنانچہ ابتدائی فتوحات کے بعد اسلامی عہد حکومت میں عیسائی عربوں نے ایسی مذہبی آزادی کی راحت پائی جو انہیں کئی نسلوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔" (تاریخ اسلام، از کیتانی، جلد پنجم، صفحہ ۴)۔

۲۳۔ سرہنری لیرڈ، ایران بابلیوں اور سوسنہ میں ابتدائی سرگرمیاں (لندن ۱۸۸۷ء) جلد ا، ص ۱۰۰۔ ہارٹ مین: اسلام، جلد ۲، ص ۱۳۷

۲۴۔ بکھارٹ: ص ۵۶۴۔

۲۵۔ ڈبلیو۔ جی۔ آر۔ پال گریف: مشرقی مسائل پر مقالات، لندن ۱۸۷۲ء، ص ۲۰۶۔ ۲۰۸

۲۶۔ آرتھوڈوکس کے معنی ہیں صحیح العقیدہ لوگ جن کا دین درست ہو۔ اگرچہ ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو ہی راستی پر سمجھتا ہے لیکن کسی ملک میں جو خاص فرقہ حکومت کی سرپرستی یا قدامت یا کثرت کی وجہ سے ممتاز اور مقتدر ہو وہ آرتھوڈوکس (Orthodox) کہلاتا ہے، اور جو فرقے ان کے خلاف ہوں وہ ہیریٹک (Heretic) یعنی منحرف اور ملحد سمجھے جاتے ہیں۔ (مترجم)

۲۷۔ آئی۔ اے۔ ڈونر: عیسائی عقیدہ کا سسٹم، جلد ۳، ص ۲۱۵۔ ۲۱۶ (لندن ۱۸۸۵ء) جے۔ سی۔ رابرٹ سن: جلد ۲، ص ۲۲۶ (لندن ۱۸۷۵ء)

۲۸۔ اس قسم کے اندیشے بے بنیاد نہ تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد جب قیصر شام کے ملک میں سے گزرا تو اس نے مونوفزائٹ فرقے کے بہت سے لوگوں پر سختی کی۔ قیصر قونسطنس (۶۴۲ء۔ ۶۶۸ء) کے عہد میں رومی سپاہیوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں پر جو ظلم وستم کئے، ان کی تفصیل کے لئے دیکھیئے میکائل الڈر کی تاریخ، جلد دوم، ص ۴۱۲۔ ۴۴۳۔

۲۹۔ میکائیل کے ایک سو سال بعد ابن العبری نے بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے۔

۳۰۔ فتوح الشام، از ازدی، ص ۹۷ مطبوعہ کلکتہ۔

۳۱۔ فتوح البلدان، از بلاذری، مطبوعہ یورپ، ص ۱۳۷۔

۳۲۔ کیتانی، جلد ۳، ص ۸۱۳۔ ایضاً جلد ۵، ص ۳۹۴۔ "مفتوحہ ملکوں کے باشندوں نے حکومت کی تبدیلی کو کھلے بندوں قبول کیا کیونکہ وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ عرب ان کے ذاتی حقوق کا احترام کریں گے اور مذہبی معاملات میں ان کو کامل آزادی دیں گے۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ رومیوں کو پورے طور پر شکست ہو، شام کے شہروں اور اندرونی اضلاع کے لوگوں نے عربوں کے ساتھ میل جول شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح سواد عراق میں بھی وہاں کے باشندوں نے نئے حاکموں کو بغیر کسی حیل و حجت کے قبول کر لیا تھا۔ شام کے ان علاقوں میں بھی غالباً یہی صورت پیش آئی جو شاہراہوں سے دور دور واقع تھے۔"

۳۳۔ کیتانی نے اپنی کتاب "مصر میں ذمی اور مسلمان" میں مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں مسلم حکومت میں بسنے والے غیر مسلم لوگوں کی حالت پیش کی ہے۔

۳۴۔ بلاذری: یورپ طبع، ص ۴۷۔ ۱۱۶۔ ۱۲۱۔

۳۵۔ کیتانی: جلد ۳، ص ۹۵۲۔

۳۶۔ طبری: جلد ا، ص ۲۴۰۵۔

۳۷۔ بلاذری: ص ۱۲۹۔

۳۸۔ ابن سعد: ۳، ا، ص ۲۴۶۔

۳۹۔ فتح شام، ص ۱۴۳۔

Marfat.com

۴۰۔ کیتانی: جلد ۳، ص ۹۵۷۔

۴۱۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اس قانون کا اطلاق دیہات یا چھوٹی بستیوں پر نہیں ہوتا، جہاں گرجوں کی تعمیر کی ممانعت نہیں ہے (ہدایہ، جلد دوم، ص ۲۱۹)

۴۲۔ اس سوال پر علماء کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض مالکی علماء نے اسے ممنوع قرار دیا ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس بارے میں شافعی سے دو رائیں منقول ہیں، ایک یہ کہ وہ قرآن مجید کا مطالعہ کر سکتا ہے، ایسا کرنا اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ غیر مسلم جو ابھی تک پاک صاف نہیں ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہے، یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ابن حنبل نے اس بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ (بیلن ص ۸۰۵)

۴۳۔ مثلاً وہ کلمات جو مسلمان لوگ باہمی میل ملاقات کے وقت آپس میں استعمال کرتے ہیں۔

۴۴۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں کہ عیسائی لوگ اس بات کے مجاز ہیں کہ سال میں ایک بار (اپنی عید کے موقع پر) صلیبیں لے کر نکلیں، مگر علم کے ساتھ نہیں، اور وہ بھی شہر کے باہر، نہ کہ شہر کے اندر جہاں مساجد ہیں (کتاب الخراج، مطبوعہ بولاق، ص ۸۲)۔

۴۵۔ ناقوس لکڑی کے اس مستطیل ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر ڈنڈے کے ساتھ ضرب لگائی جاتی ہے۔

۴۶۔ گوتھیل: ص ۳۸۲۔۳۸۴، (یہاں پر اس دستاویز کے مختلف متن دیئے ہوئے ہیں)

۴۷۔ "اس بات کی شہادت موجود ہے کہ جب عربوں نے رومیوں کے کئی ملک فتح کر لئے تو انہوں نے وہاں کے مالی بندوبست کو بدستور برقرار رکھا۔ جزیہ سے اگر وہ ٹیکس مراد ہے جو رعایا سے فی کس کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا تو یہ تعریف فقہائے متاخرین کی اختراع ہے جو صدر اسلام کے حقیقی حالات و کوائف سے ناواقف تھے۔" (کیتانی: تاریخ اسلام، جلد ۴، ص ۶۱۰۔ جلد ۵، ص ۴۴۹) ایضاً ایچ اے منزکی کتاب "زید بن اُبی" (آر۔ ایس۔ اورینٹیل جلد ۴، ص ۲۱۵)

۴۸۔ گولڈ زیہر: جلد ۱، ص ۵۰۔۵۷، ص ۴۲۷۔۴۳۰۔ کیتانی: جلد ۵، ص ۳۱۱۔

۴۹۔ کیتانی: جلد ۵، ص ۴۲۴۔۴۳۲۔

۵۰۔ بلاذری: ص ۱۲۴۔۱۲۵۔

۵۱۔ کریمر جلد ۱، ص ۶۰۔۴۳۶۔

۵۲۔ ایک درہم تقریباً پانچ پینی کے برابر ہے۔

۵۳۔ بل XXV، ۳، ۱۷۔

۵۴۔ قاضی ابو یوسف: ص ۶۹۔

۵۵۔ طبری: ۲۰۵۵۔

۵۶۔ ایضاً: ص ۲۰۵۰۔

۵۷۔ قاضی ابو یوسف: ص ۸۱۔

۵۸۔ بلاذری: ص ۱۵۹۔

۵۹۔ طبری: ص، ۲۶۶۵۔

Marfat.com

۶۰۔ مارگلی: جلد ۱، ص ۸۶ (وہ انہیں مسلمان کہتا ہے)۔

۶۱۔ فائینلے: جلد ۶، ص ۳۰، ۳۳۔

۶۲۔ لازار: ص ۵۶۔

۶۳۔ ڈی لا جان کر: ص ۱۴۔

۶۴۔ ٹی۔ اسمتھ: ص ۳۲۴۔

۶۵۔ ڈوروس ٹامس: ص ۳۲۶۔

۶۶۔ ڈی لا جان کر: ص ۲۶۵۔

۶۷۔ لے مینس: ص ۱۳۔

۶۸۔ ابن ابی اُصیبعہ: جلد ۱، ص ۱۶۴۔

۶۹۔ میکائیل الڈر: جلد ۲، ص ۴۷۵۔

۷۰۔ ماری بن سلیمان: ص ۷۱ (۱۶:۱) ابونوح الانباری نے دوسری اصولی کتابوں کے علاوہ قرآن مجید کے رد میں بھی لکھا تھا (رائٹ: ص ۱۹۱، نوٹ ۳)۔

۷۱۔ ماری بن سلیمان: ص ۸۴۔

۷۲۔ ہلال الصابی: ص ۹۵۔

۷۳۔ ابن الاثیر: جلد ۹، ص ۱۶۔

۷۴۔ فون کریمر: (ا)، جلد ۱، ص ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ لے مینس، ص ۱۱۔

۷۵۔ رنادو: ص ۴۳۰۔ ۵۴۰۔

۷۶۔ فون کریمر: (ا) جلد ۲، ص ۱۸۰۔ ۱۸۱۔

۷۷۔ ایضاً: جلد ۱، ص ۱۸۳۔

۷۸۔ کیتانی، جلد ۳، ص ۳۵۰۔ ۳۸۷۔

۷۹۔ گوٹ ہائل: ص ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ گولڈزیہر: جلد ۳۸، ص ۶۷۳۔ ۶۷۴۔

۸۰۔ اسلامی فقہ کے نظریاتی مزاج کے بارے میں سنوک ہرگرونیے کا مضمون دیکھیے۔

۸۱۔ گوٹ ہائل: ص ۳۶۳۔

۸۲۔ ایضاً: ص ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ بہرحال اس میں شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آیا اس عدم رواداری کو عمر ثانی سے منسوب کرنے کا ثبوت موجود ہے بھی یا نہیں۔

۸۳۔ جرنل ایشیاٹک، سلسلہ چہارم، جلد ۱۸ (۱۸۵۱)، ص ۴۳۳۔ ۴۵۰۔ طبری: جلد ۳، ص ۱۴۱۹۔

۸۴۔ میکائیل الڈر: جلد ۲، ص ۴۷۶۔ رنادو: ص ۱۸۹۔

۸۵۔ یوتی خیوس (Eutychius): جلد ۲، ص ۴۱، سیویروس (ص ۱۳۹) کا خیال ہے کہ دو گرجے تھے۔

۸۶۔ فون کریمر (ا): جلد ۲، ص ۱۷۵۔

Marfat.com

۸۷۔ میکائیل الڈر: جلد ۲، ص ۴۹۰۔ ۴۹۱۔

۸۸۔ ابن خلکان: جلد ۱، ص ۴۸۵۔

۸۹۔ ایلیاس آف نسی بس، ص ۱۲۸۔

۹۰۔ اے۔ جے۔ بٹلر: مصر کے قدیم قبطی کلیسا، جلد ۱، ص ۱۸۱، (آکسفورڈ ۱۸۸۴ء)۔

۹۱۔ یاقوت حموی: جلد ۲، ص ۶۶۲۔

۹۲۔ ایضاً، ص ۶۷۰۔

۹۳۔ ماری بن سلیمان: ص ۷۳

۹۴۔ ایشوک آف روم گلا: ص ۲۶۶۔

۹۵۔ یوتی خیوس: جلد ۲، ص ۵۸۔

۹۶۔ فون کریمر: (ا) جلد ۲، ص ۱۷۵۔ ۱۷۶

۹۷۔ بٹلر: مصر کے قدیم قبطی کلیسا، جلد ۱، ص ۷۶۔

۹۸۔ رنادو: ص ۳۹۹۔

۹۹۔ ایشوک آف روم گلا: ص ۳۳۳۔

۱۰۰۔ ابوصالح: ص ۹۲۔

۱۰۱۔ شہر فلورنس کے ایک راہب نے، جس کا نام رکولدس تھا، تیرھویں صدی کے اختتام اور چودھویں صدی کی ابتدا کے قریب مشرقی ملکوں کا سفر کیا تھا۔ چنانچہ وہ اس مذہبی آزادی کا، جو نسطوریوں کو اس کے زمانے تک اسلامی مملکت میں حاصل تھی، ذیل کے الفاظ میں ذکر کرتا ہے: ''مجھے عربوں کی قدیم اور مستند تواریخ سے معلوم ہوا کہ نسطوری محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دوست تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے۔ چنانچہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے خلفاء کو حکم دیا کہ وہ نسطوریوں کی بہت توقیر و تعظیم کریں، چنانچہ آج تک عرب لوگ اس حکم کی پابندی کرتے ہیں''۔ (لارنت: ص ۱۲۸)

۱۰۲۔ مطران دراصل یونانی زبان کا لفظ مطرو پولیتان (Metropolitan) ہے جو کسی بڑے شہر کے کلیسا کے سب سے بڑے عہدہ دار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (مترجم)

۱۰۳۔ جے لابورت: دے تموتھیو اول، نستوریا نورم پتری آرکا، ص ۳۷ (پیرس ۱۹۰۴ء)

۱۰۴۔ ای۔ فان دوب شتز: ص ۳۹۰۔ ۳۹۱۔

۱۰۵۔ میکائیل الڈر: جلد ۲، ص ۴۳۹۔ ۴۴۰۔

۱۰۶۔ ماکن: ص ۱۲۔ جے۔ لابورت: ساسانی دور حکومت میں عیسائیت، ص ۱۳۹ (پیرس ۱۹۰۴ء)۔

۱۰۷۔ رنادو: ص ۱۶۹

۱۰۸۔ فون کریمر نے کیا خوب لکھا کہ ''ہم عرب مورخین کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے قدیم اسلامی عہد کے بارے میں ہمارے لئے سیاسی اور فوجی معلومات کے ذخیرے جمع کر دیئے ہیں، جو ایسے جامع اور مکمل ہیں جیسے کہ بارہ سو سال پہلے جامع اور مکمل ہو سکتے تھے۔ مگر اس یادگار زمانے کی اندرونی تاریخ کا ہلکا سا خاکہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں جس سے اس جنگ

Marfat.com

کا پتا چل سکے جو ایک نئے اور ناپختہ مذہب (یعنی اسلام) کی ایک دوسرے قدیم اور ترقی یافتہ مذہب (عیسائیت) کے ساتھ ہوئی تھی۔"

۱۰۹۔ تامس آف مارگا: جلد۲، ص ۳۰۹۔

۱۱۰۔ ایضاً: ص ۳۱۰۔۳۲۴۔

۱۱۱۔ ملاحظہ ہو میکلنٹوخ اینڈ سٹرانگ سائیکلو پیڈیا، جلد۴، ص ۴۲۰۔ جی۔ فری مین: دس بڑے مذاہب، جلد۲ ص ۵۷، (لندن ۱۸۸۳)

۱۱۲۔ چنانچہ مسلم مورخین نے شہنشاہ ہیراقلیس سے یہ بات منسوب کی ہے کہ "ان کا مذہب نیا مذہب ہے، جس کی وجہ سے ان میں تازہ جوش وخروش ہے۔" (طبری: ص ۲۱۰۳)۔

۱۱۳۔ لاطینی عیسائیت کی تاریخ، جلد۲، ص ۲۱۶۔۲۱۷۔

۱۱۴۔ کیتانی: جلد۲، ص ۱۰۴۵۔

۱۱۵۔ وہ مقالہ جو ۷۔ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو وولور ہیمپٹن چرچ کانگرس میں پڑھا گیا۔

۱۱۶۔ بیزنطینی سلطنت کے جابرانہ مالی نظام کے بارے میں دیکھیے گفرورر: بزنطینی تواریخ جلد۲، ص ۳۳۷۔۹، ۳۸۹، ۳۹۱۔۴۵۰۔

۱۱۷۔ "ظہور اسلام گویا اس بدسلوکی کا ردعمل تھا، جو بیزنطینی قیصر یوستینین نے نوع انسان کے ساتھ بالعموم اور اس کلیسا کے ساتھ بالخصوص روا رکھی تھی، جس کا وہ روحانی پیشوا اور دنیاوی حاکم ہونے کا مدعی تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو یوستینین کی وفات کے چھ سال بعد ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے، اپنی تعلیم وتلقین سے ایسی کامیابی حاصل کی جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی تھی۔ اس کامیابی کی وجہ بیشتر یہ تھی کہ جو قومیں بیزنطینی سلطنت کی حدود میں رہتی تھیں، ان کے دلوں میں اس ظلم وستم کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی، جس کی ابتدا قیصر باسل (Basil) نے کی تھی"۔ (بزنطینی تواریخ، مولفہ گفرورر، جلد۲، ص ۴۳۷)

۱۱۸۔ ایضاً: ص ۲۹۶۔۳۰۶۔۳۳۷۔

۱۱۹۔ ایضاً: جلد۲، ص ۴۴۲۔۴۴۴۔

۱۲۰۔ ایضاً: ص ۴۴۵۔

۱۲۱۔ مسعودی: جلد۲، ص ۳۸۷ (مطبوعہ پیرس)

۱۲۲۔ یوحنا دمشقی (۶۷۶ء۔۷۴۹ء) اموی دور کا ایک نہایت ممتاز عیسائی عالم تھا، جو امیر معاویہ اور ان کے بیٹے یزید کا ہم عصر تھا۔ وہ دمشق کا عامل تھا یعنی دمشق کا مالی انتظام اسی کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس منصب پر خلیفہ ہشام کے زمانے تک فائز رہا۔ اس نے دیگر کتابوں کے علاوہ ایک رسالہ بھی لکھا تھا جس میں اس نے حضرت مسیح کی الوہیت اور انسانی مشیت کی آزادی اور خودمختاری سے بحث کی تھی۔ اس رسالے کا یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے ساتھ مناظرہ کرنے میں عیسائیوں کی رہنمائی کی جائے۔ (مترجم)

۱۲۳۔ فون کریمر: (۲) ص ۸۔

۱۲۴۔ ایضاً: ص ۱۵۴ اور (۳) ص ۳۲۔ نکلسن: ص ۲۳۱۔

۱۲۵۔ محمد بن الہذیل کی نسبت، جو علمائے معتزلہ میں سے تھا اور خلیفہ المامون کا استاد تھا، کہا گیا ہے کہ اس نے تین ہزار آدمیوں کو مسلمان کیا تھا (احمد بن یحییٰ بن المرتضیٰ: کتاب الملل، ص ۲۶، ۱، ۷)۔

Marfat.com

۱۲۶۔فون کریمر: (۲) ص ۳۔۷۔۸۔سی۔ایچ بیکر کا مضمون (زبت شرفت فراسیر یالوجی جلد ۲۶، ۱۹۱۲)

۱۲۷۔ابن خلکان: جلد ا، ص ۴۵۔

۱۲۸۔وسٹن فیلڈ: ص ۱۰۳۔

۱۲۹۔میکائیل الڈر: جلد ۲، ص ۴۱۲۔۴۱۳۔ کیتانی لکھتے ہیں کہ عربوں نے یونانیوں اور ایرانیوں پر جو فتوحات حاصل کیں، وہ محض عرب قوم کی فتح وظفر نہ تھی جو اسے مفتوحہ ملکوں کے باشندوں پر حاصل ہوئی، بلکہ مشرقی اقوام کے نزدیک، جو ہر بات میں خدا کا ہاتھ کارفرما دیکھتے ہیں، یہ فتوحات اسلام کی فتوحات تھیں جو اسے مجوسیوں اور بالخصوص عیسائیوں کے مذاہب کے مقابلے میں حاصل ہوئیں (تاریخ اسلام، جلد پنجم، ص ۵۰۸)

۱۳۰۔گولڈزیہر: جلد ا، باب ۳، ۴۔

۱۳۱۔اس قسم کا آخری فرمان اس وقت جاری ہوا جب عیسائیوں کے اس منصوبے کا انکشاف ہوا کہ وہ قاہرہ کے شہر کو جلانا چاہتے تھے۔ (دے گینس: جلد ۴، ص ۲۰۴۔۲۰۵۔ گوٹ ہائل: ص ۳۵۹۔ جرنل ایشیاٹک، چوتھا سلسلہ: جلد ۱۸ (۱۸۵۱)، ص ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۳، ۴۸۴، ۴۹۱۔

۱۳۲۔اسیمانی: جلد ۳۔ رنادو: ص ۴۳۲، ۶۰۳، ۶۰۷۔

۱۳۳۔ولیم میور: خلافت، ص ۴۷۵۔

۱۳۴۔فون کریمر: (۳) ص ۲۴۶۔

۱۳۵۔ولیم میور: (۱) ص ۵۰۸، ۵۱۶۔۵۱۷۔

۱۳۶۔یہ حدیث متعدد صورتوں میں ملتی ہے۔ ایک روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ من ظلم معاہداً و کلفه فوق طاقته فانا حجیجه (فتوح البلدان از بلاذری، صفحہ ۱۶۲) ایک اور روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: الی یوم القیامة، یعنی "جس شخص نے کسی ذمی پر، جس سے ہمارا معاہدہ ہے، ظلم کیا اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا تو میں قیامت کے دن اس کو ملزم ٹھہراؤں گا۔

۱۳۷۔جرنل ایشیاٹک دورہ ششم۔ ص ۱۰۹۔

۱۳۸۔بلائن (Belin): صفحات۔ ۴۳۵۔۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۵۶، ۴۵۹۔۶۱۔۴۷۹۔۴۸۰۔

۱۳۹۔ایضاً: ص ۴۳۵۔۴۰۔

۱۴۰۔ایضاً: ص ۴۷۸۔

۱۴۱۔دسویں صدی عیسوی کے آخر میں عیسائیوں پر جو جور وستم ہوا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے مذہب کو جس طور پر ترک کیا، ماری بن سلیمان (ص ۱۱۵، ۱۰۲۔۳۔) نے اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے: "واسلم خلق کثیر و کان اصل ذلک تجوز الناس فی ادیانهم و قبح سیرة الکهنة فی المذبح والبیع وبیوت المقدس" یعنی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اپنے مذہبی فرائض سے غافل ہو گئے تھے اور ان کے گرجاؤں کے پادریوں اور مقدس مقامات کے متولیوں کی زندگی فاسقانہ تھی۔

۱۴۲۔مصر کے خلیفہ الحاکم (۹۹۶ تا ۱۰۲۰ء) نے فی الواقع تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو حکم دے دیا تھا کہ مصر کو چھوڑ کر بزنطینی

Marfat.com

علاقے میں چلے جائیں، لیکن ان کی منت وسماجت پر خلیفہ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا (مقریزی: (۱) ص ۱۹۱) الحاکم کے لئے اپنے حکم کو نافذ کرنا ایسے ہی ممکن تھا جیسے سلیم اول (۱۵۱۲ء۔۱۵۲۰ء) جیسے تندمزاج سلطان کے لئے آسان تھا۔ سلطان سلیم نے اپنی مملکت سے تمام مذہبی اختلافات کو یک قلم ختم کرنے کے لئے چالیس ہزار شیعوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اگر وہ اپنے منصوبے کی تکمیل چاہتا تو وہ عیسائیوں کو بھی نیست و نابود کر سکتا تھا، لیکن اگر وہ اپنے ارادے سے باز رہا تو اس نے یقیناً مذہبی رواداری کے اس عام اصول کی پابندی کی جو مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے بارے میں اختیار کر رکھا تھا (تاریخ رومہ، از فنلے، جلد ۵، ص ۲۹۔۳۰)

۱۴۳۔ سلبرنال (Silbernnagl): ص ۲۶۸۔

۱۴۴۔ ایضاً: ص ۳۵۴۔

۱۴۵۔ ایضاً: ص ۳۰۷۔۳۶۰۔

۱۴۶۔ ایضاً: ص ۲۵، ۲۶۔

۱۴۷۔ ایضاً: ص ۳۳۵۔

۱۴۸۔ ایضاً: ص ۳۸۴۔

۱۴۹۔ فون کریمر (۱) جلد ۲، ص ۴۹۰۔۴۹۲۔

۱۵۰۔ صلیبیوں نے ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا تھا۔ اس واقعے سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ رومن کیتھولک لوگ مشرقی کلیساؤں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرتے تھے۔ ابوالفرج ابن العبری نے اس بات کی شکایت کی ہے کہ کاؤنٹ گوسیلن نے جو الرہا کا حاکم تھا، حران کے دیر یعنی راہب خانے پر حملہ آور ہو کر اسے اس طرح تباہ کیا اور لوٹا گویا یہ سردار کوئی عرب یا ترک تھا۔

۱۵۱۔ عیسائی فرقوں کے بیان میں نسطوری فرقے کا اکثر ذکر آتا ہے۔ یہ فرقہ نسطور کی طرف منسوب ہے جو ۴۲۸ء سے ۴۳۱ء تک قسطنطنیہ کا بطریک تھا اور لوگ اسے اس کے زہد کی وجہ سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اگرچہ نسطور حضرت مریم عذرا کی بڑی تعظیم کرتا تھا لیکن وہ ان کی پرستش کو دیگر عیسائیوں کی طرح جائز نہیں سمجھتا تھا اور عبادت گاہوں میں حضرت عیسیٰ کے مجسموں کو بھی روا نہیں رکھتا تھا۔ اس پر دوسرے پادریوں نے شور برپا کر دیا اور ارباب کلیسا کی ایک کونسل نے اسے فاسد العقیدہ قرار دے دیا۔ حکومت نے اسے منصب سے برطرف کر کے مصر کی طرف جلا وطن کر دیا۔ اس کے باوجود اس کے عقائد نے مقبولیت پائی اور اس کے پیرو نسطوری کہلائے۔ انہوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی کوشش کی۔ چنانچہ اس کا ایک بشپ دیار عرب میں بھی مقیم تھا۔ دیگر مسیحی فرقوں کے مقابلے میں نسطوری عقائد اسلامی تعلیم سے زیادہ قریب ہیں اور ان کے درمیان جو مشابہت پائی جاتی ہے، اس سے بعض نصرانی علماء کو یہ وہم ہوا کہ بانی اسلام نے اپنے عقائد نسطوری فرقے سے اخذ کئے تھے۔ (مترجم)

۱۵۲۔ ایچ۔ ایچ ملمین: جلد ۲، ص ۲۱۸۔

۱۵۳۔ فون کریمر: جلد ۱، ص ۱۷۲

۱۵۴۔ سیمانی: (Tom iii, Pars Prima) ص ۱۳۰۔۱۳۱۔

۱۵۵۔ ابن سعد: طبقات، جلد ۵، ص ۲۵۸ (طبع لائڈن)

۱۵۶۔ ایضاً: ص ۲۵۸۔

Marfat.com

۱۵۷۔محبوب المنبیجی ،ص۳۵۸(۱۱،۲۔۳)۔

۱۵۸۔ابن سعد: طبقات،جلد۵،ص۲۶۲۔

۱۵۹۔اگست ملر: جلد۱،ص۴۴۰۔

۱۶۰۔مائن(Patr. Gr: tom.96)ص۱۳۳۶۔۱۳۴۸۔

۱۶۱۔ایضاً: (۹۷)،ص۱۵۲۸۔۱۵۲۹،۱۵۴۸۔۱۵۶۱۔

۱۶۲۔ایضاً:ص۱۵۵۷۔

۱۶۳۔عمرو بن مطائی:ص۶۵۔

۱۶۴۔"کلیسا" دراصل یونانی لفظ Ekklesia ہے جس کے لغوی معنی جماعت یا مجمع ہیں، لیکن عیسائیوں کی مذہبی اصطلاح میں اس سے ملت مسیحی مراد لیتے ہیں۔فارسی اور اردو میں کلیسا دونوں صورتوں میں لکھا جاتا ہے۔عربی میں اسی لفظ کو کنیسہ لکھتے ہیں،اور ان تمام الفاظ سے عیسائیوں کی عبادت گاہ یعنی گرجا مراد لیتے ہیں۔(مترجم)

۱۶۵۔عمرو بن مطائی:ص۷۲۔

۱۶۶۔رسالۃ عبداللہ بن اسماعیل الہاشمی الی عبدالمسیح بن اسحاق الکندی،ص۱۔۳۷(لندن ۱۸۸۵ء)

۱۶۷۔دیکھیے ضمیمہ نمبر۱،۲ کتاب ہذا۔ہاشمی نے کندی کو جو خط لکھا تھا،کندی نے اس کا ایک جواب بھی لکھا تھا جس کا لب ولہجہ خاصا تند و تلخ ہے۔یہ دونوں خط لندن میں ایک مشنری سوسائٹی کے اہتمام سے ایک کتاب کی صورت میں چھپ چکے ہیں جس کا عنوان یہ ہے: "رسالۃ عبداللہ بن اسمعیل الھاشمی الی عبدالمسیح بن اسحٰق الکندی"۔(مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۵ء)۔سر ولیم میور(متوفی ۱۹۰۵ء) نے الکندی کے خط کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا تھا جو لنڈن میں چھپ چکا ہے طبع ثانی ۱۸۸۷ء(مترجم)

۱۶۸۔کندی:ص۱۱۱۔۱۱۳۔

۱۶۹۔بلاذری:ص۴۳۰۔

۱۷۰۔یزدان بخت بغداد میں غالباً اس موقع پر آیا تھا جب المامون نے تمام مذاہب کے پیشواؤں کو ایک مجلس میں طلب کیا تھا، کیونکہ اس نے سنا تھا کہ دشمنان اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے دلیل و برہان سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے کامیابی حاصل کی ہے۔ چنانچہ اس مجلس میں علمائے اسلام نے اپنے مذہب سے اس الزام کو دور کیا اور کہا جاتا ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ مسلمان علماء نے اپنے دعوے کو تسلی بخش طور پر ثابت کر دکھایا ہے(شرح کتاب الملل والنحل،از احمد بن یحیٰی المرتضٰی)۔

۱۷۱۔کتاب الفہرست،جلد۱،ص۳۳۸۔

۱۷۲۔ابن العبری:(۱) جلد۳،ص۱۹۴۔

۱۷۳۔ماری بن سلیمان:ص۱۰۱(۱۱۳۔۱۱۴)۔

۱۷۴۔ابن العبری:(۱) جلد۳،ص۲۳۰۔

۱۷۵۔قسطنطنیہ کے بزنطینی قیاصرہ نے حضرت مسیح کی طبیعت یعنی نیچر کے متعلق جو عقیدہ اختیار کیا تھا اور ۴۵۱ء کی علماء کی کونسل کے فیصلے کے بعد اسے سرکاری حیثیت دے دی تھی،شام اور مصر کے باشندوں کو اس سے اختلاف تھا۔اس اختلاف سے جو فرقے پیدا ہوئے ان میں سے ایک فرقہ یعقوبی تھا جو اپنے بانی یعقوب بردعی کے نام پر یعقوبی کہلایا۔حارث بن جبلہ غسانی نے اپنے اثر و

Marfat.com

رسوخ سے کام لے کر یعقوب راہب کو شہر الرہا (اڈیسہ) کا اسقف مقرر کر دیا تھا۔ یعقوب نے چالیس سال کی مسلسل کوشش سے اپنے فرقے کی تنظیم کی اور مدارس اور راہب خانے قائم کئے۔ اس نے ۵۷۸ء میں وفات پائی۔ قبطی اور ارمنی فرقوں کی طرح یعقوبی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ لاہوتی اور ناسوتی دونوں طبیعتیں مسیحؑ کی واحد ذات میں قائم ہیں۔ آج کل یعقوبی فرقے کا سربراہ اور پیشوا انطاکیہ (شام) کا بطریرک ہے اور ان کی تعداد سوالاکھ کے قریب ہے۔ (مترجم)

۱۷۶۔ ابن العبری: (۱) جلد ۳، ص ۲۴۸۔

۱۷۷۔ یعقوبی فرقے کے تمام بطریرک منتخب ہونے کے بعد اگناتیوس کا لقب اختیار کر لیتے تھے۔ انتخاب سے پہلے اس کا نام مارک برقیق تھا۔

۱۷۸۔ ابن العبری: جلد (۱) ۳، ص ۲۸۸۔۲۹۰۔ الیاس ساکن نصیبین: ص ۱۵۳۔۱۵۴۔ مارک برقیق (ابو مسلم) چوبیس سال کے بعد مرنے سے پہلے پھر عیسائی ہو گیا۔ انطاکیہ کے یعقوبی بطارکہ کی تاریخ میں سولھویں صدی میں ایسے ہی دو اور واقعات مذکور ہیں۔ ۱۵۱۷ء میں ایک شخص جس کا نام یوشع تھا، مسلمان ہو گیا، لیکن بعد ازاں اسلام ترک کر کے قبرص بھاگ گیا، جو اس زمانے میں وینس والوں کے قبضے میں تھا۔ توبہ کے خیال سے یہ شخص از راہ انکسار گرجا کے دروازے کے سامنے اوندھا لیٹ گیا تاکہ گرجا کے اندر باہر آنے جانے والے لوگ اس کے جسم کو روند سکیں۔ دوسرا شخص نعمت اللہ تھا جس کا زمانہ ۱۵۶۰ء کے قریب ہے۔ اس نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام اختیار کیا لیکن بعد ازاں رومہ میں جا کر پاپا گریگوری سیزدھم کے حضور میں اپنے ارتداد کی توبہ چاہی (ابن العبری (۱) جلد ۲، ص ۸۴۷۔۸۴۸)۔

۱۷۹۔ الیاس ساکن نصیبین نے، جو اس یعقوبی بطریرک کا ہم عصر تھا، اس کے بارے میں کسی بداخلاقی کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی نسطوری مورخ ماری بن سلیمان (صفحات ۱۱۵۔۱۱۶) نے اس قسم کا الزام لگایا ہے۔ اگرچہ وہ اسے اس بات کا مجرم قرار دیتا ہے کہ اس نے عبادت گاہوں کے مقدس ظروف اور سامان آرائش کو لوٹ لیا تھا، لیکن جیسا کہ پروفیسر رائٹ نے یوسف مروزی کے متعلق لکھا ہے "اس بدقسمت شخص کے ساتھ جو برائیاں ابن العبری نے منسوب کی ہیں، ہمارے لئے ان پر یقین کرنا ضروری نہیں۔"

۱۸۰۔ ابوالفرج ابن العبری (۱۲۲۶ء۔۱۲۸۹ء) جس کا ذاتی نام یوحنا تھا، تیرہویں صدی کا ایک نامور عیسائی عالم اور مصنف ہے۔ اس نے دیگر علوم کے علاوہ علم الکلام اور طب کی بھی تحصیل کی تھی۔ وہ پہلے حلب کا اسقف مقرر ہوا، پھر تمام مشرقی علاقوں کے نسطوری عیسائیوں کا پیشوا اور سربراہ بنا دیا گیا۔ اس نے سریانی زبان میں بہت سی کتابیں لکھیں اور عربی میں بھی "تاریخ مختصر الدول" کے نام سے ایک عمومی تاریخ تالیف کی جو بیروت میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کے آباء و اجداد عبرانی یعنی یہودی تھے، اس لئے وہ ابن العبری کے نام سے مشہور ہوا۔ ابن العبری کو لاطینی میں Barhebraeius لکھتے ہیں۔ (مترجم)

۱۸۱۔ ابن العبری: (۱) جلد ۲، ص ۵۱۸۔ "مارونی" عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو بیشتر شام اور خصوصاً لبنان کے علاقوں میں آباد ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ڈھائی لاکھ کے قریب ہے۔ یہ لوگ ایک بزرگ ولی یوحنا مارون کی طرف منسوب ہیں جس کا زمانہ ساتویں صدی عیسوی ہے۔

۱۸۲۔ ابن العبری، جلد ۲، ص ۱۲۔

۱۸۳۔ تاریخ شرق، باب ۱۵، ص ۴۵۔

۱۸۴۔ ڈی گوئگنس (De Guignes, Tom ii) ص ۱۵۔

Marfat.com

۱۸۵۔ Odo Diogilo (De Ludovici vii Iltinere Migne patr: Lat: Tom cxcv. 1243)

۱۸۶۔ گوزاٹ (Guizat): ص ۲۳۴۔

۱۸۷۔ اسامہ بن منقذ کنانی (۱۰۹۵ء۔۱۱۸۸ء) جس کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے، شام کا ایک عرب امیر تھا جو ایک مجاہد اور ادیب کی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی ساری عمر صلیبی عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے میں گزار دی۔ چنانچہ اس نے سلطان نور الدین زنگی کے علاوہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے علم کے نیچے بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ اس کی ادبی یادگار "کتاب الاعتبار" ہے جس سے نہ صرف اس کے اپنے ذاتی حالات معلوم ہوتے ہیں بلکہ اس کے عہد کی تاریخ اور معاشرت کے متعلق بھی بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں، نیز اس کے ہم عصر فرنگیوں کی زندگی پر بھی دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب کی دلچسپی اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ نہ صرف اس کا عربی متن چھپ چکا ہے بلکہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ (مترجم)

۱۸۸۔ نائٹ ٹمپلرز عیسائیوں کی ایک مذہبی اور نیم عسکری جماعت تھی جو ۱۱۱۹ء میں اس مقصد سے قائم ہوئی کہ بیت المقدس کے آثار اور اس کے زائرین کی حفاظت اور خدمت کی جائے۔ ان کا مرکز سلیمانی ٹمپل تھا اس لئے یہ لوگ نائٹ ٹمپلرز کہلائے۔ (مترجم)

۱۸۹۔ اسامہ بن منقذ: ص ۹۹۔

۱۹۰۔ پرٹز (prutz): ص ۲۶۶۔۲۶۷۔

۱۹۱۔ De Jerusalem.Tom ii, p.325

۱۹۲۔ بہاء الدین بن شداد: ص ۲۵۔

۱۹۳۔ روجر ہوڈن: جلد ۲، ص ۳۰۷۔۳۰۸۔

۱۹۴۔ Benedict of peterborough vol, ii pp.11.12۔

۱۹۵۔ ایضاً: جلد ۲، ص ۲۰۔۲۱۔ روجر ہوڈن: جلد ۲، ص ۳۱۶۔۳۲۲۔

۱۹۶۔ ابو شامہ (Abu Shamah): ص ۱۵۰۔

۱۹۷۔ Itinerariun Peregrinorumet Gesta Regis Richardi, p.131

۱۹۸۔ جوئن ول: ص ۲۳۸۔

۱۹۹۔ ایضاً: ص ۲۶۲۔

۲۰۰۔ ماس لاتری: (۱) جلد ۲، ص ۷۲۔

۲۰۱۔ لوڈ رلف دی سوئم: ص ۷۱۔

۲۰۲۔ لیونارڈو فرسکو بالڈی، بحوالہ ابن بطوطہ: جلد ۱، ص ۱۱۔

۲۰۳۔ Chistophori Haimendor Itinerarium Aegypti, p.42(Norimbergae 1920)

۲۰۴۔ "یسوعی (Jesuit)" عیسائی راہبوں کی ایک جماعت ہے جسے سپین کے ایک راہب اگناتیوس دی لویولہ (Loyola) متوفی ۱۵۴۰ء نے قائم کیا تھا۔ یہ لوگ اپنے مذہب کی تبلیغ میں بڑے سرگرم تھے۔ انہوں نے شام میں متعدد دیر یعنی راہب خا-

Marfat.com

کھولے تھے اور اب بھی بیروت میں جامعۂ قدیس یوسف چلا رہے ہیں۔ ان کا ایک مدرسہ قاہرہ میں بھی ہے، اور دیگر ملکوں میں بھی ان کے تبلیغی مرکز موجود ہیں۔ (مترجم)

۲۰۵۔ Rabbath: ص ۱۷۔ ۱۸۔

۲۰۶۔ برکارڈ لکھتا ہے (اور یہ اس کی لاطینی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے) کہ یہ امر فی الواقعہ غور طلب ہے (گو بعض لوگ جو کسی بات کو بن دیکھے بیان کرتے ہیں، اس رائے سے متفق نہیں ہوں گے) کہ مشرق کا تمام ملک جو سمندر پار ہے، مسیح کا نام لیوا ہے اور اسی کے نام کا وعظ کرتا ہے۔ البتہ عرب اور بعض ترکمان جو کپادوسیہ میں رہتے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پس میں اس بات کو درست سمجھتا ہوں جیسا کہ میں نے خود دیکھا ہے اور جو لوگ جانتے ہیں ان سے سنا ہے کہ ہر ایک مقام اور عملداری میں (سوائے مصر اور بلاد عرب کے جہاں عرب اور دیگر پیروان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بکثرت آباد ہیں) تم کو ہر عرب کے مقابلے میں تیس بلکہ اس سے بھی زیادہ عیسائی ملیں گے۔ چونکہ تمام عیسائی، جو سمندر پار رہتے ہیں، مشرقی ہیں (گو وہ عیسائی ہیں) وہ ہتھیار استعمال نہیں کرتے اور عربوں اور تاتاریوں کے حملوں سے مغلوب ہو کر ان کی رعایا بن گئے ہیں اور امن وعافیت کو خراج دے کر خریدتے ہیں۔ عرب اور دیگر لوگ جو ان پر فرمانروا ہیں، اپنے عمال اور محصول جمع کرنے والوں کو ان کے ملکوں میں مقرر کرتے ہیں، لہٰذا عملداری کو عربوں کی عملداری کہا جاتا ہے، حالانکہ درحقیقت عمال اور ٹیکس جمع کرنے والوں اور ان کے کنبوں کے سوا باقی تمام لوگ عیسائی ہیں، اور یہ بات میں نے اپنی آنکھوں سے سلیسیا اور ارمینیۂ کوچک میں دیکھی ہے جو تاتاریوں کی حکومت میں ہیں "۔ ارض مقدس کا بیان، از برکارڈ ص ۹۰)۔

۲۰۷۔ Recueil des historiens des Croisades (Assises de Jerusalem tom. i. p.325

۲۰۸۔ پرتز: ص ۱۴۶۔ ۱۴۷، ۱۵۰۔ اس ترجیح کی وجہ ظاہر ہے۔ اسلامی حکومتوں میں عیسائی رعایا کو ذمی ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ کامل مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ اس کے برعکس عیسائی حکام مذہبی رواداری کے اصول سے نا آشنا تھے اور دوسرے فرقوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے۔ یورپ کے صلیبی بیشتر رومن کیتھولک تھے، دراں حالیکہ شام اور فلسطین کے عیسائی نسطوری، یعقوبی یا گریک آرتھوڈوکس کلیسا سے تعلق رکھتے تھے، اور یہ لوگ آپس میں سخت بغض وعناد رکھتے تھے۔ (مترجم)

۲۰۹۔ سلطان ایوب نے اہل خوارزم کو بلایا تھا تاکہ وہ صلیبیوں کو فلسطین سے نکالنے میں ان کی مدد کریں۔ چنانچہ اس موقع پر ۱۲۴۴ء میں بیت المقدس کے پادریوں نے خوارزمیوں کے حملے کے متعلق یوں لکھا تھا کہ "خوارزمی تمام ملک میں ناصرہ سے لے کر یافہ تک آزادی سے چلتے پھرتے ہیں، کوئی ان کا مزاحم نہیں۔ وہ ملک پر قبضہ کرتے ہیں اور اسے تقسیم کرتے ہیں، گویا اس ملک کے وہی مالک ہیں اور اپنے حاکموں اور عاملوں کو مشرقی عیسائیوں کے شہروں اور قصبوں میں مقرر کرتے ہیں۔ وہ عیسائی زمینداروں سے اسی طرح کا محصول اور خراج لیتے ہیں جیسا کہ دستور کے موافق ان پر عائد تھا۔ مشرقی عیسائی جو اب صلیبیوں کے دشمن ہو گئے ہیں اور ان سے باغی ہیں، ہر جگہ خوارزمیوں سے جا ملے ہیں۔"

۲۱۰۔ فنلے: جلد ۳، ص ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ جے۔ ایچ۔ کروس: ص ۲۶۷۔

۲۱۱۔ تاورنیر: (۱)، ص ۱۷۴۔ تاورنیر۔ (۱۶۰۵ء تا ۱۶۸۹ء) ایک فرانسیسی تاجر تھا جس نے کئی مرتبہ مشرقی ملکوں یعنی ترکی، ایران، ہندوستان اور جاوا کا سفر کیا اور پھر اپنے مشاہدات کو متعدد سفرناموں کی شکل میں قلمبند کیا۔ (مترجم)

۲۱۲۔ گرجستان جسے انگریزی میں جارجیا (Georgia) لکھا جاتا ہے، گرج قوم کا ملک ہے جو بلاد قفقاز (کاکیشیا) کے عین وسط

Marfat.com

میں واقع ہے۔ اس کا صدر مقام تبلیسی ہے جسے عربی مصنفین نے تفلیس لکھا ہے۔ عرب فاتحین کا قدم اس پہاڑی علاقے میں حضرت عثمانؓ کے عہد میں پہنچ چکا تھا، لیکن یہاں کے باشندے اپنی آزادی کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ آج کل گرجستان کی ایک الگ جمہوریت ہے جو سوویٹ روس میں شامل ہے، اکثر باشندے عیسائی مذہب رکھتے ہیں۔ (مترجم)

۲۱۳۔ جوسلین: ص ۱۲۵۔ اسی زمانے میں ابخاز، جیجتہ، اوستیہ، کبار دیس اور کستہ تھیس کی تمام قومیں عیسائیت کو چھوڑ بیٹھیں۔

۲۱۴۔ جوسلین: ص ۱۲۷۔

۲۱۵۔ ایضاً: ص ۱۴۳۔

۲۱۶۔ ڈیوڈ کیترا کس (David Chytraeus): ص ۴۹

۲۱۷۔ جوسلین: ص ۱۵۷

۲۱۸۔ بروسٹ (Brosset) IRE, IIE ص ۲۲۷، ۳۵

۲۱۹۔ دی سکس وانجز، ص ۱۲۳۔

۲۲۰۔ جوسلین: ص ۱۴۹۔

۲۲۱۔ ایضاً: ص ۱۶۰، ۱۶۱۔

۲۲۲۔ تاورنیر: (ا) ص ۱۲۴۔ ۱۲۶۔ اس کے اندازے کے مطابق اس زمانے میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی۔

۲۲۳۔ براسل: ص ۸۵، ۱۸۱۔

۲۲۴۔ ریکوئل پارایم۔ بروزت جون: ص ۱۹۷، ۴۵۱۔

۲۲۵۔ چرکس قوم کو انگریزی میں سرکیشین (Circassian) کہتے ہیں۔ ان کا وطن بلاد قفقاز کا شمال مغربی علاقہ ہے۔ جو بحیرہ اسود کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ سولھویں اور سترہویں صدی عیسوی میں بہت سے چرکسی خوانین کریمیہ کی کوشش سے مسلمان ہو گئے، اس سے پہلے یہ لوگ عیسائی تھے یا بت پرست۔ ایک مدت تک ان کا ملک سلطنت عثمانیہ میں شامل رہا، لیکن جب انیسویں صدی میں زار روس نے ان کے وطن پر قبضہ کرلیا تو چرکسی مسلمان ترکی سلطنت (ایشیائے کوچک) میں ہجرت کر گئے۔ چار لاکھ کے قریب چرکسی اب بھی اپنے وطن میں آباد ہیں اور سوویٹ روس کے زیرنگیں ہیں۔

چودہویں اور پندرہویں صدی میں چرکسی نسل کے مملوکوں کو مصر کی حکومت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ وہ تمام مملوک اقوام میں سب سے زیادہ بااثر اور طاقت ور شمار ہوتے تھے، حتیٰ کہ مصر کا مملوک سلطان برقوق بھی چرکس نسل سے تھا (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد ثانی، بذیل چرکس Cerkes)۔ (مترجم)

۲۲۶۔ میکنزی: ص ۷۔ گارنٹ: ص ۱۹۴۔

۲۲۷۔ بربائرڈ ی مینارڈ: ص ۴۵۔

۲۲۸۔ ابخاز ایک قوم ہے جو قدیم زمانے سے بلاد قفقاز میں بحیرہ اسود کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ ان کے ہاں بیشتر اپنے مقامی حکمران برسراقتدار رہے ہیں۔ جب اٹھارہویں صدی کے وسط میں ابخاز سلطنت عثمانیہ کی اطاعت میں آئے تو یہ لوگ عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو گئے، لیکن جب زار روس نے انیسویں صدی میں (۱۸۶۴ء) ان کے علاقے پر قبضہ کرلیا تو یہ لوگ پھر عیسائیت کی طرف رجوع کرنے لگے۔ آج کل ابخاز کی اپنی ایک الگ جمہوری حکومت ہے جو سوویٹ روس میں شامل ہے اس کا دارالحکومت سخم ہے جس کی آبادی چوبیس ہزار ہے۔ روس میں ابخاز قوم کی کل تعداد ساٹھ ہزار کے قریب ہے۔ (مترجم)

۲۲۹۔ آر۔ ڈو ایم۔ ایم: جلد ۷، ص ۳۲۰۔

Marfat.com

باب چہارم

افریقہ کی عیسائی اقوام میں اسلام کی اشاعت

فتح مصر:

افریقہ میں اسلام کا آغاز ۶۴۰ء (سن ۱۸ھ) سے ہوا۔ جب عرب سپاہ نے عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مصر پر چڑھائی کی۔ تین سال کے بعد بیزنطینی فوجیں مصر سے واپس بلالی گئیں اور ان کی روانگی سے عیسائیوں کی کثیر آبادی مسلمان فاتحین کی محکوم بن گئی۔ اس مہم میں عرب حملہ آوروں نے بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ اس کی بیشتر وجہ یہ ہوئی کہ مقامی عیسائیوں نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ وہ بیزنطینی سلطنت سے نفرت کرتے تھے، نہ صرف اس لئے کہ اس کا نظام حکومت جابرانہ تھا، بلکہ مذہبی بغض وعناد کی تلخی اور درشتی کو بھی اس میں بہت کچھ دخل تھا۔ عیسائی آبادی کے اکثر لوگ یعقوبی فرقے سے متعلق تھے اور یونانی کلیسا کے پیرو، جن کا تعلق بیزنطینی دربار سے تھا، ان سے بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے ان کی اس درجہ توہین وتحقیر کی تھی کہ ان کی اولاد نے ان سختیوں کو ابھی تک فراموش نہیں کیا تھا۔ (۱) یعقوبی فرقے کے بعض لوگوں کو سخت اذیتیں دی گئیں اور اس کے بعد ان کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ بہت سے لوگ ان ظالموں کے پنجۂ عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بطریرک کے ہمراہ اپنا وطن چھوڑ گئے۔ اکثر لوگوں نے اپنے حقیقی عقائد کو چھپایا اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مجلس خلقدونہ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ (۲)

اسلامی حکومت میں قبطیوں کی حالت:

مصر کے عیسائی، جو یعقوبی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، قبطی کہلاتے ہیں۔ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد ان کو اپنی مذہبی زندگی میں ایسی آزادی حاصل ہوئی جو ان کو ایک صدی سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ جزیہ کی وصولی کے بعد عمرو بن العاص نے ان کی عبادت گاہوں کو ان کے قبضے میں رہنے دیا اور تمام مذہبی معاملات میں ان کو خود مختار بنا دیا، اور گزشتہ حکومت کی مسلسل دست اندازی سے ان پر جو بار تھا، اس سے ان کو آزاد کر دیا۔ اس نے کلیسا کے اوقاف پر ہاتھ نہیں ڈالا اور نہ ہی کوئی اور قسم کی غارت گری اور لوٹ مار جائز رکھی۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ابتدائی ایام میں قبطیوں کی حالت خاصی اچھی تھی۔ (۴) اور اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ قبطیوں کا بکثرت اسلام قبول کرنا مسلمان حکام کے جبر واکراہ یا ناجائز دباؤ کا نتیجہ تھا۔ ابھی اسلامی فتح مکمل نہیں ہوئی تھی اور مصر کا دارالحکومت اسکندریہ عرب حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہا تھا کہ اکثر قبطیوں نے اسلام قبول

Marfat.com

کرلیا۔(۵) اور جو مثال ان لوگوں نے قائم کی تھی، چند سال کے بعد دوسروں نے بھی اس کی پیروی کی (٦) کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت (۶۴۳ء تا ۶۵۵ء) میں مصر کے محاصل کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ تھی، لیکن مصر کے لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ چند سال کے بعد امیر معاویہ کے عہد حکومت (۶۶۱ء تا ۶۷۹ء) میں یہ آمدنی پچاس لاکھ رہ گئی، اور عمر ثانی یعنی عمر بن عبدالعزیز کے زمانے (۷۱۷ء تا ۷۲۰ء) میں یہ آمدنی اور بھی کم ہوگئی۔ یہاں تک کہ مصر کے عامل (حیان بن شُریح) نے یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں، ان کو جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہ کیا جائے۔(۷) لیکن نیک دل خلیفہ نے اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خدا نے حضرت محمد ﷺ کو داعی اسلام بنا کر بھیجا تھا، ٹیکس وصول کرنے کے لئے مقرر نہیں کیا تھا۔(۸)

لیکن بعد کے زمانے کے حکمرانوں نے اعتراف کیا کہ مالی لحاظ سے اس قسم کا دستور سلطنت کے لئے تباہ کن ہے، اس لئے انہوں نے اصرار کیا کہ نو مسلم لوگ پیشتر کی طرح جزیہ ادا کرتے رہیں، لیکن اس بندوبست میں کوئی تسلسل نہیں تھا۔(۹) والی ریاست کسی خاص ضابطے کی پابندی کئے بغیر اپنی مرضی سے احکام جاری کرتے تھے۔ چنانچہ جب حفص بن الولید والئی مصر نے ۷۴۴ء میں وعدہ کیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں گے، وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ ہوں گے تو چوبیس ہزار عیسائی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔(۱۰) کہتے ہیں کہ عباسی خاندان کے پہلے خلیفہ السفاح نے بھی ۷۵۰ء میں مسند نشین ہوتے ہی اسی قسم کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ (بقول ساویرس) اس نے اپنے تمام ممالک محروسہ کے والیوں کو لکھا کہ جو شخص اس کے دین کو اختیار کرے اور اس کے طریق پر عبادت کرے، وہ جزیہ سے بری قرار دیا جائے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے، جن میں امیر و فقیر دونوں شامل تھے، دین مسیح کو ترک کر دیا، کیونکہ ٹیکس بہت بھاری تھے اور ان پر اور بہت سے بار تھے۔(۱۱) فی الحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے بہت سے عیسائیوں نے اپنے دین کو ایسی ہی بے پرواہی اور عجلت سے چھوڑ دیا جیسے چوتھی صدی کی ابتدا میں اسے اختیار کیا تھا۔ اس سے قبل وادی نیل کے بہت کم لوگ عیسائی تھے، لیکن جب قیصر روم دیو کلیتین کے ظلم و ستم سے شہیدوں نے تکلیفیں اٹھائیں اور ان کی کرامات کے قصے مشہور ہوئے، اور بیرونی حکومت کے احکام کی خلاف ورزی سے قومی جذبے کو تحریک ملی۔(۱۲) اور اس کے علاوہ جب انہیں اس کا یقین ہو گیا کہ جو شخص ظالموں کے ہاتھ سے شہید ہو جائے گا، اس کے لئے جنت النعیم کے دروازے کھلے ہیں، تو ان تمام اسباب سے ان میں ایسا جوش پیدا ہوا جس کی بدولت عیسائی مذہب وعظ و نصیحت کے ذریعے سے پھیلا تھا، لیکن اس کے برعکس اہل مصر نے بغیر پند و وعظ سنے اور بغیر دینی تعلیم پائے ایک بے تابانہ جوش و خروش کی حالت میں اسے اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے صرف یسوع مسیح کا نام سنا تھا جو ان تمام لوگوں کو ابدی خوشی کی زندگی بخشتے ہیں جو ان پر ایمان لائیں۔(۱۳)"

Marfat.com

ساتویں صدی عیسوی میں مصر کے عوام پر عیسائی مذہب کی گرفت غالباً بہت ڈھیلی پڑ چکی تھی، اور وہ مذہبی کلمات جن کے استعمال سے ان کے پیشوا بزنطینی سلطنت کے خلاف نفرت اور مخالفت کے جذبات بھڑ کاتے تھے، چند افراد کے سوا عوام کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لئے گمان غالب یہی ہے کہ اسلامی عہد کی ابتدا میں مصر میں اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیلا، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کی اشاعت میں کوئی خاص کوشش کی گئی تھی، بلکہ اس کا زیادہ تر سبب یہ تھا کہ مسیحی دین میں وہ کشش باقی نہیں رہی تھی جس کی بدولت عیسائی لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ سکتے۔ الٰہیات کے وہ مسائل جن کی بنا پر یعقوبی فرقے کی الگ بنیاد پڑی تھی، اور جن کے ساتھ انہوں نے مدت دراز تک بڑی جدوجہد سے قربانیاں دے کر وابستہ رہے تھے، ان مسائل نے اب ایسے عقائد کی صورت اختیار کر لی تھی جو فلسفیانہ نوعیت کے تھے، اور نہایت دقیق اور عسیر الفہم تھے۔ لہذا بہت سے لوگوں نے بلاشبہ ان غیر متناہی مباحثوں سے پریشان اور ملول ہو کر، جو ان کے چاروں طرف برپا تھے، ایک ایسے مذہب کی طرف رخ کیا جس کی تعلیم کو خدا کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت جیسے سادہ اور آسان کلمے میں مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعد کے زمانے میں خود یعقوبی کلیسا کے اندر ایک تحریک کا ثبوت ملتا ہے، جو اگرچہ صاف طور پر اسلامی نہ تھی، لیکن اس کے ساتھ قریب کا واسطہ ضرور رکھتی تھی۔ لیکن اس کے اظہار کے لئے کلیسا کے اندر کوئی الگ جماعت نہ تھی، اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ اس سے بھی نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہوگا۔ بارھویں صدی کی ابتدا میں قدیس انطونی کی خانقاہ میں جو طفیح میں دریائے نیل کے کنارے پر واقع تھی، ایک راہب گزرا ہے جس کا نام بلوطس تھا۔ یہ شخص عیسائی عقائد کا بڑا عالم تھا۔ اور راہبانہ زندگی کے فرائض اور شریعت کے احکام پر پورا عبور رکھتا تھا، لیکن شیطان نے اس کو اپنے دام میں گرفتار کر لیا اور اس کے عقائد ان عقائد سے مختلف ہو گئے جن کو ۳۱۸ علماء کی مجلس نے نیقیہ میں منظور کیا تھا۔ اس نے بہت سے ایسے اشخاص کے خیالات بگاڑ ڈالے جنہوں نے صحیح عقائد کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ اس نے اپنی بیہودہ تقریروں میں اپنے ناپاک منہ سے اعلان کیا کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح (سبحانہ) بھی دیگر پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر تھا۔ وہ اپنی ملت کے رذیل ترین طبقے کے ساتھ میل ملاپ رکھتا تھا، اگرچہ راہب کا لباس پہنتا تھا۔ جب اس سے اس کے مذہب اور عقیدے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں خدا کی وحدانیت کا قائل ہوں۔ اسکے عقائد ایک عرصے تک شائع رہے، جن کا خاتمہ ۱۱۲۳ء میں ہوا، جب اس نے وفات پائی تو اس کی یاد ہمیشہ کے لئے فراموش ہو گئی۔" (۱۴)

اس کے علاوہ عیسائی زندگی کے ایک ایسے نظریے میں جس کا بلند ترین مظہر ایک نہایت مذموم قسم کی رہبانیت تھی۔ (۱۵) اسلامی نظام اخلاق کے مقابلے میں، جس کی بنیاد انسانی فطرت پر ہے، لوگوں کے لئے بہت کم کشش تھی۔ (۱۶) چونکہ قبطیوں نے وقتاً فوقتاً کثیر تعداد میں اسلام قبول کر لیا تھا، اس لئے ان کے متعلق اہل

Marfat.com

اسلام کا یہ خیال ہے کہ دیگر مسیحی فرقوں کی بہ نسبت وہ دین اسلام کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ اگرچہ قبطیوں پر اکثر اوقات ظلم وستم ہوئے لیکن کہا جاتا ہے کہ جو قبطی اس طرح اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور ہوئے، ان کی تعداد ایسے لوگوں کے مقابلے میں کم تھی جنہوں نے اپنا مذہب برضا ورغبت تبدیل کیا۔ (۱۷) انیسویں صدی میں بھی، جب کہ تمام اسلامی ملکوں میں مصر کو سب سے زیادہ روادار ملک سمجھا جاتا تھا، وہاں ہر سال قبطی مسلمان ہوتے تھے۔ (۱۸) تاہم اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ظلم وتعدی کی وجہ سے بھی قبطیوں کی تعداد میں کمی ہوتی رہی ہے۔ مصر کے قبطی کلیسا کے مصائب کی داستان بڑی دردناک ہے، کیونکہ ان پر ان کے اپنے ہم مذہب عیسائی بھائی اور دین غالب کے پیرو یعنی مسلمان دونوں یکساں طور پر ظلم وستم کرتے رہے ہیں۔ (۱۹) چنانچہ بہت سے قبطیوں نے اپنا آبائی دین محض اس لئے چھوڑ دیا کہ ان پر بھاری ٹیکس لگائے گئے تھے اور ان کو ناقابل برداشت ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لحاظ سے مصر کے قبطیوں اور شام، فلسطین اور اندلس کے ہم عصر عیسائیوں کی حالت میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ اس کی توجیہہ خود قبطی قوم کی سرکش اور شورش پسند خصلت سے ہوتی ہے۔ قبطیوں نے بزنطینی سلطنت کے سیاسی اور مذہبی استبداد کے خلاف جو جدوجہد ایک مدت دراز تک جاری رکھی تھی، اس نے ان کے درمیان جوشیلے اور متعصب لوگوں کی ایک قوی جماعت پیدا کر دی تھی، جس کو بیزنطینی حکومت کی طرح بیرونی عربوں کا تسلط بھی گوارا نہ تھا۔ لہذا ۶۴۶ء میں قبطیوں نے اپنے نئے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر دی، عربوں کی فوج کو اسکندریہ سے نکال دیا اور شہر کے دروازے بیزنطینی فوجوں کے لئے کھول دیئے۔ لیکن بیزنطینی فوجوں نے بدقسمت قبطیوں کو اپنا دشمن سمجھا، کیونکہ ان کو یہ بات ابھی تک فراموش نہیں ہوئی تھی کہ انہی لوگوں نے کچھ عرصہ پہلے مسلمان حملہ آوروں کا خیر مقدم کیا تھا۔ یہ بغاوت دیگر بغاوتوں کے ایک لمبے سلسلے کا سرآغاز ثابت ہوئی (۲۰)، جو بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے برپا ہوتی رہیں اور جن کی پاداش میں قبطیوں کو خوفناک سزائیں ملتی رہیں۔

ان اسباب سے مصر کے دیگر فرقوں اور اسلامی ملکوں کے عیسائیوں کے مقابلے میں مصر کے یعقوبی قبطیوں کی زندگی بہت دشوار ہوگئی۔ لیکن یہ واقعات مسلمانوں کی آزار رسانی اور عدم رواداری کی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ تاہم یہ ہرگز فرض نہیں کرنا چاہیے کہ قبطیوں کی حالت ہمیشہ ایک مظلوم قوم کی رہی ہے۔ اس کے برعکس ان پر ایسے دور بھی آئے ہیں جب وہ مملکت کے اہم اور جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ سرکاری دفتروں میں کاتب (سیکرٹری) اور محرر مقرر ہوئے، (۲۱) ان کو محاصل جمع کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا (۲۲)۔ چنانچہ انہوں نے بعض اوقات بے اندازہ دولت جمع کر لی (۲۳) ان کے کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ان کے بہت سے ایسے مذہبی پیشواؤں کی مثالیں ملتی ہیں جن کو مسلمان حکمرانوں کے ہاں بڑا اعزاز

Marfat.com

حاصل تھا اور وہ ان کے مورد الطاف رہے۔ ان سلاطین کے زمانے میں عیسائیوں کو کامل امن و امان حاصل رہا۔ (۲۴) کلیسا کے امن وامان کے اسی دور میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے بہت سے عیسائی قبطی مومنین کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

سلطان صلاح الدین کا عہد:

سلطان صلاح الدین کے عہد حکومت (۱۱۶۹ء تا ۱۱۹۳ء) میں مصر کے عیسائی لوگ اس کی رواداری کی بدولت بہت خوش حال تھے۔ جو ٹیکس ان پر لگائے گئے تھے، ان میں تخفیف کر دی گئی اور بعض بالکل موقوف کر دیئے گئے۔ سرکاری دفتروں میں کاتبوں، محاسبوں اور محافظوں کے عہدوں پر بکثرت قبطی مقرر ہوئے اور صلاح الدین کے جانشینوں کے زمانے میں تقریباً ایک سو سال تک ان کو بدستور مذہبی آزادی اور سلاطین کا لطف و کرم میسر رہا۔ ان کو اپنے مذہبی پیشواؤں کی رشوت ستانی اور خرابی کے سوائے اور کوئی شکایت نہ تھی۔ کلیسا کے منصبوں کو خریدنے اور فروخت کرنے کا دستور اس حد تک عام ہو چکا تھا کہ پادریوں کے عہدے جاہل اور بدکار لوگوں کے ہاتھ بیچ دیئے جاتے تھے اور اس مقدس منصب کے جو امیدوار اپنی تقرری سے پہلے مطلوبہ رقم ادا نہیں کر سکتے تھے، ان کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے باوجود حقارت سے رد کر دیا جاتا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت طاق نسیاں پر رکھ دی گئیں اور ان کی زندگی میں افسوس ناک تنزل آ گیا۔ (۲۵) کلیسا کی خرابی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جب ۱۲۱۶ء میں چوہترواں یعقوبی بطریک یوحنا انتقال کر گیا اور اس کے جانشین کے انتخاب کی ضرورت پیش آئی تو مخالف فریقین نے، جو حریف امیدواروں کی حمایت کر رہے تھے، بڑی تیزی اور تندی کے ساتھ اس جھگڑے کو بیس برس تک جاری رکھا جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ اس تمام عرصے میں ان کو نہ تو کسی فضیحت اور رسوائی کی پروا تھی اور نہ ہی اپنے شرمناک جھگڑے کے مضر نتائج کا کوئی احساس تھا، بلکہ ایک مدت دراز تک اس پارٹی بازی کو کمال سینہ زوری کے ساتھ قائم رکھا۔ حاکم وقت نے کئی مرتبہ مخالف فریقین کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے سلطان کو تین ہزار، پانچ ہزار تک بلکہ دس ہزار اشرفیوں تک رشوت دینی چاہی تاکہ وہ اپنے رعب حکومت سے کام لے کر ان کے امیدوار کو انتخاب میں کامیاب کرائے، لیکن سلطان نے نہ صرف اس رقم کے لینے سے انکار کیا بلکہ وہ نذرانہ بھی معاف کر دیا جو ہر نیا بطریک دستور کے مطابق اپنے انتخاب کے بعد سلطان کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ کیونکہ سلطان چاہتا تھا کہ عیسائی اپنے جھگڑے بالائے طاق رکھ کر آپس میں مصالحت کر لیں، مگر اس کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ اسی اثنا میں اسقفوں کے بہت سے عہدے خالی ہو گئے اور جو اسقف یا پادری اس عرصے میں فوت ہوئے، ان کی جگہ

Marfat.com

دوسرے آدمی مقرر نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدیس مکاریوس کی خانقاہ میں صرف چار راہب رہ گئے، حالانکہ گذشتہ بطریرک کے زمانے میں وہاں اسی سے زیادہ راہب رہتے تھے۔(۲۶) مغربی اضلاع کے عیسائیوں کی طرف سے ارباب کلیسا اس حد تک غافل ہوئے کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے (۲۷) قبطی کلیسا کے مورخ کا یہ وہ سادہ بیان ہے جس پر اضافہ کرنے کے لئے ہمارے پاس اور کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں، جس سے اس بات کا علم حاصل ہو سکے کہ مسلمانوں نے ان کو دائرہ اسلام میں لانے کے لئے کیا خاص کوشش کی تھی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کی تبلیغی کوششیں عمل میں آئیں، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ عیسائی لوگ برسرعام مناظرے کیا کرتے تھے اور دونوں حریف مذہبوں کی خوبیوں کے بارے میں تحریری مباحثوں میں حصہ لیتے تھے۔(۲۸) قبطیوں کا مذہب تبدیل کرنا جبر واکراہ کی وجہ سے نہ تھا، کیونکہ اس امر کی ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے کہ جس زمانے میں بطریرک کا منصب خالی تھا، عیسائیوں کو عبادت گزاری کی پوری آزادی حاصل تھی اور ان کو پرانے گرجے مرمت کرنے بلکہ نئے گرجے تعمیر کرنے کی بھی اجازت تھی، اور گھوڑے اور خچر کی سواری کے بارے میں ان پر جو پابندیاں عائد تھیں، ان سے ان کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ ان کے مقدمات ان کی اپنی عدالتوں میں فیصل ہوتے تھے، ان کے راہب جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے اور اس کے علاوہ ان کو دوسری مراعات بھی حاصل تھیں۔(۲۹)

یہ کہنا مشکل ہے کہ اس واقعے کو (جس میں بطریرک کا منصب ایک مدت تک خالی رہا) قبطیوں کے قبول اسلام کے سلسلے میں کہاں تک ایک مثالی واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ قبطی کلیسا کی غفلت کی اسی قسم کی ایک اور مثال کپوچن (۳۰) جماعت کے دو مبلغوں نے بیان کی ہے، جنہوں نے سترہویں صدی میں دریائے نیل کے کنارے الاقصر کے شہر تک سفر کیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ الاقصر کے قبطیوں کے ہاں کوئی پادری نہیں تھا اور بعض نے پچاس برس سے نہ تو اعتراف گناہ (۳۱) کیا تھا اور نہ ہی عشائے ربانی میں حصہ لیا تھا۔ پس ایسے حالات کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہے کہ قبطیوں کی تعداد میں کن اسباب سے کمی واقع ہوئی۔

اہل نوبہ سے مسلمانوں کے تعلقات:

غالباً اسی طرح کی غفلت نوبہ (۳۲) کے کلیسا کے زوال کا باعث ہوئی۔ یہ کلیسا اسکندریہ کے یعقوبی بطریرک کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا تھا، جیسے حبشہ کے لوگ اسے اب تک اپنا ہادی و مرشد سمجھتے ہیں۔ اہل نوبہ نے چھٹی صدی کے وسط کے قریب عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، اور جب عربوں نے مصر فتح کیا تو انہوں نے اپنی خودمختاری کو قائم رکھا، اور نوبہ اور مصر کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی شرائط یہ تھیں کہ نوبہ والے ہر سال تین سو ساٹھ

Marfat.com

غلام مصر بھیجیں گے اور ان کے علاوہ چالیس غلام حاکم مصر کے لئے روانہ کریں گے۔ ان کے عوض عرب اہل نوبہ کو غلہ، تیل اور کپڑے مہیا کریں گے۔ (۳۳) بعد ازاں خلیفہ معتصم (۸۳۳ء۔۸۴۲ء) نے اس عہد نامے کی تجدید کے لئے اپنے سفیر بھیجے، اور نوبہ کا بادشاہ دار الخلافہ میں آیا، جہاں اس کا بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوا اور اسے بہت سے قیمتی تحائف دیئے گئے۔ (۳۴) بارہویں صدی تک تمام اہل نوبہ ابھی تک عیسائی تھے۔ (۳۵) اور باوجودیکہ مصر والوں نے ان پر کئی بار چڑھائی کی لیکن اہل نوبہ نے اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا۔ (۳۶) شاہ نوبہ کے بھتیجے نے اپنے چچا کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے ساتھ لڑنے کے لئے ۱۲۷۵ء میں سلطان مصر سے فوج طلب کی۔ اس سپاہ کی مدد سے اس نے اپنے چچا کو تخت سے اتار دیا، اور اس امداد کے معاوضے میں اسے نوبہ کے دو شمالی صوبے سلطان مصر کی نذر کرنے پڑے۔ وہاں کے باشندوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا پسند کیا، اس لئے ان پر ایک دینار فی کس سالانہ کے حساب (۳۷) سے جزیہ لگا دیا گیا، لیکن مسلمانوں کی یہ حکومت عارضی ثابت ہوئی کیونکہ ان صوبوں کے لوگ جلد ہی خود مختار ہو گئے۔ (۳۸)

لیکن نوبہ میں عربوں کی آبادیاں کئی سو سال پہلے ہی قائم ہو چکی تھیں، نیل ازرق کے علاقے میں دسویں صدی میں عرب لوگ اپنی تعداد اور ثروت کے لحاظ سے اتنی ترقی کر چکے تھے کہ انہوں نے عیسائی حکومت کے صدر مقام سوبہ (۳۹) میں ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی۔ (۴۰) تیرھویں صدی میں اور خصوصاً چودھویں صدی کے آغاز سے نوبہ میں عربوں کی طرف سے ایک عام مداخلت شروع ہوگئی اور بہت سے عرب خصوصاً قبیلہ جہینہ کے لوگ نقل مکانی کر کے نوبہ میں آباد ہو گئے اور رفتہ رفتہ نوبہ کے حکمرانوں کی طاقت کو توڑنے میں کامیاب رہے۔ (۴۱) چودھویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں ابن بطوطہ (۴۲) لکھتا ہے (۴۳) کہ نوبہ کے باشندے اس کے زمانے میں ابھی تک عیسائی تھے، اگرچہ ان کے صدر مقام دنقلہ (۴۴) کا حکمران سلطان ناصر کے عہد میں مسلمان ہو چکا تھا (ناصر سے غالباً ناصر بن قلاؤن مراد ہے جو مصر کے مملوک سلاطین میں سے تھا اور جس نے ۱۳۴۰ء میں انتقال کیا)۔ اگرچہ مسلمان پندرہویں صدی تک نوبہ پر مسلسل طور پر چڑھائی کرتے رہے۔ لیکن ان کی فتوحات کا قدم دریائے نیل کی پہلی آبشار سے آگے نہ بڑھ سکا۔ (۴۵) ان کا آخری قلعہ اسی آبشار کے قریب تھا اور عیسائیوں کا علاقہ نیل کے کنارے شہر سنار تک پھیلا ہوا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی اختلافات نے آخر کار نوبہ کی عیسائی مملکت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے زوال کے اسباب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ عربی اور نیگرو قبیلوں نے اس کی سرحدوں پر حملے کئے تھے اور پندرہویں صدی میں اس کے قرب میں فونج کی طاقتور سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ (۴۶)

لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اس تمام عرصے میں نوبہ میں اسلام کی اشاعت مسلمان تاجروں اور دیگر لوگوں

Marfat.com

کے ذریعے سے جاری رہی، جو اس ملک میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مقریزی نے (جس کی تحریر کا زمانہ پندرہویں صدی کا آغاز ہے) ایک واقعہ بیان کیا ہے (۴۷) جس کا تعلق اشاعت اسلام سے ہے۔ اس قسم کے واقعات عرب مصنفین کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ یہ روایت ابن سلیم اسوانی کی ہے اور اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ یہ گویا اسلامی تبلیغ کی عملی کارگزاری کی ایک زندہ تصویر ہے۔ جس نومسلم کا اس روایت میں ذکر آیا ہے، وہ نہ تو عیسائی تھا اور نہ ہی نوبہ کا رہنے والا، تاہم اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ پندرہویں صدی میں نوبہ میں قبول اسلام کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ اسوانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ (شہر) مقرہ کے نوبی حکمران کے دربار میں ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ میں ایسے شہر سے آیا ہوں جو نیل سے تین ماہ کی مسافت پر ہے۔ جب اس سے اس کے مذہب کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ "میرا پروردگار اور تیرا پروردگار (رب) اللہ ہے۔ وہ کائنات کا اور تمام انسانوں کا واحد خالق ہے اور وہ آسمان میں رہتا ہے۔" جب کبھی مینہ نہیں برستا یا جب کبھی ہم میں وبا پھیل جاتی ہے یا ہمارے مال مویشی پر کوئی آفت آتی ہے تو ہمارے ملک والے ایک بلند پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔ ہماری دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور پیشتر اس کے کہ ہم پہاڑ سے اتریں، ہماری حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ جب اس نے تسلیم کیا کہ خدا نے ان کی طرف کوئی پیغمبر نہیں بھیجا تو ابن سلیم نے اسے حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور محمد (صلوات اللہ علیہم) کے قصے سنائے اور بتایا کہ انہوں نے توفیق الٰہی سے بہت سے معجزات دکھائے تھے۔ اس نے جواب دیا کہ "جب انہوں نے معجزات دکھائے تو وہ ضرور سچے ہوں گے، اور ان سے جو معجزات ظاہر ہوئے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔" (۴۸)

نوبہ میں اسلام کی اشاعت:

معلوم ہوتا ہے کہ اہل نوبہ آہستہ آہستہ بتدریج عیسائیت سے دور ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ (۴۹) ان کے کلیسا کی روحانی زندگی میں انتہائی انحطاط آ چکا تھا، اور چونکہ ان کے درمیان کوئی اصلاحی تحریک پیدا نہ ہوئی اور بیرونی ملکوں کے عیسائی فرقوں سے ان کے تعلقات منقطع ہو چکے تھے، اس لئے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ وہ اپنی روحانی تسکین دین اسلام میں تلاش کریں، جس کے پیروان کے درمیان ایک مدت سے اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ اسلام ایک زندہ قوت ہے جس نے ان کے اہل وطن میں سے بعض اشخاص کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا ہے۔ ایک پرتگالی پادری جس نے ۱۵۲۰ء سے لے کر ۱۵۲۷ء تک حبشہ کے ملک کی سیاحت کی تھی، ہمارے لئے اہل نوبہ کی ایک بڑی واضح کیفیت قلم بند کر گیا ہے، جب کہ وہ اس مذہبی انقلاب کے دور سے گزر رہے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ نوبہ کے رہنے والے نہ عیسائی ہیں، نہ یہودی اور نہ مسلمان۔ ان کا نہ کوئی دین ہے اور نہ

Marfat.com

آئین، لیکن اس کے باوجود وہ عیسائی بننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اپنے مذہبی پیشواؤں کی غفلت کی وجہ سے وہ انتہائی جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور اب ان کے ہاں کوئی اسقف یا پادری باقی نہیں رہا۔ لہٰذا انہوں نے حبشہ کے بادشاہ کے پاس چھ آدمیوں کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ ان کی تعلیم و تلقین کے لئے پادری اور راہب بھیجے جائیں، لیکن بادشاہ نے اسکندریہ کے بطریرک کی اجازت کے بغیر مذہبی معلم بھیجنے سے انکار کر دیا، اور چونکہ بطریرک کی اجازت حاصل نہ ہو سکی، اس لئے نوبہ کے بدقسمت سفیر اپنے وطن کو بے نیل مرام واپس آئے۔(۵۰) ایک عیسائی نے جو نوبہ کے ملک میں سفر کر چکا تھا، اسی پرتگالی مصنف کو بتایا کہ اس نے نوبہ میں ایک سو پچاس گرجے دیکھے تھے اور ان میں سے ہر ایک گرجے کی دیواروں پر مسیح مصلوب، مریم عذراء اور اولیاء کی تصویریں منقوش نظر آتی تھیں۔ تمام قلعوں میں بھی، جو ملک بھر میں جابجا پائے جاتے تھے، گرجے موجود تھے۔(۵۱) لیکن آئندہ صدی کے ختم ہونے سے پہلے عیسائی مذہب نوبہ کے ملک سے مذہبی معلموں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ناپید ہو چکا تھا۔ اگرچہ گرجے بند پڑے تھے لیکن ابھی تک تمام ملک میں موجود تھے۔(۵۲)

اہل نوبہ آخر کار ان قوی اسلامی اثرات سے مغلوب ہو گئے جو ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اور وہ مسلمان جو اس کے ملک میں صدیوں سے آمد و رفت رکھتے تھے، ان کی تبلیغی کوششیں بلاشبہ اس پر مستزاد تھیں۔ نوبہ کے شمال میں مصر کا ملک واقع تھا اور عربی قبیلے آباد تھے جو دریائے نیل کے کنارے اپنا تسلط بڑھا رہے تھے۔(۵۳) جنوب میں بیلو قوم کی اسلامی ریاست تھی جو ان کو حبشہ سے جدا کرتی تھی۔ سولھویں صدی کے ابتدائی حصے میں بیلو کی یہ قوم باوجود مسلمان ہونے کے حبشہ کی عیسائی مملکت کی باجگزار تھی۔(۵۴) اگر یہ قوم وہی ہے جس کو بلیون کہا گیا ہے اور جس کو ادریسی نے بارھویں صدی میں اس کی ہمسایہ قوم باجہ کے ہمراہ (جو جزیرۂ میرو کے باشندے تھے) مذہباً یعقوبی بتلایا ہے۔(۵۵) تو وہ غالباً چند برس پہلے مسلمان ہوئی ہوگی۔ باجہ قوم کے لوگ بھی اسی زمانے میں مسلمان ہوئے ہوں گے جو فونج کی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے گئے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب فونج کی سلطنت نے اپنی فتوحات کا دائرہ (۱۴۹۹ء تا ۱۵۳۰ء) جنوب کی طرف سے نوبہ اور حبشہ کی سرحدوں تک وسیع کیا تھا اور سنار کی عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔ بعد ازاں جب احمد گراں کا لشکر حبشہ پر حملہ آور ہوا اور جنوب سے شمال کی طرف اپنا راستہ بناتا ہوا تمام ملک کو طے کر گیا، تو وہ ۱۵۳۴ء کے قریب سلطان نراگا کے لشکر کے ساتھ جا ملا۔ نراگا کا علاقہ حبشہ اور سنار کے درمیان تھا اور یہاں کا سلطان مسلمان تھا لیکن حبشہ کا باجگزار تھا۔ اس سلطان کی فوج میں نوبہ کے پندرہ ہزار سپاہی شامل تھے اور ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔(۵۶) اہل نوبہ کے تبدیل مذہب کے متعلق مذکورہ بالا بیان ناکافی اور نامکمل ہے، لیکن ہمیں اتنا ضرور معلوم ہے کہ نوبہ والے خود مختاری کے دلدادہ تھے اور انہوں نے عیسائیت کے ساتھ اس وقت تک

Marfat.com

تمسک کیا جب تک یہ مذہب ان کے درمیان زندہ رہا۔اس سے ہم یقین کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کے مذہب کی تبدیلی تدریجی طور پر عمل میں آئی اور یہ عمل کئی صدیوں تک جاری رہا۔

حبشہ میں اشاعت اسلام:

اب ہم حبشہ میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ حبشہ کے لوگوں نے نوبہ والوں سے دو صدی پہلے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا اور ان کی طرح وہ بھی یعقوبی کلیسا کے پیرو تھے۔

بحر احمر کے مغربی سواحل، جو حبشہ کی مملکت میں شامل تھے، ان کی سمت میں عربوں کی ہجرت ظہور اسلام کے کئی سو سال بعد شروع ہوئی۔ دسویں صدی عیسوی تک صرف چند مسلمان خاندان تھے جو حبشہ کے ساحلی شہروں میں آباد تھے۔ لیکن بارہویں صدی کے اختتام پر وہاں ایک عربی حکمران خاندان برسر اقتدار آیا جس نے چند ساحلی اضلاع مملکت حبشہ کے قبضے سے نکال لیئے۔ ۱۳۰۰ء میں ایک مبلغ، جس کا نام ابوعبداللہ محمد تھا، حبشہ میں جا پہنچا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ دوسرے سال اس نے دو لاکھ آدمی اپنے گرد جمع کر لیئے اور امحرہ کے حاکم پر کئی بار حملہ کر کے اس کے ساتھ معرکہ آرائی کی۔ (۵۷) شاہ سیفہ ارعاد (۱۳۴۲ء تا ۱۳۷۰ء) نے اپنی مملکت کے مسلمان باشندوں کے خلاف سخت کارروائی کی۔ جن لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کرنے سے انکار کیا، اس نے ان کو مروا ڈالا یا ملک سے نکال باہر کیا۔ (۵۸) اسی چودہویں صدی کے خاتمے پر حبشہ کی خانہ جنگیوں سے ملک میں جو بدنظمی اور پریشانی پیدا ہوئی، اس کی وجہ سے ساحل کی عربی بستیاں تمام ساحلی علاقے کی مالک بن گئیں اور انہوں نے حبشہ والوں کو اندرون ملک میں دھکیل دیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شاہ بائدہ ماریام (۱۴۶۸ء۔ ۱۴۷۸ء) نے اپنے عہد حکومت کا اکثر حصہ ان مسلمانوں کے ساتھ جنگ و جدل میں گزار دیا جو اس کی مملکت کی مشرقی سرحد پر رہتے تھے۔ (۵۹) سولھویں صدی کے ابتدائی حصے میں ادل کی طاقتور ریاست کے علاوہ (جو حبشہ اور جنوبی بحر احمر کے درمیان واقع تھی) دوسرے لوگ بھی تھے جو حبشہ کی عیسائی سلطنت کے سخت دشمن تھے، لیکن اس کے برعکس بعض ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے پر امن باجگزار تھے، مثلاً مصوع میں ایسے عرب بھی موجود تھے جو حبشی سرداروں کے مویشیوں کے گلوں کو چراتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ تیس تیس چالیس چالیس کے گروہوں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور ہر ایک گروہ کے ساتھ ایک عیسائی کپتان یعنی سالار رہوا کرتا تھا۔ (۶۰) بعض ایسے مسلمانوں کا بھی ذکر آیا ہے جو شاہ حبشہ کی ملازمت میں تھے اور بادشاہ نے ان کو بعض اہم عہدوں پر مقرر کر رکھا تھا۔ (۶۱) ان مسلمانوں میں سے بعض دین اسلام پر ثابت قدم رہے اور بعض نے ملک کے مروجہ مذہب (یعنی عیسائیت) کو اختیار کر لیا۔ یہ بات معلوم کرنی دشوار ہے کہ یہ مسلمان جماعتیں کس لحاظ سے شاہ حبشہ کی باجگزار

Marfat.com

تھیں۔ حدیا کے مسلمان ہر سال علاوہ خراج کے شاہ حبشہ کو ایک دوشیزہ بھی پیش کرتے تھے جو عیسائی بنالی جاتی تھی۔ یہ رسم ایک قدیم معاہدے کے مطابق جاری تھی اور شاہ حبشہ ہمیشہ خیال رکھتا تھا کہ مسلمان اس رسم کے پابند رہیں۔" کیونکہ بادشاہ ان سے زیادہ زبردست تھا۔" اس کے علاوہ مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے یا جنگی لباس پہننے کی ممانعت تھی، اور انکو حکم تھا کہ اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو ان پر زین نہ لگائیں، مسلمان کہتے تھے کہ "ہم نے ان احکام کی ہمیشہ پابندی کی ہے تاکہ بادشاہ ہم کو قتل نہ کرے اور ہماری مسجدوں کو برباد نہ کرے۔ جب بادشاہ دوشیزہ اور خراج لینے کے لئے اپنے آدمی بھیجتا ہے تو ہم اس عورت کو غسل دیتے ہیں، چارپائی پر لٹادیتے ہیں اور پھر اسے چادر سے ڈھانپ دیتے ہیں۔ پھر ہم اس پر ایسی دعائیں پڑھتے ہیں جو میت پر پڑھی جاتی ہیں اور اسے بادشاہ کے آدمیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہمارے آباءواجداد یہی کرتے چلے آئے ہیں۔" (۶۲)

مسلمانوں کی یہ باجگزار ریاستیں بیشتر مملکت حبشہ کی شمالی سرحد کے نشیبی علاقوں میں تھیں۔ یہ بحر احمر سے مغرب کی طرف سنار (۶۳) تک پھیلی ہوئی تھیں اور بعض سلطنت کے جنوب اور جنوب مشرق میں واقع تھیں۔ (۶۴) اس بات کا فیصلہ محض قیاس پر مبنی ہے کہ ان ریاستوں کے مسلمانوں نے جو عیسائیوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتے تھے ان پر کیا اثر ڈالا اور موجودہ صدی کی طرح وہ عیسائیوں کو مسلمان کرتے تھے یا نہیں؟

احمد گراں کی فتوحات:

مگر یہ بات یقینی ہے کہ جب ادل (۶۵) کے خود مختار حکمران احمد گراں نے (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایجو کے ایک پادری کا بیٹا تھا، جس نے ترک وطن کر کے ادل کے ملک میں اسلام اختیار کر لیا تھا) حبشہ پر چڑھائی کی (۱۵۲۸ء تا ۱۵۴۳ء) تو بہت سے حبشی سردار اپنے متعلقین سمیت احمد کی فوج ظفر موج میں شامل ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ بعض اضلاع کی عیسائی آبادی نے جزیہ (۶۶) دینا مناسب سمجھا مگر دوسرے عیسائیوں نے فاتح کا مذہب قبول کر لیا۔ (۶۷) لیکن ایک ہم عصر مسلمان مؤرخ لکھتا ہے کہ بعض صورتوں میں یہ تبدیل مذہب خوف کا نتیجہ تھا اور نو مسلموں کے قبول اسلام اور ان کے اخلاص کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ (۶۸) لیکن یہ کیفیت بظاہر عام نہ تھی، کیونکہ بعض علاقوں میں لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ قبول اسلام ملک کی ایک عام اور ہر دلعزیز تحریک معلوم ہوتی ہے۔ جو عیسائی سردار مسلمان ہوئے انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے سپاہیوں کو بھی قبول اسلام کی ترغیب دی۔ بعض صورتوں میں یہ عیسائی سردار اپنے دین سے بالکل ناواقف تھے۔ (۶۹) اس لئے مذہب کی تبدیلی ان کے لئے کوئی دشوار کام نہ تھا۔ ان کے تبدیل مذہب میں خاص کر وہ مسلمان سردار بھی ممد و معاون ثابت ہوئے، جو اس سے پیشتر شاہ حبشہ کی ملازمت میں داخل ہو چکے

Marfat.com

تھے۔ ان کے علاوہ ان عیسائیوں نے بھی، جو زمانہ سابق میں مسلمان رہ چکے تھے، مسلمان فوج کی کامیابی سے فائدہ اٹھا کر عیسائی مذہب اور عیسائی بادشاہ دونوں کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ (۷۰)

اس قسم کے لوگوں میں سے ایک سردار نے ۱۵۳۱ء میں احمد گراں کے نام مفصلۂ ذیل خط لکھا: "میں پہلے مسلمان تھا اور مسلمان کا بیٹا تھا، لیکن مشرکوں نے مجھے قید کر لیا اور جبراً عیسائی بنا لیا۔ لیکن میں نے اپنے دل میں ہمیشہ سچے دین کو جگہ دی ہے اور اب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اور تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ اگر تم میری توبہ قبول کرو اور جو کچھ ہو گزرا ہے، اس کی عقوبت سے مجھے معاف رکھو، تو میں ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کروں گا اور ایسی تدبیر اختیار کروں گا، جس سے بادشاہ کے وہ سپاہی، جو میرے ہمراہ ہیں، تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں اور مسلمان ہو جائیں"۔ غرض کہ اس سردار کی فوج کے اکثر سپاہیوں نے اس کی پیروی کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد عورتوں اور بچوں سمیت بیس ہزار تھی۔ (۷۱)

لیکن پرتگالیوں کی مدد سے حبشہ والے مسلمان فاتحین کا جوا اتارنے میں بالآخر کامیاب رہے اور خود احمد گراں ۱۵۴۳ء میں مارا گیا، (۷۲) لیکن اسلام نے ملک میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ اور چونکہ سولھویں صدی کے باقی حصے میں اور آئندہ صدی میں بھی ملک کی حالت پر آشوب رہی، اس لئے اسلام کے قدم بدستور مضبوط رہے۔ مختلف عیسائی فرقے آپس میں دست و گریبان رہتے تھے، اس لئے وہ اپنے مشترک دشمن کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ یسوعی جماعت کے مبلغ اور دیگر رومن کیتھولک لوگ اہل حبشہ کو (یعقوبی کلیسا سے ہٹا کر) اپنے مسلک پر لا رہے تھے، اس کے علاوہ پرتگالی ملک کے تمام انتظامی اور سیاسی معاملات میں دست اندازی کر رہے تھے۔ اس سے حبشہ کے عوام میں ان کی مخالفت کا شدید جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اور یہ جوش اتنا سخت تھا کہ بعض حبشی سرداروں نے علی الاعلان کہا کہ ہم کسی مسلمان کی اطاعت قبول کر لیں گے لیکن ہمیں پرتگالیوں کا اتحاد منظور نہیں۔ (۷۳) ان اسباب سے جو تحریک جاری ہوئی وہ نیم مذہبی اور نیم سیاسی تھی (جس سے یعقوبی عقائد کے علاوہ قومی خود مختاری کی حفاظت مقصود تھی) اور یہ تحریک پھیل کر اتنی عالمگیر ہوئی کہ (۱۶۳۲ء کے قریب) پرتگالیوں اور غیر ملکی عیسائیوں کو ملک سے نکال دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ملک میں خوفناک بدنظمی اور پریشانی رونما ہوئی، اور گالا قوم کے چند قبیلے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر حبشہ میں داخل ہو گئے، اور ملک کے عین وسط تک جا پہنچے جہاں ان کی بستیاں آج تک موجود ہیں۔

مسلمانانِ حبشہ کی اخلاقی برتری:

اس زمانے میں اسلام نے جو ترقی کی، اس کا اندازہ سترہویں صدی کے ایک سیاح کی شہادت سے

Marfat.com

ہوسکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں پیروان اسلام تمام حبشہ میں پھیلے ہوئے تھے اور کل آبادی (۷۴) کا ایک تہائی حصہ تھے۔(۷۵) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں متفرق افراد کے قبول اسلام سے رسول عربی ﷺ کا دین برابر ترقی کرتا گیا۔ چونکہ ملک میں کوئی مضبوط مرکزی حکومت نہ تھی اس لئے کئی خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں جن کے بہت سے سرداروں کو مسلمانوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ ملک کے ایک بنیادی آئین کے مطابق ہر ایک حکمران کا عیسائی ہونا ضروری تھا۔ اس لئے ان مسلمانوں نے، جو طبقہ امراء کا درجہ حاصل کرنا چاہتے تھے، اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا اور ظاہر کیا کہ ہم عیسائی ہوگئے ہیں تاکہ وہ ارکان دولت کے طبقے میں شمار ہوسکیں۔ جب وہ کسی عیسائی صوبے کے حاکم مقرر ہوتے تھے تو اپنا اثر و رسوخ اشاعت اسلام کے حق میں استعمال کرتے تھے۔(۷۶) اسلام کے فروغ کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ حبشہ کے عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمان اخلاقی برتری رکھتے تھے۔ روپل لکھتا ہے کہ میں نے حبشہ میں اپنی سیاحت کے دوران میں اکثر اوقات یہ بات دیکھی ہے کہ جب کسی خالی منصب کے لئے کسی ایمان دار اور قابل اعتماد شخص کو منتخب کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، تو اس کے لئے ہمیشہ کسی مسلمان کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمان زیادہ چست و چالاک تھے اور ہر مسلمان اپنے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔ اس کے برعکس عیسائی اپنے بچوں کو صرف اسی صورت میں تعلیم دیتے تھے جب ان کو پادری بنانا مقصود ہوتا تھا۔(۷۷)

اسلام کی ترقی اٹھارویں صدی میں:

عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو جو اخلاقی برتری حاصل تھی، اس سے اس امر کی توجیہ ہوتی ہے کہ اسلام نے حبشہ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں کیسے بتدریج مسلسل ترقی کی۔ کلیسا کے پیشواؤں کی اخلاقی پستی اور بے حسی، نیز حبشہ کے امراء کی غیر متناہی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اسلامی اثرات بلا کسی مزاحمت کے اپنا کام کرتے رہے۔ مسٹر پلاؤڈن، جو ۱۸۴۴ء سے لے کر ۱۸۶۰ء تک حبشہ میں انگریزی کونسل رہا تھا، حباب قوم کا ذکر کرتا ہے جو تگرے نسل کے ان تین قبیلوں پر مشتمل ہے جو مصوع کے شمال مغرب کی طرف آباد ہیں۔ وہ لکھتا ہے یہ تمام لوگ گزشتہ سو سال کے اندر مسلمان ہوئے ہیں اور سوائے نئی پود کے تمام لوگوں کے نام ابھی تک عیسائی ہیں۔ انہوں نے اپنا مذہب ان مسلمانوں کے مسلسل اثر سے تبدیل کیا ہے جن کے ساتھ وہ تجارت کرتے رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حبشی امراء نے رفتہ رفتہ ملک کو قطعی طور پر چھوڑ دیا ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے ہیں۔(۷۸) ان کے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کے ایک سردار نے، جس کا نام جاوتج تھا، عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، کیونکہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ اسلام باعث برکت ہے، اور اس سے لمبی زندگی

Marfat.com

حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس نے اپنے پادری سے کہا کہ "تابوت کو پارہ پارہ کردو۔"(۷۹) پادری نے جواب دیا کہ "میں مریم کے تابوت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔" اس پر جاوتج نے کلھاڑی کے وار سے تابوت کو اپنے ہاتھ سے پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد پادریوں نے بھی اسلام اختیار کر لیا اور ان کی تمام اولاد آج تک قبیلے کی سرداری چلی آ رہی ہے۔(۸۰)

اسی زمانے میں حبشہ کے شمالی اضلاع کے باشندوں کے بعض طبقوں نے بھی اسی طرح اسلام اختیار کیا، کیونکہ مذہبی رہنماؤں نے ان اضلاع کو چھوڑ دیا تھا اور گرجے کسمپرسی کی حالت میں کھنڈر بن گئے تھے، اور یہ سب کچھ ارباب کلیسا کی غفلت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ ان علاقوں کے مسلمان ہرگز متعصب نہیں تھے اور نہ ہی عیسائیت کے ساتھ ان کو کوئی خاص خصومت تھی۔(۸۱) انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں اسلام نے جو ترقی کی، اس کی شہادت دوسرے سیاحوں نے بھی دی ہے۔(۸۲) انہوں نے دیکھا کہ بہت سے عیسائی مسلسل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ راس علی مسلمانوں پر خاص طور پر مہربان تھا۔ وہ حبشہ کے صوبے داروں میں سے تھا اور شاہ تھیوڈور کی تخت نشینی (۱۸۵۳ء) سے پہلے عملی طور پر وہی ملک کا حاکم تھا۔ اگرچہ وہ خود عیسائی تھا لیکن اس نے نہ صرف مملکت کے عہدوں اور منصبوں کو بلکہ گرجاؤں کے مال کو بھی پیروان اسلام میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد حکومت میں ملک کے وسطی اضلاع کی آدھی آبادی مسلمان ہوگئی۔(۸۳) سرزمین حبشہ میں نخل اسلام کی جڑیں ایسی راسخ ہو چکی تھیں کہ ملک کی تمام تجارت اور سارا بیوپار مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بڑی بڑی جائدادیں رکھتے تھے اور بڑے بڑے شہروں اور مرکزی منڈیوں کے مالک تھے اور تمام عوام میں ان کا بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ایک عیسائی مشنری، جو اس ملک میں پینتیس برس تک مقیم رہا تھا، مسلمان مبلغوں کی کامیابی اور سرگرمی سے بے حد متاثر ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اگر ایک احمد گراں اور پیدا ہو جائے اور اسلام کا علم بلند کرے، تو حبشہ کا تمام ملک مسلمان ہو جائے۔(۸۴)

مسلمانان حبشہ پر ظلم و ستم:

حبشہ کا ملک مصر کے ساتھ ۱۸۷۵ء سے لے کر ۱۸۸۲ء تک برسر پیکار رہا۔ حکومت مصر کے ساتھ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل حبشہ کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی اور ملک کے بیرونی دشمنوں کے خلاف اس نفرت کا اثر حبشہ کے مسلمانوں پر بھی پڑا۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء میں شاہ جان (یوحنا) نے حبشہ کے مذہبی پیشواؤں کی ایک مجلس بلائی جس نے یہ اعلان کیا کہ مذہبی معاملات میں بادشاہ کا فیصلہ قطعی ہے اور حکم دیا کہ تمام مملکت میں صرف ایک مذہب ہونا چاہیے۔ یعقوبی فرقے کے سوائے ملک میں جتنے عیسائی فرقے تھے، ان کو دو سال کی مہلت دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اس عرصے کے اندر اندر قومی یعنی یعقوبی کلیسا کے عقائد اختیار کر لیں۔

Marfat.com

Marfat.com

ہو چکے ہیں۔ منسع کے دو قبیلے انیسویں صدی کے وسط میں کلیتًا عیسائی تھے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ بیسویں صدی کی ابتدا میں اسلام اختیار کر چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی پادریوں کی جہالت نے مسلمان مبلغین کے کام کو آسان بنا دیا ہے۔ دیگر قبیلوں میں بھی اشاعت اسلام کا کام اسی انداز سے جاری ہے۔ (۹۱)

شمالی افریقہ میں اشاعت اسلام:

اب ہم شمالی افریقہ کی تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں ساتویں صدی عیسوی میں عرب لوگ شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف اپنی فتوحات کو بڑھا رہے تھے۔ عربوں نے مصر کو آسانی سے فتح کر لیا تھا، کیونکہ وہاں کے بہت سے باشندوں نے بیزنطینی حکومت کو ختم کرنے میں ان کی مدد کی تھی، لیکن شمالی افریقہ کے دیگر حصوں میں انہیں خون ریز جنگیں لڑنی پڑیں۔ رومیوں اور بربروں نے مدت دراز تک ان کی سخت مزاحمت کی اور ان کی فتوحات کے راستے میں حائل رہے۔ لہذا نصف صدی گزرنے سے پہلے عرب لوگ افریقہ کے شمالی ساحل پر یعنی مصر سے لے کر بحر اوقیانوس کے کنارے تک پورے طور پر مسلط نہ ہو سکے۔ آخر کار ۶۹۸ء میں کارتھیج (۹۲) (قرطاجنہ) کی فتح سے افریقہ میں رومی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور بربروں کو مغلوب کرنے کے بعد عرب اس ملک کے قطعی طور پر مالک بن گئے۔

ان کشور کشائیوں کی تفصیلات بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ وہاں کی عیسائی آبادی میں اسلام کیسے اور کس طریق سے پھیلا۔ مگر بدقسمتی سے اس مقصد کے لئے جو ذرائع معلومات ہمیں میسر ہیں، وہ افسوس ناک حد تک قلیل اور ناکافی ہیں۔ افریقہ کا وہ عظیم الشان کلیسا، جس نے کئی اولیاء اور علمائے دین پیدا کئے تھے، اس کا آخر کار کیا انجام ہوا؟ ترتلیان (۹۳) سپریان اور سینٹ آگسٹین کا کلیسا، جو اتنے ظلم وستم برداشت کرنے کے باوجود آخر کار کامیاب رہا تھا اور جس نے صحیح العقیدہ عیسائیت کی بڑی پر زور حمایت کی تھی، اسلام کی آندھی کے سامنے غبار بن کر اڑ گیا۔

قطعی معلومات کی عدم موجودگی میں عیسائی آبادی کے معدوم ہونے کی عام طور پر یہ توجیہہ کی جاتی ہے کہ مسلمان فاتحین نے اس پر ظلم وستم کیا تھا اور اس کو جبراً مسلمان بنایا تھا۔ لیکن اس مسئلے کو جس سرسری طور پر حل کیا گیا ہے، اس پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو غور طلب ہیں۔ سب سے اول یہ کہ اس دعوے کی تائید میں کوئی قطعی شہادت موجود نہیں۔ ایک خون ریز اور طویل جنگ کے دوران میں قتل وغارت، تباہی و بربادی اور دیگر آفات ومصائب کی کثرت رہی ہے، لیکن اس بات کا کہیں ذکر نہیں ملتا کہ محض اختلاف مذہب کی بناء پر کسی پر جور وستم کیا گیا ہو۔ مقامی کلیسا عرب فتوحات کے بعد بھی آٹھ صدی سے زیادہ عرصے تک باقی رہا۔ اس سے فاتحین کی اس رواداری کا ثبوت ملتا ہے جس کے بغیر یہ کلیسا ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

Marfat.com

کلیسا کے انحطاط کے اسباب:

جن اسباب سے شمالی افریقہ میں عیسائی مذہب کو زوال آیا، ان کو مسلمانوں کے تعصب کی بجائے کہیں اور تلاش کرنا چاہیے۔ لیکن ان اسباب کا کھوج لگانے سے پہلے اس بات کو ذہن نشین رکھنا مناسب ہوگا کہ ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں (جب عربوں کی فتوحات کا آغاز ہوا) عیسائی آبادی کی تعداد بہت قلیل تھی۔ اسلامی حکومت میں اس آبادی کا وجود و بقا اس بات کی دلیل ہے کہ فاتحین کی طرف سے جبر واکراہ سے کام نہیں لیا گیا۔ ہاں عربوں کو اگر شمالی افریقہ میں کثیر التعداد عیسائی اور خوش حال کلیسا ملتا تو پھر اس قیاس کو ثابت کرنا دشوار تھا کہ عربوں نے اپنی فتوحات کے آغاز میں عیسائیوں کو بجبر مسلمان نہیں کیا۔

افریقہ میں عیسائیوں کی آبادی صرف رومی صوبہ جات تک محدود تھی اور یہ صوبہ جات جنوب کی سمت میں صحرائے اعظم کی وجہ سے دور تک وسیع نہ تھے۔ اس آباد ساحلی علاقے کا عرض شاذ و نادر ہی اسی یا سو میل سے زیادہ تھا۔ (۹۴) گو وہاں وانڈل قوم کی فتح سے پہلے اساقفہ کے پانچ سو علاقے تھے لیکن یہ تعداد عیسائی آبادی کے شمار کا معیار قرار نہیں دی جاسکتی، کیونکہ افریقی کلیسا کا دستور تھا کہ بہت چھوٹے شہروں اور گم نام دیہات میں بھی اکثر اوقات اسقف مقرر کر دیئے جاتے تھے۔ (۹۵) اور یہ بات مشکوک ہے کہ عیسائی مذہب نے اندرون ملک میں بربری قبائل کے ہاں کبھی اشاعت پائی تھی۔ (۹۶) پانچویں صدی میں جب رومی سلطنت میں تنزل آیا تو اس عظیم قوم کے مختلف قبیلے، جو رومیوں کے ہاں مور، نومیڈین اور لبیان کے ناموں سے مشہور تھے، جنوب کی طرف سے ٹڈی دل کی طرح بڑھے، اور انہوں نے ساحل کے دولت مند شہروں کو تاخت و تاراج کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ یہ حملہ آور یقیناً بت پرست تھے۔ چنانچہ لیبیا والوں نے گرجاؤں کو لوٹا اور جلایا اور وہاں کے متبرک ظروف اپنی بت پرستی کی رسوم کی ادائیگی کے لئے لے گئے۔ سنے سیوس ساکن سرینی نے اس غارت گری کا بڑی جگر سوزی سے ذکر کیا ہے۔ (۹۷) اس تاخت و تاراج کے بعد سری نیکا (برقہ) کا صوبہ کبھی سرسبز نہ ہو سکا، اور عیسائی مذہب غالباً اس صوبے سے عربوں کی لشکر کشی سے پہلے ہی مفقود ہو چکا تھا۔ طرابلس کے صوبے میں ایک بربری سردار وانڈل قوم کے بادشاہ تھوریس منڈ کے ساتھ برسر جنگ تھا، لیکن اس نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کا احترام کیا، حالانکہ وانڈل لوگ ان سے پہلے ان کے ساتھ سخت بدسلوکی کر چکے تھے۔ تاہم اس سردار نے اس قول سے اپنی بت پرستی کا اظہار کیا کہ "میں نہیں جانتا کہ عیسائیوں کا خدا کون ہے، لیکن اگر وہ ایسا ہی قوی ہے جیسا کہ اسے ظاہر کیا جاتا ہے، تو وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو اس کی توہین کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی عزت کرتے ہیں۔ (۹۸)" غالباً موریتانیا کے صحرانورد قبائل کے اکثر لوگ بھی بت پرست تھے۔

"شمالی افریقہ میں مسیحی کلیسا کے دائرہ اثر کی وسعت خواہ کچھ ہی ہو، وانڈل قوم کے ظلم و ستم سے اسے ایسا

Marfat.com

نقصان پہنچا، جس کی کبھی تلافی نہ ہوسکی۔ تقریباً ایک سو سال تک وانڈل قوم کے ارباب حکومت نے، جو آریوس کے مذہب پر کاربند تھے، (۹۹) آرتھوڈوکس فرقے پر بڑی سنگ دلی کے ساتھ جور وستم کئے۔ ان کے اسقفوں کو جلا وطن کیا، انہیں اپنے مذہب کی علانیہ عبادت کی ممانعت کردی اور جن لوگوں نے فاتحین کے آرین عقائد اختیار کرنے سے انکار کیا، ان کو بے رحمی کے ساتھ اذیتیں پہنچائیں۔ (۱۰۰) جب ۵۳۴ء میں بیلی ساریوس (رومی سپہ سالار) نے وانڈل کی طاقت کو کچل ڈالا اور شمالی افریقہ کو دوبارہ رومی سلطنت میں شامل کرلیا، تو کارتھیج کی مجلس علمائے دین میں صرف دو سو سترہ اسقف جمع ہوسکے۔ (۱۰۱) تا کہ کلیسا کا انتظام اور عوام کی رہنمائی کا کام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے سکیں۔ جو وحشیانہ مظالم عیسائیوں کو مدت دراز تک اٹھانے پڑے تھے، انہوں نے ان کی تعداد کو بہت کم کردیا ہوگا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے جو صدی گزری تھی، اس میں ماریتانیا کے وحشی باشندوں نے حملے کرکے رومیوں کو شہروں اور آبادی کے دوسرے مرکزوں میں بند کردیا تھا اور پہاڑوں، صحراؤں اور کھلے میدانوں پر خود قبضہ کرلیا تھا۔ (۱۰۲) اس کے علاوہ بدنظمی عام تھی، اور اس پر وہ تباہ کن وبائیں مستزاد تھیں جو چھٹی صدی کے نصف ثانی میں پھوٹ پڑیں۔ الغرض ان سب آفتوں اور مصیبتوں نے مل کر ملک کی تباہی اور بربادی کو جاری رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی افریقہ کے پچاس لاکھ عوام قیصر یوستین کے عہد کی لڑائیوں میں مارے گئے یا اس کی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کسی زمانے میں شہروں میں زراعت اور تجارت کی گرم بازاری تھی، لیکن اب متمول لوگوں نے ملک کو خیرباد کہہ دیا، کیونکہ وہاں کی تجارت اور زراعت دونوں برباد ہوچکی تھیں اور ان کی بحالی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ غرضیکہ افریقہ کی بربادی اور ویرانی کا یہ عالم تھا کہ ملک کے بہت سے علاقے ایسے بھی تھے جہاں اگر کوئی اجنبی شخص کئی دن تک سفر کرتا، تو اسے کہیں کسی دوست یا دشمن کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ وانڈل قوم معدوم ہوچکی تھی، حالانکہ ایک زمانے میں ان کے بچوں، عورتوں اور غلاموں کو چھوڑ کر ان (کے جنگجو بہادروں) کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ لیکن جو بربری خاندان اس جنگ میں مرکھپ گئے، ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ اسی قسم کی تباہی بطور انتقام رومیوں اور ان کے حلیفوں پر بھی نازل ہوئی، جو آب و ہوا کی خرابی، باہمی مناقشات اور وانڈل قوم کے غیظ وغضب کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔" (۱۰۳)

جب عربوں کی فوج ظفر موج مصر سے شمالی افریقہ کے دیگر ممالک فتح کرنے کے لئے مغرب کی جانب بڑھی تو اس سے ایک سال پیشتر، یعنی ۶۴۶ء میں، افریقی کلیسا میں، جس نے کئی مرتبہ بڑی دلیری سے عیسائی مذہب کی پاکیزگی کی حمایت وحفاظت کی تھی، مشیت مسیح کے مسئلے پر ایک زبردست ہیجان پیدا ہوچکا تھا۔ (۱۰۴) لیکن جب کارتھیج کے چار علاقوں یعنی ماریتانیا، نیومیڈیا، بزاسینا اور افریقہ کے اسقفوں نے اس مسئلے کی تردید کے لئے مجلسیں منعقد کیں اور قیصر روم اور بابائے رومہ کو ان مجالس کی طرف سے خطوط لکھے تو اس موقع پر افریقہ کی

Marfat.com

نمائندگی کے لئے کارتھیج میں صرف اڑسٹھ اسقف جمع ہوئے، اور بیالیس اسقفوں نے بزاسینا کے ضلع کی نمائندگی کی۔ دیگر اضلاع کے نمائندوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی، لیکن ان دو ضلعوں کی عیسائی آبادی نے بلاشبہ دوسرے اضلاع کی بہ نسبت زیادہ نقصان اٹھایا تھا جو دارالحکومت سے نزدیک تر تھے۔ (۱۰۵)۔ یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس اہم موقع پر کوئی اسقف غیر حاضر رہا ہو، جب کہ لوگوں کی طبائع برانگیختہ تھیں اور دین کی حمایت کا جذبہ اور بیزنطینی دربار کی سیاسی دشمنی دونوں اس تحریک کو ہوا دے رہی تھیں۔ افریقہ کے ضلع نے اس مخالفت کے اکسانے میں نمایاں حصہ لیا تھا جس کے باعث ۶۴۸ء میں لیٹرن کونسل منعقد ہوئی تھی۔ افریقی اسقفوں کی تعداد کی کمی سے یقیناً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی آبادی میں بھی بہت کمی آ چکی تھی۔ چونکہ آبادی کی کمی کے بہت سے اسباب تھے، اس لئے اسقفوں کی تعداد پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیے، کیونکہ کسی ضلع میں آبادی کی تخفیف کے باوجود اسقف کا عہدہ قائم رکھا جا سکتا تھا۔

مذکورہ بالا دلائل سے یقیناً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت عیسائیوں کی تعداد کسی صورت میں زیادہ نہ تھی۔ شمالی افریقہ کے ان ملکوں کو مکمل طور پر فتح کرنے میں عربوں کے پچاس سال صرف ہوئے تھے۔ اس طویل جنگ و جدال کی تباہ کاری میں بھی عیسائی آبادی میں مزید کمی واقع ہوئی۔ مثلاً طرابلس کا شہر جب چھ ماہ کے محاصرے کے بعد فتح ہوا تو شہر کو لوٹ لیا گیا، وہاں کے بعض باشندے قتل کر دیئے گئے اور باقی کو لونڈی غلام بنا کر مصر اور بلاد عرب میں بھیج دیا گیا۔ (۱۰۶) صحرائے نومیڈیا کی سرحد پر ایک اور شہر واقع تھا، جہاں کے رومی حاکم نے ایک بھاری فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے ایک سال تک عرب محاصرین کا مقابلہ کیا، لیکن آخر کار جب عربوں نے ہلہ بول کر شہر لے لیا تو تمام (ہتھیار بند) مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا۔ (۱۰۷) کہا جاتا ہے کہ ان قیدیوں کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ (۱۰۸) بہت سے عیسائیوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ (۱۰۹) بعض نے اٹلی اور سپین میں پناہ لی۔ (۱۱۰) ایک خط سے، جو گریگوری دوم بابائے رومہ نے سینٹ بونی فاچہ کے پادری کو لکھا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے بعض لوگ بھاگ کر جرمنی تک جا پہنچے تھے۔ (۱۱۱) فی الواقع بہت سے بڑے بڑے رومی شہر بالکل ویران ہو گئے اور عرصہ دراز تک غیر آباد رہے۔ بلکہ بعض شہر تو بالکل کھنڈر بن گئے (۱۱۲) بعض صورتوں میں مسلمان فاتحین نے اپنے شہروں کی تعمیر کے لئے نئے مقامات انتخاب کئے۔ (۱۱۳)

افریقی کلیسا کے جو منتشر لوگ ساتویں صدی کے خاتمے تک باقی رہ گئے تھے، ان کے معدوم ہونے کے بارے میں یہ بات مشکل ہی سے فرض کی جا سکتی ہے کہ اس کا سبب اغیار کا ظلم و ستم تھا، کیونکہ ہمیں ایک مقامی عیسائی جماعت کا پتہ چلتا ہے جو سولھویں صدی تک موجود تھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ادریسی خاندان کے بانی ادریس نے جب بہ زور شمشیر اپنی حکومت کی بنا ڈالنی شروع کی تو اس نے ۷۸۹ء میں عیسائیوں اور یہودیوں کو قبول اسلام پر

Marfat.com

مجبور کیا۔(۱۱۴) لیکن جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں، شمالی افریقہ کے کلیسا کی تاریخ میں اس واقعے کی کوئی اور نظیر نہیں پائی جاتی۔(۱۱۵)

افریقی کلیسا کا زوال:

افریقی کلیسا کا زوال جس آہستگی سے ہوا، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے ساتھ رواداری کا سلوک ہوا تھا۔ اسلامی فتح کے تین سو سال بعد بھی تقریباً چالیس اسقفوں کے حلقہ جات ابھی باقی تھے۔(۱۱۶) جب ۱۰۵۳ء میں پوپ لیونہم نے اس بات پر گہرے افسوس کا اظہار کیا کہ افریقی کلیسا، جو کبھی بڑی رونق پر تھا، اپنی نمائندگی کے لئے صرف پانچ اسقف فراہم کر سکا۔(۱۱۷) تو اس تنزل کا سبب غالباً یہ تھا کہ چند سال پہلے عربی قبیلے ملک میں گھس آئے تھے اور انہوں نے وہاں مسلسل لڑائی کر کے بدنظمی پھیلا دی تھی۔(۱۱۸) ۱۰۷۶ء میں افریقی کلیسا تین اسقف بھی مہیا نہ کر سکا جن کی موجودگی از روئے ضابطہ شریعت ایک نئے اسقف کی تقرری کے وقت ضروری تھی۔ جب مطلوبہ تعداد مہیا نہ ہو سکی تو پوپ گریگوری ہفتم کو دو نئے اسقف مقرر کرنے پڑے تاکہ وہ مذکورہ بالا رسم کے موقع پر کارتھیج کے اسقف اعظم کی معاونت کر سکیں، لیکن عیسائیوں کی تعداد ابھی تک اتنی کثیر تھی کہ چند نئے اسقف متعین کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ کلیسا کا کام ہلکا ہو سکے کیونکہ سابقہ تین اسقف اپنے دینی فرائض کو بغیر مزید امداد کے سرانجام دینے سے قاصر تھے۔(۱۱۹) آئندہ دو صدیوں میں کلیسا کی حالت اور بدتر ہوگئی۔ چنانچہ ۱۲۴۶ء میں مراکش کا اسقف عیسائیوں کا واحد مذہبی پیشوا رہ گیا تھا۔(۱۲۰)

بربری قبائل میں اسلام کی اشاعت:

اس زمانے تک الجزائر کے بربری قبائل میں عیسائی مذہب کے نشانات اور آثار پائے جاتے ہیں۔(۱۲۱) زمانۂ سابق میں ان قبیلوں نے اسلامی عقائد کی کسی قدر تعلیم پائی تھی لیکن ان پر اس نئے مذہب کی گرفت بہت کمزور تھی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، انہیں اسلام کا جو تھوڑا بہت علم پہلے سے تھا، وہ بھی جاتا رہا، یہاں تک کہ وہ ان کلمات کو بھی بھول گئے جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ اپنے پہاڑوں کے حصاروں میں بند تھے اور اپنی خودمختاری کے دل دادہ تھے، اس لئے انہوں نے اپنے ہاں عربی عناصر کے داخلے کو کامیابی سے روکا، لہٰذا ان کو مسلمان بنانے میں بہت سی مشکلات حائل تھیں۔ اس سے پہلے قادریہ سلسلے کی ایک خانقاہ (ساقیۃ الحمرا) کے صوفیوں نے ان کے ہاں ایک تبلیغی مشن قائم کرنے کی کوشش کی تھی، مگر انہیں اس کام میں کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے درمیان اسلام کے لئے راستہ ہموار کرنے کا سہرا اندلسی مسلمانوں کے سر ہے جو سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد سپین سے نکال دیئے گئے تھے، اور اس خانقاہ میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ خانقاہ کے شیخ نے دیکھا کہ یہ لوگ تبلیغ کے

Marfat.com

اس دشوار کام کے لئے بہت موزوں ہیں جس کے سرانجام دینے میں اس کے اپنے مریدوں کی کوششیں ناکام رہی تھیں۔اس کار خیر پر روانہ کرنے سے پہلے اس نے ان کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اسلام کی مشعل ان ملکوں میں لے جائیں جو برکات اسلام کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں۔ان بدقسمت قبائل کے ہاں نہ تو مدارس ہیں اور نہ کوئی شیخ ہے جو ان کے بچوں کو اصول اخلاق اور محاسن اسلام کی تعلیم دے سکے۔یہ لوگ جانوروں کی طرح رہتے ہیں جن کو نہ خدا کا علم ہے، نہ دین کا۔لہذا میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس ناگوار صورت حالات کی اصلاح کے لئے تمہاری دینی حمیت اور نور ایمان سے درخواست کروں تا کہ یہ کوہستانی لوگ اپنی قابل رحم جہالت کی دلدل میں غلطاں و پیچاں نہ رہیں اور ہمارے دین کی شاندار صداقتوں سے باخبر ہو جائیں۔ جاؤ اور ان کے ایمان کی بجھتی ہوئی آگ کو ہوا دو اور اس کی دبی ہوئی چنگاریوں کو دوبارہ روشن کرو۔اپنے پہلے مذہب یعنی عیسائیت کی جس ضلالت سے وہ اب تک آلودہ ہیں، اس سے ان کو پاک کرو اور ان کو یہ سمجھاؤ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں عیسائیت کے برعکس میل کچیل اللہ تعالیٰ کی نظروں میں مقبول نہیں ہے۔(۱۲۲) میں تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ تمہارے کام میں بہت سی دشواریاں ہیں لیکن تمہاری ناقابل تسخیر حمیت اسلامی اور حرارت ایمانی خدا کے فضل وکرم سے تمام مشکلات پر غالب آئے گی۔میرے بچو! جاؤ، اور اس بدنصیب قوم کو خدا اور اس رسول کی طرف دوبارہ لاؤ جو اس وقت جہالت اور کفر کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ان کو نجات کا پیغام پہنچاؤ۔خدا تمہارے شامل حال رہے اور تمہاری مدد فرمائے۔"

یہ مبلغ پانچ پانچ، چھ چھ کی جماعتوں میں مختلف اطراف میں روانہ ہو گئے، وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور ہاتھ میں عصا لیے چل دیئے اور انہوں نے پہاڑوں کے سنسان اور غیر آباد مقامات انتخاب کر کے وہاں کی غاروں میں چٹانوں کے درمیان خانقاہیں قائم کیں۔قبائل کے درمیان ان کی پرہیزگاری اور عبادت گزاری کا چرچا ہونے لگا۔چنانچہ یہ قبائل جلد ہی ان کے ساتھ راہ ورسم پیدا کرنے لگے۔ان مبلغوں نے آہستہ آہستہ اپنے علم طب اور صنائع وحرفت اور تمدن کے دیگر فوائد کی بدولت بربری قبائل کے ہاں اپنا مطلوبہ اثر ورسوخ قائم کر لیا اور ہر ایک خانقاہ اسلامی تعلیم کا مرکز بن گئی۔ان نو واردوں کے علم وفضل کی کشش سے بہت سے طالب علم ان کے گرد و پیش جمع ہو گئے، اور کچھ عرصے کے بعد یہی طالب علم اپنے ابنائے وطن میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کا مذہب ان قبائل کے تمام علاقوں اور صحرائے الجزائر کی بستیوں میں پھیل گیا۔(۱۲۳)

مذکورہ بالا واقعہ بلاشبہ اس طریق کی ایک مثال ہے جس سے اندرون ملک کے دوسرے خود مختار قبیلوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ان قبیلوں کو اس سے پیشتر عیسائیت کی تعلیم بھی ملی تھی لیکن ان کا علم وعمل چند ایک توہمات اور باطل رسومات کی پابندی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔(۱۲۴) دنیا کے دیگر عیسائیوں سے ان کے تعلقات

Marfat.com

منقطع تھے اور وہ عیسائی مذہب کے معلمین سے بھی محروم تھے، اس لئے وہ اپنے مذہب کے ایسے پختہ اور صاف و صریح عقیدے سے بے بہرہ تھے جس کے ذریعے وہ مسلمان مبلغوں کی تعلیم کا مقابلہ کرسکتے۔

شمالی افریقہ کے کلیسا کے زوال کے بارے میں جو منتشر واقعات صفحات بالا میں بیان ہوئے ہیں، ان پر اب اور کسی بات کا اضافہ نہیں کرنا ہے۔ ایک مسلمان سیاح (۱۲۵) جس نے چودھویں صدی کے شروع میں تونس کے جنوبی ضلع الجرید کا سفر کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ عیسائیوں کے گرجے اگرچہ کھنڈر بن چکے ہیں، تاہم اس کے زمانے میں ابھی تک موجود ہیں، اور عرب فاتحین نے ان کو برباد نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے ہر گرجے کے بالمقابل ایک مسجد بنانے پر ہی اکتفا کی ہے۔ ابن خلدون (جس کا زمانہ چودھویں صدی کے اختتام کے قریب ہے) ضلع قسنطیلیہ (۱۲۶) کے بعض ایسے دیہات کا ذکر کرتا ہے جہاں کی تمام آبادی عیسائی تھی، اور ان کے آباء و اجداد اسلامی فتوحات کے زمانے سے وہاں آباد چلے آ رہے تھے۔ (۱۲۷) پندرہویں صدی کے اختتام پر تونس میں مقامی عیسائیوں کی ایک مختصر سی آبادی ابھی تک موجود تھی جو مضافات کے ایک محلے میں رہتی تھی، اور یہ محلہ اس علاقے سے بالکل الگ تھا، جہاں بیرونی ملکوں کے عیسائی تاجر سکونت رکھتے تھے۔ جبر و تعدی کا تو کیا ذکر ہے، یہ عیسائی لوگ سلطان کے محافظ دستے کی حیثیت سے اس کی ملازمت میں منسلک تھے (۱۲۸) بلاشبہ یہ وہی عیسائی تھے جن کو چارلس پنجم شاہ فرانس نے ۱۵۳۵ء میں تونس فتح کرنے کے بعد اس بات پر آفرین کہی تھی کہ وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہے تھے۔ (۱۲۹)

یہ آخری واقعہ ہے جو شمالی افریقہ کے کلیسا کے متعلق ہمارے علم میں آیا ہے۔ یہ کلیسا (اسلامی فتوحات کے بعد) مدت دراز تک زندہ رہا۔ اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ عیسائیوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا تھا۔ اپنی رائے کی تائید میں ہمارے پاس مزید شہادت یہ ہے کہ شمالی افریقہ کے مسلمان حکمران مذہبی رواداری کے قائل تھے۔ وہ عیسائی لوگوں کو فوجی ملازمت میں رکھتے تھے۔ (۱۳۰) اور جو عیسائی ان کی مملکت میں سکونت اختیار کرتے تھے یا تجارت کے لئے آتے تھے، ان کو عہد ناموں کے ذریعے سے مذہب کے معاملے میں پوری آزادی دیتے تھے۔ (۱۳۱) بابائے (۱۳۲) نے بھی کئی مرتبہ ان سے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی سفارش کی تھی، اور عیسائی رعایا کو بھی فہمائش تھی کہ وہ اپنے مسلمان حکام کی وفاداری کے ساتھ خدمت کریں۔ (۱۳۳)

Marfat.com

حواشی

۱۔ Amelineau, p.3: Caetani Vol. IV p.81 قیصر یوستینین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں دو لاکھ قبطیوں کو مروا ڈالا تھا اور اس کے جانشینوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر بہت سے قبطیوں نے صحرا میں پناہ لے لی تھی۔

Wansleben: The Present State of Egypt. p.11)

۲۔ رنودو ص ۱۶۱۔ سیویروس: ص ۱۰۶۔

۳۔ یوحنان نقیوس کا یعقوبی اسقف (جس کا زمانہ ساتویں صدی کا نصف ثانی ہے) ص ۵۸۴۔ کیتانی: جلد ۴، ص ۵۱۵۔ ۵۱۶۔

۴۔ مقریزی مورخ نے لکھا ہے کہ فتح مصر کے تقریباً ستر برس بعد قبطیوں کو سختیاں اور مالی نقصان اٹھانے پڑے۔ لیکن اس بیان سے ہم اس امن کے زمانے کو فان رانکے کی طرح دراز قرار دینے کے لئے کوئی جواز نہیں رکھتے۔ فان رانکے نے اپنی تاریخ عالم میں لکھا ہے کہ "مصر کے متعلق ہمیں صاف شہادت ملتی ہے کہ عربوں کی حکومت کے زمانے میں فتح مصر کے بعد مصر کے باشندے صدیوں تک بہت امن کی حالت میں رہے۔"

۵۔ John of Nikiu,p.560.

۶۔ یوحنا نقیوسی (ص ۵۸۵) لکھتا ہے کہ "بہت سے مصریوں نے جو جھوٹے عیسائی تھے، سچے دین کو ترک کر دیا اور اس اصطباغ کو چھوڑ دیا جو زندگی بخشتا ہے اور خدا کے دشمنوں، یعنی مسلمانوں کا مذہب قبول کر لیا اور ان کے قابل نفرت عقائد اختیار کر لیے۔ وہ ان بت پرستوں کی ضلالت میں شریک ہو گئے اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔"

۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرہ بن شریک (جو ۷۰۹ء سے لے کر ۷۱۴ء تک مصر کا عامل تھا) یا اس کے پیش رووں کو اس بات پر اصرار تھا کہ نومسلم قبول اسلام کے بعد بھی جزیہ ادا کرتے رہیں۔

۸۔ طبقات ابن سعد، جلد پنجم، ص ۲۸۳ (مطبوعہ یورپ) یا ص ۳۸۴ (مطبوعہ بیروت)۔

۹۔ کیتانی: جلد ۴، ص ۶۱۸ اور جلد ۵، ص ۳۸۴۔

۱۰۔ تاریخ بطارکۂ اسکندریہ" از ساویروس، ص ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ (ساویروس مصر کا ایک عیسائی مصنف تھا جس نے عربی میں اسکندریہ کے بطریرکوں کی تاریخ لکھی تھی)۔ (مترجم)

۱۱۔ ایضاً: ص ۲۰۵۔ ۲۰۶۔

۱۲۔ شہیدوں کی کثرت سے اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ ایک قسم کا قومی محاذ تھا جو بیرونی حکمرانوں کے خلاف قائم کیا گیا تھا۔

۱۳۔ امیلینیو: ص ۵۷۔ ۵۸۔

۱۴۔ "مصر کے گرجے اور خانقاہیں" از ابوصالح۔ ص ۴۔ ۱۶۳

۱۵۔ امیلینو: ص ۵۳۔ ۵۴، ۶۹۔ ۷۰۔

۱۶۔ ابوصالح نے چند ایسے راہبوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور یہ راہب غالباً بہت سے ان راہبوں میں سے ہوں گے جو مسلمان ہوئے۔ لیکن ابوصالح نے ان کو اس خیال سے نظر انداز کر دیا ہے کہ ان کے تبدیل مذہب سے کسی خانقاہ کو نقصان نہیں پہنچا، یا انہوں نے عیسائی مذہب کی طرف دوبارہ رجوع کر لیا تھا۔ (ص ۱۲۸۔ ۱۴۲)

Marfat.com

۱۷۔ "عہد حاضر کے مصریوں کے رسوم وآداب" از ولیم لین، ص ۵۴۶۔۵۴۹۔

۱۸۔ ڈاکٹر انڈریو واٹسن لکھتا ہے کہ "میں وادی نیل میں چوالیس برس تک مقیم رہا ہوں اور میرے دوران اقامت میں کوئی برس ایسا نہیں گزرا جب کہ میں نے تبدیل مذہب کی متعدد مثالوں کا ذکر نہ سنا ہو۔ اس کے اسباب بیشتر حسب ذیل ہیں: مختلف قسم کے دنیاوی فوائد کا حصول، مذہب کی بناء پر مسلسل ظلم وتعدی، مسلمان ہمسایوں کی بے رحمی اور لوٹ کھسوٹ، ذاتی توہین وتحقیر اور سیاسی نوعیت کی مختلف قباحتیں اور خرابیاں۔" (الاسلام فی مصر، ص ۲۴)

۱۹۔ تاریخ بطارکۂ اسکندریہ، از ساویروس، ص ۱۲۲۔۱۲۶۔۱۴۳۔ قبطیوں کو ٹیکسوں یعنی محاصل کی زیادتی کی شکایت پہلی مرتبہ اس وقت ہوئی جب مصر زیریں کے عیسائی عامل میناس نے شہر اسکندریہ سے بجائے ۲۲۰۰۰ دینار کے ۳۲۰۵۷ دینار وصول کئے، جو عمرو بن العاص نے مقرر کئے تھے (یوحنا نقیوسی: ص ۵۸۵)۔ رنودو (ص ۱۶۸) لکھتا ہے کہ جب مصر کی اسلامی فتح کے ستر سال بعد آرتھوڈوکس فرقے کے مذہبی پیشواؤں کی جماعت دوبارہ بحال ہوئی تو قبطیوں نے ان کے ہاتھ سے ویسی ہی تکلیفیں اٹھائیں جیسی مسلمانوں کے ہاتھ سے اٹھائی تھیں۔

۲۰۔ (مشہور عرب مؤرخ) مقریزی نے پانچ اور بغاوتوں کا ذکر کیا ہے جو عربی عہد کی پہلی صدی میں برپا ہوئیں اور جن کو فوج کے ذریعے سے فرو کر دیا گیا (تاریخ ممالیک مصر، از مقریزی، ص ۷۶)

۲۱۔ رنودو: ص ۱۸۹، ۲۷۴، ۴۳۰، ۵۴۰۔

۲۲۔ ایضاً: ص ۶۰۳۔

۲۳۔ ایضاً: ص ۴۳۲، ۶۰۷۔ سفر نامہ ناصر خسرو، (مرتبہ شیفر ص ۱۵۵۔۱۵۶)

۲۴۔ رنودو: ص ۲۱۲، ۲۲۵، ۳۱۴، ۳۷۴، ۵۴۰۔

۲۵۔ رنودو: ص ۳۸۸، ۵۷۵۔

۲۶۔ ایضاً: ص ۵۶۷، ۵۷۱، ۵۷۴، ۵۷۵، ۸۵۷۔

۲۷۔ وانس لیبن (ص ۳۰) نے قبطی کلیسا کے زوال کی ایک اور مثال دی ہے، اگرچہ اس کی صورت حال مختلف ہے۔ جزیرہ قبرص کے قبطی اسکندریہ کے بطریرک کے حلقے میں داخل تھے، لیکن آرتھوڈوکس فرقے کے پادریوں نے (جن کو بیزنطینی قیصر کی حمایت حاصل تھی) ان کو ایسا تنگ کیا کہ اسکندریہ کا بطریرک کسی پادری کو قبرص جانے، پر آمادہ نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرے کے تمام قبطیوں نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا مجلس خلقدونہ کے عقائد اختیار کر کے آرتھوڈوکس فرقے میں شامل ہو گئے اور ان کے گرجے بند کر دیے گئے۔ (تصنیف مذکور، ص ۳۱)۔

۲۸۔ رنودو: ص ۳۷۷۔

۲۹۔ ایضاً: ص ۵۷۵

۳۰۔ کپوچن رومن کیتھولک فرقے کی ایک تبلیغی جماعت ہے، جس کی بنیاد ۱۵۲۵ء میں رکھی گئی۔ اس کا بیشتر کام وعظ ونصیحت اور تبلیغ دین ہے۔ (مترجم)

۳۱۔ کپوچن مشنریز: ص ۳۔ (Thevfenot, Vol ii)

۳۲۔ رنودو: ص ۵۷۵۔ نوبہ کا ملک مصر کے جنوب میں واقع ہے اور آج کل جمہوریہ سوڈان کا ایک حصہ ہے۔ یہ علاقہ اسوان سے لے کر خرطوم تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کی ایک مقامی زبان ہے، لیکن عربی قبیلوں کے آباد ہونے سے ملک کی عام زبان عربی ہو گئی

Marfat.com

ہے اور اکثر باشندے مسلمان ہیں۔(مترجم)

۳۳۔کیتانی: جلد۴،ص۵۲۰۔

۳۴۔اشوک آف رومگلا:ص۲۷۲۔۲۷۳۔

۳۵۔ادریسی:ص۳۲۔

۳۶۔مقریزی:(۲)ص۱۳۱۔

۳۷۔ایضاً:ص۱۲۸۔۱۳۰۔

۳۸۔برک ہرڈی:(۱)ص۴۹۴۔

۳۹۔یہ موجودہ خرطوم سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۴۰۔آرٹن:ص۶۲،۱۴۴۔

۴۱۔بیکر:ص۱۶۰۔

۴۲۔جلد۴،ص۳۹۶۔

۴۳۔ابن بطوطہ(۱۳۰۴ءتا۱۳۷۷ء)عربوں کا سب سے بڑا سیاح ہے،جس نے تمام اسلامی ملکوں کے علاوہ بلاد روم اور افریقہ و چین کا بھی سفر کیا تھا۔اس کے سفرنامے سے آٹھویں صدی ہجری کے سیاسی معاشرتی حالات کے متعلق بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔اس کے سفرنامے کا عربی متن فرانسیسی ترجمے کے ساتھ۱۸۵۳ء میں پیرس سے شائع ہوا تھا۔اس کا انگریزی اور اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔(مترجم)

۴۴۔سلاطین پاشا ایک روایت بیان کرتا ہے جو دناخلہ عربوں کے ہاں مشہور ہے۔اس روایت کے مطابق دنقلہ کا شہر ان کے مورث اعلیٰ دنقل نے آباد کیا تھا اور اس شہر کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا تھا۔(لیکن یہ بات ناممکن ہے،کیونکہ دنقلہ قدیم مصریوں کے زمانے میں موجود تھا اور ان کے آثار میں اس کا ذکر آیا ہے۔ڈی سنٹ مارٹن: جلد۲،ص۸۵)۔دناخلہ کی روایت کے مطابق دنقل اگرچہ ایک غلام تھا،لیکن ترقی کرتے کرتے وہ نوبہ کا بادشاہ بن گیا۔وہ بہنسا کے قبطی اسقف کو خراج ادا کرتا تھا،جس کا علاقہ سرس اور ددبا کے درمیان واقع تھا۔(Fire and Sword in the Sudan.p13)

۴۵۔ابن سلیم الاسوانی بحوالہ مقریزی: کتاب الخطاب،جلد۱،ص۱۹۰(قاہرہ ۱۲۷۰ھ)

۴۶۔بج: جلد۲،ص۹۹،آرٹن:ص۱۴۴۔

۴۷۔یہ قصہ مقریزی کی تصنیف "کتاب الخطط والآثار"(مطبوعہ بولاق،۱۲۷۰ھ،صفحہ۱۹۳)میں مذکور ہے۔مقریزی(۷۶۶ھ تا ۸۴۵ھ)جس کا پورا نام تقی الدین احمد بن علی ہے،ایک مشہور مصری مؤرخ ہے جس نے سیرت اور تاریخ اسلام کے علاوہ مصر کے ہر تاریخی دور پر ایک کتاب لکھی ہے۔ان میں سے الخطط والآثار،گویا مصر کی ایک تاریخی اور جغرافیائی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔پروفیسر آرنلڈ نے اپنی تالیف میں الخطط کے علاوہ مقریزی کی "تاریخ ممالیک مصر" اور "تاریخ الاقباط" سے بھی استفادہ کیا ہے۔(مترجم)

۴۸۔مقریزی: کتاب الخطاب،جلد۱،ص۱۹۳۔

۴۹۔موری: جلد۱،ص۴۱۷۔۴۱۸۔

۵۰۔لارڈ سٹینلے نے الوارز کی پرتگالی تالیف کے ترجمے میں شاہ حبشہ کا یہ جواب نقل کیا ہے۔اس نے سفیروں سے کہا کہ میں نے خود

Marfat.com

اپنے مذہبی معلم عربوں کے ملک سے منگوائے ہیں جن کو اسکندریہ کے بطریرک نے بھیجا ہے۔ ان حالات میں ان پادریوں کو کیسے روانہ کرسکتا ہوں جن کو مجھے کسی دوسرے نے دیا ہے۔ (ص ۳۵۲، مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۱ء)۔

۵۱۔ راموسیو: جلد ۱، ص ۲۰۰۔۲۵۰۔

۵۲۔ وانس لیبن: ص ۳۰۔ باقی ماندہ کھنڈرات کی تفصیل کے لئے دیکھئے بج: جلد ۲، ص ۲۹۹ اور جی۔ ایس نیل ہام کی تصنیف "زیریں نوبہ کے گرجے" (فلاڈلفیا ۱۹۱۰ء)

۵۳۔ برک ہرڈی: (۱) ص ۱۳۳۔

۵۴۔ الوارز: ص ۲۵۰۔

۵۵۔ ادریسی: ص ۳۲۔

۵۶۔ عرب فقیہ: ص ۳۲۳۔

۵۷۔ مقریزی: (۲) جلد ۲، ص ۱۸۳۔

۵۸۔ باسط: ص ۲۴۰۔

۵۹۔ ایضاً: ص ۲۴۷۔

۶۰۔ الوارز (راموسیو، جلد ۱، ص ۲۱۸، ۲۴۲، ۲۴۹)

۶۱۔ عرب فقہ: ص ۸۳، ۱۹۱۔

۶۲۔ فتوح الحبشہ: مؤلفہ شہاب الدین احمد معروف بہ عرب فقیہ، مطبوعہ پیریس (۱۸۹۷ء) ص ۲۷۵۔۲۷۶ (مصنف)۔ عرب فقیہ حبشہ کا ایک عرب مصنف ہے جس نے احمد گراں کی فتوحات کی تاریخ "فتوح الحبشہ" کے نام سے ۹۵۰ھ کے قریب لکھی تھی۔ (مترجم)

۶۳۔ ایضاً: ص ۳۱۹، ۳۲۴۔

۶۴۔ ایضاً: ص ۲۸، ۱۲۹، ۲۷۵۔

۶۵۔ پلاؤڈن: ص ۳۶۔

۶۶۔ عرب فقیہ: ص ۳۲۱، ۳۳۵، ۳۴۳۔

۶۷۔ ایضاً: پاسم۔

۶۸۔ ایضاً: ص ۱۷۵، ۱۹۵، ۲۴۸۔

۶۹۔ ایضاً: ۱۷۸۔

۷۰۔ عرب فقیہ: ص ۳۴، ۳۵، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۴۴، ۳۲۷۔

۷۱۔ ایضاً: ص ۱۸۱۔۱۸۲۔۱۸۶۔

۷۲۔ پرتگالی اس واقعے سے تقریباً چالیس سال پہلے بحر ہند میں نمودار ہو چکے تھے، کیونکہ پندرہویں صدی کے آخر میں (۱۴۹۸ء) ان کے امیر البحر واسکو ڈا گاما نے افریقہ کے گرد چکر کاٹ کر مشرقی ملکوں کا بحری راستہ دریافت کرلیا تھا۔ انہوں نے رفتہ رفتہ مشرقی افریقہ اور ہندوستان کے مغربی ساحل پر بہت سے تجارتی مرکز قائم کر لیے، جن میں گوآ سب سے اہم تھا اور ان کے مشرقی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔ بحر ہند میں عربوں، ترکوں اور گجرات کے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ پرتگالیوں کے بڑے معرکے ہوئے۔

Marfat.com

اگرچہ ان کی اولین غرض تجارت تھی، لیکن چونکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے، اس لئے وہ جہاں کہیں گئے انہوں نے مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا اور ان کے شہروں کو جلایا اور لوگوں کو جبراً عیسائی کرنے کی بھی کوشش کی۔ حبشہ میں احمد گراں کے خلاف انہوں نے عیسائی حکومت کی جو امداد کی وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ دو سو سال کے بعد بحر ہند سے ان کا اثر و رسوخ جاتا رہا۔ (مترجم)

۷۳۔ Iobi Ludolhi ad suam Historiam Aethirpirom Commentarius p. 474(Frankforl a.m' 1691)

۷۴۔ آر۔ پی مینوئل ڈی المیڈا: ص ۷۔

۷۵۔ حبشہ کی عیسائی حکومت کے مذہبی تعصب اور اسلام دشمنی کے باوجود حبشہ کی مسلمان آبادی کا یہ تناسب آج تک قائم ہے۔ مسلمانوں کی اکثر آبادی حبشہ کے مشرقی اضلاع میں پائی جاتی ہے جو صومالیہ اور اریٹریا سے متصل ہیں۔ (مترجم)

۷۶۔ مسایا: جلد ۲، ص ۲۰۵۔۲۰۶ "یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب مسیحی دین قبول کرنے سے ان مسلمانوں کی غرض حکومت کے عہدے حاصل کرنا تھا تو وہ دراصل اس مذہب کی ظاہری پابندی کرتے تھے ورنہ یہ لوگ اپنے دل میں اور رسوم و آداب میں مسلمان ہی رہتے تھے۔ لہذا جب یہ لوگ رئیس یعنی حاکم کے جلیل القدر منصب پر پہنچ جاتے، تو وہ اپنے گرد و پیش مسلمانوں کو جمع کر لیتے تھے، اکثر عہدے انہی کو دیتے، ان کو خطابات سے نوازتے اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتے تھے۔ اس طرح سے حبشہ کے عیسائی ملک پر ایک بدترین قوم نے حملہ کیا اور اس میں آباد ہوگئی، اور کچھ عرصے کے بعد یہ ملک اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گیا۔"
(منقول از "حبشہ میں میری تبلیغ کے پینتیس سال" مصنفہ مسایا، ص ۲۰۶، مطبوعہ روم، ۱۸۸۵ء)۔

۷۷۔ روپل: جلد ۱، ص ۳۲۸، ۳۶۶۔

۷۸۔ پلاؤڈن: ص ۱۵۔

۷۹۔ Tabot the ark of the Cavenent

۸۰۔ لیٹمین: ص ۶۹۔۷۰۔

۸۱۔ پلاؤڈن: ص ۸۔۹۔

۸۲۔ بیک: ص ۵۱۲۔ آئسن برگ: ص ۳۶۔

۸۳۔ ریکلس: جلد ۱۰، ص ۲۴۷۔ مسایا: جلد ۱۱، ص ۱۲۵

۸۴۔ اس عیسائی مشنری کا نام مسایا (Massaja) تھا۔ اس نے اپنے مشاہدات اور تجربات کی کیفیت اطالوی زبان میں قلم بند کی جس کا عنوان تھا: "حبشہ میں میری تبلیغ کے پینتیس سال"۔ مطبوعہ روم، ۱۸۸۵ء۔۱۸۹۳ء (مترجم)۔

۸۵۔ اصطباغ جسے یونانی میں (اور انگریزی زبان میں بھی) بپتسمہ (Baptism) کہتے ہیں، عیسائیوں کی ایک اہم مذہبی رسم ہے جس کے ذریعے سے بپتسمہ لینے والا عیسائیت کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر اسے پانی میں غوطہ دیتے ہیں یا اس پر محض پانی چھڑکتے ہیں۔ اور چند کلمات پڑھتے ہیں جن کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ رسم ثالوث مقدس کے نام پر ادا کی جاتی ہے۔ پھر تینوں اقانیم کا نام لیا جاتا ہے۔ اس موقع پر بپتسمہ لینے والے کا نام بھی رکھا جاتا ہے، اور جو شخص اس کا ولی بنتا ہے، اسے گاڈ فادر (God Father) کہتے ہیں۔ (مترجم)

۸۶۔ مسایا: جلد ۱۱۔ ص ۷۷۔۷۸۔

۸۷۔ ایضاً: ۱۲۴۔۱۲۵۔

Marfat.com

۸۸۔ اوپل: ص ۳۰۷۔ ریکلس: جلد ۱۰، ص ۲۴۷۔

۸۹۔ مسایا: جلد ۱۱، ص ۷۹، ۸۱۔

۹۰۔ موری: جلد ۲ ص ۴۴۹۔

۹۱۔ لیٹمین: ص ۶۸۔ ۷۰۔ کے۔ کیڈرکوئسٹ (K.Cederquist): حبشہ میں اسلام اور عیسائیت، ص ۱۵۴ (نیائے اسلام، جلد ۲)۔

۹۲۔ کارتھیج قدیم زمانے کا ایک مشہور تاریخی شہر ہے، جسے فینقیہ والوں (Phoenicians) نے، جو عربوں کی طرح سامی نسل سے تھے، اپنے وطن شہر صور (Tyre) سے نکل کر شمالی افریقہ کے ساحل پر حضرت مسیح سے آٹھ سو سال پہلے آباد کیا تھا اور اس کا نام اپنی زبان میں قرت حدشہ (قریۃ حدیثۃ) یعنی "نیا" شہر رکھا تھا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اس کا ذکر "قرطاجنہ" کے نام سے کیا ہے۔ رومی لوگ اسے Carthago کہتے تھے جسے انگریزی میں Cathage لکھا جاتا ہے۔ اس کا محل وقوع موجودہ تونس سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ عربی فتوحات کے بعد قیروان اور تونس کے آباد ہونے سے یہ شہر ویران ہو گیا۔ (مترجم)

۹۳۔ ترتلیان (۱۵۰ء تا ۲۳۰ء) ایک رومی عالم دین تھا جو کارتھیج میں پیدا ہوا۔ اس نے بہت سی دینی کتابیں لکھیں۔ بعض عقائد اسی کے ساتھ مخصوص تھے۔

سینٹ سپریان (متوفی ۲۵۸ء) کارتھیج کا اسقف تھا۔ اس نے کلیسا کے اتحاد کو برقرار رکھنے کی بہت کوشش کی۔ اس کا دن ۱۶ ستمبر کو منایا جاتا ہے۔

سینٹ آگسٹین (۳۵۴ء تا ۴۳۰ء) ایک نہایت نامور عیسائی عالم ہو گزرا ہے جس نے عیسائی عقائد کی وضاحت، حمایت اور دیگر مذاہب کی رد میں بہت کچھ لکھا تھا۔ اس کی تالیفات میں سے اس کے "اعترافات" اور "مدینۃ الہیہ" زیادہ مشہور اور مقبول ہیں۔ ہر زمانے کے عیسائی علماء نے دینی مسائل کی بحث میں اس کی تالیفات سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا یوم ۲۸۔ اگست کو ہوتا ہے۔ (مترجم)

۹۴۔ گبن: جلد ۱، ص ۱۶۱۔

۹۵۔ ایضاً: جلد ۲، ص ۲۱۲۔

۹۶۔ C.O- Castiglioni, pp.96-97 (Milan, 1826)

۹۷۔ سنے سیوس کیپاستاسس: (Migne:potr. Gr: tom i xvi p.1569:

۹۸۔ نینڈر: (۲) ص ۳۲۰۔

۹۹۔ آریوس (۲۵۶ء تا ۳۳۶ء) اسکندریہ کا ایک مذہبی پیشوا تھا جس نے الٰہیات کے متعلق چند ایک نئے عقائد پیش کئے تھے جن سے ایک الگ فرقے کی بنیاد پڑی جو اس کے نام پر Arian (عربی: آریون) کہلاتا ہے۔ (مترجم)

۱۰۰۔ گبن: جلد ۴، ص ۳۳۱۔ ۳۳۳۔

۱۰۱۔ گبن: جلد ۵، ص ۱۱۵۔

۱۰۲۔ تیجانی: ص ۲۰۱۔ گبن: جلد ۵، ص ۱۲۲

۱۰۳۔ ایضاً: جلد ۵، ص ۲۱۴۔

۱۰۴۔ اس مسئلے کو یونانی زبان میں Monotheletism کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ گو حضرت مسیح کی دو فطرتیں ہیں۔۔۔ لاہوتی اور ناسوتی۔ لیکن وہ دونوں ایک ہی مشیت میں قائم ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

۱۰۵۔ہینڈر:(۱) جلد۵،ص۲۵۴۔۲۵۵۔جے۔ای۔ٹی۔ویلچ: جغرافیہ اور شماریات کلیسا کی دستاویز، جلد۱،ص۴۳۳۔۴۳۴ (لندن۱۸۹۵ء) بورنیخون:ص۲۳۔۳۴۔(Tours 1890)

۱۰۶۔"بیان افریقہ" از لیوافریقی:ص۷۰،ڈی۔

۱۰۷۔ایضاً:ص۷۵۔ایف "دیوس ایک نہایت قدیم شہر تھا جسے رومیوں نے آباد کیا تھا۔یہ شہر ریاست بوجیہ کی اس سرحد پر واقع تھا جو صحرائے نومیڈیا سے متصل تھی۔"(لیوافریقی:بیان افریقہ)۔

۱۰۸۔پے وی: جلد۱،ص۴۔

۱۰۹۔"جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا اور وہ جزیہ بھی ادا نہیں کرنا چاہتے تھے،انہوں نے اپنے دین کی سلامتی کے لئے مسلمان فوجوں سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کی"۔(رحلۃ شیخ تجانی،ص۲۰۱)

۱۱۰۔لیوافریقی:(Ramusio, Tom i.p.7)

۱۱۱۔"بونی فاچہ کے پادری کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ افریقہ کے ان لوگوں کا استقبال کرے جو اپنے تئیں دینی منصبوں کا حق دار سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض مانوی مذہب پر قائم ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے (ارتداد کے بعد) دوبارہ اصطباغ پایا ہے۔"

Epist, iv. (Migne: patr. lat. Tom 1 xxxix.p.502)

۱۱۲۔لیوافریقی:(Ramusio.pp.65,66,68,69,76)

۱۱۳۔مثلاً سنہ ۵۰ھ میں انہوں نے قیروان کا شہر بسایا،اسی طرح سنہ ۱۸۵ھ میں فاس، سنہ ۳۰۳ھ میں مہدیہ، سنہ ۳۱۵ھ میں مسیلہ اور سنہ ۴۲۴ھ میں مراکش کے شہر آباد کئے۔(تقویم البلدان، از ابوالفداء جلد دوم،ص۱۸۶۔۱۸۷۔۱۹۱۔۱۹۸۔۲۰۰)۔

۱۱۴۔مؤلفہ ابن ابی زرع:ص۱۶۔

۱۱۵۔جبراً مسلمان کرنے کا ایک مشکوک واقعہ عبدالمومن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس نے ۱۱۵۹ھ میں تونس فتح کیا تھا۔ایک فرانسیسی مصنف (دی ماس لتری (۲)ص۷۷۔۷۸) لکھتا ہے کہ "دو عرب مصنف یعنی ایک ابن الاثیر جو اس سلطان کا ہم عصر تھا اور دمشق کی اس ولولہ انگیز فضا میں رہتا تھا جسے سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے پیدا کیا تھا،اور دوسرا تجانی ہے جس نے چودھویں صدی میں مشرقی افریقہ کی سیاحت کی تھی۔ان دونوں مصنفوں نے لکھا ہے کہ تونس کے سلطان نے شہر کے عیسائیوں اور یہودیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا اور جن لوگوں نے انکار کیا،وہ بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے۔ہمارے نزدیک ان تمام اقدامات کی حقیقت مشتبہ ہے۔اگر یہ جابرانہ فرمان فتح کی ترنگ میں یا کسی عارضی ضرورت سے جاری ہوا تھا تو وہ ضرور متروک یا منسوخ کر دیا گیا ہوگا،کیونکہ یہ حکم مذہبی آزادی کے اس اصول کے خلاف تھا جس کا المغرب کے تمام مسلمان فرمانروا احترام کرتے آئے تھے۔ یہ بات یقینی ہے کہ عیسائی اور یہودی تونس میں جلد ہی دوبارہ نظر آنے لگے اور عبدالمومن کے عہد کے خاتمے سے پہلے عیسائی تونس میں آباد ہو چکے تھے،اور حسب دستور سابق ان کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔وہ جائدادیں رکھتے تھے اور تجارت کر سکتے تھے۔ایک قدیم مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ "سلطان کی لشکر کشی میں توفیق خداوندی اسکے شامل حال تھی۔اس نے زاب اور افریقہ کے علاقوں کو طے کیا،ملکوں اور شہروں کو فتح کیا،اور جن لوگوں نے امان مانگی،ان کو امان دی اور مخالفوں کو قتل کیا۔یہ آخری جملہ ہماری اس رائے کی تائید کرتا ہے جو ہم نے سلطان کی اس روش کے متعلق ظاہر کی ہے،جو اس نے فرمان بردار عیسائیوں کے متعلق اختیار کی تھی۔ان عیسائیوں نے قضاء وقدر کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا تھا"(منقول از "شمالی افریقہ کے تجارتی تعلقات عیسائی اقوام کے ساتھ "مؤلفہ دی ماس لتری،مطبوعہ پیرس:۱۸۸۶ء)۔

Marfat.com

۱۱۶۔ دی ماس لتری: (۲) ص ۲۷۔ ۲۸۔

۱۱۷۔ یہ خط گومی اور کارتھیج کے اسقفوں کے اس باہمی نزاع کے بارے میں ہے کہ ان دونوں میں سے کس کو سبقت حاصل تھی۔ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ اس زمانے کی پرآشوب حالت کی وجہ سے افریقہ کے اسقف اپنے اور اپنے قریب کے علاقوں کے علاوہ دوسرے اسقفوں کے علاقہ جات کے بارے میں بے خبر ہوں، اور جو اطلاع بابائے رومہ کو دی گئی تھی، اس میں اسقفوں کی تعداد کو ان کی اصلی تعداد سے کم ظاہر کیا گیا ہو۔

۱۱۸۔ ملر: جلد۲، ص ۶۲۸۔ ۶۲۹

۱۱۹۔(S.Gregorii VII Epistola xixxix (libertertius). (Migne: patr. Lat. tom cxtiviii p449)

۱۲۰۔ دی ماس لتری: ص ۲۲۶۔

۱۲۱۔(C.Trumelet: les saintes de l, Islam, p.xxxiiii(paris 1881)

۱۲۲۔ مجریط (میڈرڈ) میں مورسکو (یعنی وہ لوگ جن کو جبراً عیسائی کیا گیا تھا) کی "اصلاح" کے لئے عیسائیوں کی جو مجلس قائم ہوئی تھی، اس کے ضوابط کا مقابلہ مذکورہ بالا تقریر سے کرو۔ ان میں سے ایک ضابطہ یہ بھی تھا کہ مورسکو اور ان کی عورتوں اور دیگر لوگوں کو گھر پر یا گھر سے باہر غسل کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور ان کے تمام حمام گرا کر منہدم کردیئے جائیں گے۔ (منقول از "تشریح مذہب اسلام" مؤلفہ مارگن، مطبوعہ لنڈن ۱۷۲۳ء)

۱۲۳۔C. Trumelet: Ses Saintsde l Islam .p p. xxviii- xxxvi

۱۲۴۔ لیو افریقی کا بیان ہے کہ پندرہویں صدی کے اختتام پر الجزائر اور بوجیہ کے تمام کوہستانی، اگرچہ وہ مسلمان تھے، اپنے رخساروں اور ہتھیلیوں پر سیاہ صلیب کا نشان نقش کرتے تھے۔ اسی طرح بنو مزاب کے ہاں آج تک بعض ایسی مذہبی رسوم پائی جاتی ہیں جو عیسائیوں کے "اخراج از مذہب" اور اعتراف گناہ" سے مشابہ ہیں۔ صحرائے اعظم کے بعض خانہ بدوش قبائل اصطباغ کی طرح کی ایک رسم کے پابند ہیں، اور اپنے کپڑوں اور ہتھیاروں پر زیبائش کے طور پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔ دی ماس لتری: (۲) ص ۸

۱۲۵۔ تیجانی: ص ۲۰۳۔

۱۲۶۔The Madorn Touzer in Tunis

۱۲۷۔ تاریخ الدول الاسلامیہ فی المغرب، جلد ۱، ص ۱۴۶ (مرتبہ دیسلان، الجزائر، ۱۸۴۷ء)

۱۲۸۔ لیو افریقی: جلد ۱، ص ۶۷۔

۱۲۹۔ پے وی: جلد ۱، ص ۷۔

۱۳۰۔ ایضاً: (۲) ص ۱۹۲۔

۱۳۱۔ دی ماس لتری: (۲) ص ۱۱ ۔ ۲۶۲ ۔ ۲۶۶ ۔ ۲۶۷۔

۱۳۲۔ دی ماس لتری: (۲): ص ۲۷۳۔

۱۳۳۔ مثلاً انوسینٹ سوم، گریگوری نہم اور انوسینٹ چہارم۔

Marfat.com

باب پنجم

اندلس کے عیسائیوں میں اسلام کی اشاعت

فتح یاب عربوں نے سپین (اندلس) میں ۷۱۱ء میں اشاعت اسلام کا آغاز کیا تھا۔ پھر ۱۵۰۲ء میں شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا نے ایک فرمان کے ذریعے سے اپنی مملکت میں دین اسلام کی پیروی کی ممانعت کر دی۔ ان دو تاریخوں کے درمیان جو صدیاں گزریں، ان میں مسلمانان اندلس (اپنے شاندار سیاسی، علمی اور تمدنی کارناموں کی بدولت) یورپ کی قرون وسطیٰ کی تاریخ میں ایک نہایت تابناک باب کا اضافہ کر چکے تھے۔(۱) ان کا اثر پروانس (یعنی جنوبی فرانس) کے راستے سے یورپ کے دوسرے ملکوں تک پہنچا، جس سے ایک نئی طرز کی شاعری اور ایک نئی تہذیب عالم وجود میں آئی۔ یورپ کے عیسائی علماء نے یونانی فلسفہ وحکمت اسلامی اندلس ہی سے حاصل کیا تھا جس سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ تک ان کی علمی سرگرمیوں اور مساعی کو تحریک ملتی رہی۔ لیکن تہذیب و تمدن کے یہ کارنامے جن کا تعلق آرٹ، شعروشاعری، سائنس اور فلسفے سے ہے۔ اس موقع پر ہم ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور اپنی توجہ اس بات پر مبذول کرتے ہیں کہ اندلس کے اسلامی عہد میں مذہبی حالات کی کیا صورت تھی۔

کلیسا کا جبر وتشدد:

جب اہل اسلام پہلے پہل اپنا مذہب اندلس میں لائے تو انہوں نے دیکھا کہ عیسائیوں کا کیتھولک فرقہ اریوسی عقائد پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملک پر پوری مضبوطی سے مسلط ہو چکا تھا۔ طلیطلہ کی چھٹی مجلس نے یہ ضابطہ بنایا تھا کہ تمام حکمرانوں کو یہ حلف لینا چاہیے کہ وہ سوائے کیتھولک مذہب کے اور کسی مذہب کی پیروی کی اجازت نہیں دیں گے۔ اور ان لوگوں کے خلاف سختی سے قانون کا نفاذ کریں گے جو دین سے انحراف کریں۔ اس کے بعد ایک اور قانون وضع ہوا کہ جو شخص مقدس کیتھولک کلیسا یا انجیل کے احکام، مذہبی پیشواؤں کے ارشادات، کلیسا کے فتاویٰ اور دینی رسومات پر شک یا اعتراض کرے گا، اس کی جائداد ضبط کر لی جائے گی اور اسے حبس دوام کی سزا دی جائے گی۔ ارباب کلیسا نے اپنی جماعت کے لئے امور سلطنت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔(۲) چنانچہ جو قومی مجالس مملکت کے نہایت اہم امور کے انصرام کے لئے منعقد ہوتی تھیں (اسقف اور کلیسا کے دیگر اعلیٰ عہدہ داران میں شرکت بھی کرتے تھے۔ مذہبی پیشوا ہی بادشاہ کے انتخاب کی توثیق کرتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر بادشاہ ان کے فیصلوں کی پابندی نہ کرے تو وہ اس کو معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اندلس کے یہود:

اندلس میں یہودیوں کی ایک خاصی بڑی آبادی تھی، لیکن عیسائی پادری اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم وستم کرتے تھے۔ جو لوگ اصطباغ لینے سے انکار کرتے تھے، ان کے خلاف وحشیانہ قسم کے سخت مظالم کے احکام جاری کرتے تھے۔ (۳) ان سختیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عربوں نے ملک پر چڑھائی کی تو یہودیوں نے حملہ آوروں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ جن شہروں کو عرب فتح کر چکے تھے ان کی حفاظت کے لئے سپاہ کا کام دیا اور جن شہروں کا مسلمان محاصرہ کئے ہوئے تھے، ان کے دروازے کھول دیئے۔ (۴)

غلاموں کا قبول اسلام:

اندلس کے غلاموں نے بھی مسلمانوں کا اسی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ قوطی حکومت کے عہد میں ان کی حالت بڑی خراب وخستہ تھی اور انہیں عیسائی مذہب کا جو علم تھا، وہ بالکل سطحی تھا، اس لئے اپنی قسمت کو مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کرنے میں ان کو آزادی کے علاوہ جو اور فوائد حاصل ہوتے تھے، ان کے مقابلے میں ان کے لئے عیسائیت کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ لہذا ان مظلوم غلاموں نے اندلس میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ملک کے بت پرستوں نے بھی، جن کا پتہ ۶۹۳ء (۵) تک چلتا ہے، غالباً ان غلاموں کی پیروی کی۔

بہت سے عیسائی امراء وشرفاء بھی، خواہ خلوص نیت سے خواہ دیگر اغراض سے، مسلمان ہو گئے۔ (۶) اور ادنیٰ اور متوسط طبقوں سے بھی بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عین ممکن ہے کہ وہ صرف ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ صدق دل کے ساتھ ایمان لائے تھے، کیونکہ انہوں نے ایسے مذہب سے روگردانی کی تھی جس کے پیشواؤں نے ان کو علم دین سے بے بہرہ رکھا تھا، ان کی طرف سے غفلت برتی تھی اور خود دنیاوی اغراض کے حصول میں مشغول ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ہی ملت کو لوٹا اور ستایا تھا۔ (۷) سپین کے یہ لوگ جب مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے نئے مذہب کے بڑے پرجوش پیرو ثابت ہوئے۔ وہ اور ان کے اخلاف درشت مزاج مسلمان علماء کی جماعت کے ساتھ وابستہ ہو گئے جن کا مسلک عرب امراء کی عیش وعشرت کی زندگی سے الگ تھا۔ (۸)

عیسائی مورخوں کا بیان ہے کہ اسلامی فتح کے وقت قوطی قوم کے (حکمرانوں کے) قدیم اخلاق و اوصاف میں انحطاط آ چکا تھا، اور ان کی جگہ عیش پسندی اور بداعمالی نے لے لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی حکومت کو گویا ایک قہر خدا سمجھا ہے جو گمراہ لوگوں پر بطور عقوبت نازل ہوا تھا۔ (۹) لیکن اس قسم کے بیانات کلیسا کے مورخوں کے ہاں بہت عام ہیں جن کو معاصرانہ شہادت کی عدم موجودگی میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ (۱۰)

Marfat.com

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وقت گزرنے پر بھی یہ حالات اصلاح پذیر نہیں ہوئے، بلکہ عیسائی اسقف بھی دربار شاہی کی رنگ رلیوں میں شریک ہو گئے اور اسقف کے عہدے نیلام ہونے لگے۔ چنانچہ ایسے اشخاص بھی عیسائیوں کے پیشوا مقرر ہونے لگے جن پر منکرین خدا ہونے کا گمان تھا۔ پھر ان ہی لوگوں نے اپنی طرف سے مذہبی عہدے ذلیل اور نااہل لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔(۱۱) ان حالات میں نہ صرف البیرہ (۱۲) میں بلکہ دیگر صوبہ جات میں بھی عیسائیوں نے اس دین سے روگردانی کی، جس کے پیشواؤں کی فاسقانہ زندگی نے اسے رسوا کر دیا تھا۔(۱۳) انہوں نے اس دین سے کنارہ کشی کر کے دائرہ اسلام کی اخلاقی اور روحانی فضا کو اپنے لئے زیادہ سازگار اور موافق پایا۔

شاہ لوئی پرہیزگار کے عہد حکومت میں دربار فرانس میں بودو نامی ایک پادری تھا جو ۸۳۸ء میں یہودی ہو گیا تاکہ (بقول اس کے) وہ اپنی گنہگار زندگی کو چھوڑ کر شریعت خداوندی کی سختی کے ساتھ پابند ہو سکے۔(۱۴) اگر کلیسا کے مصنفین اس قسم کے واقعات قلمبند کرنے کی طرف توجہ کرتے تو ان کو سپین میں بودو کی سی بہت سی مثالیں مل سکتی تھیں۔

سپین میں قدیم قوطی قوم کے آریوسی عقائد کے اثرات ابھی تک باقی تھے، بلکہ اسلامی فتح سے ذرا پہلے (۱۵) سپین کے کلیسا میں یہ عقائد کسی حد تک دوبارہ زندہ ہو رہے تھے، یہ عین ممکن ہے کہ ان عقائد نے بھی لوگوں کے دل و دماغ کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا ہو، کیونکہ اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو تصور ہے، وہ آریوس کے عقائد کے ساتھ بہت مطابقت رکھتا ہے۔(۱۶)

مغربی یورپ میں قبول اسلام کی جو قدیم ترین مثال معرض تحریر میں آ چکی ہے، وہ سپین سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ واقعہ عربوں کے اندلس فتح کرنے سے قبل پیش آیا تھا۔ ایک یونانی، جس کا نام تھیوڈسکلوس تھا، اشبیلیہ کے اسقف سینٹ ایسی ڈور (متوفی ۶۳۶ء) کا جانشین بنا، لیکن اس پر الحاد کا الزام لگایا گیا، کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بحیثیت ایک خدا کے باپ اور روح القدس کی وحدت میں شریک نہیں اور ان کے ساتھ اس کا اتحاد نہیں، بلکہ وہ خدا کا متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹا ہے۔ اس عقیدے کی بناء پر علمائے دین کی ایک مجلس نے اسے مردود قرار دیا اور اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ اس پر وہ عربوں سے جا ملا اور ان کے ہاں جا کر مسلمان ہو گیا۔ ممکن ہے کہ بعد کے زمانے میں بھی اس قسم کے اور واقعات رونما ہوئے ہوں۔(۱۷)

عربوں کی رواداری:

عربی تسلط کے ابتدائی دور میں کسی شخص کو جبراً مسلمان بنانے یا اس پر مذہبی تعصب کی بنا پر تشدد کرنے کا کوئی واقعہ ہمارے علم میں نہیں آیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے عیسائی مذہب کے بارے میں رواداری کی جو

Marfat.com

روش اختیار کی تھی، اس نے ملک گیری میں ان کے لئے بڑی آسانی پیدا کردی تھی۔ نئے حاکموں سے عیسائیوں کو صرف اس بات کی شکایت ہوسکتی تھی کہ عرب حکام ان سے دیگر رعایا کی بہ نسبت مختلف سلوک کرتے تھے۔ ان کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جو امیروں سے ۴۸ درہم، متوسط الحال لوگوں سے ۲۴ درہم اور پیشہ وروں اور مزدوروں سے ۱۲ درہم سالانہ کی شرح سے وصول کیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ جزیہ فوجی خدمت کے عوض میں لیا جاتا تھا اس لئے یہ صرف تندرست اور صحیح الجثہ آدمیوں پر عائد ہوتا تھا۔ عورتیں، بچے، راہب، لنگڑے، لولے، اندھے، بیمار، فقیر اور غلام اس سے مستثنیٰ تھے۔ (۱۸) یہ جزیہ خود عیسائی عہدے دار جمع کرتے تھے۔ اس سے عیسائیوں نے اپنی دشواری اور گرانباری میں کسی قدر تخفیف ضرور محسوس کی ہوگی۔ (۱۹)

عیسائیوں کی مذہبی آزادی:

سوائے ایسے جرائم کے جو شریعت اسلام کے خلاف سرزد ہوں، عیسائیوں کے کل مقدمات ان ہی کے منصفوں کے سامنے اور انہی کے قانون کے مطابق فیصل ہوتے تھے۔ (۲۰) عیسائی لوگ اپنے مذہب کی پیروی کے سلسلے میں آزاد تھے، کوئی ان کا مزاحم نہ تھا (۲۱) چنانچہ وہ قربانی دیتے تھے اور اس موقع پر بخور جلاتے تھے، ناقوس بجاتے تھے اور کیتھولک مذہب کی دیگر تمام رسوم ادا کرتے تھے، گرجاؤں میں زمزمے گائے جاتے تھے، واعظین لوگوں کو اپنے وعظ اور خطبے سناتے تھے اور کلیسا کے سب تہوار حسب معمول منائے جاتے تھے۔ شام اور مصر کے عیسائیوں کی طرح وہ کوئی مخصوص لباس پہننے پر مجبور نہ تھے جو ان کی ذلت کی علامت سمجھا جائے۔ کم از کم نویں صدی عیسوی میں عام دنیادار عیسائی بھی عربوں کا سا لباس پہنتے تھے۔ (۲۲) ایک مرتبہ ان کو نئے گرجے تعمیر کرنے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ (۲۳)

سپین میں عیسائیوں کی بہت سی ایسی خانقاہیں تھیں جن میں عورتیں اور مرد بغیر مسلمان حکام کی مداخلت کے رہبانیت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ (۲۴) ان کے علاوہ بھی چند جدید راہب خانوں کی تعمیر کا ذکر سننے میں آیا ہے۔ راہب لوگ اپنے مذہب کے مخصوص اونی لباس میں باہر نکلتے تھے اور پادریوں کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنے مذہبی منصب کی علامت کو چھپائیں۔ (۲۵) عیسائی عوام اپنے مذہب کی وجہ سے دربار کے اعلیٰ عہدوں (۲۶) یا اسلامی فوج کی ملازمت سے محروم نہیں کئے جاتے تھے۔ (۲۷)

سپین کے جو عیسائی لوگ اپنی سیاسی قوت کے زوال کے بعد تسلیم و رضا کے خوگر ہو چکے تھے، ان کے لئے یقیناً کوئی وجہ شکایت موجود نہ تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ آٹھویں صدی کی تمام مدت میں صرف ایک بغاوت کا پتا چلتا ہے جو باجہ کے شہر میں برپا ہوئی تھی اور اس میں بھی عیسائیوں نے ایک عرب سردار کی

Marfat.com

پیروی کی تھی۔ (۲۸) سپین کے بعض لوگ کسی عیسائی حکومت کے زیر سایہ رہنے کے لئے فرانسیسی علاقے میں چلے گئے تھے۔ لیکن ان کی حالت بھی اپنے ان ہم مذہب بھائیوں کی بہ نسبت بہتر ثابت نہ ہوئی جن کو وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ جب شاہ فرانس شارل مین سپین کی مہم (۷۷۸ء) سے ناکام لوٹا تو سپین کے کچھ عیسائی اس کے ہمراہ فرانس میں چلے آئے تھے۔ جب سرکاری اہل کاروں نے ان سے ٹیکس کی جبری وصولی شروع کی تو شارلمین کو ۸۱۲ء میں ان کی حمایت میں مداخلت کرنی پڑی۔ تین سال کے بعد شاہ لوئی کو پھر ایک فرمان ان کے حق میں جاری کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود وہ پھر ان امراء کے خلاف شکایت کرنے پر مجبور ہو گئے جنہوں نے ان کی زمینیں ان سے چھین لی تھیں۔ تاہم اس خرابی کا صرف ایک قلیل عرصے کے لئے سدباب ہو سکا، کیونکہ یہ خرابی پھر نمودار ہوگئی اور وہ تمام احکام و فرامین، جو ان کے حق میں جاری ہوئے تھے، بے سود ثابت ہوئے، کیونکہ وہ لوگوں کی حالت کو بہتر نہ بنا سکے۔ بعد کے زمانے میں فرانس میں کاگوٹ (یعنی قوطی کتوں) کا جو حقیر اور مظلوم طبقہ دیکھنے میں آتا ہے وہ غالباً سپین کے انہی لوگوں کی بستی تھی جنہوں نے اسلامی حکومت سے بھاگ کر اپنے آپ کو اپنے عیسائی بھائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ (۲۹)

اندلس کی اسلامی حکومت نے اپنی عیسائی رعایا کے سلسلے میں جس رواداری اور بے تعصبی سے کام لیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین جو میل ملاپ بڑھا، اس سے دونوں قوموں میں ایک حد تک یگانگت پیدا ہوگئی اور اکثر ان کے درمیان شادیاں ہونے لگیں۔ (۳۰) چنانچہ ایسی ڈور ساکن باجہ، جو مسلمان فاتحین کے خلاف بہت زہر اگلتا ہے، شاہ راڈرک کی بیوہ کے ساتھ موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کی شادی کا حال لکھتا ہے۔ لیکن اس کی قلم سے ملامت کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ (۳۱) اکثر عیسائیوں نے عربی نام رکھ لیے تھے اور ظاہری رسم و رواج میں بھی ایک حد تک اپنے مسلمان ہمسایوں کی تقلید کرتے تھے، مثلاً بہت سے عیسائی ختنہ کرتے تھے (۳۲) اور کھانے پینے کے معاملے میں بھی انہوں نے ان "کافروں" کی عادات اختیار کر لی تھیں جنہوں نے اصطباغ نہیں پایا تھا۔ (۳۳)

مستعربین:

سپین کے عیسائی، جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہتے تھے (اور جنہوں نے عربوں کے رسوم و آداب اختیار کر لیے تھے) مستعرب کہلاتے تھے۔ اس لفظ سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اس زمانے کے عیسائیوں کا میلان خاطر کس طرف تھا۔ عربی زبان نے ملک بھر میں بہت جلد لاطینی کی جگہ لے لی۔ (۳۴) نتیجہ یہ ہوا کہ جس زبان میں عیسائیوں کا علم دین مدون تھا، اس کو عیسائی رفتہ رفتہ بھولنے لگے اور اس کی طرف سے غفلت کرنے لگے،

Marfat.com

حتیٰ کہ کلیسا کے بعض بلند مرتبہ عہدے دار بھی صحیح لاطینی سے ایسے نابلد ہوگئے کہ ان پر اہل علم کو ہنسی آتی تھی۔(۳۵) ان حالات میں عوام الناس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس معاملے میں وہ ارباب کلیسا سے زیادہ سرگرمی دکھائیں گے۔ چنانچہ ۸۵۴ء میں سپین کے ایک مصنف (یعنی قرطبہ کے اسقف الوارد) نے اپنے عیسائی ہم وطنوں کی ذیل کے الفاظ میں شکایت کی ہے:

"جب ہم مسلمانوں کے شرعی احکام کی تحقیق کرتے ہیں، اور ان کے حکماء (بلکہ حمقاء) کے طبقات کے مطالعے کے لئے جمع ہوتے ہیں (ان کی ضلالتوں کی تردید کی غرض سے نہیں بلکہ ان کی زبان کی لطافت اور اس کی فصاحت و بلاغت سے محظوظ ہونے کے لئے) تو ہم اپنی مقدس کتابوں سے غافل ہوگئے ہیں اور پرستش کے لئے ایک حیوان کو اپنا بت بنا رہے ہیں (عہد جدید، رؤیا یوحنا، باب ۱۳، جملہ ۱۸)۔ اب عیسائیوں میں ایسے ذی علم کہاں ہیں جو مقدس کتابیں پڑھنے میں انہماک رکھتے ہوں، اور لاطینی علمائے دین کی کتابوں پر نگاہ ڈالنے کی پروا کرتے ہوں؟ کون ہے جو انجیلوں یا انبیاء اور رسولوں کی کتابوں کو پڑھنے کا شوق رکھتا ہو۔ ہمارے عیسائی نوجوان جو اطوار کی شستگی اور چرب زبانی سے متصف ہیں، اپنے لباس اور چال ڈھال کی نمائش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے علوم میں شہرت رکھتے ہیں۔ وہ عربی بلاغت کے نشے میں سرشار ہیں۔ اور مسلمانوں کی کتابوں کو اٹھاتے ہیں اور بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں، ان پر بحث کرتے ہیں اور ان کی تعریف وتوصیف میں علم خطابت کے سارے صنائع و بدائع صرف کر دیتے ہیں اور ان کا خوب چرچا کرتے ہیں، لیکن وہ کلیسا کی کتابوں کی خوبیوں سے قطعاً ناآشنا ہیں اور کلیسا کے چشموں کو، جن کا منبع بہشت ہے، حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس! عیسائی لوگ اپنی شریعت سے ایسے ناواقف ہیں اور لاطینی لوگ اپنی زبان سے ایسے بے پرواہو گئے ہیں کہ تمام عیسائی امت میں ہزار اشخاص میں سے بمشکل ایک شخص ایسا ملے گا جو لاطینی زبان میں اپنے کسی دوست کو مزاج پرسی کا ایک خط بھی لکھ سکے، البتہ ایسے عیسائی بے شمار ہیں جو عربی زبان کے رنگین جملے بڑے طمطراق سے بولتے ہیں، بلکہ وہ نظم بھی لکھ سکتے ہیں، جس کا ہر شعر ردیف کے ایک ہی حرف پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ان کے حسن خیال کی اعلیٰ پرواز کا اظہار ہوتا ہے اس کے لکھنے میں وہ عربوں سے بھی بڑھ کر وزن اور بحر کی پابندی کرتے ہیں۔"(۳۶)

فی الواقعہ لاطینی زبان کے علم کو سپین کے ایک حصے میں اس قدر تنزل ہوا کہ سپین کے کلیسا کے قدیم قوانین اور بائبل کو عیسائیوں کے مطالعے کے لئے عربی میں ترجمہ کرنا پڑا۔(۳۷)

عربوں کے شاندار ادب نے سپین کے عیسائیوں پر ایسا جادو کر رکھا تھا کہ وہ عربی زبان کو بڑے ذوق و شوق سے سیکھتے تھے، مگر (اس کے برعکس) جو لوگ عیسائی لٹریچر کی تحصیل کرنا چاہتے تھے، ان کے لئے تعلیم کا سامان اس سے زیادہ میسر نہ تھا جتنا کہ قوطیوں کی وحشی قوم کی تربیت کے لئے مستعمل ہوا تھا۔ تہذیب وتمدن کی اس ادنیٰ

Marfat.com

درجے کی تعلیم کے لئے بھی ان کو معلم بہ مشکل ملتے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، عیسائی معلموں کی تعداد میں کمی آتی گئی۔ چنانچہ ۱۱۲۵ء میں مستعربین نے الفانسو شاہ آرغون کو لکھا کہ "ہماری اور ہمارے آباء واجداد کی نشو ونما آج تک غیر عیسائی اقوام کے درمیان ہوئی ہے۔ اصطباغ لینے کے بعد ہم لوگ اپنے مذہب کے احکام کی آزادی سے پیروی کرتے ہیں، لیکن ہمیں آج تک اس بات کا مقدور نہیں ہوا کہ ہم اپنے خدائی مذہب کی پوری تعلیم حاصل کر سکیں۔ چونکہ ہم کفار کے محکوم ہیں جنہوں نے ہمیں مدت سے دبا رکھا ہے، اس لئے ہمیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی کہ ہم رومہ یا فرانس سے معلم طلب کرتے۔ اور یہ معلم از خود ہمارے پاس ان کافروں کی جہالت کے خوف سے کبھی نہیں آئے جن کے ہم زیرنگیں ہیں۔ (۳۸)"

اسلام کے مذہبی اثرات:

عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ تھا اور وہ ان کے ادب (لٹریچر) کا اس شوق اور محنت سے مطالعہ کرتے تھے کہ اسلام کے متعصب دشمن بشپ الوارو (۳۹) کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ قرآن ایسی بلیغ اور دل کش زبان میں لکھا گیا ہے کہ عیسائی بھی اسے پڑھے اور اس کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ان حالات میں ہم قدرتی طور پر اسلام کے مذہبی اثرات کی توقع کر سکتے ہیں، اور فی الواقع حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام نے عیسائیوں کے عقائد کو متاثر کیا تھا۔ مثلاً طلیطلہ کا اسقف ایلی پندوس (متوفی ۸۱۰ء) مسئلہ تبنی کا قائل تھا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح انسان تھا اور خدا کا بیٹا بلحاظ فطرت نہیں بلکہ از روئے تبنی تھا (یعنی لے پالک بیٹا بنانے سے خدا کا فرزند ہوا، ورنہ اپنی فطرت میں انسان تھا)۔ چنانچہ اس بشپ کے متعلق صاف صاف کہا گیا ہے کہ اس نے یہ ملحدانہ عقائد مسلمانوں کے ساتھ گہرے تعلقات کی وجہ سے اختیار کئے تھے۔ (۴۰) معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ سپین کے ایک بڑے حصے میں پھیل گیا اور شہر ارجل (صوبہ قیطلونیہ (۴۱)) کے اسقف فیلکس نے اس عقیدے کی سپتی مانیہ (فرانس) کے علاقے میں خوب کامیابی سے اشاعت کی، جو اس زمانے میں فرانس کے ظل حمایت میں تھا۔ فیلکس ایک مجلس کے سامنے پیش کیا گیا جس کی صدارت خود شارلمین نے کی۔ اسے اپنے غلط عقیدے سے حلفاً انکار کرنا پڑا۔ لیکن جب وہ سپین واپس آیا تو اس نے اپنے پہلے عقیدے کی طرف رجوع کر لیا۔ جیسا کہ اس وقت پوپ لیو سوم نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا، اس کا سبب بلاشبہ یہ تھا کہ فیلکس مسلمانوں کے ساتھ راہ و رسم رکھتا تھا جو اسی قسم کے عقائد رکھتے تھے (یعنی حضرت عیسیٰؑ کو محض ایک انسان سمجھتے تھے) (۴۲) جب کلیسا کے ایسے ممتاز مقتدا مسلمانوں کے میل جول سے اس حد تک متاثر ہو سکتے تھے تو اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سپین کے عام عیسائیوں پر اسلام کا کس قدر زیادہ اثر ہوا ہوگا۔ چنانچہ ۹۳۶ء میں طلیطلہ میں ایک مجلس اس غرض سے منعقد

Marfat.com

ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے میل ملاپ سے عیسائیوں کے مذہبی عقائد میں جو خرابی پیدا ہوتی ہے، اسے کس طرح روکا جائے۔(۴۳)

یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اسلامی عقائد کے ان اثرات نے فریقین کے درمیان محض خیالات کی مشابہت پیدا نہیں کی ہوگی، بلکہ جب مسلمانوں نے ان میں اپنی تبلیغی کوششیں بھی شامل کی ہوں گی (۴۴) تو اس سے نومسلموں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہوگا۔ چنانچہ ان کی اولاد نے، جن کو اس کے مولدین کہا جاتا ہے کہ وہ خالص عرب نسل سے نہیں تھے، مملکت میں ایک اہم اور کثیر التعداد طبقے کی صورت اختیار کر لی تھی جس کی ملک کی آبادی میں اکثریت تھی۔(۴۵) نویں صدی کی ابتدا میں اسی طبقے نے عربی حکومت کا جوا اتار پھینکنے کی کوشش کی تھی، اور زمانہ مابعد میں بھی کئی موقعوں پر یہ طبقہ اندلسی مسلمانوں کی قومی جماعت کی حیثیت سے میدان عمل میں آیا تھا۔

اسلام کے علمی اور تمدنی اثرات:

ان نومسلموں کے قبول اسلام کے متعلق ہمارے پاس بیانات یا تو مختصر ہیں یا منفرد ہیں۔ قبول اسلام کی مثالیں ہمیں اندلس کے اسلامی عہد کے آخری ایام تک ملتی ہیں۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کی فوجوں نے ۱۴۸۷ء میں شہر مالقہ لے لیا تو شہر میں جتنے عیسائی مرتد یعنی نومسلم پائے گئے ان کو تیز نوک دار تیروں سے اذیت دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر دو سال بعد جب شہر برشانہ نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ تو اس موقع پر اس بات کا خاص طور پر وعدہ کیا گیا تھا کہ نومسلموں کو دوبارہ عیسائی ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔(۴۶) بعض عیسائیوں نے اپنے دین کو ان سزاؤں سے بچنے کے لئے ترک کر دیا جو عدالتوں (۴۷) سے ان کو ملی تھیں، کیونکہ ایک شان دار تمدن اپنی پوری دل فریبی کے ساتھ اس مذہب کے جلو میں تھا۔ اس کی شعر و شاعری، اس کا فلسفہ و حکمت اور اس کا آرٹ، یہ سب چیزیں عقل سلیم کو اپنی طرف کھینچتی تھیں اور لوگوں کی چشم تخیل میں چکا چوند پیدا کرتی تھیں۔ نیز عربوں کے فن سپہ گری میں شجاعت اور بہادروں کے مردانہ اور شریفانہ اوصاف کے اظہار کے لئے میدان کھلا تھا، مگر اس کے دروازے ان مفتوح عیسائیوں پر بند تھے جو اپنے دین پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کے علوم اور ان کا لٹریچر مسلمانوں کے علوم و فنون کے مقابلے میں حقیر اور ادنیٰ درجے کا نظر آتا ہوگا۔ چنانچہ ان علوم و فنون کے مطالعے سے بھی عیسائیوں کو قبول اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔ علاوہ بریں پرہیزگار اور پارسا طبائع کے لئے اسلام میں یہ کشش بھی تھی کہ مسلمانوں کے درمیان سرگرم اور متقی لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی، جس کے سربراہ راسخ العقیدہ علماء تھے۔ بعض اوقات اس جماعت کو امور سلطنت میں بڑا دخل

Marfat.com

حاصل ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کے مذہب اور اخلاق کی اصلاح کے لئے بڑی جدوجہد کرتی تھی۔

قرطبہ کے مسیحی شہداء:

اکثر اندلسی مسلمانوں کے دلوں میں دینی حمیت اور قومی جذبہ موجود تھا۔ اس کے برعکس سپین کے عیسائی سرحد پار کے عیسائی بھائیوں کے ساتھ غدارانہ سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس طرح اسلامی حکومت کو رنجیدہ اور غضب ناک کر دیتے تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود تاریخ اندلس کا اسلامی عہد مذہبی نوعیت کے ظلم و ستم سے قطعاً پاک ہے، سوائے تین چار عیسائیوں کے جنہوں نے اپنی جانیں فی الحقیقت اپنے مذہب کی خاطر قربان کیں۔ عربی حکومت کے سارے عہد میں اگر ہمیں کوئی ایسا واقعہ نظر آتا ہے جسے مذہبی نوعیت کے جور و تعدی سے کوئی مشابہت ہو سکتی ہے، تو وہ درشت قوانین ہیں جن کو اسلامی حکومت نے محض اس لئے نافذ کیا تھا کہ ان سے اس مذہبی جنون کو دبانا مقصود تھا جو نویں صدی میں قرطبہ میں اٹھا تھا۔ اس زمانے میں قرطبہ کے عیسائیوں میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس کے ساتھ ملک کے دیگر عیسائیوں کو بظاہر کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اس جماعت نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ بغیر کسی اشتعال کے وہ علانیہ مذہب اسلام کی توہین و تحقیر کرتے تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف بھی نازیبا کلمات استعمال کرتے تھے۔ اس بد کلامی سے ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ اپنی مذہبی عصبیت کا بے جا اظہار کر کے اپنے آپ کو سزائے موت کا مستوجب بنائیں۔

اپنے آپ کو قربان کرنے کا یہ عجیب و غریب جذبہ بیشتر پادریوں، راہبوں اور راہبات میں ۸۵۰ء اور ۸۶۰ء کے درمیان پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی خانقاہوں کی خاموشی میں عیسائی سلطنت کے زوال اور مذہبی جذبے کے انحطاط پر غور کر کے رنجیدہ خاطر ہوتے تھے اور پھر اسی عالم حزن میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور شہادت کا تاج پہننے کے لئے اسلام اور بانی اسلام پر تیز و تند حملے کرتے تھے۔ یہ وہ تاج شہادت تھا جس سے مسلمان حکمرانوں کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری ان کو محروم کر دیتی تھی۔ ان لوگوں میں سے ہم ایک راہب کا واقعہ بطور مثال یہاں بیان کرتے ہیں۔

اسحٰق راہب کا واقعہ:

ایک راہب، جس کا نام اسحٰق تھا، قاضی کے پاس آیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ دین اسلام کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جس وقت قاضی نے رسول خدا ﷺ کی تعلیمات اس کے سامنے بیان کیں تو راہب کڑک کر بولا:

"اس نے تم سے جھوٹ کہا ہے (خدا کی لعنت اس کو تلف کرے)۔ وہ خباثت سے بھرا پڑا تھا جس نے اتنے لوگوں کی ہلاکت کی طرف رہنمائی کی اور اس نے اپنے ساتھ ان کو بھی قعر جہنم کا سزاوار بنایا۔ وہ شیطنت سے

Marfat.com

پر تھا اور شیطانی شعبدے دکھا کر اس نے تم کو مہلک شراب کا پیالہ دیا اور مرض میں مبتلا کر دیا۔ وہ اپنے گناہ کے بدلے ابدی عذاب اٹھائے گا۔ جب تم فہم اور عقل رکھتے ہو تو پھر اپنے تئیں ان خطروں سے کیوں نہیں بچاتے اور اس کے وبائی عقیدوں کے ناسور کو چھوڑ کر تم کیوں دین مسیح کی انجیل (۴۸) سے ابدی نجات تلاش نہیں کرتے؟"

ایک اور موقع پر عیسائی ایک مسجد میں زبردستی گھس آئے اور وہاں دین اسلام کی مذمت کی اور کہا کہ اسلام بہت جلد اپنے پیروؤں پر نار جہنم (۴۹) کی تباہی لائے گا۔ ایسے مذہبی دیوانوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ (۵۰) لیکن اسلامی حکومت پریشان ہوگئی، کیونکہ اسے اس بات کا خوف ہوا کہ اس کی عمل داری کی یہ تحقیر و توہین اور مذہب کے قانون سے یہ بے پرواہی اس بات کی دلیل ہے کہ رعایا میں عام ناراضگی ہے اور وہ بغاوت پر آمادہ ہے۔ چنانچہ محمد اول نے ۸۵۳ء میں طلیطلہ کے عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے ایک فوج روانہ کی، کیونکہ یولوجیوس کے بھڑکانے سے، جو صلیبیوں کا بڑا حامی تھا، طلیطلہ والوں نے اپنے ہم مذہبوں کے مصائب کی خبر سن کر بغاوت کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے عیسائیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا، (۵۱) لیکن جب اس کو بتایا گیا کہ عیسائیوں میں کسی شخص نے، جو کچھ بھی عقل یا مرتبہ رکھتا ہے، ان کاموں میں حصہ نہیں لیا (۵۲) (چنانچہ خود الوارو نے شکایت کی ہے کہ اکثر عیسائی پادری صلیبیوں کی ملامت کرتے تھے) (۵۳) تو بادشاہ نے اس پر اکتفا کیا کہ توہین مذہب کے بارے میں جو قوانین مروج تھے، ان کو سختی کے ساتھ نافذ کر دیا۔ کلیسا کے اندر جو اعتدال پسند جماعت تھی، اس نے حکومت کی کوششوں میں اعانت کی اور اسقفوں نے ان مذہبی دیوانوں کو عیسائی برادری سے خارج کر دیا۔ ارباب کلیسا کی ایک مجلس نے، جو اس معاملے پر غور کرنے کے لئے ۸۵۲ء میں منعقد ہوئی تھی، اس تحریک کو دبانے کے لئے چند تجاویز پر اتفاق کیا۔ (۵۴) چنانچہ ان پر عمل کرنے سے اس تحریک کو آخر کار کچل دیا گیا۔ بعد کے زمانے میں ایسی شہادت کے ایک یا دو متفرق واقعات کا ذکر آیا ہے۔ سب سے آخری واقعہ ۹۸۳ء میں ظہور پذیر ہوا، مگر اس کے بعد جب تک عربوں کی حکومت اندلس میں رہی، دوسرا کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ (۵۵)

مرابطین کا عہد حکومت:

بارہویں صدی عیسوی کے شروع میں مرابطین کے بربری خاندان کے عہد حکومت میں متعصب علمائے اسلام میں مذہبی جوش پیدا ہوا جس سے عیسائیوں نے یہودیوں اور مسلمانوں کے آزاد خیال طبقے کے ساتھ، جس میں حکما، شعراء اور ادباء شامل تھے، یکساں تکلیفیں اٹھائیں۔ لیکن اندلس کے مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بے تعصبی اور رواداری کا جو سلوک بالعموم کیا ہے، اس کے پیش نظر یہ واقعات محض استثنائی حیثیت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری:

اندلس کے ایک مسلمان نے، جو ۱۶۱۰ء میں مورسکو (۵۶) قوم کے آخری اخراج کے وقت اپنے وطن اندلس سے نکالا گیا تھا، محکمہ احتساب (۵۷) کی سختیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مسلمانوں کی رواداری کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

" کیا ہمارے فتح یاب آباؤ اجداد نے، جب کہ ان کو پوری قوت حاصل تھی، سپین سے عیسائیت کو نیست و نابود کرنے کی کبھی کوشش کی تھی؟ کیا انہوں نے تمہارے باپ دادا کو آزادی سے اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، حالانکہ وہ ان کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ کیا ہمارے پیغمبر ﷺ کا یہ صریح حکم نہیں ہے کہ مسلمانوں کی تلوار جس قوم کو مسخر کرے، وہ ایک معمولی سا سالانہ جزیہ دے کر اپنے قدیم مذہب پر قائم رہنے کی مجاز ہے، خواہ وہ مذہب کیسا ہی مہمل کیوں نہ ہو، اور جو مذہب اسے پسند ہوا سے اختیار کرے۔ اگر کہیں جبراً مسلمان کرنے کی چند مثالیں ہیں تو وہ اس قدر کم ہیں کہ قابل ذکر نہیں۔ ان کے مرتکب وہ لوگ تھے جن کے دل میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کا خوف نہ تھا۔ اور جنہوں نے اس بارے میں اسلام کی ہدایات اور اس کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ یہ احکام وہ ہیں جن کو توڑنے کے بعد کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ تم ہمارے درمیان کسی ایسی خون خوار منظم عدالت کی نشان دہی نہیں کر سکتے جو مختلف ملتوں کے دین و ایمان کی تفتیش کرنے کے لئے قائم کی گئی ہو، جو تمہاری ملعون انکویزیشن (یعنی محکمہ احتساب) کے ساتھ ذرا بھی مشابہت رکھتی ہو۔ یہ سچ ہے کہ جو شخص ہمارا دین قبول کرنے کی طرف میلان ظاہر کرے، ہم اسے گلے لگانے کے لئے تیار ہیں لیکن ہمارا قرآن مجید ہمیں دوسروں کے ضمیر پر جبر و تعدی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہم نو مسلموں کی ہر ممکن طریق سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور وہ جوں ہی خدا کی توحید اور اس کے پیغمبر کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں تو بغیر کسی رکاوٹ کے وہ ہماری برادری میں شامل ہو جاتے ہیں، وہ ہماری بیٹیاں بیاہ سکتے ہیں اور پر اعتماد، باعزت اور نفع بخش عہدوں پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ ہم ان کو صرف اپنا لباس پہننے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ وہ ظاہری صورت میں بھی سچے مومن نظر آئیں، لیکن ہم ان کی ضمیروں کو ہرگز نہیں ٹٹولتے، بشرطیکہ وہ علانیہ ہمارے دین کو برا نہ کہیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ہم ان کو ان کے قصور کے مطابق سزا دیتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنا مذہب اپنی رضامندی سے تبدیل کیا تھا، نہ کہ جبر و اکراہ سے۔" (۵۸)

(مقام تعجب ہے کہ) مسلمانوں کی یہی بے تعصبی ان کے خلاف فرد جرم قرار پائی۔ چنانچہ بلنسیہ کے اسقف اعظم نے جب ۱۶۰۲ء میں مورسکو قوم کے "ارتداد اور بغاوت" کے بارے میں ایک عرض داشت تیار کی تو اس نے شاہ فلپ سے ان کو جلاوطن کرنے کی اس بنا پر سفارش کی کہ "مسلمان کسی بات کو ایسا اچھا نہیں جانتے جتنا

Marfat.com

مذہبی معاملات میں ضمیر کی آزادی کو اچھا سمجھتے ہیں، چنانچہ ترک اور دوسرے تمام مسلمان اپنی رعایا کو مذہبی آزادی دیتے ہیں۔"(۵۹)

اگرچہ سقوط غرناطہ کے بعد مسلمان وقتاً فوقتاً اندلس سے ہجرت کرتے رہے تھے، پھر بھی اس موقع پر (یعنی ۱۶۱۰ء میں) تقریباً پانچ لاکھ آدمی ملک سے نکال دیئے گئے۔(۶۰) شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں یکسر خالی ہو گئے، مکانات گر کر کھنڈر بن گئے، کیونکہ ان کو از سر نو تعمیر کرنے کے لئے کوئی متنفس باقی نہیں رہا تھا۔(۶۱) یہ مورسکو غالباً سپین کے اصلی باشندوں کی اولاد تھے جن میں عربی خون کم تھا یا بالکل نہ تھا۔اس بات کی تائید میں جو دلائل دیئے جا سکتے ہیں، وہ طویل ہیں اور ان کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔لیکن اس کے ثبوت میں ہم صرف ایک نقطہ بیان کرتے ہیں، جو ایک خط مرقومہ ۱۳۱۱ء سے ماخوذ ہے۔اس میں لکھا ہے کہ دو لاکھ مسلمانوں میں سے، جو اس وقت غرناطہ میں رہتے تھے، پانچ سو سے زیادہ مسلمان عربی النسل تھے، باقی تمام کے تمام اندلس کے نو مسلم باشندوں (۶۲) کی اولاد تھے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلامی حکومت کے آخری ایام تک اندلس کے عیسائی لوگ اسلام قبول کرتے رہے ہیں، کیونکہ ایک مورخ نے ۱۴۹۹ء کے واقعات کے ذیل میں، جب کہ سقوط غرناطہ پر سات برس گزر چکے تھے، اس بات کا ذکر کیا کہ ان مسلمانوں میں بعض ایسے اشخاص بھی تھے جنہوں نے ابھی پچھلے دنوں میں اسلام قبول کیا تھا۔(۶۳)

Marfat.com

حواشی

۱۔اس باب میں فاضل مصنف نے صرف اس بات سے بحث کی ہے کہ اندلس میں اسلام کیسے پھیلا،لیکن جو ناظرین کرام اس بحث کو بخوبی سمجھنے کے لئے اس کے سیاسی پس منظر یعنی اندلس کے اسلامی عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، وہ حسب ذیل کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:"کارنامہ اندلس" یعنی ولندیزی مستشرق ڈوزی کی "تاریخ مسلمانان اندلس" کا اردو ترجمہ از محمد عنایت اللہ دہلوی۔ "مسلمانان اندلس" یعنی سٹینلے لین پول کی کتاب "مورزان سپین" کا اردو ترجمہ، از سید عبدالغنی وارثی مطبوعہ لکھنو ۱۹۲۵ء، تاریخ اندلس (حصہ اول) از سید ریاست علی ندوی، مطبوعہ اعظم گڑھ، اخبار اندلس، یعنی ایس۔پی۔سکاٹ کی "مورش ایمپائر ان یورپ" کا اردو ترجمہ، از محمد خلیل الرحمٰن۔(مترجم)

۲۔Baudissin.p.22

۳۔Helfferich, p.68

۴۔مقری: جلد ا،ص ۲۸۰۔۲۸۲

۵۔Baudissin p.7

۶۔ڈوزی: تاریخ مسلمانان اندلس (۲) جلد ۲،ص ۴۵۔۴۶

۷۔اے۔ملر: جلد ۲،ص ۴۶۳۔

۸۔ڈوزی: (۲) جلد ۲،ص ۴۴۔۴۶۔

۹۔سینٹ بونی فاس نے ۷۴۵ء میں اپنے مکتوب نمبر ۶۲ میں ایسا ہی لکھا ہے:"پس ایسا ہی ہوا۔ سپین اور جنوبی فرانس اور برگنڈی کے باشندوں کے حق میں جنہوں نے خدا کی اطاعت سے روگردانی کی تھی، یہاں تک کہ خدائے قادر نے، جو ان کے گناہوں کو دیکھ رہا تھا، ان پر عذاب بھیجا اور یہ عذاب قانون الہٰی سے لاعلمی کی صورت میں اور عربوں کی شکل میں نازل ہوا، تا کہ ان کو نیست و نابود کر دے۔" پھر لکھتا ہے کہ "یہ ہماری گنہگاری کا نتیجہ ہے کہ سپین کی حکومت عربوں کے قبضے میں آ گئی ہے"۔اسی طرح الواو لکھتا ہے کہ "میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ عذاب ہم پر ہمارے ہی قصور کے سبب سے نازل ہوا ہے۔ ہاں بھائیو! یہ ہماری سہل انگاری، ہماری ناپاکی، ہمارے تلون اور ہمارے ہی اخلاق کی خرابی ہے جس نے ہمیں ان مصائب تک پہنچایا ہے۔ پس خدا نے، جو انصاف کو عزیز رکھتا ہے اور جس کا چہرہ عدل دکھلاتا ہے، ہمیں جانور کے حوالے کر دیا ہے تا کہ وہ ہم کو نگل جائے"۔(ص ۵۳۱)

۱۰۔ڈوزی: (۳) جلد ا،ص ۱۵۔۲۰۔ویشو (Wishaw) ص ۳۸۔۴۴

۱۱۔سیمسن (Samson): ص ۳۷۷۔۳۷۸، ۳۸۱۔

۱۲۔ڈوزی: (۲) جلد ۲،ص ۲۱۰۔

۱۳۔آٹھویں صدی کے اختتام پر پوپ ہاڈرین اول نے اسقف اجیلا کو جنوبی سپین میں اس مقصد سے بھیجا تھا کہ جو اثر اسلامی خیالات سے عیسائیوں میں پیدا ہو رہا ہے، اس کا سدباب کرے۔ چنانچہ اجیلا نے سپین کے پادریوں پر الزام لگایا کہ وہ شادی شدہ عورتوں کے ساتھ آشنائی پیدا کرتے ہیں۔(Helfferich, p.83)

۱۴۔الوارو قرطبی، خط ۱۹۔ "چونکہ میں ابدی عذاب کا مستوجب تھا، اس لئے میں نے عہد کیا کہ میں خدا کے آئین کا ہمیشہ پابند رہوں گا"۔

Marfat.com

(Migne, patr Lat, tome cxxi, p.512)

۱۵۔Helfferich pp. 79.90

۱۶۔ "اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ آریوس کے جرمن پیروؤں کے ہاں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو تصورات رائج تھے، ان میں تورات کے عقیدہ نبوت کو بڑا دخل تھا، اور مغربی قوطی قوم کے عقائد میں بھی، باوجودیکہ اس نے کیتھولک مذہب اختیار کر لیا تھا، اس عقیدہ نبوت کا قوی اثر ہنوز باقی تھا، تو اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو مماثل اسلامی خیالات تھے، وہ عربوں کے تسلط کے فوراً بعد سپین کے عیسائیوں میں کیسے ظاہر ہوئے"۔(Helfferich,p 82)

۱۷۔Andreas Schottus :Tom.iv p.53

۱۸۔ڈوزی: (۲) جلد۲،ص۴۱۔ ویشو: ص ۱۷

۱۹۔ایضاً: ص ۳۹۔

۲۰۔Baudissin: ص ۱۱۔۱۳،۱۹۶

۲۱۔ یولوگیوس لکھتا ہے کہ "مذہبی معاملات میں بغیر کسی مداخلت کے ہم ان مسلمانوں میں آباد ہیں۔" "اسلامی حکومت کی طرف سے کسی طرح کی سختی نہ تھی جس کے سبب عیسائی اپنے مذہب سے انکار کرتے یا اپنے مقدس دین کی پیروی سے باز رہتے"۔ یحییٰ ساکن گورز جس نے دسویں صدی کے وسط میں سپین کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے کہ "اس کی حکومت میں عیسائی آزادی سے اپنے مذہب کی پیروی کرتے تھے اور اپنے مال سے نفع اٹھاتے تھے۔" سپین کے ایک اسقف نے یحییٰ سے عیسائیوں کی حالت یوں بیان کی: "ہم اپنے گناہوں سے اس درجے کو پہنچے کہ اب کفار ہم پر حاکم ہیں، پالوس رسول کے حکم سے ہمارے لئے حاکم وقت کا مقابلہ کرنا ممنوع ہے، لیکن ایک بات باعث تسکین ہے اور وہ یہ کہ ان تمام مصائب میں مسلمان ہم کو اپنے دین کی پیروی سے منع نہیں کرتے، بلکہ وہ ایسے عیسائیوں پر جو اپنے مذہب کے سخت پابند ہیں، مہربانی کرتے ہیں، اور ان سے رسم دوستی پیدا کرتے ہیں، ان سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ اور جب تک یہ براوقت ہم پر ہے ہم نے اس کو قرین مصلحت جانا ہے کہ جب مسلمانوں نے ہمارے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا تو باقی باتوں میں بھی ہم ان کی فرماں برداری کریں۔ ان کے احکام کی، جہاں تک وہ ہمارے دین میں مخل نہ ہوں، تعمیل کریں"۔

۲۲۔Baudissin: ص ۱۶۔۱۷

۲۳۔ یولوگیوس متوفی ۸۵۹ء نے ان گرجاؤں کا حال لکھا ہے جو نئے تعمیر ہوئے تھے۔ ایک تاریخ میں لکھا ہے کہ لٹ پراند نے قرطبہ میں ۸۹۵ء میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا مگر یہ بیان درست نہیں۔ (ص ۱۱۱۳)

۲۴۔ یولوگیوس: ص ۸۱۲۔

۲۵۔Baudissin, p.16

۲۶۔ ایضاً: ص ۲۱۔ جان گورزی: ص ۳۰۶۔

۲۷۔ ویشو: ص ۲۷۲۔۳۰۱۔

۲۸۔ ڈوزی: ۲ جلد (۲) ص ۴۲۔

۲۹۔Baudissin، ص ۹۶۔۹۷۔

Marfat.com

۳۰۔ دیکھو پوپ ہاڈرین کا خط سپین کے اسقفوں کے نام: "اس کے علاوہ ہم نے ان ملکوں کی چند خبریں اور سنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو کیتھولک مذہب کا پابند بتاتے ہیں، یہودیوں اور بے اصطباغی کفار کی صحبت میں رہتے ہیں۔ وہ ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں اور ان کی اکثر ضلالتوں میں حصہ لیتے ہیں اور یہ عیسائی پھر بھی کہتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم ناپاک نہیں ہوئے۔ اب رہا دوسرا ممنوع فعل یعنی کافر سے شادی کرنا تو اس کے متعلق یہ حالت ہے کہ خود عیسائی اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں سے بیاہ دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی کافر ہو جاتی ہیں۔ Migne: patr. Lat: tom xcviii, p.385"

۳۱۔ Isidori Pacensis chronicon، ص ۱۲۶

۳۲۔ Alvar: Indi, Lum.35 p.53. John of Gorz, 123.p 303

۳۳۔ مکاتیب پوپ ہاڈرین اول، ص ۳۸۵، جان گورزی (۱۲۳) ص ۳۰۳۔

۳۴۔ گیارہویں صدی عیسوی کے ایک عیسائی شاعر کے بعض عربی اشعار اب تک مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عربی زبان اور عروض پر کافی عبور حاصل تھا۔

۳۵۔ ایبٹ سمسن: ص ۴۰۴۔ ۴۰۶۔

۳۶۔ Alvar: Indic, Lum 35 pp.554-556

۳۷۔ Von Schack، جلد دوم، ص ۹۴۔

۳۸۔ آرڈرک وریالس: ص ۹۲۸۔

۳۹۔ Alvar: Indic. Lum 29(Migne: patr. tom cxxi.p.546)

۴۰۔ Enhueber(26)p. 353

۴۱۔ Helfferich, p.88

۴۲۔ "اس کے بعد وہ خدا کی شریعت کو توڑ کر کفار سے جاملا اور انہوں نے اس سے اتفاق کیا اور اس نے حلف شکنی کی۔" (منقول از مقالہ در بارۂ الحاد ایلی پندوس و فیلکس ص ۳۱۳)۔

۴۳۔ باسیلیوس نے طلیطلہ میں ایک مجلس منعقد کی اور اس مجلس نے چند قواعد مرتب کئے تا کہ مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے عیسائی آئندہ نقصان نہ اٹھانے پائیں۔

۴۴۔ مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کا ذکر بہت کم آیا ہے، لیکن یولوجیوس کے مندرجہ ذیل جملوں سے، جو اس نے حضرت محمد ﷺ کی نسبت لکھے تھے، ان کوششوں کی طرف اشارہ پایا جاتا:

"جو عیسائی اس کی غلطیوں ۔۔۔ کو دریافت کرنا چاہے تو اس کے فرقہ کے کسی آدمی سے رد و قدح کر کے ان سب باتوں کو معلوم کر سکتا ہے، کیونکہ مسلمان اس یقین کے ساتھ کہ جو کچھ ان کا اعتقاد ہے، وہ مقدس اور متبرک ہے، اپنے پیغمبر کا پوشیدہ ہی نہیں بلکہ علانیہ وعظ کرتے ہیں۔"

۴۵۔ ڈوزی: (۲) جلد ۲، ص ۵۳۔

۴۶۔ لی: مورسکو، ص ۱۷۔ ۱۸

۴۷۔ سیمپسن: ص ۳۷۹

۴۸۔ یولوگیوس: ص ۳۷۔

۴۹۔ ایضاً: ص ۹۴۔

۵۰۔ کہا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ تھی (ڈبلیو۔ ایچ۔ پرسکاٹ تاریخ عہد فرڈی ننڈ و ازابیلا جلد ۱، ص ۳۴۲)۔

۵۱۔ ڈوزی: (۲) جلد ۲، ص ۱۶۱۔ ۱۶۲۔

Marfat.com

۵۲۔ یولوگیوس (ص ۸۰۵) لکھتا ہے کہ "اس بات کے پیش نظر کہ کسی ذی فہم، ذی علم یا عیسائی فرقے کے کسی مذہبی پیشوا نے ان کاموں میں حصہ نہیں لیا تھا، وہ یقین کرتے ہیں کہ سب کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کا کوئی سرغنہ نہ تھا جو انہیں لڑائی پر لے جاتا۔"

۵۳۔ الوارو (ص ۵۲۹) لکھتا ہے کہ "جن لوگوں کو کلیسا کا پشت پناہ سمجھا جاتا تھا اور وہ منتخب لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے، کیا یہ لوگ کسی مجبوری کے بغیر خود قاضی کے پاس نہیں گئے کہ خداوند کے شہیدوں کو ان ترشرو بلکہ نفس پرور مسلمانوں کے سامنے متہم کریں؟ کیا مسیح کے گلہ بانوں اور کلیسا کے عالموں اور اساقفہ اور پادریوں اور سربرآوردہ عیسائی امیروں نے ان شائقین شہادت کو مذہب سے برگشتہ قرار نہیں دیا۔"

۵۴۔ الوارو لکھتا ہے کہ "ہم ان لوگوں کے سامنے کیا عذر پیش کر سکتے ہیں جن کو ہم نے کلیسا سے خارج کیا اور ان سے حلف لیا کہ وہ کبھی شہادت کی عزت حاصل نہ کریں۔ جن کو ہم نے منع کر دیا کہ وہ کافروں کی غلطیوں پر معترض نہ ہوں اور لعنت کہہ کر ملعون شے کو برا نہ کہیں۔ ہم نے گناہ کیا کہ انجیل اور صلیب لے کر ان کو زبردستی حلف دیا اور گناہ ہی نہیں کیا بلکہ ان وحشیانہ جنگجوؤں کی ایسی سزاؤں کا ان کو خوف دلایا جو کبھی نہ سنی تھیں۔ ہاتھ پاؤں کٹنے اور کوڑے لگنے کی سخت اور ہولناک اذیتوں سے ڈرا کر ہم نے ان کو مجبور کر دیا۔"

۵۵۔ Baudissin.p.199

۵۶۔ اسلامی حکومت کے انقراض (۱۴۹۲ء) کے بعد اندلس میں جو مسلمان باقی رہ گئے تھے، سپین والوں کی اصطلاح میں وہ مورسکو (Morisco) کہلاتے تھے۔ عیسائی حکمرانوں نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے سے ان کو عیسائی ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن چونکہ وہ صدق دل سے عیسائی نہیں ہوئے تھے اس لئے ان کو ۱۶۱۰ء میں ملک سے جبراً نکال دیا گیا۔ امریکی مصنف ایچ۔ سی۔ لی نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب "The Moriscos of Spain" (مطبوعہ لندن ۱۹۰۱ء) کے عنوان سے لکھی تھی جس سے پروفیسر آرنلڈ نے اپنی تالیف میں استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ از منشی خلیل الرحمٰن شائع ہو چکا ہے۔ (مترجم)

۵۷۔ سپین کے عیسائی حکمرانوں نے اپنی فتوحات کے بعد مسلمان باشندوں کو عیسائی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، لیکن چونکہ ان لوگوں کا ایمان اور اخلاص مشکوک تھا اس لئے شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا نے ان کے عقائد کی چھان بین کے لئے ایک محکمہ قائم کیا جسے Inquisition یعنی محکمہ تفتیش یا احتساب کہتے تھے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد جن لوگوں کا ایمان مشتبہ ثابت ہوتا، اسے قید خانے میں ڈال دیتے، طرح طرح کی اذیتیں دیتے بلکہ بعض اوقات جلا ڈالتے تھے۔ الغرض ہزاروں بے گناہ انسان عیسائیوں کے مذہبی تعصب اور عدم رواداری کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ خود عیسائی لوگ بھی اس محکمے کی باز پرس سے محفوظ نہ تھے۔ یہاں تک کہ کتابیں بھی اس محکمے کے احتساب میں شامل تھیں۔ یہ محکمہ آخرکار ۱۸۲۰ء میں توڑ دیا گیا۔ امریکی مصنف H.C.Lea نے اس کی تاریخ پانچ جلدوں میں History of the inquisition of Spain کے عنوان سے لکھی تھی جو ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ (مترجم)

۵۸۔ مورگن: جلد ۲، ص ۲۹۸۔ ۲۹۷، ۳۴۵۔

۵۹۔ ایضاً: ص ۳۱۰

۶۰۔ ایچ۔ سی۔ لی: مورسکوز، ۲۵۹۔

۶۱۔ مورگن: جلد ۲، ص ۳۳۷

۶۲۔ ایضاً: ص ۲۸۹۔

۶۳۔ سٹرلنگ میکس ول: جلد ۱، ص ۱۱۵۔

Marfat.com

باب ششم

یورپ کی عیسائی قوموں میں ترکوں کے ذریعے اشاعت اسلام

سلطنت عثمانیہ:

عثمانی ترکوں کا ذکر سب سے پہلے تیرہویں صدی کی ابتدا میں سامنے آتا ہے، جب ان کے تقریباً پچاس ہزار نفوس تاتاریوں سے بھاگ کر ایشیائے کوچک میں وارد ہوئے اور قونیہ کے سلجوقی سلطان کی مدد کو پہنچے۔ یونانیوں اور تاتاریوں سے مقابلہ کرتے ہوئے جو خدمات انہوں نے سرانجام دیں، ان کے صلے میں سلطان نے ان کو ایشیائے کوچک کے شمال مغرب میں ایک ضلع دے دیا اور یہیں سے سلطنت عثمانیہ کی ابتدا ہوئی۔ جب سلاجقہ روم کی مملکت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگئی تو عثمانی ترکوں نے ان کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اس کے بعد وہ سمندر کو عبور کر کے یورپ میں داخل ہوگئے اور ایک (عیسائی) مملکت کو دوسری مملکت کے بعد تسخیر کرتے ہوئے ۱۶۸۳ء میں سلطنت آسٹریا کے پائے تخت ویانا کے دروازوں تک جا پہنچے جہاں ان کے قدم رک گئے۔ (۱)

سلطان محمد فاتح کی مذہبی رواداری:

عیسائیوں پر ترکوں کی حکومت تو اسی وقت سے قائم ہوگئی تھی جب ایشیائے کوچک میں انہوں نے اپنی سلطنت کو وسعت دی تھی، لیکن جب تک مشرقی رومی سلطنت کا پائے تخت یعنی قسطنطنیہ ۱۴۳۵ء میں ان کے تصرف میں نہ آگیا اس وقت تک اسلامی حکومت اور عیسوی کلیسا کے تعلقات پختہ بنیاد پر قائم نہ ہو سکے۔ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن قائم کر لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عیسائیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے یہ اعلان کیا کہ میں یونانی کلیسا کا محافظ اور سرپرست ہوں۔ عیسائیوں کی ایذا رسانی کی سختی سے ممانعت کر دی گئی اور سلطان نے ایک فرمان جاری کیا جس کے بموجب قسطنطنیہ کے نئے بطریک اور اس کے جانشینوں کو اور ان تمام اساقفہ کو، جو اس کے ماتحت تھے، ان کے تمام قدیم اختیارات اور ذرائع آمدنی، جو ان کو گذشتہ حکومت میں حاصل تھے، واپس کر دیئے گئے۔ جن قواعد وضوابط سے وہ مستثنیٰ تھے، ان سے بدستور مستثنیٰ رکھا گیا۔ ترکوں کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کا پہلا بطریک گناد یوس تھا جس کو سلطان نے اپنے دست خاص سے وہ عصا عطا کیا جو اس کے منصب کا خاص نشان تھا۔ ہزار اشرفیوں کی تھیلی کے علاوہ اسے ایک گھوڑا بھی عنایت کیا جس کا ساز و براق بڑا پر تکلف تھا اور جس پر سوار ہو کر وہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ شہر میں نکل سکتا تھا۔ (۲) کلیسا کے پیشوا کا

Marfat.com

نہ صرف پورا پورا احترام قائم رکھا گیا، جیسا کہ عیسائی قیصر ملحوظ خاطر رکھتے تھے، بلکہ اسے وسیع دیوانی اختیارات بھی دے دیئے گئے۔ مثلاً اس کی عدالت ان تمام مقدمات کا فیصلہ کرتی تھی جس کے دونوں فریق مسیحی ہوں۔ وہ جرمانے کی سزا دے سکتی تھی اور مجرموں کو اپنے خاص قید خانوں میں مقید کر سکتی تھی، اور بعض حالات میں سزائے موت بھی دے سکتی تھی۔ سلطنت کے وزیروں اور افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ اس عدالت کے احکام اور فیصلوں کی تعمیل کریں۔ سابقہ بیزنطینی حکومت کی روش کے برعکس ترک حکام کلیسا کے مذہبی معاملات میں دست اندازی نہیں کرتے تھے، بلکہ ان معاملات کا انصرام وانتظام پورے طور پر یا بطریرک کے ہاتھ میں تھا، یا اس مجلس کے اختیار میں تھا، جس کو وہ جب چاہے بلا سکتا تھا، اور اس کے ذریعے سے ان مسائل کو، جن کا تعلق دین یا عقائد سے تھا، بغیر حکومت کی مداخلت کے طے کر سکتا تھا اور شاہی حکومت کے ایک مسلمہ افسر کی حیثیت سے بطریرک بے انصاف حکام کے کاموں سے سلطان کو مطلع کر کے مظلوموں کی دادرسی کر سکتا تھا۔

صوبہ جات میں جو یونانی اسقف تھے، ان کی بھی بہت عزت ہوتی تھی۔ چنانچہ دیوانی معاملات میں ان کو اتنے وسیع اختیارات حاصل تھے کہ موجودہ زمانے تک وہ اپنے حلقوں میں اپنے کام اس طرح سرانجام دیتے تھے گویا کہ وہ عیسائی آبادی پر ترکی حکام کی حیثیت سے متعین ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلیسا کے اعلیٰ عہدے دار یونانی پادریوں کی بجائے ترکی اہلکار کا فریضہ ادا کرتے تھے اور وہ اپنے لوگوں کو ہمیشہ یہ بتایا کرتے تھے کہ سلطان کو خدا کی طرف سے کلیسائے یونان کی حفاظت سپرد ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سلطان کی طرف سے فرمان جاری ہوا کہ آرتھوڈوکس فرقے کے لوگ ان گرجاؤں کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں جن کو مساجد کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا، اور وہ اس بات کے مجاز ہیں کہ اپنی مذہبی رسوم علانیہ اپنے قومی دستور کے مطابق ادا کریں۔ (۳)

ترکی حکومت کی برکات:

باوجودیکہ دولت عثمانیہ کے ان صوبہ جات میں، جو یورپ میں واقع تھے، عیسائیوں کی تعداد ترکوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی، لیکن مذہبی آزادی اور جان و مال کے تحفظ کی وجہ سے، جو ان کو بخوبی حاصل ہوا، عیسائیوں نے نئے حاکموں کو خوش دلی سے قبول کر لیا، اور انہوں نے سلطان کی حکومت کو ہر عیسائی حکومت پر ترجیح دی۔ فی الحقیقت ملک کے بہت سے حصوں میں یونانیوں نے فرنگیوں اور وینس والوں کی غارت گری اور ظالمانہ حکومت کے مقابلے میں ترکوں کو اپنا نجات دہندہ تصور کیا، کیونکہ ان لوگوں نے ایک مدت سے یونان کے بعض حصوں کے لئے بیزنطینی حکومت سے تنازعہ کھڑا کر رکھا تھا۔ علاوہ ازیں یونان میں نظام جاگیرداری جاری کر رکھا تھا جس سے رعایا کی حالت غلاموں کی طرح خراب وخستہ ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ حاکم زبان، قوم اور مذہب کے لحاظ سے

Marfat.com

رعایا سے اختلاف رکھتے تھے اس لئے رعایا ان سے سخت نفرت کرتی تھی۔ (۴) کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حاکموں کی تبدیلی سے ان کی حالت کے بہتر ہونے کا امکان تھا، وگرنہ جیسی ابتر حالت اس وقت تھی، اس سے بدتر ہونی ناممکن تھی۔ اگرچہ ان کے نجات دلانے والے ترک اہل وینس کی طرح ان کے لئے اغیار ہی تھے، لیکن وہ کافر ترکوں کو ملحد کیتھولک عیسائیوں پر بدرجہا ترجیح دیتے تھے (کیونکہ ترکوں کی حکومت میں ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی (۵)۔ اسی طرح جو یونانی قسطنطنیہ کی حکومت میں رہتے تھے، وہ بھی حکمرانوں کی تبدیلی کو ناپسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ پالیولوگی خاندان کے عہد میں جو اخلاقی انحطاط رونما ہوا اور رعایا پر جو ظلم وستم ہوئے، انکے تصور ہی سے انسان کے دل پر خوف طاری ہو جاتا ہے، "امراء کا بددیانت طبقہ، جابر پادریوں کی بے شمار جماعت، غیر فطری قوانین کی سختی، ایک مکروہ حکومت کا استحصال بالجبر، اور اس کے علاوہ حکومت کی اجارہ داریاں، اس کا مالی نظام، ٹیکس اور محصول جمع کرنیوالوں کا لشکر، غرض کہ ان سب چیزوں نے مل کر مظلوم رعایا کے حقوق غصب کر لیے تھے اور انہیں ان کے اداروں سے محروم کر دیا تھا۔ ان کے لئے اصلاح حال کی کوئی گنجائش یا تلافی مافات کی کوئی امید باقی نہیں چھوڑی تھی۔ (۶)

ترکوں کا عدل وانصاف:

ممکن ہے کسی شخص کو یہ رائے طرف داری پر مبنی نظر آئے، ہم اس کی صداقت کی تائید میں ایک ہم عصر مستند مصنف کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ روسی مورخین بھی، جنہوں نے زوال قسطنطنیہ کا حال لکھا ہے، وہاں کی عیسائی حکومت پر اسی قسم کا الزام لگاتے ہیں۔ "جس سلطنت میں قانون کا احترام نہ ہو، اس کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو بے لگام ہو۔ قسطنطین اور اس کے اسلاف نے امراء کو عوام پر ظلم وستم کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ ان کی عدالتوں سے انصاف اٹھ گیا تھا اور ان کے دل ہمت وحوصلہ سے خالی ہو چکے تھے، ججوں نے بے گناہوں کے آنسوؤں اور خون سے خزانے جمع کر لیے تھے۔ یونانی فوجی محض اپنے زرق برق لباس پر ناز کرتے تھے، شہری لوگ اپنی بے وفائی اور غداری پر شرم محسوس نہیں کرتے تھے اور سپاہی میدان جنگ سے فرار ہو کر شرمندہ نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار خدا نے ان نالائق حکمرانوں پر اپنا قہر نازل کیا اور سلطان محمد کو پیدا کیا جس کے سپاہی نبرد آزمائی میں خوش رہتے ہیں اور جس کے قاضی اپنی امانت میں خیانت نہیں کرتے۔" (۷)

اس ستائش کا آخری جملہ اس نسل کے کانوں کو عجیب معلوم ہوگا (۸) جو ہمیشہ سے ترکوں کی بے انصافی کے خلاف احتجاج کرتی رہی ہے، لیکن ترکوں کی انصاف پسندی کی ان کے ہم عصر مورخین کے بیانات سے کافی ووافی شہادت ملتی ہے۔ وہی بیزنطینی مؤرخ، جس نے فتح قسطنطنیہ کا حال لکھا ہے، وہ بیان کرتا ہے کہ بایزید جیسا تند

Marfat.com

مزاج سلطان بھی اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ فیاضی اور دریا دلی سے پیش آتا تھا۔ ان کو اپنے دربار میں آزادانہ جگہ دیتا تھا۔ (۹) اور اس طرح وہ عیسائی رعایا میں بے حد ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ سلطان مراد ثانی بھی اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے عدل وانصاف کی طرف خاص توجہ کی اور ان خرابیوں کی اصلاح کی جو قیصروں کے زمانے سے پھیلی ہوئی تھیں اور اپنے ان افسروں کو، جنہوں نے اس کی رعایا میں (۱۰) سے کسی پر ظلم کیا تھا، سخت سزائیں دیں۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد ایک صدی تک قابل سلاطین نے مستحکم اور مضبوط انتظام سے اپنی تمام قلمرو میں امن قائم رکھا اور ایک قابل تعریف دیوانی اور عدالتی نظام جاری کیا۔ اگرچہ اس نظام سے مسلمانوں اور عیسائیوں کو یکساں انصاف نہیں ملتا تھا، لیکن اس سے یونانیوں کی حالت سابق کی بہ نسبت بدرجہا بہتر ہو گئی۔ اب عیسائیوں پر بیگار کی مصیبتیں کم ہو گئیں اور غیر معمولی محصول ان سے شاذ و نادر ہی لیئے جاتے تھے۔ جو ٹیکس وہ ادا کرتے تھے، وہ فرنگی جاگیرداروں کے واجبات اور بیزنطینی حکمرانوں کے بے شمار محاصل کے مقابلے میں بہت قلیل تھے۔ مسیحی یورپ کے اکثر ملکوں کی بہ نسبت ترکی حکومت کا نظم ونسق یقیناً بہتر تھا اور یہاں کے باشندے زیادہ خوش حال تھے، اور عیسائی آبادی کے اکثر افراد کو، جو زراعت پیشہ تھے، بہت سے ہم عصر عیسائی حکمرانوں کی رعایا کے مقابلے میں سلطان کی حکومت میں زیادہ آزادی حاصل تھی اور ان کو اپنی محنت کا بہتر ثمرہ ملتا تھا۔ (۱۱)

تجارتی ترقی:

ترکوں کے زمانے میں ملک کی تجارت نے بھی خوب ترقی کی، کیونکہ زمانہ سابق کے سلاطین اپنی رعایا کی تجارت کو فروغ دینے پر ہمیشہ مستعد رہے۔ بہت سے بڑے بڑے شہروں کی خوش حالی کا دور اس وقت شروع ہوا، جب ان کو ترکی فتوحات کے بعد بیزنطینی (۱۲) حکومت کے مالی ظلم وستم سے نجات ملی، جس نے ان کی (اقتصادی زندگی) کو مفلوج کر رکھا تھا۔ ان میں سے پہلا شہر نیقیہ تھا جس نے ایک طویل محاصرے (۱۳) کے بعد ۱۳۳۰ء میں انتہائی آسان شرائط پر سلطان آورخان کی اطاعت قبول کر لی۔ قدیم رومیوں کی طرح ترکوں نے بھی بہت سی سڑکیں اور پل بنائے جس سے ملک بھر میں تجارت میں بڑی آسانی پیدا ہو گئی۔ اس کے علاوہ دوسری حکومتیں یونانی تاجروں کو اپنی بندرگاہوں میں داخلے کی اجازت دینے پر مجبور ہو گئیں، وگرنہ اس سے پہلے بیزنطینی قیصروں کے زمانے میں انہیں داخلے کی ممانعت تھی، لیکن عیسائی تاجر اب ترکی جھنڈے تلے سفر کرتے تھے اور انہوں نے ترکوں کا لباس اور طرز زندگی اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح انہوں نے اب مغربی یورپ کی قوموں میں وہ عزت ووقار حاصل کر لیا تھا جس سے آج تک مغرب کے کیتھولک ترکوں نے یونانی کلیسا (۱۴) کے پیروؤں کو محروم رکھا ہوا تھا۔

Marfat.com

یکی چری:

ترک حکمرانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بالعموم اچھا برتاؤ کیا اور ان کو مذہبی آزادی بھی دی۔ لیکن ایک بات مستثنیٰ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عیسائی بچوں کو چھوٹی عمر ہی میں ان کے والدین سے جبراً لے لیا جاتا تھا اور پھر انہیں یکی چری (۱۵) کی مشہور و معروف فوج میں بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ اس فوج کو سلطان آورخان نے ۱۳۳۰ء میں مرتب کیا تھا اور کئی صدیوں تک ترکی سلاطین کی شوکت و سطوت کا دار و مدار بیشتر اسی فوج پر رہا۔ اس کو قائم رکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ سلطان کے افسر ہر چار سال (۱۶) کے بعد ان اضلاع کا دورہ کرتے تھے جن پر خراج عائد ہوتا تھا، اور سات سال کی عمر کے بچوں میں سے بعض کو منتخب کر لیتے تھے۔ مسلمان فقہاء نے اس وحشیانہ خراج کے جواز کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ مال غنیمت کا وہ خمس ہے جو قرآن مجید نے حکمران کے لئے مخصوص کیا ہے۔ (۱۷) انہوں نے اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ جبری تبدیل مذہب (۱۸) کے خلاف جو ہدایت ہے، ان بچوں کے بارے میں بھی اس پر عمل کرنا چاہیے، لیکن چونکہ وہ بچے صغرسنی ہی میں مسلمان معلموں کی تربیت میں آ جاتے تھے، اس لئے یہ ممانعت عملی طور پر کوئی اثر نہ رکھتی تھی۔ (۱۹) یورپ کے عیسائیوں نے اس وحشیانہ خراج کو ہمیشہ دہشت اور خوف کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ترکی سلطنت میں جن سیاحوں نے سیر و سفر کیا ہے، انہوں نے ویران گھروں اور روتے پیٹتے والدین کی دردناک تصویر کھینچی ہے، جن سے ان کے بچے جبراً چھین لیے جاتے تھے۔ لیکن جب یکی چری پہلے پہل تیار ہوئی تو عیسائیوں نے خود اپنی مرضی سے داخل ہو کر اس کی تعداد کو بڑھایا تھا۔ (۲۰) اور جن حالات میں یہ خراج پہلے پہل لگایا گیا تھا، ان سے اس بات کی توجیہہ ہوتی ہے کہ خود یونانیوں نے اس کی طرف سے بے پروائی ظاہر کی تھی۔ تمام ملک لڑائیوں سے ویران ہو چکا تھا اور لوگوں کو یہ خطرہ اکثر لاحق رہتا تھا کہ کہیں وہ بھوک کے ہاتھوں ہلاک نہ ہو جائیں۔ جو بچے فوج کے واسطے لئے جاتے تھے، وہ اکثر اوقات یتیم ہوتے تھے، جو بصورت دیگر کسمپرسی کی حالت میں تباہ و برباد ہو جاتے۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں عیسائیوں کو بطور غلام بیچنے کا دستور اتنا عام تھا کہ اس نوعیت کا خراج ان کے لئے اتنا خوفناک نہ ہوگا جتنا کہ ہمارا گمان ہے۔ اس دستور کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس قسم کا ضابطہ بیزنطینی قیصروں کے زمانے میں نافذ تھا اور ترکوں نے اسے محض جاری رکھا تھا۔ (۲۱) اس بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ عیسائی لڑکوں کی مقررہ تعداد جمع کرنے میں سرکاری اہل کاروں کو جبر کرنے کی بھی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی، بلکہ ان کے ماں باپ خود اس بات کی آرزو کرتے تھے کہ ان کے بچے ایسی خدمت میں منسلک ہوں جس میں وہ شاندار ترقی کر سکتے تھے۔ ان کو بہرحال اس بات کی امید ہوتی تھی کہ ان کے بچوں کی بخوبی غور و پرداخت ہوگی اور ان کی زندگی آرام سے گزرے گی، کیونکہ ان کمسن قیدیوں کی پرورش اور تعلیم اس طرح ہوتی تھی گویا کہ وہ سلطان کی اولاد ہیں۔ (۲۲) اگر یہ بات درست ہے کہ لڑکوں کے

Marfat.com

والدین ان کو روپیہ دے کر چھڑا سکتے تھے (۲۳) تو اس سے اس خراج کی صورت اور بھی کم وحشیانہ ہو جاتی ہے۔

میٹروفینس کریٹو پولوس، جو پہلے قسطنطنیہ کا اور پھر اسکندریہ کا بطریرک بنا، اور جس کا زمانہ تحریر ۱۶۲۵ ہے، مختلف تدبیروں اور ترکیبوں کا ذکر کرتا ہے جو عیسائی لوگ اس قسم کے خراج سے بچنے کے لئے اختیار کر تے تھے۔ مثلاً وہ مسلمان بچوں کو خرید لیتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ عیسائی ہیں، یا وہ سرکاری اہل کاروں کو رشوت دے کر ایسے عیسائی لڑکوں کو لینے پر آمادہ کر لیتے تھے۔ جو نیچ ذات کے ہوں یا جن کی تربیت غلط طور پر ہوئی ہو یا "محض پھانسی پانے (۲۴) کے لائق ہوں۔" دوسرے مصنفوں کے علاوہ ٹامس سمتھ یونانی کلیسا کے حالات میں لکھتا ہے کہ جن لڑکوں کا سرکاری اہل کار انتخاب کر لیتے تھے، ان کو روپیہ دے کر چھڑایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ "بعض والدین اپنی فطری محبت کی وجہ سے یا صحیح دینی حمیت سے یا اس اندیشے سے کہ مبادا وہ اپنے بچوں سے محروم ہو جائیں (۲۵) یا ان کے بچے عیسائی مذہب ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں، اپنی حسب توفیق پچاس یا سو ڈالر فی کس دے کر ان کو چھڑا لیتے تھے۔ بعض شہروں کے عیسائی اس ظالمانہ ٹیکس سے مستثنیٰ تھے، مثلاً قسطنطنیہ اور دیگر شہروں اور جزیروں کے عیسائی باشندے جنہوں نے ترکوں کی اطاعت اختیار کرتے وقت یہ شرط منوائی تھی کہ ان پر اس قسم کا خراج عائد نہ ہوگا (۲۶)۔ یہ وہ اسباب ہیں جو اس خراج کی سختی میں تخفیف کے سبب بنتے تھے۔ اس کے علاوہ جب کوئی دستور قائم ہو جاتا ہے تو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں اور اسے تسلیم کر لیتے ہیں، اگرچہ ان وجوہات سے ایک غیر فطری دستور کا کسی طرح جواز ثابت نہیں ہوتا۔ (۲۷) تاہم ان سے ہمیں اس بات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ یونانی رعایا نے نئی حکومت کے اس مطالبے کو بے پروائی کے ساتھ کیوں کر قبول کر لیا جس نے ان کی حالت بہت حد تک بہتر بنا دیا تھا۔

جزیہ اور اس کی مقدار:

اس کے علاوہ ترکی سلطنت کی عیسائی رعایا کو اپنی حفاظت کے معاوضے میں اور فوجی خدمت سے بری رہنے کے عوض میں جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ترکی قانون کے مطابق جزیہ کی شرح ہر بالغ مرد کے لئے اس کی آمدنی کے لحاظ سے ڈھائی، پانچ یا دس پیاسٹر فی کس سالانہ کے حساب سے مقرر تھی۔ (۲۸) عورتیں اور پادری لوگ اس سے مستثنیٰ تھے۔ (۲۹) انیسویں صدی میں آمدنی کے اعتبار سے جزیہ کی شرح پندرہ، تیس یا ساٹھ پیاسٹر تھی۔ (۳۰) سولھویں اور سترھویں صدی کے عیسائی بالعموم اس ٹیکس کی شرح ایک ڈیوکٹ فی کس بتاتے ہیں۔ (۳۱) لیکن ان کے برخلاف اس کی شرح تین، پانچ یا ۸/۷ کراؤن یا ڈالر بھی بتائی گئی ہے۔ (۳۲) اس اختلاف بیان کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سترھویں صدی میں ترکی سکے کی شرح مبادلہ میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ اس امر کا صحیح اندازہ کرنے

Marfat.com

لئے کہ جزیہ کا ادا کرنا عیسائیوں پر کس حد تک بار تھا، ہمیں اس بات پر طویل بحث کرنی پڑے گی کہ اس زمانے میں روپے کی قوت خرید کیا تھی اور جزیہ کی رقم کو دیگر مصارف سے کیا نسبت تھی۔ (۳۳) بہر حال جزیہ کی ادائیگی مذہب کی تبدیلی کے لئے ایک معقول عذر نہیں ہوسکتا، جیسا کہ (ایک فرانسیسی مصنف) تورنفور نے اہل کانڈیا (کریٹ) کے مسلمان ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ کم بخت (عیسائی) اپنے ایمان کو کوڑیوں کے مول بیچتے ہیں اور اپنے دین کے عوض جو کچھ ان کو ملتا ہے وہ ایک عباء ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ جزیہ پانچ کراؤن فی کس سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔" (۳۴) (جرمن مصنف) شیفلر بھی، جو ترکی حکومت میں عیسائیوں کی حالت کو حتی الامکان سیاہ رنگ میں پیش کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے، اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ایک ڈیوکٹ فی کس بہت ہی حقیر رقم تھی، لہذا وہ غیر معمولی محصولوں اور لڑائی کے ٹیکسوں پر زور دیتا ہے جو عیسائیوں کو ادا کرنے پڑتے تھے۔ (۳۵) زمین کا خراج عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں تھا۔ (۳۶) کیونکہ ترکوں نے اس تفریق کو تسلیم نہیں کیا تھا کہ مسلمان اپنی اراضی پر عشر دیں اور غیر مسلم خراج ادا کریں۔ (۳۷)

جو تکلیفیں اور مصیبتیں عیسائی لوگ اٹھاتے تھے، وہ بعض خاص افراد کے تشدد کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ وہ اپنے سرکاری منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ماتحت لوگوں سے ناجائز طور پر روپیہ وصول کرتے تھے۔ اس قسم کی زیادتیاں نہ صرف اسلامی شریعت کے منافی تھیں، بلکہ مرکزی حکومت کے ضعف وانحطاط سے پہلے شاذ ونادر ہی وقوع میں آتی تھیں۔ لیکن انحطاط کے بعد حکومت مقامی افسروں کو سزا دینے سے قاصر ہوگئی تھی۔ (۳۸) یورپ میں ترکی حکومت کی پہلی دو صدیوں میں عیسائی رعایا کی جو حالت بیان کی جاتی ہے، وہ زمانہ مابعد کی حالت سے بہت مختلف ہے، جب کہ ترکی سلطنت کا دور زوال شروع ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ عین اس زمانے میں جب کہ عیسائیوں کی حالت بڑی ناقابل برداشت ہو رہی تھی، قبول اسلام کے واقعات کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ اٹھارویں صدی میں جب عیسائیوں کی حالت دوسرے زمانوں کی بہ نسبت بہت ابتر تھی، لوگوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کہیں سننے میں نہیں آتا، بلکہ ترکوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی ترقی کے بارے میں بالکل غافل اور بے پروا تھے، بلکہ بہت حد تک وہ مذہبی شکوک اور بداعتقادی (۳۹) میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جو تکلیفیں عیسائی اٹھاتے تھے، وہ مسلمانوں کے مذہبی تعصب کی وجہ سے نہ تھیں، بلکہ ان کا سبب حکومت کی بدنظمی تھی۔ اس بات کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان مصائب میں مسلمان اور عیسائی یکساں مبتلا تھے۔ (۴۰) البتہ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیوں کو رشوت ستانی اور بدسلوکی کا زیادہ سامنا رہتا ہوگا، کیونکہ ان کو داد پانے اور اپنی شکایات کے ازالے میں زیادہ مشکلات پیش آتی تھیں۔ لہذا ممکن ہے کہ ان وجوہات سے بعض انتہائی مفلس عیسائیوں نے اپنا مذہب

Marfat.com

تبدیل کر کے اپنی مشکلات سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

ترکوں کی مذہبی رواداری:

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں نے لڑکوں کا جو خراج عائد کیا تھا، یونانیوں نے اسے بغیر کسی مزاحمت کے قبول کر لیا تھا۔ جب یہ خراج منسوخ ہوا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس کے خلاف کوئی بغاوت یا ہنگامہ برپا ہوا تھا، بلکہ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترکوں کی آبادی بڑھ گئی تھی اور نو مسلموں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا اور وہ سلطان کی ملازمت میں بکثرت داخل ہو رہے تھے۔ (۴۱) قطع نظر اس خراج کے یونان کی فتح کے بعد کم از کم دو سو سال تک ترکی سلاطین نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ مذہبی معاملات میں ایسی رواداری کا ثبوت دیا جس کی مثال اس زمانے میں یورپ کے دوسرے ملکوں میں مطلق نہیں ملتی، چنانچہ ہنگری اور ٹرانسلوانیا کے کیلون کے پیرو اور ٹرانسلوانیا کے موحدین مدت دراز تک ہپسبرگ (۴۲) (آسٹریا) کے متعصب حکمران خاندان کی محکومی کی بجائے ترکوں کی اطاعت کو ترجیح دیتے رہے۔ سلیشیا (مشرقی جرمنی) کے پروٹسٹنٹ لوگ ترکی سلطنت کی طرف پر امید نگاہوں سے دیکھتے تھے اور مذہبی آزادی کے عوض اسلامی حکومت کی اطاعت کو بخوشی اختیار کرنے کے لئے تیار تھے۔ (۴۳) پندرھویں صدی کے اخیر میں جب سپین کے یہودیوں پر ظلم وستم ہوا تو ان میں سے بے شمار لوگوں نے بھاگ کر ترکی میں پناہ لی۔ (۴۴) اسی طرح جب روس کے سرکاری کلیسا نے قازق قوم کے لوگوں پر جور وستم کیا جو "قدیم مومنین" کے فرقے سے تعلق رکھتے تھے تو ان کو بھی سلطان کی مملکت میں وہ مذہبی آزادی ملی جس سے ان کے ہم مذہب بھائیوں نے انہیں محروم کر دیا تھا۔ (۴۵) سترھویں صدی میں جب انطاکیہ کے بطریرک مکاریوس نے ان خوفناک مظالم کو دیکھا جو پولینڈ کے کیتھولک فرقے نے آرتھوڈوکس کلیسا کے رومیوں پر کئے تھے، تو اس نے اپنے آپ کو ان الفاظ میں مبارکباد دی:

"ہم ان ہزاروں صلیبیوں پر بہت روئے جن کو ان فاجر کم بختوں نے، جو دین کے دشمن ہیں، گزشتہ چالیس پچاس سال کے عرصے میں ہلاک کر ڈالا ہے۔ ان کی تعداد کم و بیش ستر یا اسی ہزار تک پہنچتی ہے۔ اے کافرو! اے ناپاکی کے شیطانو! اے سنگ دلو! راہبات اور عورتوں نے کیا کیا تھا؟ لڑکیوں، لڑکوں اور چھوٹے بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تم نے ان کو مار ڈالا؟ اور میں ان (پولینڈ والوں) کو ملعون کیوں کہتا ہوں؟ اس لئے کہ انہوں نے عیسائیوں پر ظلم کر کے اپنے تئیں بت پرستوں سے بھی زیادہ ذلیل اور خبیث ثابت کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح آرتھوڈوکس فرقے کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ (خدا ترکوں کی سلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلامت رکھے! کیونکہ وہ اپنا جزیہ لیتے ہیں لیکن رعایا کے مذہب میں دخل اندازی نہیں کرتے، خواہ وہ نصرانی ہوں یا یہودی یا سامری۔ لیکن ان ملعون پولستانیوں نے اپنے عیسائی بھائیوں سے، جو ان کی خدمت کرنے پر رضامند

Marfat.com

تھے، محصول اور عشر وصول کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کو مسیح کے دشمنوں یعنی ظالم یہودیوں کے حوالے کر دیا، جنہوں نے ان کو نہ تو گرجے تعمیر کرنے کی اجازت دی اور نہ ہی ان کے پاس کسی مذہبی پیشوا کو چھوڑا جو ان کے دین کے اسرار سے واقف ہو۔ "(۴۶)

اٹلی میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو ترکوں کی طرف پر امید نگاہوں سے دیکھتے تھے اور یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ ترکوں کی رعایا بن کر آزادی اور مذہبی رواداری سے بہرہ ور ہو سکیں گے، کیونکہ کسی بھی عیسائی حکومت میں وہ مذہبی آزادی سے مایوس ہو چکے تھے۔ (۴۷)

پس بیان بالا سے ظاہر ہے کہ سلطان ترکی کی مملکت میں اسلام کی اشاعت میں جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ سلطنت کے دور انحطاط میں، جب کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف نہیں ہوتا تھا اور بد دیانت افسر اور اہل کار رعایا پر ظلم کرتے تھے، بعض عیسائی اپنا مذہب تبدیل کر کے اپنی حالت کو بہتر بنانے پر مجبور ہوئے ہوں، لیکن ترکی حکومت کی پہلی دو صدیوں میں اس قسم کے واقعات شاذ تھے، اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں عیسائیوں نے کثرت سے اسلام قبول کیا۔ اس زمانے میں ترکوں میں تبلیغ کا جوش موجود تھا، لیکن اگر انہوں نے رواداری کی ان حدود سے کبھی تجاوز کیا ہوتا، جن کو ان کے اپنے ہی قوانین نے قائم کیا تھا، تو یہ بات ہمارے لئے یقیناً تعجب انگیز ہوتی، تاہم ایک شخص نے جو بائیس سال تک ترکوں کی قید میں رہا تھا، بیان کیا ہے کہ "ترک کبھی کسی کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتے۔ "(۴۸) دوسرے لوگوں نے بھی اسی قسم کی شہادت دی ہے، مثلاً ایک انگریز، جس نے سترھویں صدی میں ترکی کا سفر کیا تھا، ہمیں بتاتا ہے کہ " کسی کے ضمیر پر جبر کیا نہیں جاتا، اور کسی کو موت کا خوف نہیں دلایا جاتا، تاوقتیکہ اس نے کسی سنگین جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ "(۴۹)

تقریباً تیس سال کے بعد (۱۶۶۳ء میں) ایک جرمن مصنف (۵۰) شیفلر لکھتا ہے کہ "ترک جبر سے نہیں بلکہ دھوکے فریب سے لوگوں کو مسلمان کرتے ہیں۔ وہ دغابازی سے لوگوں کے دلوں کو مسیح سے برگشتہ کرتے ہیں، کیونکہ ترک لوگ اس وقت کسی ملک کو جبراً تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ وہ اور طریقے اختیار کر رہے ہیں جن کے ذریعے سے وہ چپ چاپ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر کار ان ملکوں کے عیسائی کہاں غائب ہو گئے۔ ملک سے وہ نکالے نہیں گئے اور نہ ہی ان کو ترکوں کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے ہیں۔ "

ترکوں کا شوق تبلیغ:

ترک سمجھتے تھے کہ سب سے بڑا احسان، جو وہ کسی شخص کے ساتھ کر سکتے ہیں، یہ ہے کہ اس کو دائرہ اسلام کے اندر (۵۱) لا کر اس کی نجات اخروی کا باعث بنیں۔ چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے ترغیب کا کوئی طریقہ بغیر

Marfat.com

آزمائے نہیں چھوڑتے تھے۔ سولھویں صدی کے ایک ولندیزی سیاح نے لکھا ہے کہ جب وہ مسجد آیا صوفیہ میں کھڑا اس کی تعریف کر رہا تھا، تو چند ترکوں نے اس کے جمالیاتی ذوق کے ذریعے سے اس کے مذہبی خیالات پر اثر ڈالنا چاہا اور اس سے کہا کہ "اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تم یہاں پر روز آ سکتے ہو۔" (۵۲) تقریباً ایک صدی کے بعد ایک انگریز سیاح کو بھی اسی طرح کا تجربہ ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "بعض اوقات ترک مذہبی جوش کے وفور میں عیسائیوں سے بہت اخلاق سے یہ سوال کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے مجھ سے ایک مرتبہ سینٹ صوفیہ کے دروازے میں کیا تھا، کہ تم مسلمان ہو کر ہم میں کیوں شامل نہیں ہو جاتے؟" کسی شخص کے مسلمان ہونے پر جو عام خوشیاں منائی جاتی تھیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ترکوں کو لوگوں کی آخرت اور عاقبت بالخیر ہونے کا کس قدر خیال تھا، اور اس خیال نے ان کو اسلام کا پر جوش داعی بنا دیا تھا۔ نو مسلم کو گھوڑے پر سوار کرتے تھے اور اسے شہر کے بازاروں میں ایک جلوس کی صورت میں لے کر نکلتے تھے۔ اس کے متعلق اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ شخص سچے دل سے مسلمان ہوا ہے اور اپنی رضامندی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہے، اور وہ عالی مرتبہ ہے، تو اس کی بڑی عزت کرتے تھے اور اس کی گزر اوقات کے لئے بندوبست کر دیتے تھے۔ (۵۳) الیگزنڈروس کے اس قول کی تصدیق کے لئے کافی شہادت موجود ہے کہ "ترک لوگ عیسائیوں کے تبدیل مذہب، بلکہ تخریب مذہب، کے لئے بیہودہ طور پر سرگرم ہیں۔ وہ اپنی مساجد میں ہر روز ان کے مسلمان ہونے کے لئے صدق دل سے دعائیں مانگتے ہیں تا کہ وہ قرآن کا مذہب قبول کرلیں اور مسلمان ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ترغیب و ترہیب اور سزا و جزا کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا جس پر انہوں نے عمل نہ کیا ہو۔" (۵۴)

عیسائیوں کو مسلمان کرنے کی یہ سرگرم کوششیں عیسائی معاشرے کے بعض خصوصی حالات کی وجہ سے بھی کامیاب ہوئیں۔ ان اسباب میں سب سے بڑھ کر یونانی کلیسا کی ذلیل حالت تھی، کیونکہ بیزنطینی سلطنت کے دنیاوی استبداد کے علاوہ ایک کلیسائی استبداد بھی پیدا ہو چکا تھا جس نے مذہب اور اخلاق کے بارے میں ہر قسم کی بحث و تمحیص کو ممنوع قرار دیا تھا اور اپنی ہٹ دھرمی کے بوجھ تلے ملک کی علمی زندگی کو کچل ڈالا تھا۔ اس بے حسی کے عالم میں صرف ایک بات نے حرکت پیدا کر رکھی تھی کہ کیتھولک فرقے کے خلاف بحث و مباحثہ کی ایک سخت جنگ جاری تھی جس میں مذہبی مناظرے کی تلخی اور نسلی منافرت کی شدت بھی شامل تھی۔ عیسائی عوام کا مذہب گرتے گرتے محض ظاہری رسوم کی پابندی میں منحصر ہو گیا تھا اور ان کی ساری دینی سرگرمی اور عقیدت اس بات میں صرف ہوتی تھی کہ وہ مریم عذرا اور اولیاء اور ان کی تصاویر اور ان کے تبرکات کی پرستش کریں۔ اس لئے بہت سے لوگ اس کلیسا سے روگردان ہو چکے تھے، جس کی روحانی حالت پست ہو چکی تھی اور جس میں اس قسم کے باریک مسائل کی طولانی بحث کبھی ختم ہونے میں نہ آئی تھی کہ روح القدس خدا کی ذات سے نکلا ہے یا مسیح سے اور عشائے ربانی

Marfat.com

میں خمیری روٹی کھانی چاہیے یا فطیری۔ لہذا بہت سے عیسائیوں نے، جو ان باتوں سے بیزار ہو چکے تھے، خدا کے متعلق اسلام کی سیدھی سادی اور قریب الفہم تعلیم کو قبول کرلیا۔ چنانچہ بیان (۵۵) کیا گیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسلام اختیار کرلیا، اور ان میں صرف سادہ مزاج عوام ہی نہ تھے بلکہ ہر درجے اور ہر طبقے کے عالم لوگ بھی شامل تھے۔ جن راہبوں اور پادریوں نے دین اسلام اختیار کیا، ان کی معاش کے لئے ترکوں نے پہلے سے بہتر بندوبست کر دیا تاکہ ان کی مثال سے دیگر عیسائیوں کو بھی مسلمان ہونے کی ترغیب ہو۔

۱۴۵۳ء سے پہلے، جب کہ ایڈریانوپل ترکوں کا دارالحکومت تھا، دربار سلطانی میں نومسلموں کا ہجوم رہتا تھا اور ارکان دولت میں انہی لوگوں کی کثرت تھی۔ (۵۶) بیزنطینی شہزادے اور دیگر لوگ بھی اکثر اوقات مسلمانوں کی طرف آنکلتے تھے اور مسلمان ان کا خوشی سے استقبال کرتے تھے۔ اس قسم کا سب سے قدیم واقعہ ۱۱۴۰ء میں پیش آیا، جب قیصر جان کومنینس کے ایک بھتیجے نے اسلام قبول کیا اور اسلام لانے کے بعد نیقیہ کے سلطان مسعود کی بیٹی سے شادی کرلی۔ (۵۷) فتح قسطنطنیہ کے بعد یونانی عوام کے مقابلے میں اعلیٰ طبقے کے عیسائیوں نے قبول اسلام کی طرف زیادہ رغبت دکھلائی۔ ان نومسلموں میں ہمیں ایسے متعدد لوگوں کے نام ملتے ہیں جو سابقہ شاہی خاندان پلیولوگی سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح شہر طرابزون کے متبحر عالم امیروٹس نے اپنی آخری عمر میں عیسوی مذہب کو ترک کر دیا۔ کتابوں میں اسی طرح کے اور بھی بہت سے اشخاص کا ذکر آیا ہے۔ (۵۸) نیا مذہب صرف اس سادہ سے کلمے کے اقرار کا مطالبہ کرتا ہے: لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ لیکن مذکورہ بالا مصنف لکھتا ہے (۵۹) کہ "ساری مشکل اسی کلمے کے اقرار میں ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص اس بات کو مان لے کہ وہ خدائے واحد کا پجاری ہے۔ تو اس ضلالت کا زہر دین کے لباس میں اس میں آسانی سے سرایت کر جاتا ہے۔ یہ وہ چٹان ہے جس سے بہت سے لوگوں کا سفینۂ ایمان ٹکرا کر پاش پاش ہو چکا ہے اور وہ ایسے دام میں گرفتار ہو گئے جو ان کی روحوں کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ یہ چکی کا وہ پاٹ ہے جو ان کے گلے کا طوق بنا اور جس نے ان کو مایوسی کی غار میں گرا دیا۔ کیونکہ جب یہ احمق سنتے ہیں کہ ترک بت پرستی کی مذمت کرتے ہیں اور ہر مورت اور تصویر سے اس طرح کراہت اور نفرت کرتے ہیں گویا وہ نار جہنم ہے اور وہ خدائے یکتا کی پرستش کا اس تسلسل کے ساتھ اقرار کرتے ہیں اور وعظ کہتے ہیں تو اس سے ان کے دل و دماغ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

مشرقی کلیسا (یعنی گریک آرتھوڈوکس چرچ) کے عیسائیوں کو جب اس بات کی خواہش ہوئی کہ دینی عقیدے کی کوئی ایسی صاف اور سادہ صورت اختیار کریں جس سے پالیشن فرقہ پیدا ہوا تھا اور جسے ملحد قرار دے کر چند صدی پیشتر دبا دیا گیا تھا، تو ایسی صورت میں ان کو قدرتی طور پر دامن اسلام ہی میں پناہ ملی۔ آرتھوڈوکس کلیسا کے لوگ اوہام میں مبتلا تھے اور وہ مورتوں، اولیاء اور ان کے آثار و تبرکات کی پرستش کر رہے تھے۔ پالیشن تحریک

Marfat.com

ان ہی باتوں کے خلاف ایک احتجاج تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک سادہ عقیدہ اختیار کیا جائے اور پاکیزہ اور عابدانہ زندگی بسر کی جائے۔ چونکہ اس فرقے کے بعض پیرو بلغاریہ میں سترہویں صدی تک موجود تھے۔(۶۰) مسلمان فاتحین کو وہاں یقیناً بہت سے ایسے عیسائی ملے ہوں گے جو یونانی کلیسا کے عقیدے اور عمل سے مطمئن نہ تھے۔ یورپ کے مغربی ملکوں میں پروٹسٹنٹ فرقہ پیدا ہوا تھا، لیکن مشرق کے حالات اس قسم کے فرقے کے ظہور کے لئے سازگار نہ تھے، لہذا ان غیر مطمئن اور مختلف الرائے لوگوں کو دائرہ اسلام میں ایسی فضا نصیب ہوئی جو ان کی طبائع کے لئے زیادہ مناسب اور موافق تھی۔

پروٹسٹنٹ تحریک کی ناکامی:

ہمارے پاس اس امر کو باور کرنے کے لئے کافی وجوہات موجود ہیں کہ سترھویں صدی کی ابتدا میں یونانی کلیسا کو پروٹسٹنٹ بنانے میں جو ناکامی ہوئی تھی، یہ تحریک اسی کا نتیجہ تھی۔ اس تحریک کا بانی سرل لوکارس تھا جو ۱۶۲۱ء اور ۱۶۳۸ء کے درمیانی عرصے میں پانچ مرتبہ قسطنطنیہ کا بطریرک مقرر رہا تھا۔ وہ اپنے ایام جوانی میں وٹن برگ اور جنیوا کی یونیورسٹیوں میں رہ چکا تھا جہاں اس نے پروٹسٹنٹ فرقے کے دینی علوم کی تعلیم پائی تھی اور واپس آنے کے بعد بھی اس نے اصلاح شدہ فرقے کے علماء کے ساتھ، جو جنیوا، ہالینڈ اور انگلستان میں مقیم تھے، خط و کتابت جاری رکھی تھی۔ لیکن اس کو جان کالون (۶۱) کی تعلیمات میں جو دلکشی نظر آئی ویسی کشش اس نے نہ تو کلیسائے انگلستان کے عقائد میں دیکھی اور نہ ہی اسے لوتھر کے پیرووں کے معتقدات میں دکھائی دی۔ لہذا اس نے کالون کے عقائد کو یونانی کلیسا میں رائج کرنے کی کوشش کی اور جنیوا کے کالوینی فرقے نے بھی اس معاملے بڑی سرگرمی سے اس کی تائید کی۔ چنانچہ انہوں نے ایک نوجوان عالم دین لیجر نامی کو قسطنطنیہ بھیجا تاکہ کالوینی علماء کی تالیفات کو یونانی زبان میں ترجمہ کرنے میں اس کی مدد کرے۔(۶۲) سرل کو قسطنطنیہ میں پروٹسٹنٹ ملکوں کے سفارت خانوں میں بھی سرگرم دوست مل گئے اور ولندیزی اور انگریزی سفیروں نے بالخصوص اس کو بڑی فیاضی سے مالی امداد دی۔ لیکن اس کے برعکس یسوع جماعت کے لوگوں نے کیتھولک سفیروں کی تائید سے ہر ممکن طریقے سے سرل کی مخالفت کی تاکہ وہ یونانی کلیسا میں کالون کے عقائد کو رواج نہ دے سکے اور یونانی پادریوں میں سرل کے جو مخالفین تھے، ان کی سازشوں میں بھی عملی طور پر شریک ہوئے یہاں تک کہ سرل کے مخالفین نے اسے آخرکار مروا ڈالا۔

سرل نے ۱۶۲۹ء میں "عقیدے کا اقرار" شائع کیا جس کا بڑا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آرتھوڈوکس کلیسا کے عقائد کو رومن کیتھولک کے خلاف اس طرح پیش کیا جائے جس سے لازمی طور پر وہ پروٹسٹنٹ مذہب کے

Marfat.com

مطابق نظر آئیں۔(۶۳) چنانچہ اس نے کالون سے "تقدیر" اور "نجات بالایمان" کے عقائد اخذ کئے، کلیسا کی عصمت یعنی اس کے منزہ عن الخطا ہونے سے انکار کیا اور کتب مقدسہ کی تفسیر میں کلیسا کو سند تسلیم کرنے سے بھی انکار کیا اور تصویروں کی پرستش کی مذمت کی۔ اسی طرح انسانی مشیت اور دیگر مسائل کے بیان میں وہ آرتھوڈوکس کلیسا کی تعلیم (۶۴) کے مقابلے میں کالون کے عقائد کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہے۔ جب یہ "عقیدہ" شائع ہوا اور یوں ظاہر ہوا گویا یہی عقیدہ اس تمام کلیسا کی تعلیم کو پیش کرتا ہے جس کا وہ پیشوا ہے، تو اس سے کلیسا کے اکثر ارکان میں شدید مخالفت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سرل کی موت کے چند ہفتے بعد ارباب کلیسا کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس نے اس کے عقائد کی مذمت کی اور اس کو کلیسا سے خارج قرار دیا۔ ۱۶۴۲ء میں قسطنطنیہ میں اسی مقصد سے ایک دوسری مجلس منعقد ہوئی جس نے سرل کے "عقیدہ" کے ہر ایک قول کی بالتفصیل تردید کی جیسی کہ پہلی مجلس نے کی تھی، اور سرل اور اس کے پیرووں پر ان الفاظ میں لعنت کی: "ہم متفق الرائے ہو کر غیر مشروط الفاظ میں اس "عقیدہ" کو رد کرتے ہیں کیونکہ وہ الحاد سے پر ہے اور ہمارے صحیح عقائد کے منافی ہے۔ اسی طرح ہم اعلان کرتے ہیں کہ اس کے مؤلف اور ہمارے عقیدے کے درمیان کوئی بات مشترک نہیں ہے، اور اس نے دروغ بیانی سے کام لے کر اپنے کالوینی عقائد کو ہمارے ساتھ منسوب کیا ہے۔ وہ تمام لوگ جو اس "عقیدہ" کو پڑھتے ہیں اور اسے سچا اور بے عیب سمجھتے ہیں اور تقریری یا تحریری طور پر اس کی حمایت کرتے ہیں، ہم ان کو مومنین کی جماعت سے خارج کرتے ہیں اور اس کے الحاد میں شریک سمجھتے ہیں اور ان کو عیسائی کلیسا کا مخرب گردانتے ہیں۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو، خواہ ان کا کیسا ہی درجہ اور منصب ہو، کافر اور فاجر سمجھا جائے۔ وہ ملت مسیحی سے ہمیشہ کے لئے خارج ہیں، ان کا تعلق اس زندگی میں اور آخرت میں بھی باپ بیٹے اور روح القدس سے منقطع ہے۔ ان پر لعنت ہو، وہ کلیسا سے خارج رہیں اور مرنے کے بعد غارت ہو جائیں اور ابدی عقوبت کے سزاوار ہوں۔" (۶۵) ۱۶۷۲ء میں یروشلم (بیت المقدس) میں تیسری مجلس قرار پائی تاکہ سرل کے "عقیدہ" کے ملحدانہ اقوال کی تردید کی جائے اور یونانی کلیسا کی صداقت کو ان لوگوں کے مقابلے میں ثابت کیا جائے جو اس میں کالوینی عقائد کی آمیزش بتاتے ہیں۔

پس یونانی کلیسا کو پروٹسٹنٹ بنانے کے لئے جو کوشش کی گئی تھی، وہ بالکل ناکام رہی، کیونکہ کالون کے عقائد اس کلیسا کی تعلیم سے بالکل متضاد تھے، اور بہت سے ایسے مسائل دین کی تلقین کرتے تھے جو یونانی کلیسا کے مقابلے میں مسلمان علماء کے عقائد کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتے تھے، اور جن کے خلاف کلیسا نے اکثر اوقات مسلمانوں کے ساتھ مناظرہ کیا تھا۔ اسلامی عقائد کے ساتھ یہی وہ موافقت ہے جس سے اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اشاعت اسلام کی تاریخ میں اس تحریک کا ذکر کیا جائے، جس میں کالون کے عقائد کی طرف رجحان پایا

Marfat.com

جاتا تھا۔ پس وہ عیسائی جو بتوں کی پرستش کی مذمت کرتا تھا، اور ارباب کلیسا کے اختیارات بلکہ اس کے وجود ہی کو برا جانتا تھا، اور مسئلہ تقدیر کا قائل تھا، اور انسان کو مجبور محض سمجھتا تھا، اور جس کو کالوینی عقائد کی شدت اور درشتی کے ساتھ طبعی مناسبت تھی، وہ جو عہد جدید کی بہ نسبت عہد عتیق کے زیادہ قریب ہے، جس عیسائی کے یہ عقائد ہوں، اسے سترھویں صدی کے یونانی کلیسا کے مقابلے میں دائرہ اسلام کی فضا یقیناً زیادہ موافق اور سازگار معلوم ہوتی ہوگی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو عیسائی اس زمانے میں مسلمان ہوئے ان میں سے بعض ایسے اشخاص بھی تھے جو کالوینی عقائد کی طرف مائل تھے اور اسی وجہ سے اپنے آبائی کلیسا سے منحرف اور برگشتہ ہو چکے تھے۔ (۶۶) ہمیں یہ بات ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ سرل لوکارس کے پیروؤں کی تعداد کیا تھی اور یونانی کلیسا میں کالوینی عقائد کا دائرہ اثر کس حد تک وسیع تھا۔ یونانی پادری اپنے کلیسا کی نیک نامی کے پاسبان تھے اور اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کے عقائد صحیح ہیں اور الحاد کے شائبے سے پاک ہیں، لہٰذا جب انہوں نے دیکھا کہ کالوینی عقائد کے شبہے کی وجہ سے کلیسا کی شہرت داغ دار ہو رہی ہے، تو انہوں نے ملحد سرل کو یوں ظاہر کیا گویا وہ اپنے عقائد میں تنہا ہے۔ (۶۷) اور کوئی دوسرا اس کا ہم خیال نہیں۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ سرل کے پیرو موجود تھے۔ (۶۸) اور جو "عقیدہ" اس نے شائع کیا تھا، اس کے پیروؤں کی ایک مجلس نے اس کی تصدیق کی تھی، اور ملحدانہ عقائد میں جو لوگ اس کے ہم خیال تھے، ان کو ۱۶۴۲ء میں قسطنطنیہ کی مجلس نے اور ۱۶۷۲ء میں (۶۹) یروشلیم کی مجلس نے کلیسا سے خارج قرار دیا تھا۔ اگر سرل کے پیرو موجود نہ ہوتے تو اس قسم کی تکرار بے معنی تھی۔

سرل کے چند پیروؤں کے نام اب تک محفوظ ہیں، مثلاً شرائینہ کا مطران سفرونیوس اس اصلاح (۷۰) کا سرگرم حامی تھا۔ اسی طرح ایک راہب جس کا نام نکودیمس متاریس تھا، لندن سے ایک چھاپہ خانہ لایا اور اس نے ملحدانہ کتابیں شائع کیں۔ اس کے صلے میں (۷۱) سرل نے اسے مطران بنا دیا۔ سرل کے ایک فلسفی دوست کوریڈلیس نے قسطنطنیہ میں ایک کالوینی مدرسہ کھولا۔ ایک یونانی جرجانوس نامی نے ایک کتاب سوال و جواب کی صورت میں شائع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ابنائے وطن (۷۲) میں کالون کے عقائد کو رواج دے۔ جب سرل جزیرہ روڈس میں جلاوطن تھا تو ۱۶۳۶ء میں نیوفیطس دوم کو بطریرک بنا دیا گیا۔ نیوفیطس اس کا شاگرد اور متبنیٰ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے آقا کو جلاوطنی سے واپس بلایا اور اس کے حق میں بطریرک کے منصب سے مستعفی ہوگیا۔ (۷۳) سرل نے اپنے ایک خط مرقومہ جولائی ۱۶۳۶ء میں جنیوا کی یونیورسٹی کو لکھا کہ لیجر نے اپنی تحریروں اور مواعظ سے بہت سے لوگوں کو کالون کے دین میں داخل کر لیا ہے۔ (۷۴) اس نے لیجر کے نام ایک اور خط میں بتایا ہے کہ اس نے کانڈیا (۷۵) (کریٹ) میں اپنا اثر و رسوخ کیسے پیدا کیا تھا۔ سرل کے بعد جو شخص بطریرک (۷۶) مقرر ہوا۔ اسے کارتھیج کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور وہاں اسے لوکارس کے پیروؤں نے ۱۶۳۹ء

Marfat.com

میں (۷۷) گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ کالون کے پیرو سرل دوم کے جانشین پارتھی نیوس اول سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے، لیکن اس کی بے وقت موت سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ (۷۸) یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں کہ اس کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی یا جلاوطنی سے۔ پارتھی نیوس ثانی جو ۱۶۴۴ء سے لے کر ۱۶۴۶ء تک قسطنطنیہ کا بطریرک رہا، دل سے کالون کا پکا معتقد تھا۔ اگرچہ اس نے کالون کے عقائد کی علانیہ تلقین کی جسارت کبھی نہیں کی تھی، تاہم چونکہ یہ بات معلوم تھی کہ وہ کالون کا ہم خیال ہے، اس لئے اسے اس کے منصب سے معزول کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا گیا (۷۹) اس سے ظاہر ہے کہ کالونی عقائد کا حلقہ اثر بلاشبہ اس سے وسیع تر تھا جتنا کہ سرل کے دشمن تسلیم کرتے تھے، جیسا کہ صفحات بالا میں بیان ہوا۔ مذہبی علماء کی مجلسوں نے سرل کی سخت مذمت کی تھی اور اسے ملت مسیحی سے خارج کر دیا تھا۔ لیکن جن عیسائیوں نے ان مجلسوں کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ عقائد میں آرتھوڈوکس پادریوں کی بہ نسبت اپنے ہمسایوں سے زیادہ قریب تھے۔

یہ سچ ہے کہ اس امر کی کوئی پختہ شہادت موجود نہیں کہ کالونی عقائد کے اثرات سے ترکی سلطنت میں اشاعت اسلام میں آسانی پیدا ہوئی۔ (۸۰) لیکن چونکہ کوئی دوسری توجیہ موجود نہیں اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ جن اسباب سے سترھویں صدی کے وسط میں دوسرے زمانوں کی بہ نسبت (۸۱) عیسائی بکثرت مسلمان ہوئے، ان میں ایک سبب کالون کا مذہب بھی تھا۔ ایسے پادریوں کا بکثرت ذکر آیا ہے جنہوں نے اس زمانے میں اپنا دین ترک کر دیا، بلکہ کلیسا کے بڑے بڑے عہدے دار بھی مسلمان ہو گئے۔ ان میں جزیرہ روڈس (۸۲) کا مطران بھی شامل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۶۷۶ء میں کارنتھ (یونان) میں ہر روز چند عیسائی ترکوں کا مذہب اختیار کرتے تھے، اور اس سے پہلے سال تین پادری مسلمان ہو چکے تھے (۸۳) اسی طرح ۱۶۷۹ء کے ذیل میں ایک راہب کی وفات کا ذکر آیا ہے جو (۸۴) اپنا دین ترک کر چکا تھا۔ ۱۶۷۵ء میں جب سلطان محمد چہارم کے فرزند مصطفیٰ کا ختنہ ہوا، اور تیرہ دن تک عام خوشیاں منائی گئیں تو اس موقع پر کم از کم دو سو عیسائی اسلام لائے۔ (۸۵) غرض کہ اس زمانے کی کتابوں میں عیسائیوں کے قبول اسلام کی بہت سی اور مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسی زمانے کے ایک مصنف (۱۶۶۳ء) نے ایسے لوگوں کی ذہنی کیفیت کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جب تم ترکوں سے روزمرہ کی زندگی میں ملو گے تو دیکھو گے کہ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں یہاں تک کہ داوڈ کے مزامیر گاتے ہیں، خیرات دیتے ہیں اور دوسرے نیک کام کرتے ہیں۔ حضرت مسیح کا بڑا احترام کرتے ہیں اور بائبل کا ادب کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں میں ایک گدھا بھی پاشا کو تحائف دے کر ضلع کا پادری بن سکتا ہے، جو تم کو عیسوی دین کی کچھ زیادہ تعلیم نہیں دے سکے گا۔ لہذا تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ترک اچھے لوگ

Marfat.com

ہیں اور ان کی بالآخر نجات ہو جائے گی۔ پھر تم سوچو گے کہ اگر تم بھی ان کی طرح مسلمان ہو جاؤ تو شاید تمہاری بھی نجات ہو جائے۔ پس اس خیال کے آتے ہی ثالوث مقدس، خدا کا مصلوب بیٹا اور عیسوی دین کے اور بہت سے اسرار از روئے عقل مہمل معلوم ہوں گے جو تمہارے دل ودماغ سے آسانی سے نکل جائیں گے، عیسائیت غیر محسوس طور پر تمہارے دل سے محو ہو جائے گی پھر تم یہ سمجھو گے کہ عیسائی ہونا یا مسلمان ہونا ایک ہی بات ہے۔" (۸۶)

"ٹامس سمتھ نے، جو ۱۶۶۹ء میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا، بعض عیسائیوں کا ذکر کیا ہے جو اسی زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے، لیکن ان کے محرکات کو بہت ذلیل بتایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "ان کم بخت لوگوں کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے جو کثیر تعداد میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ بعض نے محض مایوسی کے عالم میں اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے، کیونکہ وہ غلامی کی مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور کافروں کی بدزبانی اور توہین سے بچنا چاہتے تھے۔ اور آوارہ مزاج اوباشوں نے اپنا دین بے پروائی سے اس لئے ترک کر دیا تھا کیونکہ وہ اقتدار حاصل کر کے دوسروں پر حکومت کرنا اور ان کو بے عزت کرنا چاہتے تھے۔ بعض ان سزاؤں سے بچنا چاہتے تھے جو ان کے مکروہ جرائم کے بدلے میں ان کو دی گئی تھیں۔ بعض ان آزادیوں کے مزے لوٹنا چاہتے تھے جن کو بانیٔ اسلام نے اپنی مثال سے جائز کر دیا تھا۔ ان کے ارتداد کے یہی بڑے اسباب ومحرکات ہیں، یعنی آرام وآسائش، عیش وعشرت اور خوش حالی کی ہوس یا غرور وتکبر اور مجرمانہ ذہنیت۔ کیونکہ ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص ترکوں کے مذہب کی حماقتوں اور فریب کاریوں پر صدق دل سے ایمان لا سکتا ہے۔" (۸۷)

اس زمانے کے بعد قبول اسلام کے واقعات بہت شاذ ہیں، اگرچہ (ایک فرانسیسی سیاح) موترائے چند عیسائیوں کا ذکر کرتا ہے جو ۱۷۰۳ء میں قسطنطنیہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں ایک فرانسیسی پادری تھا، چند کیتھولک فرقے کے فرانسیسی تھے اور چند سمرنا کے پادری تھے۔" (۸۸)

یونانی کلیسا کی خرابیاں:

یونانی کلیسا کا ایک اور پہلو جس کے سبب سے عیسائیوں کی تعداد میں کمی آئی یہ تھا کہ اس کے مذہبی پیشواؤں اور خصوصاً اعلیٰ عہدے داروں کے اخلاق میں فساد اور انحطاط آ چکا تھا۔ اسقفوں اور بطریرکوں کے عہدوں کا نیلام ہوتا تھا اور جو شخص سب سے بڑھ کر بولی دیتا تھا، اسی کو عہدہ مل جاتا تھا۔ پھر یہی لوگ، جو عہدے خریدتے تھے، اپنی رعایا یعنی اپنے علاقے کے عیسائیوں پر بھاری محصول عائد کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر لیتے تھے۔ ان بدنصیب لوگوں پر معمولی اور غیر معمولی ہر قسم کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈالتے تھے۔ تمام مذہبی رسومات یعنی اصطباغ، اعتراف گناہ، عشائے ربانی، مغفرت ناموں کے اجراء اور تدفین کے وقت ان سے بھاری رقمیں وصول

Marfat.com

کرتے تھے۔ ارباب کلیسا میں سے بعض نے ینی چری کے ساتھ ناپاک سازش کر رکھی تھی، اور متعدد اسقفوں نے اپنے اور اپنے خاندان والوں کے نام ان کے کسی فوجی دستے میں درج کرا چھوڑے تھے تا کہ ان کی زیادتیوں سے محفوظ رہیں اور اپنے جرائم کی پاداش اور مکافات سے بچ جائیں۔ (۸۹) کیونکہ سلاطین کی کمزوری کی وجہ سے ینی چری نے مملکت میں بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے کے مصنفین نے ارباب کلیسا کے مظالم کے جو چشم دید واقعات لکھے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی حالت بڑی دردناک تھی۔ ایک نئے بطریرک کے انتخاب کی کیفیت قلم بند کرنے کے بعد تورنفور نے ۱۷۰۰ء میں یوں لکھا ہے کہ "ہمیں اس میں کچھ شک نہیں کہ نیا بطریرک اپنے عہدے سے خوب فائدہ اٹھائے گا۔ عہدوں کی خرید و فروخت سے لوگوں پر بڑا ظلم و ستم ہوتا ہے۔ بطریرک پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اپنے حلقے کے تمام اسقفوں اور پادریوں کو سلطان کا یہ حکم پہنچاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہر ایک پادری کے حلقے کی آمدنی دریافت کرے۔ اس کے بعد وہ ان پر ٹیکس لگاتا ہے اور پھر دوسرے خط میں ان کو تاکید کرتا ہے کہ مطلوبہ رقم روانہ کی جائے ورنہ ان کے علاقوں پر اور لوگوں کو مقرر کر دیا جائے گا جو ان کے لئے بڑھ کر بولی دیں۔ چونکہ اسقف لوگ اس بیوپار سے خوب واقف ہیں اس لئے وہ اپنے ماتحت قسیسوں سے کچھ رورعایت نہیں کرتے۔ پھر قسیس اپنے ماتحت پادریوں کو تنگ کرتے ہیں، اور پادری عیسائی عوام کی کھال کھینچتے ہیں۔ اصطباغ کے موقع پر مقدس پانی کا ایک قطرہ بھی اس وقت تک نہیں چھڑکتے جب تک ان کو پیشگی نذرانہ نہ دے دیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر بطریرک کو روپے کی ضرورت ہو تو اس کی وصولی کے اختیارات کسی ترک کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ جو ترک سب سے زیادہ رقم پیش کرتا ہے وہ یونان پہنچ جاتا ہے اور وہاں کے پادریوں کو طلب کرتا ہے۔ ان پر اگرچہ بالعموم بیس ہزار کراؤن محصول لگایا جاتا ہے لیکن وہ ان سے جبراً بائیس ہزار کراؤن وصول کرتا ہے، اور دو ہزار کراؤن بطور حق الخدمت رکھ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اخراجات ہر ایک حلقے کے ذمے پڑتے ہیں۔ بطریرک کے ساتھ اس کا جو معاہدہ ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ ان پادریوں کو اپنے منصبوں سے معزول کر سکتا ہے جو ٹیکس ادا کرنے سے انکار کریں۔ (۹۰) ان پادریوں کے متعلق یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ اپنے حلقے کے بچوں کو لے جاتے ہیں اور بطور غلام بیچ ڈالتے ہیں، تا کہ اس طرح سے جو روپیہ وصول ہو، اس سے کلیسا کے عہدے خرید سکیں۔ (۹۱)

سترھویں صدی میں پادری لوگ جس سختی سے یونان کے عیسائیوں سے روپیہ وصول کرتے تھے، اس کی نظیر ہمیں انیسویں صدی میں بھی ملتی ہے۔ آسٹریا کے قبضہ کرنے سے پہلے بوسینیہ کے عیسائی اپنے مذہبی پیشواؤں کے ہاتھوں جو تکلیفیں اٹھاتے تھے، اس سے تورنفور کے مذکورہ بالا قول کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ چنانچہ سراجیوو کا مطران اپنے حلقے کی کم نصیب رعایا سے ہر سال دس ہزار کی خطیر رقم وصول کرتا تھا۔ یہ رقم خود ترکی کے گورنر کی تنخواہ

Marfat.com

سے دوگنی تھی۔ اس بھاری رقم کی وصولی کے لئے ان بدقسمت لوگوں پر ہر قسم کا دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ ترکی حکام کو اپنی حکومت کی طرف سے ہدایت تھی کہ وہ اس ٹیکس کی وصولی میں کلیسا کی مدد کریں۔ اگر عیسائی اس کی ادائیگی سے انکار کرتے یا اس ناجائز مطالبے کو پورا کرنے سے قاصر رہتے تو ان کے گاؤں کی حالت ایسی ہو جاتی تھی، گویا وہ لڑائی میں تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ (۹۲) عیسائی آبادی کی حفاظت و حمایت کرنے کی بجائے ان کے مذہبی پیشوا ان پر ایسا ناقابل برداشت ظلم و ستم کرتے تھے کہ جب کبھی رعایا کو موقع ملتا تھا، وہ علانیہ بغاوت کر دیتی تھی۔ لہذا یہ بات باعث تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی اس ظلم سے بچنے کے لئے مسلمان ہو گئے۔ (۹۳)

سالونیکا کی ولایت میں نوانتا کے مقام پر رومانی قوم کے چار ہزار لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت آباد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد بھی اسی قسم کے تشدد کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ قسطنطنیہ کے بطریک نے سلطان وقت سے کہا کہ صرف وہی لوگ ترکی سلطنت کی وفادار رعایا ہو سکتے ہیں جو یونانی زبان بولتے ہیں۔ اس پر سلطان نے حکم جاری کیا کہ لوگ صرف یونانی بولیں، ورنہ ان کی زبانیں کاٹ دی جائیں گی۔ جب اس فرمان کی خبر اہل نوانتا کو پہنچی تو بعض لوگ جنگلوں میں بھاگ گئے اور انہوں نے وہاں اپنے گاؤں آباد کر لیے۔ لیکن جو لوگ پیچھے رہ گئے، وہ مسلمان ہو گئے تاکہ اپنی مادری زبان (۹۴) کے استعمال کو جاری رکھ سکیں، اور ان نو مسلموں میں ان کا اسقف سرفہرست تھا۔

اگرچہ اکثر پادری ان الزامات سے بری تھے جو ان کے افسروں پر لگائے جاتے تھے۔ (۹۵) تاہم وہ بہت جاہل اور ناخواندہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ سترہویں صدی کے اخیر میں تمام ترکی سلطنت میں مشکل سے بارہ اشخاص ایسے تھے جو قدیم یونانی زبان میں کامل دست گاہ رکھتے ہوں۔ پادریوں میں یہ بڑی لیاقت کی بات سمجھی جاتی تھی کہ وہ پڑھنا جانتے ہوں، اگرچہ ان کی عبادت کی کتابوں کے جو کلمات تھے، ان کے معنی وہ نہیں جانتے تھے۔ (۹۶)

ترکوں کی اخلاقی خوبیاں:

اس زمانے کے عیسائی معاشرے میں بہت سی نفرت انگیز باتیں پائی جاتی تھیں۔ اس کے برعکس ترکوں کے اخلاق اور ان کی زندگی میں بہت سی خوبیاں تھیں، جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ عیسائی کلیسا کے رہنماؤں اور معلموں کی اخلاقی پستی کے مقابلے میں قدیم ترکوں کو جو برتری حاصل تھی، اس نے قدرتی طور پر ان دین دار عیسائیوں کو متاثر کیا ہوگا جو ارباب کلیسا کی خود غرضی، رشوت ستانی اور خیانت سے متنفر ہو چکے تھے، عیسائی مصنفوں نے اس زمانے کے ترکوں کی سنجیدگی اور ان کی مذہبی زندگی کی سرگرمی کی توصیف کی ہے اور ان کی اس لحاظ سے

Marfat.com

ستائش کی ہے کہ وہ اپنے مذہبی فرائض بڑے جوش عقیدت سے ادا کرتے ہیں۔ ان کے لباس اور طرز زندگی میں پاکیزگی اور سادگی پائی جاتی ہے، حتیٰ کہ ان کے اکابر اور صاحب اقتدار (۹۷) لوگوں کی زندگی بھی اتنی سادہ ہے کہ اس میں ظاہری نام ونمود کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ شہنشاہ لیوپولڈ اول نے ۱۶۶۵ء میں جو سفارت سلطان روم کے دربار میں بھیجی تھی، اس کے مورخ نے ترکوں کی دیانت داری اور نماز کی پابندی کی خاص طور پر بہت تعریف کی ہے۔ اس نے یہاں تک لکھا ہے کہ "اگرچہ یہ امر عیسائیوں کے لئے باعث شرم ہے لیکن ہم یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلے میں ترک اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں بڑی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات عیسائیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہے کہ نماز کے دوران میں ان کی توجہ منتشر نہیں ہوتی۔ اور تمہیں کوئی مسلمان ایسا نظر نہیں آئے گا جو عبادت کے وقت عبادت میں ہمہ تن مصروف نہ ہو، اور جس کی صورت اور ہیئت سے اپنے خالق کے لئے ادب اور احترام کی وہ تمام علامتیں ظاہر نہ ہوتی ہوں جن کا اظہار اس کی مخلوق پر واجب ہے۔" (۹۸)

لوگوں نے ترکی سپاہ کے چال چلن کی بھی تعریف کی ہے۔ چارلس دوم نے سلطان روم کے پاس جو سفارت بھیجی تھی، اس کے سیکرٹری نے لکھا ہے کہ جب ترکی فوج ملک میں سے گزرتی ہے تو باشندوں کو اس قسم کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی کہ سپاہیوں نے کسی کا مال لوٹا ہو یا کسی عورت کی بے حرمتی کی ہو۔ جس راستے سے فوج کوچ کرتی ہے، وہاں کے تمام شراب خانے فوج کی آمد سے دو یا تین دن پہلے مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔ کوئی شخص کسی سپاہی کے ہاتھ شراب بیچنے کا مجاز نہیں، ورنہ وہ سزائے موت کا مستوجب ہوتا ہے۔ (۹۹)

ایسے عیسائی مصنفوں نے بھی، جن کو ترکوں کے ساتھ مطلق کوئی ہمدردی نہ تھی، ان کے اوصاف کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ ایک مصنف نے جو ان کے مذہب کو بہت برا سمجھتا تھا۔ (۱۰۰)، ان کے متعلق یوں لکھا ہے کہ "قرآن کی کثافت میں بھی تمہیں مسیحی فضائل کے چند جواہر ریزے مل جائیں گے، اور اگر عیسائی مسلمانوں کے قوانین اور ان کی تواریخ کا دقت نگاہ سے مطالعہ کریں اور ان پر غور وخوض کریں، تو ان کو یہ دیکھ کر شرم آئے گی کہ مسلمان عبادت گزاری، پرہیزگاری اور خیرات دینے کے کیسے پابند ہیں، اور مسجدوں میں کس خشوع وخضوع کے ساتھ مصروف عبادت ہوتے ہیں، اور پاکیزگی اور احترام کا ثبوت دیتے ہیں۔ اپنے علمائے دین کی کیسے اطاعت کرتے ہیں، حتیٰ کہ سلطان بھی مفتی سے فتویٰ لئے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ اور مسلمان خواہ کہیں ہوں یا کسی کام میں مشغول ہوں، نماز پنجگانہ کے کیسے پابند ہیں اور کس طرح مہینہ بھر صبح سے شام تک روزے رکھتے ہیں۔ ان میں آپس میں کس قدر محبت اور مروت ہے۔ جو شفا خانے انہوں نے غریبوں اور مسافروں کے لئے بنائے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو غیروں اور اجنبیوں کے ساتھ بھی کس قدر ہمدردی ہے۔ اگر ہم ان کے عدل و

Marfat.com

انصاف، ان کی پرہیزگاری اور ان کے محاسن اخلاق کا خیال کریں تو ہمیں اس بات پر شرم آتی ہے کہ ہم عبادت گزاری اور فیض رسانی میں کس قدر سرد مہری سے کام لیتے ہیں اور اس کے علاوہ ہم اپنی بے انصافی، بے اعتدالی اور ستم رانی پر خجالت محسوس کرتے ہیں۔ بے شک انصاف کے دن مسلمانوں کا پلہ ہم سے بھاری رہے گا، اور ان کی عبادت گزاری، ان کی پرہیزگاری اور رحم دلی یقیناً یہی وہ اسباب ہیں جن سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا ہے۔"

زمانۂ حال کا ایک مؤرخ یعنی فنلے بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے (۱۰۱) کہ "بہت سے یونانی، جو اعلیٰ قابلیت اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، اہل اسلام کی برتری کے قائل تھے۔ اگرچہ وہ بچپن میں بطور خراج نہیں پکڑے گئے اور سلطانی ملازمت (اور اسلامی تربیت) سے بچ نکلے، لیکن انہوں نے بعدازاں اپنی رضامندی سے اسلام قبول کیا۔ ترکی معاشرے کو جو اخلاقی برتری حاصل تھی، ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا بھی ان لوگوں کے مسلمان کرنے میں اتنا ہی بڑا دخل تھا، جتنا کہ افراد کی اپنی ذاتی حب جاہ کو حاصل تھا۔"

ترکی فتوحات اور ان کے اثرات:

آج کل کے جو لوگ یورپ میں ترکی سلطنت کے زوال کو دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح اس کے مقبوضات اور ممالک محروسہ میں روز بروز کمی آرہی ہے۔ ترکی کو "مرد بیمار" کا جو لقب دیا گیا ہے، اس کے سننے کے جو لوگ عادی ہیں، ان کے لئے ان جذبات اور خیالات کا اندازہ کرنا بہت دشوار ہے، جو دولت عثمانیہ کی فتوحات سے یورپ کے ملکوں میں پیدا ہوئے تھے۔ ترکی عساکر کو اپنی سریع اور وسیع فتوحات میں جو کامیابی حاصل ہوئی، اس نے یورپ والوں کے دلوں میں خوف و ہراس کے علاوہ حیرانی اور استعجاب کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ایک عیسائی ریاست کے بعد دوسری ریاست ترکوں کے قبضۂ اقتدار میں آتی گئی، چنانچہ بلغاریہ، سرویہ، بوسنیہ اور ہنگری، جو عیسائی ریاستیں تھیں، اپنی آزادی کھو بیٹھیں۔ اسی طرح وینس کی متکبر جمہوریہ نے دیکھا کہ ترک سلاطین اس سے اس کے مقبوضات یکے بعد دیگرے چھین رہے ہیں، یہاں تک کہ اس کی حکومت صرف بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحلوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ جب ترکوں نے (اٹلی کے ساحل پر) اوترانتو کا شہر لے لیا تو اس سے خود رومۃ الکبریٰ کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ (۱۰۲) پندرہویں صدی کے نصف ثانی اور سولھویں صدی کے عیسائی مصنفین نے اس ہولناک اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ اگر ترکی فتوحات کا سیلاب نہ رک سکا، تو اس سے یورپ کے عیسائی ملکوں کی قسمت پھوٹ جائے گی۔ ترکوں کو یوں ظاہر کیا گیا ہے، گویا وہ خدا کے ہاتھ میں تازیانہ ہیں جس سے وہ اپنے بندوں کو ان کے گناہوں اور خطاؤں کی سزا دیتا ہے۔ (۱۰۳) یا ترک ایک شیطانی طاقت ہے جس کو دین کے منافقانہ لباس میں عیسائیت کو غارت کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن اس موقع پر سب سے زیادہ

Marfat.com

قابل غور بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ " کیا یہ ممکن ہے کہ خدا بغیر کسی معقول وجہ کے مسلمانوں کو اس طرح بے شمار تعداد میں بڑھنے کا موقع دیتا؟ کیا یہ بات تصور میں آسکتی ہے کہ اتنے ہزار آدمی دفعتاً ملعون قرار دے کر دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے؟ اتنا جم غفیر کس طرح سچے دین کا مخالف ہوسکتا ہے۔ چوں کہ راستی گمراہی سے زیادہ طاقت ور ہے اور لوگوں کو زیادہ مرغوب و محبوب ہے، اس لئے اس قدر مخلوق اس کے ساتھ کیسے جنگ کرسکتی ہے؟ وہ سچائی کے مقابلے میں کیسے غالب آسکتے ہیں، کیونکہ خدا ہمیشہ سچائی کا حامی و ناصر ہے۔ اگر ان کا دین ضلالت کی بوسیدہ بنیاد پر قائم ہوتا تو اسے ایسی حیرت انگیز ترقی کیسے ہوسکتی تھی؟" (۱۰۴) غرض کہ اسی قسم کے خیالات تھے جو ترک کی سلطنت کی عیسائی رعایا کے دلوں پر بہت اثر ڈالتے تھے اور خصوصاً ان بدقسمت عیسائی قیدیوں پر جو ایسی مایوسی کی حالت میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے کہ نہ تو ان کو رہائی کی کوئی امید تھی اور نہ ہی اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نظر آتی تھی۔ لہذا کیا عجب ہے کہ ایسے لوگ اپنے دل میں یہ سوال کرتے ہوں کہ "اگر خدا کو وہ دین پسندیدہ ہوتا جس کے ساتھ تم وابستہ ہوتو وہ تم کو یقیناً اس بے کسی کی حالت میں نہ چھوڑتا، بلکہ وہ تم کو آزادی حاصل کرنے میں اور اپنے آبائی دین کی طرف لوٹنے میں مدد دیتا۔ چونکہ اس نے آزادی کے سارے راستے تم پر بند کردیئے ہیں اس لئے شاید اس کی یہی مرضی ہے کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دو اور اس نئے مذہب میں داخل ہوکر نجات حاصل کرو۔" (۱۰۵)

عیسائی غلاموں کا قبول اسلام:

ایسے وسوسے ایک ایسے عیسائی غلام کے دل میں پیدا ہوئے تھے جس کے کئی برس قید ہی میں گزر گئے تھے اور جس کے لئے رہائی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ بلاشبہ اسی قسم کے خیالات اور بے کس عیسائی غلاموں کے دل میں بھی بار بار آتے ہوں گے، یہاں تک کہ وہ بے چارے اپنے قدیم مذہب کو خیر باد کہہ کر مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ اگر عیسائیوں سے یہ کہا جاتا کہ اسلام قبول کرو ورنہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، تو اس صورت میں بہت سے عیسائی اپنے مذہب کی خاطر شہادت کو ترجیح دیتے، لیکن کئی برسوں کی اسیری کے بعد وہ اسلامی عقائد اور خیالات سے روز بروز زیادہ متاثر ہوتے گئے، یہاں تک کہ مہربانی اور مروت نے ان کو اسلام کی طرف کھینچ لیا، ورنہ جبر و اکراہ ان کو مسلمان بنانے میں ناکام رہتا۔ (۱۰۶) اگرچہ بہت سے عیسائی قیدیوں کی حالت بہت قابل رحم تھی، لیکن جو غلام ترکوں کے گھروں میں خدمت گاروں کی طرح رہتے تھے، ان کی حالت یورپ کے دیگر ملکوں کے گھریلو ملازموں کی بہ نسبت بری نہ تھی۔ اسلامی شریعت میں غلاموں کے بارے میں جو احکام ہیں ان سے غلامی کی بہت سی سختیاں دور ہوگئی تھیں، اور کم از کم ترکی قلمرو میں غلاموں کے ساتھ وہ وحشیانہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا جو شمالی

Marfat.com

افریقہ کی ریاستوں میں روا رکھا جاتا تھا۔ دیگر شہریوں کی طرح غلاموں کے بھی حقوق تھے، مثلاً اگر کوئی آقا اپنے غلام کے ساتھ بدسلوکی کرتا تو غلام اسے قاضی کے سامنے پیش کرسکتا تھا۔ اگر غلام یہ شکایت کرتا کہ ان دونوں کے مزاج اتنے مختلف ہیں کہ ان کا آپس میں نباہ نہیں ہوسکتا تو قاضی آقا کو مجبور کرسکتا تھا کہ وہ اسے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردے۔(۱۰۷) عیسائی غلاموں کی حالت ان کے مخصوص حالات کے لحاظ سے مختلف تھی، اس کا اچھا یا برا ہونا اس بات پر موقوف تھا کہ وہ غلامی کی سختیوں کو کس حد تک برداشت کرسکتے تھے۔ بوڑھے لوگ، پادری، راہب اور شریف النسب اشخاص سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ جو غلام طبیب یا دستکار ہوتے، ان کے آقا ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، کیونکہ ان پر جس قدر روپیہ صرف ہوتا تھا، اس کا بخوبی معاوضہ مل جاتا تھا۔(۱۰۸) جو غلام کشتیاں چلانے پر مامور تھے، وہ قدرتی طور پر سب سے زیادہ تکلیف اٹھاتے تھے، کیونکہ ان کے کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ انتہائی مہربانی کا سلوک بھی ان کے کام کی سختیوں کو دور نہیں کرسکتا تھا۔(۱۰۹) جو غلام سلطنت کی ملکیت میں تھے، ان کی حالت ان غلاموں کی بہ نسبت اور بھی قابل رحم تھی جن کو عوام الناس نے خرید رکھا تھا۔(۱۱۰) بالعموم عیسائی غلام اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد تھے، مثلاً قسطنطنیہ کے سرکاری قیدخانوں میں ان کے اپنے پادری اور اپنی عبادت گاہیں تھیں۔ اور جو غلام کشتیاں چلاتے تھے، پادریوں کو اجازت تھی کہ وہ مذہبی رسومات کے ذریعے سے ان کی دل جوئی کریں۔(۱۱۱) عیسائی غلام جو مسلمان ہوگئے تھے، ان کی تعداد بہت کثیر تھی، لیکن ایسے واقعات کا کتابوں میں بہت کم ذکر آیا ہے جن میں ان غلاموں پر اپنا مذہب چھوڑنے کے لئے سختی کی گئی ہو۔ عام دستور یہ تھا کہ آقا اپنے غلاموں کو مذہب چھوڑنے پر بہت کم مجبور کرتا تھا۔(۱۱۲) غلامی کے صرف ابتدائی سالوں میں عیسائی غلاموں پر زور ڈالا جاتا تھا کہ وہ اسلام قبول کرلیں، لیکن اس کے بعد ان کو اپنے مذہب کی پیروی کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔(۱۱۳)''لہٰذا اکثر غلام اپنا مذہب اپنی مرضی سے تبدیل کرتے تھے۔ قسطنطنیہ میں عیسائی ملکوں کے سفیروں کو ہر وقت یہ اندیشہ رہتا تھا کہ ان کے ہم وطن لوگوں میں سے جو ان کے ساتھ گھریلو ملازم بن کر آئے ہیں، کوئی شخص مسلمان نہ ہوجائے۔(۱۱۴) اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ عیسائی غلام جن کو اپنے وطن واپس جانے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی تھی، اور ان کے گردوپیش میں بھی کوئی بات ایسی نہ تھی، جو ان کی ابتدائی عمر کی تعلیم کو استوار کرسکے یا جاری رکھ سکے۔ ایسے عیسائی غلام اسلامی اثرات سے مغلوب ہوجاتے تھے اور ایک نئے معاشرے اور نئے مذہب میں داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ سترہویں صدی کے ایک انگریز سیاح ٹامس سمتھ (۱۱۵) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''بہت کم عیسائی غلام اپنے وطن کو واپس جاتے ہیں اور ان سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو اپنے مذہب پر، جس کی انہوں نے تعلیم پائی تھی، قائم رہنے کی ہمت اور جرأت رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم ناقص تھی، اس لئے ان کو اپنے مذہب کے اصولوں

Marfat.com

اور دلائل کا بہت کم علم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عیسائی اس خیال سے کہ کہیں ان کو غلامی کی سختیاں نہ اٹھانی پڑیں، بے صبر اور خوف زدہ ہو کر ترکوں کا مذہب قبول کر لیتے ہیں، اور بعض ان نفسانی لذائذ پر فریفتہ ہو جاتے ہیں جن کو اسلامی شریعت نے جائز رکھا ہے۔ بعض کو اس بات کا لالچ ہوتا ہے کہ مذہب کی تبدیلی سے ان کی حالت بہتر ہو جائے گی اور ان کو آسائش نصیب ہوگی۔ جب ان کو رہائی کی کوئی امید باقی نہیں رہتی تو وہ اپنے نجات دہندہ کو اور اپنے عیسوی دین کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے وطن کو جلد ہی بھول جاتے ہیں۔ وہ ترکی میں اجنبی تصور نہیں ہوتے بلکہ ترکی کے باشندے سمجھے جاتے ہیں۔"

عیسائی غلاموں کا مذہب تبدیل کرنا بہت حد تک ان کی اپنی خاص طبیعت اور خصلت پر موقوف تھا۔ وہ گمنام مصنف، جس کی عبارتوں کو ہم نے صفحات بالا میں اکثر نقل کیا ہے اور جو اپنی طویل اسیری کی وجہ سے ان کی حالت کے متعلق مستند رائے دے سکتا ہے، ان غلاموں کو تین قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلی قسم ان غلاموں کی ہے جو اپنی زندگی کے دن سادگی سے گزارتے تھے اور اپنے آقاؤں کے مذہب کو سمجھنے کی طرف سے بالکل بے پروا تھے۔ ان کے لئے صرف اس بات کا علم کافی تھا کہ ترک کافر ہیں۔ جہاں ان کی اسیری کی حالت اور ان کی غلامی کا طوق ان کو اجازت دیتا تھا، وہ ترکوں سے اور ان کے مذہب سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی ضلالت سے وہ بھی گمراہ نہ ہو جائیں، لہذا یہ لوگ، جہاں تک ان کو علم اور اختیار حاصل تھا، اپنے مسیحی دین کے پابند رہتے تھے۔ دوسری قسم کے عیسائی غلام وہ تھے جن کو ترکوں کے اعمال و افعال کی چھان بین کا شوق تھا، انہوں نے فرصت پا کر ان کے اسرار پر غور و خوض کیا اور اپنے فہم کے مطابق ان کے عقائد کی تحقیق کی اور اپنی عقل کی روشنی میں ان کی تاویل کی۔ خدا کی توفیق سے وہ اس آزمائش سے نہ صرف صحیح و سلامت بچ نکلے، بلکہ اپنے ایمان و ایقان میں اور پختہ ہو گئے۔ تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے مذہب کی بغیر احتیاط کے تحقیق کرتے ہیں مگر اس کی گہرائیوں میں اترنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ اس کی تاویلوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ترکوں کی گمراہیوں کو حق و صداقت سمجھتے ہیں۔ وہ اپنا مذہب کھو بیٹھتے ہیں اور مسلمانوں کے جھوٹے دین کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح سے وہ نہ صرف خود تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک بری مثال قائم کر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد بے شمار ہے۔ (۱۱۶)

بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد غلام کو اسیری سے رہائی مل جاتی تھی اور وہ آزاد ہو جاتا تھا۔ (۱۱۷) مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ آزادی کا دینا محض آقا کی مرضی پر موقوف تھا۔ البتہ غلاموں کے مسلمان آقا اکثر اوقات اس بات کا وعدہ کرتے تھے کہ اگر ان کا کوئی غلام مسلمان ہو جائے تو وہ اسے بغیر زر فدیہ لئے آزاد کر دیں گے۔ (۱۱۸) بلکہ اگر کوئی عیسائی غلام اپنے تئیں خیر خواہ نوکر ثابت کرتا تو اس کا مسلمان آقا اسے

Marfat.com

بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیتا تھا۔ اور بڑھاپے میں اس کے گزر اوقات کے لئے کوئی سامان کر دیتا تھا، خواہ وہ غلام اپنے عیسوی دین پر قائم ہی رہا ہو۔ (۱۱۹)

عیسائی غلاموں کی طرح بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے قدیم ماحول اور معاشرے سے جدا ہو چکے تھے، اور پرانے تعلقات سے کٹ کر ان کی زندگی اب ایسی سوسائٹی میں بسر ہو رہی تھی جس کے معاشرتی اور مذہبی اصول بالکل جدید نوعیت کے تھے۔ پندرہویں صدی میں عیسائی کاری گروں اور پیشہ وروں کے گروہ مفتوحہ ملکوں سے کام کی تلاش میں ایڈریانوپل اور ترکی کے دیگر شہروں میں آئے اور وہاں آباد ہو کر مسلمانوں کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح وہ عیسائی خاندان بھی، جن کو سلطان محمد ثانی نے یورپ کے مفتوحہ ملکوں سے ایشیائے کوچک میں منتقل کیا تھا (۱۲۰) رفتہ رفتہ مسلمان آبادی میں گھل مل گئے ہوں گے۔ یہی کیفیت ان ارمنوں کی ہوئی تھی جن کو شاہ عباس اول (۱۵۸۷ء تا ۱۶۲۹ء) ایران میں لے گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر لوگ دوسری پشت میں مسلمان ہو گئے تھے۔ (۱۲۱)

معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ترکوں کے تبلیغی جوش میں بہت کچھ کمی آ چکی تھی، لیکن سلطان عبدالحمید کے عہد کے آخری سالوں میں ترکوں نے تبلیغ اسلام میں از سر نو دلچسپی کا اظہار کیا۔ چنانچہ ترکی اخبارات میں قبول اسلام کے واقعات کا اندراج شروع ہو گیا۔ اس عہد کے نومسلموں میں جبل لبنان کے شہابی خاندان کے اٹھارہ امراء قابل ذکر ہیں جو ایک صدی تک عیسائی رہ چکے تھے اور اپنا نسب قریش سے ملاتے تھے۔ ترکوں نے ان کو دائرہ اسلام میں واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ اس خاندان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے، ترکوں نے ان کو بیش قرار مشاہرے دے کر دیوانی منصبوں پر مقرر کر دیا۔

اب ہم آئندہ صفحات میں اس بات کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں کہ البانیہ، سرویہ، بوسنیہ اور کریٹ میں اسلام کیسے پھیلا، کیونکہ ترکی فتوحات کے بعد ان میں سے ہر ملک کی تاریخ میں چند ایک ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو تبلیغ اسلام کی تاریخ کے لحاظ سے دلچسپ ہیں۔

البانیہ میں اشاعت اسلام:

اہل البانیہ، سوائے ان چند بستیوں کے جو یونان میں ہیں، (۱۲۲) اس پہاڑی ملک میں آباد ہیں جو بحیرۂ ایڈریاٹک کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ مونٹی نیگرو سے لے کر خلیج ارتا تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ یورپ کی سب سے قدیم اور صحیح النسب قوموں میں سے ہیں اور ان کا تعلق آرین نسل کی پلاسگی شاخ سے ہے۔

البانیہ کے ملک پر ترکوں نے سب سے پہلے ۱۳۸۷ء میں فوج کشی کی لیکن ترکی عساکر کو جلد ہی لوٹنا پڑا

Marfat.com

اور سلطان کی حکومت ملک میں پہلی مرتبہ ۱۴۲۳ء میں قائم ہوئی۔ البانیہ تھوڑے عرصے کے لئے جارج کستر یوتہ کی سرکردگی میں پھر خود مختار ہو گیا۔ جو اسکندر بیگ کے اسلامی نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جب ابھی وہ لڑکا ہی تھا کہ اسے بطور یرغمال ترکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ان کے ہاں ایک مسلمان کی حیثیت سے تربیت پائی اور سلطان نے اسے اپنے لطف خاص سے نوازا۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ روایت غلط ثابت ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی جوانی کے دن اپنے پہاڑی وطن میں گزارے تھے، اور ترکوں کے ساتھ اس کا جنگ وجدال ۱۴۴۴ء سے شروع ہوا جب اس نے ان پر فتح پائی تھی۔ اس نے بیس برس سے زیادہ عرصے تک بڑی پامردی اور کامیابی کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا، لیکن جب اس نے ۱۴۶۷ء میں وفات پائی تو ترکوں نے البانیہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا، اور گیارہ سال کے بعد کاسٹریوت خاندان کا دارالحکومت کرویا فتح کر لیا۔ اس واقعے کے بعد ہمیں کسی ایسی منظم مزاحمت کا پتا نہیں چلتا جس میں تمام ملک نے حصہ لیا ہو، اگرچہ اس کے بعد بغاوتیں بکثرت ہوتی رہیں اور البانیہ کامل طور پر کبھی ترکوں کا محکوم نہیں ہوا۔ ساحل کے بعض شہر مدت تک ترکوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ چنانچہ دورازو کی بندرگاہ ۱۵۰۱ء میں تسخیر ہوئی اور انتی واری، جو البانیہ کے ساحل کی سب سے شمالی بندرگاہ ہے، ۱۵۷۱ء سے پہلے فتح نہ ہو سکی۔ جن شرطوں پر اہل شہر نے اطاعت قبول کی، وہ یہ تھیں کہ ان کے قدیم قوانین اور مجسٹریٹ بدستور باقی رہیں گے اور عیسائی لوگ اپنے مذہب کے فرائض آزادی سے علانیہ بجا لائیں گے۔ ان کے کلیساؤں اور عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور اگر وہ گر جائیں تو دوبارہ تعمیر ہو سکیں گے، شہر والے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے بدستور مالک رہیں گے اور ان پر مزید محصولوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

البانیہ والوں کا قومی جذبہ:

البانیہ والوں نے ہمیشہ ایک قسم کی خود مختاری کو قائم رکھا ہے۔ کئی قبیلے ایسے تھے جو حقیقت میں ایسے ہی خود مختار تھے جیسے ترکوں کی فتح سے پہلے تھے۔ اگرچہ وہ سلطان کی رعایا تھے، وہ اپنے اندرونی انتظام میں ترکی حکام کی مداخلت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہمارے اس یقین کے لئے کافی وجہ موجود ہے کہ ترکی حکومت کبھی کسی ایسے شخص کو البانیہ کا والی مقرر نہیں کر سکی یا اس کی تقرری کی تصدیق نہیں کر سکی جو ملک کا اصلی باشندہ (۱۲۳) نہ ہو یا جس نے اپنی قوت بازو یا حکمت عملی سے یا اپنے تعلقات کی بدولت ملک میں اپنا اثر و رسوخ پیدا نہ کیا ہو۔ البانیہ والوں کو اپنی نسل اور قومیت پر بہت فخر ہے۔ چنانچہ آج بھی اگر البانیہ کے کسی شخص سے پوچھا جائے کہ وہ کون ہے، تو اپنے آپ کو عیسائی یا مسلمان بتانے سے پہلے کہے گا کہ میں "سکی پیٹر" ہوں۔ (۱۲۴) قومی جذبے کی یہ ایک

Marfat.com

نہایت قابل غور مثال ہے جس نے البانیہ میں عیسائیت اور اسلام کے اس شدید مذہبی امتیاز کو مٹا دیا ہے، جو ترکی سلطنت کے باقی حصوں میں اس قدر نمایاں نظر آتا ہے، جس طرح البانیہ کے عیسائی اور مسلمان دونوں ایک ہی زبان بولتے ہیں، اسی طرح وہ ایک سی روایات کو عزیز رکھتے ہیں اور ان کے رسوم و آداب بھی یکساں ہیں۔ ان کی مشترکہ قومیت کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ اس نے قوم کو مذہبی اختلاف کی بنا پر الگ الگ جماعتوں میں تقسیم نہیں ہونے دیا۔ (۱۲۵) وہ ترکوں کی بے قاعدہ فوج میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو خدمت سرانجام دیتے تھے، اور ترکی حکومت تمام اندرونی انتظامات میں بیشتر اسی فوج پر اعتماد کرتی تھی، عیسائی اور مسلمان دونوں ملتوں کو مقامی حکام کے ہاں آسانی سے ملازمت مل جاتی تھی، کیونکہ تمام سلطنت میں البانوی سپاہی سب سے زیادہ بہادر سمجھے جاتے تھے۔ جنگ کریمیہ (۱۲۶) میں البانیہ کے عیسائی ترکی فوج میں شریک ہوکر سلطان کی طرف سے لڑے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ خاموش اور زراعت کے پیشہ میں زیادہ منہمک رہے ہیں، تاہم ان کا باہمی فرق بہت کم ہے، کیونکہ انہوں نے بھی اپنے سپاہیانہ اوصاف کو ہمیشہ قائم رکھا ہے اور ویسی ہی تمکنت، تیزی طبع اور ناقابل تسخیر ہمت کا اظہار کیا ہے جو ان کے مسلمان بھائیوں میں موجود تھی۔ (۱۲۷)

البانیہ میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں مذکورہ بالا حقائق کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے، کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اہل ملک ہی نے اسلام کو رفتہ رفتہ بتدریج پھیلایا تھا، اور اس کی اشاعت خارجی اثرات کے دباؤ کا نتیجہ نہیں تھی، کیونکہ پندرھویں صدی کے اختتام سے لے کر علی پاشا کے ظہور تک تین سو سال کا جو زمانہ گزرا ہے، اس کی تاریخ بالکل کوری پڑی ہے۔ لہٰذا اس دور میں جو لوگ آہستہ آہستہ مسلسل طور پر مسلمان ہوتے رہے، ان کی کیفیت ہمیں مختلف علاقوں کے کلیساؤں کی تواریخ سے معلوم ہوتی ہے یا ان روئدادوں سے جو وقتاً فوقتاً پاپائے رومہ کو یا جمعیت تبلیغ الدین کو بھیجی جاتی تھیں۔ لیکن یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ان مصادر سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ ناقص اور نامکمل ہیں۔ خصوصاً ان محرکات کے بارے میں جو تبدیلِ مذہب کا موجب ہوئے، کیونکہ اس زمانے کے ارباب کلیسا کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آسکتی کہ کوئی شخص نیک نیتی اور خلوص قلب سے مسلمان ہوسکتا ہے، اور اگر کسی کے دل میں ایسا خیال آیا بھی ہو تو اسے اپنے افسران بالا کے سامنے اس کے اظہار کی ہمت نہیں ہوئی۔

البانیہ میں اشاعت اسلام کی ابتدا:

اگرچہ سولھویں صدی میں البانیہ میں اسلام کی اشاعت شروع ہوچکی تھی لیکن اس کی رفتار بہت سست تھی۔ چنانچہ ۱۶۱۰ء میں مسلمانوں کی تعداد عیسائی آبادی کے مقابلے میں صرف دس فیصدی تھی۔ (۱۲۸) اور چونکہ دیہات میں بیشتر عیسائی آباد تھے اور مسلمان خال خال نظر آتے تھے۔ (۱۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے

Marfat.com

شہروں کے باشندے ہی زیادہ تر مسلمان ہوئے، مثلاً انتی واری کے مقام پر جب بہت سے عیسائی اپنا وطن چھوڑ کر قریب کے عیسائی ملکوں میں چلے گئے تو جو عیسائی شہر میں باقی رہ گئے، ان میں سے اعلیٰ اور ادنیٰ اکثر نے رفتہ رفتہ اسلام قبول کر لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی۔ (۱۳۰) جوں جوں نومسلموں کی تعداد بڑھتی گئی، گرجے مسجدوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ یہ بات اگرچہ شرائط صلح کے خلاف تھی لیکن اس کا یہ جواز معلوم ہوتا ہے کہ خود لوگوں کا مذہب تبدیل ہو چکا تھا۔ (۱۳۱) ۱۶۱۰ء میں رومن کیتھولک عیسائیوں کے پاس صرف دو بڑے گرجے رہ گئے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس جماعت کی ضروریات کے لئے کافی تھے۔ ان کی تعداد کا اندازہ مارکو بزی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے: "اس مقام میں چھ سو گھر ہیں، بعض گھروں میں مسلمان اور بعض میں عیسائی آباد ہیں۔ عیسائیوں میں رومن کیتھولک اور یونانی کلیسا دونوں فرقوں کے ترک شامل ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں سے کسی قدر زیادہ ہے اور رومن کیتھولک تعداد میں یونانی کلیسا کے پیرووں سے بڑھے ہوئے ہیں۔" (۱۳۲)

عیسائیوں اور مسلمانوں میں معاشرتی تعلقات قائم تھے اور ان دونوں ملتوں کے درمیان کوئی قطعی حد فاصل بھی نہ تھی۔ اس سے ہمیں اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ جوں جوں کلیسا کی روحانی زندگی میں انحطاط آتا گیا، اسلامی اثرات سے نومسلموں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔

عیسائیوں میں یہ ایک عام دستور ہو چلا تھا کہ عیسائی والدین اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں سے بیاہ دیتے تھے، اور عیسائی عورتوں کو بھی ایسی شادیوں سے کوئی عذر نہ ہوتا تھا۔ (۱۳۳) اس قسم کی مخلوط شادی کے بعد اگر لڑکا پیدا ہوتا تھا تو وہ مسلمان کی طرح پرورش پاتا تھا اور اگر لڑکی ہوتی تو وہ والدہ کے مذہب کی پیروی کی مجاز تھی۔ (۱۳۴) لیکن اس قسم کی اجازت عملی طور پر بیکار ثابت ہوتی تھی۔ کیونکہ عیسائیوں کے دینی پیشوا ایسی عورتوں کو ملت سے خارج کر دیتے تھے اور ان کو مذہبی رسوم میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (۱۳۵) اور اگرچہ اضلاع کے پادری اپنے افسران بالا کے احکام کو نظر انداز کر دیتے تھے، تاہم یہ عورتیں اکثر اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کر لیتی تھیں، لیکن اس صورت میں بھی وہ اصطباغ کی رسم کی پابندی کرتی تھیں، کیونکہ ان کو یہ وہم تھا کہ اصطباغ کوڑھ کے مرض، چڑیلوں کے جادو اور بھیڑیوں کی گزند سے محفوظ رہنے کا ایک مجرب اور شافی علاج ہے۔ پادریوں نے اس وہم کو زندہ رکھا تھا، کیونکہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے بچے کو اصطباغ دلانا چاہتی تھی تو پادری اسے خوشی سے اصطباغ دیتے تھے۔ (۱۳۶)

دونوں ملتوں کے باہمی تعلقات خوشگوار تھے۔ (۱۳۷) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مسلمان لوگ عیسائی اولیاء کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ مارکو بزی نے لکھا ہے کہ سینٹ الیاس کے عرس کے موقع پر، جس

Marfat.com

کے ساتھ البانیہ والوں کو خاص عقیدت ہے، گرجا میں مسلمان بھی اتنے ہی موجود تھے جس قدر کہ عیسائی تھے۔ البانیہ کے مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اب تک مریم عذراء اور مسیحی اولیا کا بہت احترام کرتے ہیں اور ان کے مزاروں کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی لوگ بھی بیماریوں سے شفا پانے یا منتیں پوری کرنے کے لئے مسلمان بزرگوں کی قبروں پر جاتے ہیں۔ (۱۳۸) کالیواکی کے شہر میں، جہاں ساٹھ عیسائی خاندانوں کے علاوہ دس مسلمان گھرانے بھی تھے، علاقے کے پادری کی گزر اوقات کے لئے، مسلمان بھی چندہ دیتے تھے، کیونکہ اکثر مسلمانوں کی بیویاں عیسائی تھیں۔ (۱۳۹) ان حالات میں یہ امر باعث تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی بظاہر اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر تسلی دیتے تھے کہ ہم دل سے عیسائی ہیں۔ (۱۴۰) مارکو بزی نے ان کے ارتداد کی تین وجوہات بیان کی ہیں: اول دنیوی فوائد کی کشش، دوسرے خراج کی ادائیگی سے بچنے کی خواہش اور تیسرے سمجھ دار پادریوں کی کمی جو اہل ملک کی مذہبی (۱۴۱) ضروریات کو پورا کر سکیں۔ قبول اسلام کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ عیسائیوں پر بڑے بھاری ٹیکس لگائے گئے تھے لہذا ان ٹیکسوں کے بوجھ سے بچنے کے لئے گاؤں کے گاؤں اپنا مذہب چھوڑ بیٹھے۔ چونکہ اس بارے میں ہمیں کوئی تفصیلات نہیں دی گئیں، اس لئے اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا اس شکایت کے لئے کافی وجہ موجود تھی یا نہیں، یا انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے محض ایک عذر تراشا تھا، یا ارباب کلیسا کا یہ ایک مبالغہ آمیز بیان تھا، جن کے نزدیک کسی شخص کا محض عقلی وجوہات کی بنا پر اسلام قبول کرنا ناممکن تھا۔ ایک صدی بعد یعنی ۱۷۰۳ء میں جزیہ کی مقدار ہر مرد کے لئے چھ ریال سالانہ مقرر تھی، اور سوائے ایک اور ٹیکس کے، جسے سکیاترکیو کہتے تھے اور جس کی مقدار تین ریال سالانہ تھی، یہ جزیہ واحد ٹیکس تھا جو بالخصوص عیسائیوں (۱۴۲) پر عائد کیا گیا تھا۔ اگر لوگوں نے محض اس خفیف سے ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب ترک کر دیا ہو اور اس کے سوائے اور کوئی محرک موجود نہ ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اپنے مذہب کے ساتھ بہت کم لگاؤ ہوگا۔ البانیہ میں عیسائیوں کی جو کثیر تعداد اب تک موجود ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹیکس کا بار اتنا ناقابل برداشت نہ تھا کہ اس کی وجہ سے وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور ہوتے۔

ترکوں کے "مظالم" کے خلاف عام طور پر مبہم شکایات کی گئی ہیں، اگر وہ کسی قدر واضح طریق پر بیان ہوتیں تو اس صورت میں ہم یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ ان کو لوگوں کے مذہب تبدیل کرنے میں کہاں تک دخل ہے، لیکن شہادت سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی، کہ لوگوں نے ان مزعومہ مظالم کی وجہ سے اپنا مذہب ترک کیا ہو۔ البتہ ترکی حکومت میں یہ بیہودہ دستور جاری تھا کہ صوبہ جات کے سرکاری عہدے نیلام کئے جاتے تھے۔ جو شخص کسی عہدے کے لئے سب سے بڑھ کر بولی دیتا تھا، اس کو اس عہدے پر مقرر کر دیا جاتا تھا، چونکہ ایسے عہدے دار یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ اپنے عہدوں پر کب تک فائز رہیں گے، اس لئے وہ ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ سے

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ زر و مال جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن ان مظالم کا بار مسلمانوں کے لئے بھی ایسا ہی گراں تھا جیسا کہ عیسائیوں کے لئے تھا۔ (۱۴۳) اگرچہ یہ بات یقینی ہے کہ ایک حریص اور بے انصاف افسر کے لئے مسلمانوں کی بہ نسبت عیسائیوں پر ظلم وستم کرنا زیادہ آسان تھا، خصوصاً جب وہ اس جرم میں ماخوذ ہوتے تھے کہ وہ اہل وینس اور دوسری عیسائی حکومتوں کے ساتھ دولت عثمانیہ کے خلاف خط وکتابت کر رہے ہوں اور بغاوت پر آمادہ ہوں۔

پادریوں کی جہالت:

بہرحال اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی دینی حمیت اور پرجوش مذہبی زندگی عیسائی پادریوں کی بے حسی اور جہالت کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوئی۔ مارکو بزی نے ایک مسلمان ملا کے اخلاص، حسن اخلاق اور دوستانہ شفقت کی تعریف کی ہے جس کے ساتھ مذہبی مسائل پر اس کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اگر البانیہ میں اسلام کی تلقین وتبلیغ کے لئے اسی قسم کے اور بہت سے ملا موجود تھے، تو ان کی بدولت اسلام نے بہت کچھ ترقی کی ہوگی۔ (۱۴۴) معلوم ہوتا ہے کہ اکثر پادری بالکل ناخواندہ تھے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو تھوڑا بہت پڑھ سکتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے تھے۔ وہ اپنے مقدس منصب کے فرائض کے بارے میں جاہل اور بے علم تھے اور کلمہ مغفرت بھی ازبر نہیں پڑھ سکتے تھے۔ (۱۴۵) اگرچہ وہ نماز اور دوسری عبادات لاطینی زبان میں ادا کرتے تھے، لیکن ان میں سے بہت کم لوگ ایسے تھے جو لاطینی کلمات کا مطلب ومفہوم سمجھتے تھے، کیونکہ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ اپنے مذہب کے عقائد کے متعلق ان کا علم مبہم سا تھا اور سنی سنائی باتوں تک محدود تھا۔ مارکو بزی کی رائے میں ان تمام خرابیوں کی وجہ یہ تھی کہ ملک میں اسقفوں کی تعداد ناکافی تھی اور پادری بھی بہت کم تھے۔ وہ اپنے مقدس فریضے کی ادائیگی کے لئے نااہل تھے اور یہ سبب تھا کہ بہت سے عیسائی اپنے مذہب میں پختہ ہونے سے پہلے ہی بوڑھے ہو جاتے تھے بلکہ فوت ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے دین سے ہر جگہ برگشتہ ہو رہے تھے۔ (۱۴۶) چنانچہ مارکو نے لکھا ہے کہ اگر ان خرابیوں کا تدارک نہ کیا گیا تو ملک میں عیسائیت کو بہت جلد زوال آ جائے گا۔ (۱۴۷) کئی پادریوں پر اس بات کا بھی الزام تھا کہ بغیر عقد نکاح کے عورتوں کو اپنے تصرف میں رکھتے ہیں اور شراب خوری کے عادی ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ البانیہ کے ارباب کلیسا ترکی سلطنت کے دیگر صوبوں کے پادریوں کے برعکس قومی امنگوں اور قومی مقاصد کے پاسبان نہیں تھے، حالانکہ دوسرے علاقوں کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی بے علمی کے باوجود اپنے لوگوں کے دلوں میں مسیحی دین کی حمیت وحمایت کے اس جذبے کو زندہ رکھا تھا

Marfat.com

جس کو یونانیوں کی قومی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔اس کے برعکس البانیہ کے باشندوں میں ایک قومی حمیت تھی جوان کے مذہبی عقائد سے الگ تھی۔وہ جاگیرداری دستور کے مطابق ترکوں کو اپنا آقا سمجھتے تھے اوران کے تمام احکام کی بجا آوری کولازم جانتے تھے۔(۱۴۸)

قبول اسلام کا ایک عجیب واقعہ:

قبول اسلام کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے جوایک پادری اوراس کے لوگوں کی باہمی رنجش کی وجہ سے ظہور میں آیا۔وہ واقعہ یہ ہے کہ " کئی برس ہوئے جب کہ ملک کے تمام باشندے ابھی تک عیسائی تھے،شہر سقوطری میں حضرت مریم کا ایک نہایت خوب صورت بت نصب تھا۔اس کی زیارت کے لئے ملک کے ہر گوشے سے ہزاروں لوگ آتے تھے،نذریں چڑھاتے اور بیماریوں سے نجات پانے کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔لیکن کسی سبب سے عیسائیوں اوران کے پادری کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔چنانچہ ایک دن بہت سے لوگ گرجا میں جمع ہو گئے اورانہوں نے کہا کہ اگر پادری ہماری بات تسلیم نہیں کرے گا تو ہم اس وقت اوراسی جگہ مسیحی دین چھوڑ دیں گے اوراس کی بجائے دین محمدﷺ اختیار کرلیں گے۔لیکن پادری خواہ وہ حق پر تھا یا نہیں تھا،اپنی بات پر اڑا رہا۔اس پراس کی جماعت نے اپنے گلے سے تسبیحیں اور صلیبیں گھسوٹ کرزمین پر پھینک دیں اوران کو پاؤں تلے روند ڈالا،وہ قریب ترین مسجد میں گئے اوروہاں کے ملا کے سامنے اسلام قبول کرلیا۔"(۱۴۹)

پادریوں کی غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے عیسائی معاشرے میں بہت سی خرابیاں اور بے قاعدگیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ لوگ بغیر کلیسا کی اجازت اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کے شادی بیاہ کرلیتے تھے۔یہ طریقہ اسلامی شریعت کے بہت قریب تھا جس میں نکاح فریقین کے درمیان محض ایک عقد کی حیثیت رکھتا ہے۔اس خرابی کو دور کرنے کے لئے شوہراور بیوی دونوں کوملت مسیح سے خارج کردیا جاتا تھا،تاوقتیکہ وہ کلیسا کے قانون کے مطابق باقاعدہ طور پر دوبارہ نکاح نہ پڑھائیں۔(۱۵۰)

عیسائیوں کا زوال اوراس کے اسباب:

عیسائیوں کے جو معاشرتی حالات اور دیگر واقعات صفحات بالا میں مذکور ہوئے ہیں،ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ سترہویں صدی میں عیسائیوں کی تعداد جلد سے جلد کم ہوتی گئی۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۶۲۰ءاور ۱۶۵۰ کے درمیان، یعنی تیس سال کے مختصر عرصے میں تقریباً تین لاکھ البانوی مسلمان ہوگئے۔(۱۵۱) ۱۶۲۴ء میں انتی واری کے تمام علاقے میں صرف دو ہزار کیتھولک تھے اورشہر میں صرف ایک گرجا تھا،اوراس صدی کے خاتمے پر یہ گرجا بھی عیسائیوں کی عبادت کے لئے کام میں نہیں آتا تھا،کیونکہ انتی واری میں صرف دو کیتھولک خاندان باقی رہ گئے

Marfat.com

تھے۔(۱۵۲) ۱۶۵۱ء میں تمام ملک کی عیسائی آبادی بیشتر عورتوں پر مشتمل تھی، کیونکہ مردوں نے کثیر تعداد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔(۱۵۳) اس صدی کے اختتام پر حالات اور بھی بدتر ہو گئے تھے کیونکہ کیتھولک لوگ تعداد میں مسلمانوں سے کم رہ گئے تھے۔ دونوں میں آبادی کا تناسب ایک کے مقابلے میں 1/1/3 تھا، حالانکہ ایک سو سال پہلے عیسائی مسلمانوں سے دس گنا زیادہ تھے۔ دراز د کے علاقے میں بیس سال (۱۵۴) کے عرصے میں عیسائیوں کی آبادی نصف رہ گئی تھی اور کرویا کے ایک اور شہر میں تیس سال کی مدت میں تمام عیسائی مسلمان ہو گئے تھے۔

بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر اسلام کا اقرار کرتے تھے مگر دل سے وہ عیسائی تھے۔ پادری ایسے لوگوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے تھے، اور اپنے افسران بالا کے احتجاج اور حکم امتناعی کے باوجود ان کو عشائے ربانی میں شریک کر لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کی اولاد کی پرورش اسلامی طریقے پر ہوتی تھی اور کلیسا ان کو کھو بیٹھتا تھا۔ اسی طرح بعض عیسائی اپنی بیٹیاں مسلمانوں سے بیاہ دیتے تھے اور پادری ایسی شادیوں کو جائز سمجھتے تھے اور ان عورتوں کو مذہبی رسوم میں شامل کر لیتے تھے، حالانکہ کلیسا کے اعلیٰ عہدے دار اس قسم کی رواداری پر بہت کچھ لعنت ملامت کرتے تھے۔

ارباب کلیسا کا کردار:

پادریوں کے مذکورہ بالا رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو عیسائی عوام کی روحانی فلاح و بہبود کا بہت کم خیال تھا۔ اس کے علاوہ ان پر یہ الزام تھا کہ ان میں سے اکثر فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کبھی اعتراف گناہ کی مذہبی رسم ادا نہیں کرتے اور مذہبی تہواروں کے موقع پر شراب پی کر خوب رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ گرجے کے مال کو بیچ ڈالتے تھے اور اپنے علاقوں سے اکثر غیر حاضر رہتے تھے، اور جب ان کو لعنت ملامت کی جاتی تھی تو وہ ترکوں کی پناہ میں آ کر (۱۵۵) اپنے تئیں بچا لیتے تھے۔ عیسائیوں کی تعلیم و تلقین کے لئے فرانسسکن اور آبزرونٹ فرقوں کے مبلغ بھیجے گئے، لیکن انہوں نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کیا کہ آپس میں دنگا فساد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے خلاف چارہ جوئی کے لئے عدالتوں تک جا پہنچے۔ اس سے عوام میں ان کی بڑی رسوائی ہوئی اور ان کے مشن کا مقصد فوت ہو گیا۔

سترھویں صدی کے وسط میں البانیہ کے بارہ اضلاع میں سے پانچ خالی پڑے تھے اور وہاں کوئی اسقف نہ تھا۔ پلاتی کے علاقے نے تیس برس سے کسی اسقف کی شکل نہیں دیکھی تھی اور وہاں ۶۳۴۸ نفوس کی تلقین (۱۵۶) کے لئے صرف دو پادری تھے۔ ملک کے بعض اندرونی حصوں میں چالیس سال سے کوئی پادری نہیں گیا تھا۔ یہ صورت حال ترکوں کے ظلم کی وجہ سے نہ تھی، کیونکہ فرانسسکن فرقے کے جو چار مشنری بھیجے گئے تھے، انہوں نے

Marfat.com

بعدازاں بیان کیا کہ وہ ملک میں بغیر کسی مزاحمت کے دورہ کرتے رہے ہیں اور اپنے مذہبی فرائض آزادی سے انجام دیتے رہے ہیں۔ سپا کا اسقف ایک مدت دراز سے اپنے علاقے سے غیر حاضر تھا، جس سے اس کے علاقے کے عیسائیوں نے بڑا نقصان اٹھایا۔ وہ خود تو وینس میں دادعیش دے رہا تھا، اور اپنی جگہ ایک جاہل پادری کو اپنا نائب مقرر کر رکھا تھا اور یہ پادری بھی (اپنے پیرومرشد کی طرح) ایک مشہور بدمعاش تھا۔ اس شخص کی نگرانی میں ۱۲۴۰۰ نفوس تھے۔ کلیسا کے جس فرد نے اس علاقے کی سیاحت کی تھی، وہ لکھتا ہے کہ "اسقف کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ اپنا دین وایمان کھو بیٹھے گا۔ اور اس کے علاوہ اپنے مریدوں کے ایمان پر اور کلیسا کے اوقاف پر بھی تباہی (۱۵۷) لائے گا۔" سقوطوی کے اسقف کے بارے میں اس کے ماتحت پادری اور عیسائی سمجھتے تھے کہ وہ ایک جابر اور مطلق العنان شخص ہے جو محض ترکوں کی مدد (۱۵۸) سے اپنے عہدے پر قائم رہنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اور زمیوخ اسقفوں کے متعلق یہ عام شکایت کرتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے عیسائیوں سے زبردستی چندے (۱۵۹) وصول کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارباب کلیسا کو سلطان کی طرف سے اپنی رعایا پر محصول لگانے کا اختیار حاصل تھا۔ چنانچہ انتی واری کا مطران (۱۵۹۹ء۔۱۶۰۷ء) اس بات کا مجاز تھا کہ وہ ہر عیسائی خاندان پر دو اسپر محصول لگائے۔ نیز پہلے نکاح کے موقع پر ۱۱۲ اسپر، دوسرے نکاح پر ۱۲۴ اسپر اور تیسرے نکاح پر ۱۳۶ اسپر بطور نذرانہ وصول کرے اور اپنے ہر ایک ضلع سے ایک اشرفی سالانہ حاصل کرے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان رقموں کے وصول کرنے میں اسے ترک حکام کی امداد مل سکتی تھی۔ (۱۶۰)

تمام البانیہ میں عیسائیوں کا ایک بھی مدرسہ نہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا نہایت بے علم تھے۔ بعض پادریوں کو اٹلی میں تعلیم پانے کے لئے بھیجا جاتا تھا، لیکن مارکو کریسیو نے اس دستور کی اس خطرے کی بناء پر مخالفت کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ایسے پادری اٹلی کی زندگی کو اتنا خوش گوار پائیں کہ اپنے وطن کو واپس آنے سے انکار کر دیں۔ جب مذہبی پیشوا ایسے جاہل ہوں تو اس صورت میں یہ امر باعث تعجب نہیں کہ عوام الناس کو اپنے مذہب کے ابتدائی اصولوں کا بھی علم نہ تھا اور ان میں بہت سی خرابیاں اور بدکاریاں پیدا ہو چکی تھیں "جن سے خداوند کا تاکستان تباہ و برباد ہو گیا تھا۔" بہت سے عیسائی غیر عورتوں کو بغیر کسی عقد نکاح کے اپنے تصرف میں رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کو مذہبی رسوم میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض اشخاص کی کئی بیویاں تھیں۔ (۱۶۱) تعداد ازدواج کی اس رسم سے پتا چلتا ہے کہ دونوں ملتوں یعنی عیسائیوں اور مسلمانوں کی عادات و اطوار میں کس قدر باہمی مماثلت ہے۔ اس مماثلت کی ایک اور شہادت یہ ہے کہ عیسائی بچوں کے اصطباغ کے موقع پر مسلمان معاونت کرتے تھے اور عیسائی پادری مسلمانوں کے بچوں کو بھی اصطباغ دینا جائز سمجھتے تھے۔

Marfat.com

عیسائیوں کی بغاوت:

سترہویں صدی کے نصف ثانی میں جب عیسائی کلیسا کی یہ حالت تھی تو اس صورت میں ایک خفیف سی تحریک بھی عیسائیوں کو اپنے مذہب سے برگشتہ کرنے کے لئے کافی ہوسکتی تھی۔ اس کے علاوہ اسی زمانے میں کیتھولک عیسائیوں کو بغاوت کے جرم میں ترکی حکومت کی طرف سے جو سزائیں ملیں، ان سے ان رجحانات کی تکمیل ہوگئی جن کی وجہ سے عیسائی اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے اور عیسوی مذہب کو بکثرت چھوڑ رہے تھے۔ مذکورہ بالا تفاوت کا محرک جارج تھا جو انتی واری کا انتالیسواں مطران تھا (۱۶۳۵ء تا ۱۶۴۴ء)۔ اس نے درازد، سکودرا اور الیسیو کے اسقفوں کے ساتھ مل کر عیسائی ملت کے سرکردہ لوگوں کو برانگیختہ کیا کہ وہ ترکوں کے خلاف سازش کر کے ملک کو وینس کی عیسوی حکومت کے حوالے کر دیں۔ چونکہ اس وقت ترکوں اور وینس والوں کے درمیان صلح تھی اور اس لئے وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ لیکن ۱۶۴۵ء میں ترکی اور وینس والوں میں لڑائی چھڑ گئی اور وینس والوں نے انتی واری پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی، جو پہلے بھی ترکوں کی فتح سے پیشتر تین صدیوں تک (۱۲۶۲ء تا ۱۵۷۱ء) ان کے زیر نگیں رہ چکا تھا۔ اس موقع پر البانیہ کے کیتھولک عیسائیوں نے دشمن کا ساتھ دیا اور اس کو خفیہ کمک پہنچائی۔ اس پر ترکوں نے ان کو سخت سزائیں دیں اور ان کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا۔ اس کے برعکس یونانی عیسائی وینس والوں کی حکومت کی بحالی سے بہت خوف کھاتے تھے، اس لئے انہوں نے ترکوں کے ساتھ وفاداری کی، اور ترکوں نے ان کو فیاضی سے انعام واکرام دیا اور اپنے ملک کو بچا لینے پر ان کی ستائش کی۔ بہت سے کیتھولک لوگ یا تو مسلمان ہوگئے یا یونانی کلیسا میں شامل ہو گئے۔ ان کا یونانی کلیسا میں شامل ہونا بہت ہی معنی خیز ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں پر بہ حیثیت عیسائی ہونے کے کوئی ظلم نہیں کیا جاتا تھا، نہ ہی ان پر اسلام ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جو کیتھولک مسلمان ہوئے، ان کے قبول اسلام کی یہ وجہ تھی کہ وہ اس نفرت سے بچنا چاہتے تھے جو ان کی بغاوت کی ناکامی کے بعد ان کے خلاف پیدا ہو چکی تھی۔ وہ یہی مقصد یونانی کلیسا میں شامل ہونے سے بھی حاصل کر سکتے تھے جس کو نہ صرف ترکی حکومت سرکاری طور پر تسلیم کرتی تھی بلکہ اس کی خاص طور پر انتی واری میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ پس جن کیتھولک عیسائیوں نے یونانی کلیسا میں شامل ہونے کی بجائے اسلام اختیار کیا، ان کو اپنے عیسوی مذہب سے بہت کم لگاؤ ہوگا۔ یہی بات ان عیسائیوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے جو زمانہ مابعد میں بکثرت مسلمان ہوئے۔ زمیوخ نے بعض عیسائیوں کے قبول اسلام کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ جزیہ سے بچنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم جو کچھ اوپر کے صفحات میں لکھ آئے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط جزیہ سے پیچھا چھڑانا تبدیلِ مذہب کا واحد سبب نہ تھا۔

Marfat.com

البانیہ والوں کی دوسری بغاوت:

البانیہ کے عیسائیوں نے ۱۶۴۹ء میں پھر بغاوت کی جو پہلی بغاوت سے بھی زیادہ سخت تھی، اور جس کا سرغنہ انتی واری کا مطران یوسف ماریہ بونالدو (۱۶۴۶ء تا ۱۶۵۴ء) تھا۔ انتی واری، سکودرا اور دوسرے شہروں کے سرکردہ لوگوں نے سازش کی کہ اپنے شہروں کے دروازے وینس کی فوجوں کے لئے کھول دیں، لیکن یہ سازش بھی ناکام رہی اور ترکوں نے اس بغاوت کو سختی سے دبا دیا۔ اس بغاوت کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ خود عیسائیوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی بہت سے البانوی، جن کے اثر ورسوخ سے ترکوں کو خطرہ تھا، جلاوطن کر کے سلطنت کے اندرونی حصے میں بھیج دیئے گئے، اور تین ہزار کی جماعت سرحد عبور کر کے وینس کے علاقے میں داخل ہوگئی۔ باقی لوگ خوف زدہ ہوگئے کیونکہ ترکوں نے ملک میں قلعے تعمیر کر لیے اور ان کی فوجیں باغی اضلاع میں دورہ کرنے لگیں اور باغیوں پر بھاری جرمانے کیئے گئے۔ (۱۶۲)

عیسائی مصنف اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ ترکوں نے البانیہ والوں پر ایسے غیر منصفانہ محصول اور ٹیکس لگائے تھے جن کی وجہ سے وہ اپنا دین چھوڑ کر مسلمان ہوگئے۔ (۱۶۳) افسوس ہے کہ ان مصنفوں نے ایسی تفصیلات بیان نہیں کیں جن کی بناء پر ہم اس بات کا فیصلہ کر سکتے کہ آیا واقعات سے ان کی شکایت کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں۔ زمیوخ نے جہاں دو ہزار عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا ہے، وہاں ابتدا میں ان ٹیکسوں اور محصولوں کو بھی شمار کیا ہے جو عیسائیوں کو برداشت کرنے پڑتے تھے۔ لیکن جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے، یہ ٹیکس مسلمانوں کو بھی ادا کرنے پڑتے تھے، سوائے چھ ریال سالانہ جزیہ کے جو ہر عیسائی مرد پر عائد ہوتا تھا اور سکیا تارا کیو کے ٹیکس کے جس کی مقدار تین ریال سالانہ تھی۔ (۱۶۴) اپنے بیان کے خاتمے پر وہ لکھتا ہے کہ "ان ٹیکسوں نے قوم کے نازک ترین حصے پر کاری ضرب لگائی جس کا تعلق دنیوی فوائد سے تھا۔ ان کو ان فوائد کا فطرۃً یا ضرورۃً بہت خیال تھا، لہذا یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ دو ہزار لوگوں نے جزیہ سے بچنے کے لئے اپنے سچے دین کو چھوڑ دیا۔" (۱۶۵) زمیوخ کی رپورٹ میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ جو محصول عیسائیوں کو دینے پڑتے تھے، ان کی رقم ایسی کڑی تھی کہ عیسائیوں کو اپنا مذہب چھوڑنا پڑتا، اور اگرچہ وہ تبدیلِ مذہب کے بہت سے واقعات کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ وہ جزیہ کی ادائیگی سے بچنا چاہتے تھے، تاہم اس نے خاص طور پر لکھا ہے کہ عیسوی مذہب سے برگشتہ ہونے کے واقعات اس وجہ سے ظہور میں آئے کہ ان کے مذہبی پیشوا بے حد جاہل تھے۔ (۱۶۶) وہ ایسے لوگوں کو بھی مذہبی رسوم میں شریک کر لیتے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، لیکن دل میں عیسائی تھے۔ (۱۶۷) ایک اور موقع پر اسی مصنف نے ان پادریوں کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ اپنے منصب کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اور مرتدوں کو بھی مذہبی رسوم میں شریک کر لیتے تھے"۔ وہ لکھتا ہے کہ "صرف یہی دو سبب ہیں جن سے

Marfat.com

البانیہ میں (۱۶۸) مسیحی کلیسا کو ہر طرح کا نقصان پہنچا ہے۔" اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس زمانے میں عیسائی لوگ ان مسلسل اسلامی اثرات کی وجہ سے مسلمان ہوئے جو صفحات بالا میں مذکور ہوئے ہیں۔ باقی رہا جزیہ کی ادائیگی سے پیچھا چھڑانا، یہ اس سلسلے کی آخری کڑی تھی۔

خود مسلمانوں نے عیسائیوں کو مسلمان کرنے میں کیا کوششیں صرف کیں، ان کے متعلق ہم ایک پادری کی رپورٹ سے معلومات حاصل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے۔ تاہم زمیوخ ایک ضلع کے عیسائیوں کے متعلق لکھتا ہے کہ وہاں کے باشندوں نے ترکوں کے اثر صحبت سے "ان کافروں کی برائیاں اختیار کر لی تھیں۔" اور ان کے عیسائی مذہب سے دور ہٹنے کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ ترک عورتوں (۱۶۹) سے شادیاں کر لیتے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہاں زبردست اسلامی اثرات کارفرما تھے۔ اور یہی حالت بسکاسیا اور باسیا کے ضلعوں کی تھی۔ ان کی آبادی دو ہزار نفوس کے قریب تھی اور ان کے متعلق ہمیشہ یہ اندیشہ لاحق رہتا تھا کہ مذہبی معلم کی عدم موجودگی میں وہ اپنے دین سے منحرف ہو جائیں گے۔ "ان کے دین وایمان کی سخت آزمائش ہو رہی تھی اور اس کی تقویت کے لئے انہیں دانش منداور دین دار معلموں کی ضرورت تھی۔" (۱۷۰)

زمیوخ نے ایک شریف عیسائی خاندان کا حال لکھا ہے جو انتی واری کے قرب وجوار میں رہتا تھا۔ اس خاندان میں دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کو وہاں کے سرکردہ مسلمانوں نے، جو اس کے رشتہ دار بھی تھے، بہلا پھسلا کر اپنے مذہب سے برگشتہ کر دیا تھا، لیکن چھوٹا بھائی پادری بننے کے لئے تعلیم وتربیت حاصل کرنا چاہتا تھا، تاکہ وہ عیسائی کلیسا کی خدمت کر سکے۔ اس کا خاندان اگرچہ مفلس تھا، لیکن ترک اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ (۱۷۱) فی الحقیقت یہ اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے محض ان کے عیسائی ہونے کی بناء پر بدسلوکی نہیں کرتے تھے، بلکہ ان پر صرف اس حالت میں سختی کرتے تھے جب وہ بغاوت کا اظہار کرتے۔ زمیوخ خود البانیہ کا باشندہ تھا اور اس نے انتی واری کے دیگر مطرانوں کی طرح وینس کے علاقے کی بجائے خود اپنے علاقے ہی میں سکونت اختیار کی تھی، اور نہ صرف ترکی حکام اس سے انتہائی احترام اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے بلکہ خود البانیہ کا پاشا بھی اس کو اپنی مجلس میں عزت وتکریم کے ساتھ بٹھاتا تھا۔ جب زمیوخ اس کے پاس آتا تو پاشا دروازے تک اس کے استقبال کے لئے جاتا تھا اور رخصت کے وقت بھی اس کو دروازے تک پہنچاتا تھا۔ زمیوخ لکھتا ہے کہ "یہ وحشی شخص ایک ترک کی طرح نہیں بلکہ ایک فراخ دل عیسائی کی طرح پیش آتا تھا۔ اس نے عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ ثبوت دیا کہ اس نے مطران کی درخواست پر آئندہ سال کے لئے چار مختلف شہروں کا جزیہ معاف کر دیا۔ (۱۷۲)

اگر ترکی حکام نے کسی عیسائی پادری پر سختی کی ہے تو اس شبہ کی بناء پر کی ہے کہ وہ ترکوں کے دشمنوں کے

Marfat.com

ساتھ خط و کتابت کرتا تھا۔ اور جب کبھی کلیسا کے لوگ اٹلی جاتے تھے تو اس سے بھی ترکوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے تھے اور یہ شکوک اکثر اوقات بجا بھی ہوتے تھے، وگرنہ جو برتاؤ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کرتے تھے اس کے متعلق پادریوں کو کوئی شکایت نہیں ہو سکتی تھی۔ زمیوخ ایک ضلع کے پادری کا ذکر کرتا ہے جس کو ترک اکابر بہت عزیز رکھتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہرزیگوونیہ کے ایک پادری کا ذکر کرتے ہیں جو ترکوں کے ساتھ بہت میل ملاپ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، لہذا اس کے اسقف نے اسے بہ حفاظت تمام رومہ (۱۷۳) واپس بھیج دیا۔ ایسے ہی واقعات بلاشبہ البانیہ میں بھی پیش آئے۔

البانیہ کی تاریخ کے کسی دور میں عیسائی اس کثرت سے مسلمان نہیں ہوئے جتنے کہ سترھویں صدی میں ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد کے زمانے میں بھی بعض لوگ آج تک اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔ البانیہ کے جنوبی حصے میں جہاں ٹوسک قوم رہتی ہے، اہل اسلام کی کثرت ہے جس کی وجہ سے عیسائی لوگ وہاں گھاٹے میں ہیں۔ کرمرتاد قوم کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ اس قوم کے لوگ جو پوگانیانی کے قریب چھتیس دیہاتوں میں آباد تھے، اٹھارویں صدی کے خاتمے تک عیسائی تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ لسکو دیکی کے ہمسایہ مسلمان باشندوں کے مسلسل حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو وہ ایک گرجا میں جمع ہوئے اور اولیاء سے دعا مانگی کہ ان کے حق میں کوئی معجزہ دکھائیں، چنانچہ انہوں نے نصرت خداوندی کی امید میں ایسٹر تک روزے رکھنے کا عہد کیا۔ ایسٹر آئی اور گزر گئی لیکن کوئی معجزہ ظہور میں نہ آیا، لہذا تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ان کو ہتھیار مل گئے جن کی ان کو ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے حملہ کر کے لسکو دیکی کے تمام دشمنوں کو قتل کر ڈالا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ (۱۷۴) البانیہ میں مشترکہ مذہب قبائل کی باہمی جنگوں میں کبھی حائل نہیں ہوا۔ انیسویں صدی تک البانیہ کے قبیلے اور دیہات نہایت مہمل اور بے معنی باتوں پر اپنا مذہب تبدیل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی قبیلے کے بعض لوگ محض اس لئے مسلمان ہو گئے تھے کہ ان کا پادری، جس سے متعلق متعدد دیہات تھے، سب سے پہلے ان کے گاؤں میں آیا اور اس نے صبح صبح نماز ادا کرنے پر اصرار کیا تھا۔ (۱۷۵)

کہا جاتا ہے کہ اس وقت البانیہ میں مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ ہے اور عیسائی تعداد میں چار لاکھ اسی ہزار ہیں، لیکن ان اعداد و شمار کی صحت یقینی نہیں ہے۔ مردی قوم کے لوگ سب کے سب عیسائی ہیں اور انہوں نے سلطان کی اطاعت اس شرط پر قبول کی تھی کہ ان کے علاقے میں کسی مسلمان کو آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی، لیکن دیگر قبیلوں میں دونوں ملتوں کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وسطی البانیہ کی تمام آبادی مسلمان ہے اور شمالی البانیہ میں ساٹھ فی صد لوگ مسلمان ہیں۔ عیسائی لوگ سب سے زیادہ جنوبی البانیہ میں پائے

Marfat.com

جاتے ہیں، خصوصاً ان اضلاع میں جو یونان سے متصل ہیں۔(۱۷۶)

سرویہ میں اشاعت اسلام:

سرویہ کی مملکت اول ۱۳۷۵ء میں ترکوں کی باج گزار بنی اور ۱۳۸۹ء میں کسووا کی جنگ میں شکست فاش کھانے کے بعد آزادی سے محروم ہوگئی۔ اس جنگ میں سرویہ کا بادشاہ اور ترکوں کا سلطان دونوں مارے گئے۔ ان حکمرانوں کے جانشینوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ طے پایا جس کی رو سے سرویہ کے نوجوان شاہزادے سٹیفن نے سلطان بایزید کی سیادت کو تسلیم کیا، اور اس سے اپنی بہن کی شادی کردی۔ اس طرح سے جانبین میں برادرانہ رشتہ قائم ہوگیا۔ نیکوپولس کی جنگ (۱۳۹۴ء) میں، جس سے تمام جزیرہ نمائے بلقان سوائے قسطنطنیہ کے گردونواح کے ترکوں کے تسلط میں آ گیا، سرویہ کی فوج نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور ترکوں کو فتح دلوادی۔ اسی طرح جب انقرہ کی جنگ (۱۴۰۲ء) میں تیمور نے ترکوں کو شکست فاش دے کر سلطان بایزید کو قید کرلیا تو سٹیفن اپنی فوج کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھا اور اپنے بہنوئی کی طرف سے بڑی جواں مردی سے لڑا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ترکوں کے تسلط سے آزاد ہو جاتا، وہ اپنے عہد و پیمان کا پابند رہا۔ اس نے بایزید کے بیٹوں کا ساتھ دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے باپ کا تخت حاصل کرلیا۔ سٹیفن کے جانشین جورج برینکووچ کے زمانے میں سرویہ کو کسی قدر نیم خودمختاری نصیب ہوئی، لیکن ۱۴۳۸ء میں جب اس نے علم بغاوت بلند کیا، تو ترکوں نے اس کے ملک کو دوبارہ تاخت وتاراج کر ڈالا۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے لئے سرویہ نے ہنگری کی سیادت کو تسلیم کرلیا، لیکن جب ۱۴۴۴ء میں ہنگری کے فرمانروا جان ہنیاڈی نے ورنا کی جنگ میں ترکوں سے شکست کھائی تو سرویہ ترکوں کا دوبارہ باج گزار بن گیا اور آخر کار ۱۴۵۹ء میں وہ ترکی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔

باشقر قوم کے مسلمان:

یہ بات عین ممکن ہے کہ جنگ کسووا کے بعد سرویہ کے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کو مسلمانوں کی اس جماعت کا علم ہوگا جس کو ایک صدی پیشتر ہنگری سے خارج کر دیا گیا تھا، اس لئے انہوں نے ترکوں کی حکومت کو ہنگری کی اطاعت پر ترجیح دی۔ یاقوت حموی ۱۲۲۸ء کے قریب یورپ کے قرون وسطی کی اس جماعت کے بعض افراد سے ملا تھا، جس نے ان مسلمانوں کے ذریعے سے اسلام اختیار کیا تھا، جو ان کے درمیان آ کر آباد ہوگئے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ میں حلب میں بہت سے لوگوں سے ملا جو باشغرد کہلاتے تھے۔ ان کے بال اور چہرے سرخ وسفید رنگ کے تھے۔ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی تحصیل کر رہے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک شخص سے، جو مجھے سمجھ دار معلوم ہوتا تھا، ان کے ملک اور وہاں کے حالات کے متعلق سوال کیا۔ اس نے

Marfat.com

جواب دیا کہ ہمارا ملک قسطنطنیہ کی دوسری جانب واقع ہے اور فرنگیوں کی مملکت میں ہے جن کو ہنگر کہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور ان کے بادشاہ کی رعایا ہیں اور اس کی مملکت کی سرحد پر رہتے ہیں۔ ہمارے تقریباً تیس گاؤں ہیں جو چھوٹے شہروں کی مانند ہیں، لیکن ہنگری کا بادشاہ ہمیں ان کے گرد دیواریں بنانے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اسے خوف ہے کہ مبادا ہم اس کے خلاف بغاوت برپا کر دیں۔ ہم عیسائی ملکوں کے درمیان رہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے شمال میں صقالبہ کا ملک ہے اور جنوب میں پوپ کا ملک ہے یعنی رومہ اور پوپ فرنگیوں کا رئیس ہے اور ان کے ہاں مسیح کا نائب ہے، جیسے کہ مسلمانوں کے ہاں امیر المومنین کا مرتبہ ہے۔ فرنگیوں کے تمام دینی امور میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ ہمارے مغرب میں اندلس ہے اور مشرق میں رومیوں کا ملک ہے، یعنی قسطنطنیہ اور اس کے صوبہ جات۔ ہماری زبان بھی وہی ہے جو فرنگیوں کی ہے اور ہم ویسا ہی لباس پہنتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ فوجی خدمت سرانجام دیتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور وہ مخالفین اسلام ہی کے ساتھ برسرپیکار ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ تم بلاد کفر کے درمیان رہتے ہوئے مسلمان ہو؟ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اپنے اسلاف کی ایک جماعت سے سنا ہے کہ ایک مدت دراز کی بات ہے کہ بلغار کے ملک میں سے سات مسلمان آئے تھے اور ہمارے درمیان سکونت پذیر ہوئے تھے۔ انہوں نے کمال مہربانی سے ہمیں ہماری گمراہی پر متنبہ کیا اور حق وصداقت یعنی دین اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ الحمدللہ کہ خداوند کریم نے ہمیں ہدایت دی اور ہم سب مسلمان ہو گئے اور خدا نے ایمان کے لئے ہمارے سینے کھول دیئے۔ اب ہم ان ملکوں میں آتے ہیں اور فقہ سیکھتے ہیں۔ جب ہم اپنے ملک میں واپس جائیں گے تو ہمارے ہم وطن ہماری عزت کریں گے اور اپنے مذہبی معاملات ہمارے سپرد کر دیں گے۔" (۱۷۷)

اسلام ہنگری کی باشقر قوم کے ہاں ۱۳۴۰ء تک قائم رہا، لیکن اس سنہ میں شاہ چارلس رابرٹ نے اپنی تمام غیر مسیحی رعایا کو مجبور کیا کہ وہ عیسائی ہو جائے، ورنہ ملک کو چھوڑ دے۔

ان حالات میں سرویہ کے مسلمانوں نے ہنگری کی حکومت سے بخوشی نجات حاصل کی ہوگی اور یہی حالت ان کے ہم وطن عیسائیوں کی تھی۔ چنانچہ جب ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ یا تو ہنگری کی حکومت کا رومن کیتھولک مذہب اختیار کریں یا ترکوں کی اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کریں، تو سرویہ کے عیسائیوں کو اپنے یونانی کلیسا کے ساتھ جو شغف تھا، اس کی بناء پر انہوں نے مسلمانوں کی مذہبی رواداری کو ہنگری کی حکومت پر ترجیح دی جو رومن کیتھولک مذہب کی حمایت اور ترویج پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس زمانے میں ان کے جو خیالات اور جذبات تھے، ان کا ایک پرانی حکایت سے پتا چلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ترک اور ہنگری والے برسرپیکار تھے۔ جارج برنیکووچ نے ہنگری کے بادشاہ جان ہنیاڈی کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا کہ "اگر تم فتح یاب ہوئے تو کیا کرو

Marfat.com

گے؟" ہنیاڈی نے جواب دیا کہ "میں رومن کیتھولک مذہب کو قائم کروں گا۔" اس کے بعد برنیکووچ نے سلطان کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا کہ "اگر تم ظفریاب ہوئے تو ہمارے مذہب کے ساتھ کیوں کر پیش آ ؤ گے؟" سلطان نے جواب دیا کہ "ہر مسجد کے ساتھ ایک گرجا ہوگا اور ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ جس عبادت گاہ کو چاہے اختیار کرے۔" سرویہ کے بعض پادریوں کی غداری کی وجہ سے بلغراد کی محصور فوج کو ترکوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔(۱۷۸) اسی طرح سمندریہ کا شہر، جو دریائے ڈینیوب پر واقع تھا، اس کے عیسائی باشندوں نے ترکی عساکر کا خیر مقدم کیا اور ترکوں نے ان کو ۱۶۰۰ء میں اپنے کیتھولک ہمسایوں کی حکومت سے نجات دلائی۔(۱۷۹)

سرویہ میں اسلام کی اشاعت:

سرویہ کے باشندوں میں اسلام کی اشاعت جنگ کسوبو کے فوراً بعد شروع ہوگئی تھی۔ ملک کے بہت سے قدیم امراء اور جاگیردار، جو ملک میں باقی رہ گئے تھے اور جنھوں نے ہمسایہ عیسائی ملکوں میں پناہ نہیں لی تھی، اپنی رضا و رغبت سے مسلمان ہوگئے تاکہ اپنے قدیم حقوق جاگیرداری کو بغیر کسی خلل اندازی کے بدستور قائم رکھ سکیں۔(۱۸۰) سلاطین نے دیکھا کہ یہ نومسلم امراء اسلام کے پرجوش مبلغ ہیں۔(۱۸۱) لیکن سرویہ کے اکثر عوام باوجود سختیوں اور مصیبتوں کے اپنے قدیم مذہب پر شدت کے ساتھ قائم رہے، اور صرف سرویہ قدیم میں جو اب البانیہ کا شمال مشرقی حصہ ہے، عیسائیوں نے کسی قدر کثرت کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔(۱۸۲) لیکن یہاں بھی سترھویں صدی تک اشاعت اسلام کی رفتار بہت آہستہ رہی۔ اس زمانے میں آسٹریا والوں نے اہل سرویہ کو بغاوت پر آمادہ کیا، لیکن جب ان کو ناکامی ہوئی تو ۱۶۹۰ء میں وہاں کا بطریرک ارسینیوس سوم چالیس ہزار عیسائی خاندانوں کو لے کر ترکی کی سرحد عبور کرکے ہنگری میں جا کر آباد ہوگیا۔ جب ۱۷۳۹ء میں سرویہ کے پندرہ ہزار خاندانوں نے ارسینیوس چہارم کی قیادت میں اپنا وطن ترک کیا تو اس سے ملک کا یہ حصہ اپنی قدیم آبادی سے قریب قریب خالی ہوگیا۔(۱۸۳)

اہل سرویہ کے ترک وطن کرنے سے جو ملک خالی ہوا، اس میں البانیہ کے لوگ جنوب سے آ کر آباد ہوگئے۔ اپنی آمد کے وقت یہ البانوی اکثر رومن کیتھولک تھے، لیکن جب وہ قدیم سرویہ میں بس گئے تو آہستہ آہستہ مسلمان ہوگئے۔ چنانچہ آج کل جس قدر کیتھولک مذہب کے البانوی اس ملک میں موجود ہیں، ان کی تعداد باوجودیکہ ان کے ہم مذہب پہاڑوں سے اتر کر ان میں وقتاً فوقتاً شامل ہوتے رہتے ہیں، بہت کم ہے۔ کیونکہ نووارد لوگ بالعموم اپنے بزرگوں کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد مسلمان ہوجاتے ہیں۔(۱۸۴)

سرویہ کے ملک میں البانیہ والوں کی آمد کے بعد سرویہ کی باقی ماندہ عیسائی آبادی میں اشاعت اسلام کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ سرویہ کے پادری لوگ بہت جاہل اور ناخواندہ تھے اور نماز کی کتاب بھی بمشکل پڑھ سکتے تھے

Marfat.com

اوران میں سے بہت کم لکھنا جانتے تھے۔ وہ نہ تو لوگوں کو وعظ سناتے تھے اور نہ ہی مذہبی عقائد کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ گاؤں کے گاؤں ایسے تھے جن میں ایک عیسائی بھی ایسا نہیں ملتا تھا جس کو "خداوند کی دعا" یاد ہو یا یہ جانتا ہو کہ احکام خداوندی کتنے ہیں۔ خود پادری لوگ بھی ویسے ہی جاہل تھے۔ (۱۸۵) ۱۶۸۹ء کی بغاوت کے بعد سرویہ کے مذہبی صدر مقام یعنی ایپک میں باب عالی نے ایک بطریک مقرر کر دیا تھا، لیکن جب دوبارہ بغاوت ہوئی تو یہ منصب منسوخ کر دیا گیا، اور سرویہ کے کلیسا کو قسطنطنیہ کے یونانی بطریک کے زیرنگین بنا دیا گیا۔ سرویہ کے گرجاؤں میں یونانی اسقف مقرر ہوئے جو بدنصیب عیسائیوں کا خون چوسنے میں ترکی حکام اور امراء کے ہم نوا ہو گئے۔ ان کی قومی زبان ممنوع قرار پائی اور سلافی زبان میں ان کی جو مذہبی کتابیں تھیں، ان کو جمع کر کے قسطنطنیہ (۱۸۶) بھیج دیا گیا۔ جب مذہبی پیشواؤں کی یہ حالت ہو تو پھر عیسائی مذہب کے زوال پر کیا تعجب ہو سکتا ہے۔ مثلاً گورا کے علاقے میں جو پریزرن کے ضلع میں تھا، جب ۱۶۹۰ء کی ہجرت کے بعد لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے، تو سرویہ کے لوگوں نے، جو اپنے عیسائی مذہب پر بدستور قائم تھے، پریزرن کے یونانی اسقف سے بار بار التماس کی کہ ان کے ہاں کم از کم وقتاً فوقتاً معلم بھیجے جائیں، لیکن ان کی درخواست بے کار گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بچوں کو اصطباغ تک نہ ملتا تھا اور ان کے ہاں شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین کی رسومات بھی ارباب کلیسا کی تبریک کے بغیر ہی ادا ہوتی تھیں، اور ان کی عبادت گاہیں اور مقدس مقامات بوسیدہ اور خستہ و خراب ہو چکے تھے۔ (۱۸۷) اپولجی کے قریبی ضلع میں ۹۵۰۰ مسلمانوں کی جو آبادی ہے، ان میں سے اکثر لوگ غالباً مقامی (۱۸۸) سلافی نسل کے باشندوں کی اولاد ہیں۔ سترھویں صدی کے آغاز میں بزی نے جاگ نیود کے شہر میں رومن کیتھولک فرقے کے ۱۲۰ خاندان، یونانی عیسائیوں کے ۲۰۰ خاندان اور مسلمانوں کے ۱۸۰ خاندان (۱۸۹) دیکھے تھے، لیکن اس کے بعد ایک سو سال بھی نہ گزرے تھے کہ یہاں کا ہر خاندان مسلمان شمار ہونے لگا، کیونکہ ہر خاندان کا سربراہ اسلام کا نام لیوا تھا، صرف عورتیں اور چند بچے عیسائی تھے۔ (۱۹۰) اٹھارویں صدی کے وسط میں لیورس کے گاؤں کے سب لوگ رومن کیتھولک تھے۔ ۱۸۶۳ء میں وہاں مسلمانوں کے ۹۰ اور عیسائیوں کے ۲۳ خاندان تھے، لیکن آج کل اس گاؤں کے باشندوں نے عیسائیت کو ترک کر دیا ہے۔ (۱۹۱) کچھ عرصہ ہوا بعض دیہاتوں میں قدیم عیسائی مذہب کی بعض رسومات ابھی تک پائی جاتی تھیں، مثلاً کرسمس کے موقع پر الاؤ لگاتے تھے، لیکن اس قسم کی رسومات اب بہت جلد متروک ہو رہی ہیں۔ (۱۹۲)

مونٹ نیگرو میں اسلام کی اشاعت:

جنگ کسوبو اور مملکت سرویہ کے زوال کے بعد مونٹ نیگرو کے سنسان پہاڑی علاقے سرویہ کے ان لوگوں کے لئے ملجا و ماویٰ بن گئے جو ترکوں کی اطاعت قبول نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اپنی آزادی اور خودمختاری کو

Marfat.com

قائم رکھنا چاہتے تھے۔ یہاں اس بات کا محل وموقع نہیں کہ اس بہادر قوم کی اس دلیرانہ جدوجہد کو بیان کیا جائے جو اس نے انتہائی مشکلات کے مقابلے میں جاری رکھی اور اس بات کا تذکرہ کیا جائے کہ کس طرح انہوں نے صدیوں کی مسلسل جنگ وجدال سے اپنے اسقفوں کی قیادت وسیادت (۱۹۳) میں ایک آزاد عیسائی ریاست کی ہستی کو ایسے زمانے میں قائم ودائم رکھا، جب کہ ان کی قوم کے باقی لوگ اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ چونکہ بہ حیثیت ایک قوم کے ان کی الگ ہستی کا دارومدار محض اس شغف پر موقوف تھا جس شغف کے ساتھ اس نے دین مسیحی کے ساتھ تمسک کیا تھا، لہٰذا ان حالات میں اس بات کی توقع نہیں جا سکتی کہ اس قوم میں اشاعت اسلام کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود سترھویں صدی میں مونٹ نیگرو کے سرحدی اضلاع کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، اور نزدیکی علاقوں کے ترکی حکام کی ملازمت میں منسلک ہو گئے۔ لیکن ۱۷۰۳ء میں اسقف دانیال پتر ووچ نے جو اس وقت ان کا حکمران تھا، تمام قبیلوں کو جمع کیا کہ اگر ان کے ملک اور ان کے دین کی بقاء کی کوئی امید ہو سکتی ہے تو وہ صرف اس امر پر موقوف ہے کہ جو مسلمان ان کے درمیان رہتے ہیں، ان کو نیست ونابود کر دیا جائے۔ چنانچہ کرسمس کی شام کو مونٹ نیگرو کے وہ تمام مسلمان نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے جو اسلام کو ترک کر کے عیسائیت اختیار کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ (۱۹۴)

بوسنیہ میں اسلام کی اشاعت:

ترکوں کی فتوحات سے پہلے ملک بوسنیہ کے جو مذہبی اور معاشرتی حالات تھے وہ خاص توجہ کے لائق ہیں۔ یہاں کے اکثر لوگ عیسائیوں کے ایک ملحدانہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے جس کو بوگومیل کہتے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی سے رومن کیتھولک لوگوں نے ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رکھا تھا، اور پوپ کئی مرتبہ ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۵ء میں پوپ جان دوازدہم نے شاہ بوسنیہ کو اس مضمون کا خط لکھا:

"ہمارے عزیز فرزند امیر سٹیفن، شاہ بوسنیہ کے نام۔ ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ تم کلیسا کے ایک وفادار بیٹے ہو اس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی قلمرو میں ملحدوں کو نیست ونابود کر دو، اور ہمارے مقرر کردہ محتسب فابین کی ہر طرح امداد اور اعانت کرو۔ کیونکہ تمام اطراف واکناف سے ملحدوں کا ایک جم غفیر بوسنیہ کی ریاست میں جمع ہو گیا ہے۔ ان کو اس بات کی امید ہے کہ وہ وہاں اپنی شرمناک ضلالتوں کا بیج بو سکیں گے اور امن وامان میں زندگی بسر کریں گے۔ ان لوگوں پر شیطان قدیم کے دجل وفریب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے اور وہ جھوٹ اور بے ایمانی کے زہر سے مسلح ہیں، اور اپنی ظاہری سادگی کی نمائش کر کے اور عیسائیوں کا نام رکھ کر رومن کیتھولک لوگوں کے عقائد کو بگاڑ رہے ہیں۔ ان کی گفتگو کیکڑے کی طرح ٹیڑھی چال چلتی ہے۔ وہ عاجزی سے خاک پر رینگتے ہیں

Marfat.com

لیکن پوشیدہ طور پر لوگوں کے ایمان کو غارت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت گرگ ہیں جنہوں نے گوسپند کا لباس پہن رکھا ہے اور اپنی درندہ خصلت کو چھپا کر مسیح کی بھولی بھالی بھیڑوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔"

پندرھویں صدی میں فرقہ بوگومیل کی تکلیفیں اس قدر ناقابل برداشت ہوگئیں کہ انہوں نے ترکوں سے التجا کی کہ ان کو ان کی زار و زبوں حالت سے نجات دلائی جائے، کیونکہ بوسنیہ کے بادشاہ اور پادریوں نے اس فرقے پر اپنے ظلم و ستم کو اس انتہا تک پہنچا دیا تھا کہ اس فرقے کے چالیس ہزار لوگ بوسنیہ سے بھاگ کر آس پاس کے ملکوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ جو لوگ فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے، ان کو پابہ زنجیر کر کے رومہ بھیج دیا گیا۔ لیکن ان سختیوں کے باوجود بوسنیہ میں بوگومیل کی قوت زائل نہ ہوسکی، کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۴۶۲ء میں بھی یہ فرقہ بدستور پرانے زور پر تھا۔ آئندہ سال جب سلطان محمد ثانی نے بوسنیہ پر فوج کشی کی تو کیتھولک بادشاہ کی رعایا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور بوبوواٹز کے شاہی شہر کے قلعہ کی کنجیاں وہاں کے حاکم نے، جو فرقہ بوگومیل میں سے تھا، ترکوں کے حوالے کر دیں۔ دیگر قلعوں اور شہروں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی، چنانچہ ایک ہفتے کے اندر ستر شہر سلطان کے قبضے میں آ گئے اور محمد ثانی نے بوسنیہ کو بھی اپنے کثیر التعداد مفتوحہ ممالک میں شامل کر لیا۔ (۱۹۵)

فرقہ بوگومیل کے عقائد:

اس فتح کے بعد بوگومیل فرقے کا حال بہت کم سننے میں آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترکی فتح کے بعد اس فرقے کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اور جو باقی رہ گئے وہ بھی رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے۔ بوسنیہ کے رومن کیتھولک اپنا ملک چھوڑ کر ہنگری اور آسٹریا میں جا بسے۔ بعض مصنفوں کا خیال ہے (۱۹۶) کہ اس فرقے کے اکثر لوگوں نے کم از کم ترکی عہد کی ابتدا میں اس نیت سے اسلام قبول کیا تھا کہ جب موقع ملے گا تو وہ اپنے پہلے مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے۔ چونکہ ان پر ہمیشہ ظلم و ستم ہوتا رہا تھا اس لئے انہوں نے عارضی طور پر اپنے مذہب سے انکار کرنا سیکھ لیا ہوگا۔ لیکن جب مناسب موقع ان کو کبھی نصیب نہ ہوا تو ان کی نیت بھی رفتہ رفتہ نظر انداز ہوتی گئی ہوگی، حتیٰ کہ اس قسم کا ارادہ ان کے اخلاف کے دل سے قطعاً محو ہو گیا۔ لیکن ایسا خیال محض قیاس ہے، جس کی تائید میں کوئی صحیح شہادت موجود نہیں۔ ہمارے خیال میں فرقہ بوگومیل کے لوگوں کو مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں شامل ہونے کی ترغیب اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ان کے مخصوص عقائد اور اسلامی عقائد میں بہت سی باتوں میں مشابہت تھی۔ مثلاً وہ مریم عذرا کی پرستش، اصطباغ کی رسم اور پادریوں کی جماعت کا انکار کرتے تھے۔ (۱۹۷) وہ صلیب کو ایک مذہبی نشان کی حیثیت سے مکروہ جانتے تھے اور مذہبی تصویروں، بتوں اور اولیاء کے تبرکات کی تعظیم و تکریم کو

Marfat.com

بت پرستی سمجھتے تھے۔ رومن کیتھولک گرجاؤں کی آرائش اور زیبائش کے برعکس ان کی عبادت گاہیں بہت سادہ ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کی طرح وہ بھی گرجا کے گھنٹے سے نفرت کرتے تھے اور اسے "شیطان کا صور" کہتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰؑ خود مصلوب نہیں ہوئے بلکہ کسی اور صورت نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ اس مسئلے میں وہ کسی قدر قرآن کی تعلیم سے موافقت رکھتے تھے۔ (۱۹۸) وہ شراب کو حرام جانتے تھے، ان کا طرز زندگی بالعموم زاہدانہ تھا اور ان کے ظاہری طور طریقے سے تقشف اور تشدد پایا جاتا تھا۔ ان سب باتوں سے اسلام کے ساتھ ان کو اور تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ (۱۹۹) چنانچہ ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ "تم ان ملحدوں کو دیکھو گے کہ وہ بظاہر بھیڑوں کی طرح خاموش اور پرامن ہیں، لیکن منافقانہ روزے رکھ کر انہوں نے اپنے آپ کو زرد رو بنا رکھا ہے۔ نہ زیادہ بولتے ہیں اور نہ ہی ہنستے وقت قہقہہ لگاتے ہیں۔ داڑھی کو بڑھاتے ہیں اور باقی وضع قطع کے بارے میں بھی بے پرواہ رہتے ہیں۔" یہ لوگ پانچ وقت دن کو اور پانچ وقت رات کو نماز ادا کرتے تھے اور دعاے ربانی بار بار رکوع (۲۰۰) کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پس ان نمازوں کی جگہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے میں انہوں نے کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی ہوگی۔ میں نے یہاں بہت سی باتوں کو جمع کر دیا ہے جن کو اسلام کی تعلیمات کے ساتھ مشابہت ہے اور جو بوگومیل کے عقائد میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے بعض ایسے عقائد بھی تھے جو عیسائیت کے ساتھ مخصوص تھے اور جن کو کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جب اس قدر باتیں مشترک ہوں تو یہ بات سمجھنی آسان ہے کہ کس طرح بوگومیل فرقے کو ایسے عقائد کو رفتہ رفتہ ترک کرنے کی ترغیب ہوئی ہوگی جو اسلام کے منافی تھے۔ ان کی مانوی ثنویت کو بھی اسلامی الہیات کے ساتھ کسی صورت میں مطابقت نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اسلام نے اس قسم کے عقائد کے بارے میں ہمیشہ مصالحت اور رواداری کا طریقہ اختیار کیا ہے، بشرطیکہ ان سے کوئی تفرقہ پیدا نہ ہو اور عقائد اور اعمال کے بارے میں اسلام کے بنیادی اصولوں کا اقرار کیا جائے۔

ترکوں نے حسب معمول بوسنیہ والوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے ہر قسم کی رعایت دی۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے، ان کو اجازت تھی کہ وہ اپنی اراضی اور اپنے مال و متاع پر بدستور قابض رہیں۔ (۲۰۱) اور ان کی جاگیریں ہر قسم کے ٹیکس سے بری تھیں۔ یہ گمان غالب ہے کہ بہت سے قدیم عیسائی خاندانوں کے جائز وارثوں نے، جن کو کیتھولک فرقے نے ان کے ملحدانہ عقائد کی بناء پر اپنی جائدادوں سے بے دخل کر دیا تھا، ترک حکمرانوں کا مذہب اختیار کر کے اپنے قدیمی رتبے اور درجے کو دوبارہ حاصل کرنے کا موقع پایا۔ بوسنیہ کے مسلمانوں نے اپنی قومیت کو قائم رکھا، اور وہ اب تک اکثر سربی نام رکھتے ہیں اور صرف اپنی قومی زبان بولتے ہیں۔ (۲۰۲) لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے نئے دین کے لئے ہمیشہ پرجوش سرگرمی کا اظہار کیا ہے۔ ان کے امراء نے اپنے سپاہیانہ اوصاف، اسلام کی محبت اور اپنے اثر و رسوخ کی بدولت قسطنطنیہ کے

Marfat.com

دربار میں بڑی قدر و منزلت حاصل کرلی تھی اور ان کے اکثر افراد سلطنت کے اہم عہدوں پر متعین ہوئے تھے۔ چنانچہ ۱۵۴۴ء اور ۱۶۱۱ء کے درمیانی عرصے میں بوسنیہ کی قوم کے نو مدبر ترکی کے صدر اعظم کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ (۲۰۳)

کریٹ میں اسلام کی اشاعت:

ترکوں کی ملکی فتوحات کے سلسلے میں آخری فتح جزیرۂ کریٹ کی تھی۔ ترکوں نے تین سال کے طویل اور سخت محاصرے کے بعد ۱۶۶۹ء میں شہر کانڈیا فتح کرکے جزیرۂ کریٹ کو جمہوریہ وینس سے چھین لیا، اور دونوں حکومتوں میں اس جزیرے کے قبضے کے لئے پچیس سال سے جو جھگڑا چلا آرہا تھا، وہ ختم ہوگیا۔

یہ پہلا موقع نہ تھا کہ کریٹ کا جزیرہ مسلمانوں کے تسلط میں آیا۔ نویں صدی عیسوی کی ابتدا میں اندلسی عربوں کی ایک جماعت نے اچانک حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا تھا اور یہ جزیرہ تقریباً ڈیڑھ صدی تک (۸۲۵ء تا ۹۶۱ء) ان کے تصرف میں رہا تھا۔ اس عرصے میں جزیرے کی تقریباً تمام آبادی مسلمان ہوگئی تھی اور وہاں کے گرجے یا تو کھنڈر بن چکے تھے یا مسجدوں میں تبدیل کردیئے گئے تھے۔ لیکن جب یہاں بیزنطینی سلطنت کا دوبارہ دور دورہ شروع ہوا تو ایک ارمنی راہب نے اس ہوشیاری سے عیسائیت کی تبلیغ کی کہ کریٹ کے باشندے دوبارہ اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ آئے، اور تمام جزیرے میں سوائے عیسائی مذہب کے اور کوئی مذہب نہ رہا۔ (۲۰۴) جب بیزنطینی سلطنت کی تقسیم ہوئی تو یہ جزیرہ مونٹ سرات کے ڈیوک بونی فیس کے حصے میں آیا۔ تیرھویں صدی کی ابتدا میں وینس والوں نے اسے ڈیوک مذکور سے خرید لیا اور اہل جزیرہ کی طرف دست تطاول دراز کیا۔ کیونکہ وہ اسے ایک خریدی ہوئی چیز سمجھتے تھے اور وہاں کی ذرائع آمدنی کو اپنی حکومت اور اپنے آبادکاروں کے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی حکومت اس قدر جابرانہ اور ظالمانہ تھی کہ لوگوں نے کئی بار بغاوتیں کیں، جن کو نہایت بے رحمی سے فرو کیا گیا۔ ایک بغاوت کے موقع پر سفاکیہ اور لاسیتی کے اضلاع بالکل ویران ہوگئے۔ وینس کی حکومت نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ ان اضلاع میں کوئی شخص کاشت کاری کا مجاز نہیں ہے، ورنہ حکم عدولی کی صورت میں اسے سزائے موت دی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اضلاع تقریباً ایک صدی تک بنجر پڑے رہے۔ (۲۰۵)

وینس والوں کے مظالم:

سولھویں صدی کے آغاز میں وینس کے حکام نے کریٹ کی آخری بغاوت کو جس بے رحمی اور سفاکی سے دبایا، اس نے کریٹ کے بدنصیب باشندوں کی مصیبت کو انتہا تک پہنچادیا تھا۔ اسی صدی کے اخیر زمانے میں

Marfat.com

وینس کی حکومت نے اہل جزیرہ کے حالات دریافت کرنے کے لئے اپنے کمشنر بھیجے تھے۔ ان کمشنروں نے جو رپورٹ مرتب کی، اس سے جزیرے والوں کی انتہائی بے کسی اور مظلومی کا انکشاف ہوتا ہے۔ وینس کے امراء نے، جو وہاں کے جاگیردار تھے، اپنے ظلم وستم سے کاشت کاروں کو اس قدر پامال کر دیا تھا جس سے ان کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہوگئی تھی اور وہ کسی بے انصافی کے خلاف شکایت کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ ہر ایک کاشت کار پر لازم تھا کہ وہ اپنے جاگیردار کے لئے سال میں بارہ دن بغیر کسی اجرت کے کام کرے، اور اس کے علاوہ جاگیردار کاشت کاروں سے جتنی مدت تک چاہے، ایک آنہ فی یوم کے حساب سے کام لے سکتا تھا۔ ان کے انگوروں کے باغات کی پیداوار کی ایک تہائی بطور لگان وصول کرتا تھا۔ لیکن مکر وفریب یا سینہ زوری سے اس لگان کی مقدار بالعموم دو تہائی تک پہنچ جاتی تھی۔ کاشت کار کے بیل اور خچر جاگیردار کی بیگار کے لئے پکڑے جا سکتے تھے اور اس بے چارے کا خون (۲۰۶) چوسنے کے اور ہزاروں طریقے تھے۔ لیکن ان کمشنروں نے اہل کریٹ کی حالت زار کی جو کیفیت قلم بند کی تھی، وہ بے اثر ثابت ہوئی، کیونکہ وہ وینس کی مجلس کو ان کی اصلاح حال پر اور جاگیرداروں کے مظالم کے انسداد پر مائل نہ کر سکی، بلکہ مجلس نے فراپال سرپی کے مشورے پر کاربند ہونے کو ترجیح دی جس نے ۱۶۱۵ء میں یونانی نوآبادیوں کی رعایا کے بارے میں وینس کی جمہوریہ کو یوں لکھا تھا کہ "اگر ان نوآبادیوں کے امراء اپنی ریاستوں کے دیہات پر ظلم کرتے ہیں تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے، تاکہ ان میں اور ان کی رعایا میں آشتی نہ پیدا ہو سکے۔" (۲۰۷)

ترکوں کی مذہبی پالیسی:

ان ہی مصنفوں سے پتا چلتا ہے اور ہمیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ اہل کریٹ حاکموں کی تبدیلی چاہتے تھے اور ان کو ترکوں کی اطاعت قبول کرنے سے بھی احتراز نہ تھا، کیونکہ اپنی قوم کے اور لوگوں کی مثالیں ان کے سامنے موجود تھیں۔ فی الواقعہ اس زمانے میں بہت سے لوگ ٹیکسوں کے ناقابل برداشت بوجھ سے بچنے کے لئے ترکی سلطنت میں چلے گئے تھے اور انہوں نے اس بارے میں اور بے شمار لوگوں کی پیروی کی تھی جنہوں نے وقتاً فوقتاً بھاگ کر وہاں پناہ لی تھی۔ (۲۰۸) کریٹ کے بہت سے لوگ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے تھے جہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (۲۰۹) اہل کریٹ کو یہ بات خاص طور پر ناگوار تھی کہ رومن کیتھولک پادری اوقاف کی آمدنی کو، جو یونانی ارباب کلیسا کا حق تھا، ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لاتے تھے، اور وہ یونانی کلیسا کے عیسائیوں کی ہر طرح توہین کرتے تھے، حالانکہ یہ لوگ جزیرے (۲۱۰) کی آبادی کا ۹۰ فی صد تھے۔ اس کے برعکس ترکوں نے یونانی کلیسا کو بحال کر کے ان کی خوشنودی حاصل کر لی تھی۔ وینس کے ایک مصنف کے بیان کے مطابق یہ واقعہ یوں پیش آیا کہ "کانیا کا ایک پادری ترک جنرل قاسم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اگر تم کریٹ والوں کی

Marfat.com

رضا مندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور ان کو وینس کے نام سے نفرت دلانا چاہتے ہو تو تمہیں اس بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ کسی شائستہ سوسائٹی کا شیرازہ قائم رکھنے کیلئے سب سے مضبوط رشتہ مذہب ہے۔ پس تم کو وہ طریق عمل اختیار کرنا ضروری ہے جو وینس والوں کے طرز عمل سے مختلف ہو۔ ان لوگوں نے یونانی کلیسا کی بیخ کنی کر کے اس کی جگہ رومن کیتھولک مذہب کو قائم کرنے کی انتہائی کوشش کی اور اس مقصد سے انہوں نے یہ حکم جاری کیا کہ جزیرے میں کوئی یونانی اسقف رہنے نہ پائے۔ ان کا خیال تھا کہ ان محترم اور با اختیار مذہبی پیشواؤں کو الگ کر کے ان کے منتشر پیروؤں پر آسانی سے قابو پالیں گے۔ اس ممانعت سے اہل کریٹ کے دلوں میں ایسی رنجیدگی پیدا ہوئی کہ وہ ہر ایسی حکومت کا بخوشی خیر مقدم کرنے کے لئے تیار تھے جو کلیسا کے قدیم نظام کو بحال کرنے پر رضامند ہو، وہ نظام جو ان کے مذہبی فرائض کی مناسب بجا آوری کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس پادری نے قاسم سے یہ بھی کہا کہ اگر تم رعایا کو یہ یقین دلا دو کہ نہ صرف ان کے قدیم مذہبی حقوق قائم رکھے جائیں گے، بلکہ ان کو نئی رعائیتیں دی جائیں گی، تو اس سے تم ان کا دل ہاتھ میں لے لو گے۔ قاسم کو یہ دلائل اس قدر معقول معلوم ہوئے کہ اس نے فوراً قسطنطنیہ کے حکام کو ان سے مطلع کیا۔ دارالخلافت نے ان تجاویز کو منظور کر لیا اور یونانی بطریرک کو حکم ملا کہ وہ کسی اسقف کو صوبہ کانڈیا کا مطران مقرر کرے اور اس مطران کے تحت سات اسقف اور نامزد کئے جائیں۔ (۲۱۱)

معلوم ہوتا ہے کہ جب ترکوں نے کریٹ فتح کر لیا تو اس کے بعد جلد ہی وہاں کے بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اس سے پہلے وینس والوں نے اپنے دور حکومت میں کریٹ کے باشندوں کو اپنے سے دور اور الگ رکھا تھا۔ جب کریٹ کے لوگ اپنے آپ کو وینس والوں کے مشابہ بنانے کی کوشش کرتے تھے تو وینس کے حکمران اسے ایک ناقابل معافی توہین (۲۱۲) سمجھتے تھے اور اپنی رعایا کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ وہ ان سے ادنیٰ ہیں یا ان حالات میں اہل کریٹ محض اپنی قومی عصبیت کی بدولت اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے، اور اب بھی خودداری کا یہی قومی جذبہ تھا جس کے سبب سے انہوں نے نئے حکمرانوں کا مذہب اختیار کیا، کیونکہ ترکوں نے ان کو رعایا کے درجے سے بلند کر کے اپنا ہم عصر تسلیم کیا، اور ان کو ملک کی سیاسی زندگی اور حکومت میں حصہ دیا۔ کریٹ میں اسلام کی عام اشاعت کے خواہ کچھ بھی اسباب ہوں، لیکن یہ بات ناقابل یقین ہے کہ جبر و اکراہ نے ایک ایسی قوم کا مذہب تبدیل کیا ہو جو کئی صدیوں تک ایک مخالف اور غیر ملکی مسلک (یعنی رومن کیتھولک) کے ظلم و ستم کے باوجود اپنے مذہب سے وابستہ رہی تھی۔

کریٹ میں اسلام کا فروغ:

کریٹ میں صفوف اسلام کے پُر ہونے کے خواہ کچھ ہی اسباب ہوں، لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ترکی فتح کے تیس سال بعد وہاں کے اکثر مسلمان یا تو نومسلم تھے یا نومسلموں کی اولاد تھے، (۲۱۳) اور ایک سو سال کے

Marfat.com

عرصے میں کریٹ کی آدھی آبادی مسلمان ہو چکی تھی۔ جزیرہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات میں بھی، نیز اندرونی اضلاع کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں بھی، مسلمان بکثرت نظر آتے تھے اور اب بھی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ شکل وصورت، عادت واطوار اور زبان کے لحاظ سے بالکل یونانی ہیں۔ جزیرۂ کریٹ میں آج تک یونانی کے سوائے اور کسی زبان کا رواج نہیں رہا، حتیٰ کہ جو تھوڑے سے ترک وہاں آباد ہیں، ان کو بھی وہاں کی ملکی زبان اختیار کرنی پڑی ہے۔ چنانچہ سلطان ترکی کے تمام فرمان اور پاشاؤں کے احکام ہمیشہ یونانی زبان میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ (۲۱۴) مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی عداوت، جس نے انیسویں صدی میں کریٹ کی تاریخ کو اس قدر افسوس ناک بنا دیا ہے، وہ انقلاب یونان سے پہلے (جس میں یہ ملک ترکی حکومت سے آزاد ہوا) ہرگز اتنی سخت نہ تھی۔ جبکہ کریٹ کے اکثر مسلمان بالعموم عیسائی لڑکیوں سے شادی بیاہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس زمانے میں ان دونوں قوموں کا باہمی معاشرتی میل ملاپ اس بات سے بھی ظاہر تھا کہ ان کا لباس ایسا یکساں تھا کہ وہاں کے مدت سے رہنے والے لوگ اور قریبی جزیروں کے یونانی بھی مسلمانوں اور عیسائیوں میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔ (۲۱۵)

زمانہ حال کے سیاسی واقعات نے کریٹ کے مسلمانوں کی آبادی میں بڑی کمی کر دی ہے۔ ۱۸۸۱ء میں وہاں کے مسلمانوں کی تعداد ۷۳۲۳۴ تھی، لیکن مسلمانوں کی مسلسل ہجرت کے باعث ۱۹۰۹ء میں ان کی تعداد کم ہو کر صرف ۳۳۴۹۶ رہ گئی۔ (۲۱۶)

(نوٹ از مترجم:۔ مصنف علام نے کریٹ کے جن سیاسی حالات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے کہ یونان کا ملک چند سال کے جنگ وجدال کے بعد ۱۸۲۹ء میں ترکوں کی حکومت سے آزاد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کی یہ کوشش رہی کہ جزیرۂ کریٹ کو بھی اپنی مملکت کے ساتھ ملحق کر لے، جس کے باشندے نسل اور زبان کے لحاظ سے یونانی تھے۔ چنانچہ یونان کی حکومت نے ۱۸۹۶ء میں کریٹ والوں کو اسلحہ فراہم کیا اور انہوں نے ترکوں کے خلاف علانیہ بغاوت کر دی۔ اس کے ساتھ ہی دولت عثمانیہ اور یونان میں لڑائی چھڑ گئی۔ اس جنگ میں اگرچہ یونانیوں نے شکست فاش کھائی، لیکن یورپ کے دول عظمیٰ نے مداخلت کر کے ۱۸۹۸ء میں کریٹ کو ترکوں سے آزاد کرا دیا، اور چند سال تک وہاں ایک قسم کی بین الاقوامی حکومت قائم رکھی۔ بالآخر ۱۹۰۸ء میں یونان کے ساتھ کریٹ کے الحاق کا اعلان کر دیا اور یہ الحاق ۱۹۱۳ء میں پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

Marfat.com

حواشی

ا۔ یہاں ترکوں کی ملکی فتوحات کو تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، لیکن ان کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ ۱۳۵۳ء میں ترک یورپ میں داخل ہوئے اور چند سال کے بعد اڈریانوپل یورپ میں ان کا دارالحکومت قرار پایا۔ سلطان بایزید (۱۳۸۹ء۔۱۴۰۲ء) کے عہد حکومت میں سوائے چلکی ڈانگ اور ان اضلاع کے جو قسطنطنیہ کے گرد تھے، ترکوں کی عملداری بحیرۂ ایجئین سے دریائے ڈینوب تک وسیع ہوگئی، جس میں بلغاریہ، مقدونیہ تھسلی اور تھریس شامل تھے۔ سلطان مراد (۱۴۲۱ء۔۱۴۵۱ء) نے چلکی ڈانگ پر قبضہ کرلیا، اور اپنی فتوحات کو بحیرہ ایڈریاٹک تک وسیع کیا۔ سلطان محمد ثانی (الملقب بہ فاتح) (۱۴۵۱ء۔۱۴۸۱ء) قسطنطنیہ، البانیہ، بوسینیہ اور سرویہ کو فتح کر کے یورپ کے تمام جنوب مشرقی جزیرہ نما کا مالک ہوگیا، ماسوائے چند ساحلی علاقوں کے جو وینس اور مونٹ نیگرو کے تسلط میں تھے۔ سلیمان ثانی (۱۵۲۰ء۔۱۵۶۶ء) نے ہنگری کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا (اور یہ ملک ڈیڑھ سو سال تک ترکوں کا باجگزار رہا) اور پھر بحیرۂ ایجئین پر اپنا پورا تسلط جمالیا۔ سترہویں صدی میں جزیرہ کریٹ فتح ہوا اور پودولیہ کو پولینڈ نے ترکوں کے حوالے کردیا۔

(سلطنت عثمانیہ کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو: (۱) تاریخ خاندان عثمانیہ، دو جلدیں از مولوی محمد انشاء اللہ خاں، مطبوعہ لاہور۔ (۲) دولت عثمانیہ، دو جلدیں، از محمد عزیز، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء و ۱۹۴۳ء۔ (۳) تاریخ الامت (حصہ ہشتم)، از حافظ محمد اسلم جیراج پوری، مطبوعہ دہلی (مترجم)۔

۲۔ فرانتز (Phrantzes): ص ۳۰۵۔

۳۔ فنلے: جلد سوم، ص ۵۲۲۔ پیزی پس سیکنڈے (Pitzipios Seconde) ص: ۷۵۔ موسیو دہوسن جلد ۳ ص ۵۲۔۵۴۔ آرمنجان (Arminjon) جلد ۱، ص ۱۶۔

۴۔ ایک سیاح نے، جس نے ۱۵۰۸ء میں قبرص کا سفر کیا تھا، وینس والوں کی ممالک غیر میں جابرانہ حکومت کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے: "قبرص کے تمام باشندے وینس والوں کے غلام ہیں، کیونکہ وہ اپنی آمدنی کا تہائی حصہ حکومت کو ادا کرنے پر مجبور ہیں، خواہ وہ آمدنی ان کی اراضی سے حاصل ہو یا غلہ، شراب، تیل، مال مویشی یا کسی اور شکل میں ہو۔ اس کے علاوہ ان میں سے ہر شخص مجبور ہے کہ ہفتے میں دو دن تک سرکاری بیگار میں، جہاں اسے مقرر کیا جائے، کام کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی کام یا بیماری کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو تو اسے اپنی غیر حاضری کے ایام کے حساب سے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس پر سالانہ ٹیکس وغیرہ مستزاد ہیں۔ ان ٹیکسوں کی وجہ سے بیچارے غریب عوام اس قدر مظلوم اور پریشان رہتے ہیں کہ ان کو اتنا آذوقہ بھی میسر نہیں، جس سے وہ جسم و جان کا باہمی رشتہ قائم رکھ سکیں۔" (منقول از سفرنامہ مارٹن بام گارٹن، ص ۳۷۳)۔ نیز وہ جملے ملاحظہ فرمائیں جو ہیکٹ نے تاریخ آرتھوڈوکس چرچ میں نقل کئے ہیں۔

۵۔ فنلے: ص ۵۰۲۔

۶۔ یورپی ترکی کی نسلیں، ص ۸۲۔

۷۔ کرمسین: جلد ۵، ص ۴۳۷۔

۸۔ مارٹن کروسیوس نے اسی انداز میں یوں لکھا ہے: "یہ تعجب کی بات ہے کہ ان وحشی لوگوں (یعنی ترکوں میں اور ایسے بڑے ا

Marfat.com

گنجان شہر میں قتل و غارت کے واقعات سننے میں نہیں آتے اور کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوتی۔ ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان روم اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ کو تمام دنیا کا دارالامان کہتا ہے، کیونکہ جس قدر آفت زدہ لوگ ہیں، ان کو اس شہر میں پناہ ملتی ہے۔ سب کے ساتھ یکساں طور پر انصاف ہوتا ہے، خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، عیسائی ہو یا کافر"۔

(Turcograecia.p.487)

۹۔ فرانتز (Phrantzes): ص ۸۱۔

۱۰۔ ایضاً: ص ۹۲۔

۱۱۔ فنلے: جلد ۵، ص ۱۲۳۔ ادینی: ص ۳۱۱۔ گرلاخ نے اپنے سفرنامے میں ۱۵۷۷ء میں یوں لکھا ہے کہ "ایسے مقامات کے عیسائی یا یہودی باشندے جہاں قاضی اور صوبائی (مجسٹریٹ) متعین ہیں اور جہاں ترک عوام ان کے ساتھ بدسلوکی کی جرأت نہیں کر سکتے، عیسائی حکومت کی بہ نسبت ترکی سلطنت کے زیر سایہ زیادہ آزاد ہیں۔ جب وہ سال میں اپنا خراج ایک مرتبہ ادا کر دیں تو اس کے بعد وہ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائی ملکوں میں ٹیکسوں کی ادائیگی سارا سال جاری رہتی ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔"

(Tage.buch p.413)

۱۲۔ اس کتاب میں بیزنطینی سلطنت کا اکثر ذکر آتا ہے اس لئے لفظ "بیزنطینی" کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ۳۶۴ء میں رومیوں کی وسیع سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک مغربی حصہ جس کا پایہ تخت رومہ تھا اور دوسرا مشرقی حصہ جس کو مشرقی رومی سلطنت کہتے تھے۔ یہاں قیصر قسطنطین نے، جس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، اپنی بساط حکومت بچھائی اور قدیم شہر استنبول کو اپنا دارالحکومت بنایا جو اس کے نام پر قسطنطنیہ کہلایا۔ اس شہر کا قدیم نام بیزنطیم بھی تھا، جس کی وجہ سے مؤرخوں نے مشرقی رومی سلطنت کو بیزنطینی سلطنت کہا ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے مورخین کے ہاں بالعموم یہی نام رائج ہے۔ اس سلطنت کی زبان یونانی تھی، اس وجہ سے بھی اسے رومی کہنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ یہ سلطنت گیارہ سو سال تک قائم رہی۔ جب سلطان محمد نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تو بیزنطینی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ (مترجم)

۱۳۔ ہرزبرگ (Hertzberg): ص: ۴۶۷، ۶۴۶، ۶۵۰۔

۱۴۔ فنلے: جلد ۵، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

۱۵۔ ینی چری، جس کا تلفظ ینی چری ہے، ایک ترکی کلمہ ہے۔ جس کا معنی "فوج جدید" ہے۔ یہ کلمہ دو لفظوں سے مرکب ہے، ینی اور چری ینی کی قدیم صورت ینگی تھی اور اس کا معنیٰ جدید ہے اور چری بمعنی فوج ہے۔ عثمانی خاندان کے دوسرے سلطان اُور خان (۱۳۲۶ء تا ۱۳۵۹ء) نے جب ایک نئی فوج ترتیب دی تو اسے ینی چری کا نام دیا۔ یہ فوج مدت تک فتح و ظفر کے پرچم اڑاتی رہی، مگر رفتہ رفتہ اس میں بدنظمی اور خودسری پیدا ہوگئی اور وہ ترکی سلاطین کے لئے ایک مصیبت بن گئی۔ آخر کار انیسویں صدی میں اس فوج کو ختم کر دیا گیا۔ فرانسیسی مصنفین نے ینی چری کو Janissaire اور انگریز مؤلفین نے اسے Janissary لکھا ہے۔ انگریزی کتابوں کے اردو مترجموں نے، جو غالباً اس لفظ کی اصلیت سے واقف نہ تھے، اس کا ترجمہ "جاں نثار" یا جاں نثاری فوج" کیا ہے۔ Janissary سے جاں نثاری کی طرف جس طرح ان مترجموں کا ذہن منتقل ہوا ہے، اس کی بہرحال داد دینی چاہیے۔ (مترجم)

۱۶۔ چار سال کی مدت بہرحال متعین نہ تھی۔ پہلے پہل یہ خراج ہر سات سال یا پانچ سال کے بعد لگایا جاتا تھا، لیکن بعد ازاں سلطنت

Marfat.com

کی ضروریات کی وجہ سے اس مدت میں کمی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ مطران کریتو پولوس ۱۶۲۵ء میں لکھتا ہے کہ سرکاری تحصیلدار شہروں میں ہر سات سال کے بعد آتے تھے اور ہر شہر پر لازم تھا کہ وہ تین چار یا کم از کم دولڑکے مہیا کرے (ص ۲۰۵)۔

۱۷۔ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ (القرآن: سورۂ انفال، آیہ ۴۲)

۱۸۔ ایضاً آیات: ۹۹، ۱۰۰۔

۱۹۔ موسیو دہوسن اپنی تالیف "دولت عثمانیہ" (فرانسیسی) میں لکھتا ہے کہ "ان نو عمر عیسائیوں کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کریں، کیونکہ یہ بات ترکی حکومت کے اصول اور قرآن کے احکام کے خلاف ہے کہ غیر مذہب والوں کو زبردستی مسلمان کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی ترکی حاکم اپنے تعصب کی وجہ سے اس بارے میں کسی پر سختی کرتا تھا تو اس کی یہ حرکت گوارا کی جاتی تھی، مگر حکام بالا کی طرف سے ان کو ایسے اختیارات ہرگز نہیں دیئے گئے تھے۔" ایم۔ دہوسن: جلد ۳، ص ۳۹۷۔ ۳۹۸۔

۲۰۔ ہرنز برگ: ص ۲۷۴۔

۲۱۔ "یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ جس طرح عیسائی قیصر کسی شہر سے عیسائی بچوں کو، جو ذہانت اور لیاقت میں اوروں سے بہتر ہوتے تھے، مالی اور فوجی عہدوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لے لیتے تھے، اسی طرح ترکوں نے بھی، جب وہ بیزنطینی سلطنت کے مالک بنے تو اپنا حق ثابت کیا کہ عیسائیوں سے ان کے کم عمر بچے جو ذہین اور لائق ہوں لے سکتے ہیں" (ڈیوڈ کیٹریوس ص ۱۲۔ ۱۴)۔

۲۲۔ تاریخ آل عثمان (انگریزی) از کریسی، ص ۹۹۔ موسیو دہوسن: دولت عثمانیہ، جلد ۳۔ ۳۹۷۔ منزل: ص ۵۳ ان کے علاوہ ٹامس سمتھ یونانی کلیسا کے حالات میں اس قسم کے والدین کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ بات ہمارے مذہب کے لئے بے حد شرمناک اور رسوا کن ہے کہ دیگر لوگ، جو برائے نام عیسائی ہیں، اپنے بچوں کو آزادی اور خوشی سے اپنے سے جدا کر دیتے ہیں۔ نہ صرف اس خیال سے کہ ان کی پرورش کی زحمت سے چھوٹ جائیں گے بلکہ اس امید پر بھی کہ وہ بڑے ہو کر حکومت کے اعلیٰ اور بااختیار عہدوں پر فائز ہو جائیں گے۔" (تاریخ یونان مؤلفہ فنلے: جلد ۵، ص ۴۵)

سلطان مراد اول کے عہد میں عیسائی بچوں کو جمع کرنے کے لئے عیسائی فوج کو مقرر کیا جاتا تھا (تاریخ یونان، مؤلفہ فنلے، جلد ۵، ص ۴۵)

۲۳۔ "والدین کو اجازت ہے کہ وہ روپیہ دے کر اپنے لڑکوں کو ان ترکی حکام سے واپس لے لیں جو لڑکوں کو جمع کرتے ہیں" (ڈیوڈ کیٹریوس)۔ دی لاگولیتر کا بیان ہے کہ ۱۶۶۹ء میں اثینہ کے باشندوں کو اس قسم کا اختیار حاصل تھا (سفر نامہ اثینہ: ص ۲۷۲۔ مطبوعہ لندن، ۱۶۷۶ء)۔

۲۴۔ کانفیسیو (Confessio): ص ۲۰۵۔

۲۵۔ یونانی کلیسا کے حالات: ص ۱۲، مطبوعہ لندن (۱۶۸۰ء)

۲۶۔ منزل (Menzel): ص ۶۲۔ ٹامس سمتھ ص ۸۱۔

۲۷۔ ہل: ص ۱۷۴۔

۲۸۔ جوزف فان ہیمر (۲) جلد ۲، ص ۱۵۱۔ شلٹ برگر کو ترکوں نے ۱۳۹۶ء میں قیدی بنا لیا تھا اور جب وہ بتیس سال کی قید کے

Marfat.com

اپنے وطن میونخ (جرمنی) میں واپس آیا تو اس نے بیان کیا کہ ترکی سلطنت میں عیسائیوں کو دو پینی ماہوار سے زیادہ ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑتا۔

۲۹۔ ٹامس سمتھ: ص ۱۲۔

۳۰۔ Silbernagl: ص ۶۰۔

۳۱۔ مارٹن کروسیو: ص ۴۸۷۔ سانسوویتو: ص ۶۷۔ جیار جی وائز: ۹۸۔۹۹۔ شیفلر: ۵۶۔ ہنز برگ: ص ۶۴۸۔ ڈی لا جانگر، ص ۲۶۷۔ ۱۵۹۵ء میں لندن میں ایک کتاب شائع ہوئی جس کا عنوان یہ تھا: "ترکی حکومت میں عیسائیوں کی حالت۔" اس میں لکھا ہے کہ لڑکوں کے لئے جزیہ کی شرح آٹھ شلنگ تھی۔ میکائیل بودین لکھتا ہے کہ اس کی مقدار ایک سکوین فی کس تھی۔ (کتاب مذکور ص ۲) مائیکل بودین: ص ۷۔

۳۲۔ جوزف جارجرین، ص ۹۔ تورنفور: جلد ۱، ص ۹۱۔ تاورنیر: (۳) ص ۱۱۔

۳۳۔ جوزف جارجیرین: ۳۳۔۳۴۔

۳۴۔ تورن فور: جلد ۱، ص ۹۱۔

۳۵۔ "اس ڈیوکٹ کے معاملے سے تم کو سخت دھوکا ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ سلطان ہر ایک عیسائی سے ایک ڈیوکٹ بطور جزیہ لیتا ہے لیکن چونگی اور دیگر غیر معمولی محصول میں ترکی حکام کیا کچھ وصول نہیں کرتے۔ لڑائیوں کے کون سے ٹیکس ہیں جو دینے نہیں پڑتے۔ لیکن غیر معمولی محاصل کا انحصار برے یا بھلے وقت پر ہے۔ اور مسلمانوں کو بھی یہ محصول اسی طرح ادا کرنے ہوتے ہیں جیسے عیسائیوں سے وصول کئے جاتے ہیں۔" (منقول از تالیف شیفلر، ص ۵۶)

۳۶۔ فنلے: جلد ۵، ص ۲۴۔ ۲۵۔ ایچ فان مولک: ص ۴۔ ۲۷۔ ۳۵۴۔

۳۷۔ ہیمر: (۲) جلد ۱، ۳۴۶۔

۳۸۔ "سلطان کی عیسائی رعایا کی بدحالی کا ہمیشہ یہ سبب رہا ہے کہ ترکی سلطنت کے صوبہ جات میں قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت کا حقیقی اختیار بہت کم تھا۔ دیہات کے مقامی اہل کاروں کے ظلم کی وجہ سے، جس کو ذاتی عداوت و نفرت نے بدتر کر دیا تھا، وہ سختیاں پیدا ہوتی تھیں جو ترکی کے عیسائیوں نے پہلے زمانے میں برداشت کیں اور اب اور زیادہ برداشت کر رہے ہیں۔ کسی قوم کے زمانہ عروج میں محکوم قوم کے ساتھ انصاف بلکہ فیاضی کرنا ممکن ہے، لیکن اس کے دور انحطاط میں ان اوصاف کا بہت کم پتا چلتا ہے۔ (منقول از "سرویا اور اہل سرویا" مؤلفہ ڈبلیو، ڈینٹن، مطبوعہ لندن ۱۸۶۲ء)۔ Gerlach.p.49۔

۳۹۔ بوسینلو (Businello): ص ۴۳۔ ۴۴۔

۴۰۔ "سلطان کی مرکزی حکومت نے بالعموم مسلمانوں کے ساتھ ویسی ہی بے رحمی اور بے انصافی کا سلوک کیا جیسی بے رحمی وہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ روا رکھتی تھی۔ یونانیوں کی تکلیفیں اور سختیاں خود سلطان کی براہ راست حکومت کی وجہ سے نہ تھیں، بلکہ اس کا سبب حاکم قوم کا غرور و تکبر اور حکام کی رشوت ستانی تھی۔ ایک یونانی کو اپنے ذاتی معاملات میں اپنے اسقف اور اپنے ضلع کے بزرگوں سے زیادہ انصاف کی توقع ہوسکتی تھی، بہ نسبت اس ترک کے جو کسی قاضی یا سردار کی عدالت سے داد طلب کرتا تھا۔" فنلے: جلد ۶، ص ۴۔ ۵)

"یہ خیال کرنا غلط ہے کہ سلطان کی رعایا میں صرف عیسائی ہی مظلوم اور تباہ حال ہیں۔ ترکی حکومت کی بدنظمی سب کے

Marfat.com

لئے یکساں ہے اور سب پر یکساں مصیبتیں ڈالتی ہے۔ سلطنت کے بعض حصوں میں مسلمانوں کا افلاس فی الحقیقت عیسائیوں کے افلاس سے بھی بڑھا ہوا ہے، اور مسلمانوں کی خراب حالت پر سیاح کو زیادہ ترس آتا ہے۔" (سلافی صوبہ جات، مؤلفہ ولیم فور سائتھ: ص ۱۵۷، ۱۵۸)

"شمالی ایشیائے کوچک میں مسلمان اور عیسائی لوگ اس تمام ظلم وستم کا یکساں طور پر شکار ہیں۔" (ماوراء قفقاز و ارارات، مؤلفہ جیمز برائس، ص ۳۸۱)

"اہل یورپ یہ سمجھتے ہیں کہ ترکی میں صرف عیسائی لوگ ہیں جو حکومت کی مطلق العنانی اور اس کی سختیوں اور توہین کو برداشت کرتے ہیں جو ظلم سے پیدا ہوتی ہیں، لیکن اصل بات یوں نہیں ہے۔ چونکہ کسی بیرونی مملکت کو مسلمانوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس لئے وہ زیادہ بے باکی سے لوٹے جاتے ہیں اور ان کی گردن پر حکومت کا جوا بہ نسبت غیر مسلموں کے اور بھی زیادہ سخت ہے۔" (ڈی لا جان کر: ص ۵۰۷)

"جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایشیائے کوچک میں ادنیٰ طبقے کے عیسائی اس درجے کے ترکوں کی بہ نسبت بدتر حالت میں نہیں ہیں۔ اگر یورپین ترکی کے عیسائی اس وجہ سے کسی قدر فائدے میں ہیں کہ ان کی تعداد ترکوں سے زیادہ ہے، تو ایشیا کے عیسائیوں کو اس لحاظ سے اطمینان ہے کہ حکام کی طرف سے ترکوں پر بھی ایسا ہی ظلم روا رکھا جاتا ہے جیسا کہ ان پر کیا جاتا ہے۔ ان کو ایسے مسلمانوں سے سابقہ پڑتا ہے جو یورپ کے مسلمانوں کے مقابلے میں بالعموم زیادہ حلیم، زیادہ پرہیزگار اور زیادہ بااصول ہیں" (سفرنامہ ایشیائے کوچک، مؤلفہ ڈبلیو۔ ایم۔ لیک: ص ۷۔ مطبوعہ لندن ۱۸۲۴ء)۔

۴۱۔ یہ خراج جو بچوں کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا، سولھویں صدی میں متروک ہو گیا۔ اس قسم کا خراج آخری مرتبہ ۱۶۷۶ء میں وصول کیا گیا تھا۔ فنلے: جلد ۶، ص ۴۔۵)

۴۲۔ ڈی لا جان کر: ص ۳۳۳۔ شیفلر: ص ۴۵۔۴۶۔ گازٹوٹ (Gasztowtt): ص ۵۱۔

۴۳۔ "میں نہایت تعجب سے سنتا ہوں کہ یہ بات صرف عام عیسائیوں ہی میں مشہور نہیں ہے کہ ترکوں کی سلطنت میں رہنا اچھا ہے، کیونکہ جب ایک ڈیوکٹ ادا کر دیا جاتا ہے تو عیسائی بالکل آزاد ہو جاتے ہیں اور ترک ان کو مذہبی آزادی دیتے ہیں اور وہ اپنے گرجاؤں میں عبادت کے لئے جا سکتے ہیں، بلکہ اعلیٰ طبقے کے عیسائی بھی ایسے ہیں جن کو ترکوں کی بابت یہ اچھے خیالات رکھنے ہرگز مناسب نہ تھے لیکن وہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں، گویا اپنی مصیبتوں پر خوش ہیں۔ یہ بات خطرناک ہی نہیں بلکہ کافرانہ جسارت ہے اور سوائے بدعتی خیالات کے یہ حالت کسی اور چیز سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عیسائی اپنے مذہب سے برگشتہ ہو جائیں گے اور عیسوی دین بیخ و بن سے اکھڑ جائے گا۔" (منقول از شیفلر، ص ۴۸)

۴۴۔ ہرٹز برگ: ص ۶۵۰۔

۴۵۔ اسی قسم کا مقابلہ ایک انگریز سوداگر رچرڈ سٹیپر نے کیا ہے، جس نے ۱۵۷۸ء میں ترکی کا سفر کیا تھا۔ اس کا قول ہے کہ "اگرچہ ترک بالعموم ایک بڑی خبیث قوم ہے، جو تاریکی میں رہتی ہے، اس کے باوجود وہ تمام عیسائیوں کو، جن میں یونانی اور لاطینی شامل ہیں، اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں اور اپنے ضمیر کا آزادی سے استعمال کریں۔ ان کی طرف سے عیسائیوں کو اجازت ہے کہ وہ قسطنطنیہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں اپنے گرجاؤں میں عبادت کریں۔ اس کے برعکس سپین میں بارہ برس کی اقامت کے بعد میں یہ بات سچے دل کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہم سپین میں نہ صرف کیتھولک فرقے کی رسومات کی پابندی

Marfat.com

کرنے پر مجبور تھے، بلکہ ہمارا جان و مال بھی خطرے میں رہتا تھا۔" (لیونٹ کمپنی کی تاریخ مؤلفہ اپسا ٹن ،ص ۵۷، ۱۹۰۸ء)۔

۴۶۔ "رحلات مکاریوس"، جلد ا، ص ۱۶۵، ۱۸۳۔ نیز ملاحظہ ہو وہ عرض داشت جو روس کے پولستانی پناہ گزینوں نے ۱۸۵۳ء میں باب عالی میں پیش کی تھی۔ گازٹو وٹ: ص ۲۱۷)

۴۷۔ "عیسائیوں نے اپنے دل میں آزادی کا عجیب تصور قائم کر رکھا ہے، اگر عیسائی حکومت میں ان عیسائیوں نے کوئی بات حاصل کرنی چاہی اور اس سے مایوسی ہوئی تو وہ ترکوں کو سب پر ترجیح دینے لگتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ترک اس آزادی کو دینے میں بہ نسبت عیسائیوں کے زیادہ فیاض ہیں" (یوحنس لوروو یکی: عیسائیوں کی حالت ترکی حکومت میں" ص ۲۲۰، ۲۲۵) اتونس برون فیلسی ص ۱۳۳ کہتا ہے کہ "بعض عیسائی یہ بکواس کرتے ہیں کہ ترکوں کی حکومت میں مذہب آزاد ہے۔"

۴۸۔ تورچیکا: ص xvii۔

۴۹۔ بلونت (Blount): جلد ا، ص ۵۴۸۔

۵۰۔ شیفلر: ص ۵۱۔۵۳۔

۵۱۔ دوسا: ص ۳۸۔ بوس بق: ص ۱۹۰

۵۲۔ ٹامس سمتھ: ص ۴۲۔ بلونت: جلد ا، ص ۵۴۵

۵۳۔ ٹامس سمتھ: ص ۴۲، بلونت: جلد ا، ص ۵۴۸: جیار جی وائز: ص ۲۰ شبلرگ: ص ۸۳۔۸۴۔ بودیئر: ص ۱۴۹۔۳۱۳۔

۵۴۔ الیگزنڈر روس: ص ۴۔ بودیر ۳۱۷ ایک فرانسیسی مصنف ریکو (جلد ا، ص ۲۷۶) نے بھی اسی انداز میں یوں لکھا ہے کہ "ترک سمجھتے ہیں کہ کسی غیر مذہب والے کو مسلمان کرنا بڑی بات ہے۔ کوئی ترک جسے ایک غلام رکھنے کا مقدور ہے، ایسا نہیں ہے جو اس غلام کو مسلمان کرنے کا خواہش مند نہ ہوتا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس کو میں نے مسلمان کیا ہے اور مجھے مومنین کی تعداد بڑھانے کی عزت حاصل ہے۔"

۵۵۔ تورچیکا (FOL xvii-a) نے ایک گمنام مصنف کا حوالہ دیا ہے جو ۱۴۳۶ء سے لے کر ۱۴۵۸ء تک ترکی کی قید میں رہا۔

۵۶۔ تورچیکا (xi(b)۔ میٹی لینی کے اسقف اعظم لیونا ردو نے، جو قسطنطنیہ کی فتح کے وقت موجود تھا، ان نومسلموں کا ذکر کیا ہے جو کثیر تعداد میں محاصرین کی فوج میں شامل تھے۔ اس کا بیان ہے کہ "قسطنطنیہ کو کس نے فتح کرایا" مسلمانوں کو حکمرانی کس نے سکھائی؟ کمینے عیسائیوں نے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یونانیوں، کیتھولک عیسائیوں، جرمنی اور ہنگری کے لوگوں اور دیگر عیسائی اقوام کے آدمیوں نے (باوجودیکہ ان کو عیسوی مذہب کی تعلیم ملی تھی) ترکوں کی صحبت سے ان کا مذہب اور ان کے اطوار اختیار کر لیے، اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اس کو چھین لیا۔ اے ناپاک لوگو! جنہوں نے مسیح کا انکار کیا، اے مسیح کے دشمنوں کے ساتھیو! اے لوگو جو دوزخ کی آگ کے مستحق ہیں! اب تمہارا ہی دور دورہ ہے۔" (سانسو دینوص ۲۵۸)

۵۷۔ جے۔ ایچ کروز: ص ۳۸۵۔۳۸۶ (ہال ۱۹۶۹ء)

۵۸۔ ہرزبرگ: ص ۶۱۶ فنلے: جلد ۵، ص ۱۱۸

۵۹۔ تورچیکا: fol.xix(a)

۶۰۔ ریکو: جلد ا، ص ۱۰۷۔۱۱۷۔ بزی: ص ۴۹ (بی)۔

۶۱۔ پکلر: ص ۱۶۴، ۱۷۲ جان کالون (Calvin) (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) فرانس کا ایک عالم دین تھا جس نے پاپائے روم کے

Marfat.com

اختیارات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور رومن کیتھولک مذہب چھوڑ کر پروٹسٹنٹ بن گیا۔ وہ بائبل کو شریعت کا اور حکومت کا سرچشمہ مانتا تھا اور تقدیر کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ نجات انسان کے اپنے عمل سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ خداوند کریم کا عطیہ ہے۔ (مترجم)

۶۲۔ پکلر: ۱۴۳۔

۶۳۔ پکلر: ص ۱۴۸۔ اگرچہ سرل کا اس تصنیف کا مصنف ہونا مشکوک ہے (کیریاکوس: ص ۱۰۰)

۶۴۔ ایضاً: ۱۸۳۔ ۱۸۹۔

۶۵۔ پکلر: ص ۲۲۶۔

۶۶۔ ترکوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جو عیسائی غلام پروٹسٹنٹ مذہب رکھتے ہیں، وہ کیتھولک عیسائیوں کی بہ نسبت اسلام قبول کرنے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ گیملن (Gamelin): ص ۲۱۔

۶۷۔ پکلر: ص ۲۱۱، ۲۲۷۔

۶۸۔ ایضاً: ص ۱۸۱، ۲۲۸۔

۶۹۔ پکلر: ص ۲۲۲، ۲۲۶۔

۷۰۔ ایضاً: ص ۱۷۳۔

۷۱۔ ایضاً: ص ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۴۳۔

۷۲۔ ایضاً: ص ۱۴۳۔

۷۳۔ لی کوئن: جلد ۱، ص ۳۳۴۔

۷۴۔ پکلر: ص ۱۷۲

۷۵۔ ہیفلے: جلد ۱، ص ۴۷۳۔

۷۶۔ سرل: دوم

۷۷۔ لی کوئن: جلد ۱، ص ۳۳۵۔

۷۸۔ لی کوئن: جلد ۱، ص ۳۳۶۔

۷۹۔ ایضاً: جلد ۱، ص ۳۳۷

۸۰۔ ۱۵۷۳ء اور ۱۵۷۷ء کے درمیان ٹوبنگن (جرمنی) کے پروٹسٹنٹ علمائے دین نے مشرقی یونانی کلیسا کی اصلاح کی جو کوشش کی اس سے گرجستان میں سمت کیتھ کے حاکم قرقار نے پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کر لیا لیکن ۱۵۸۰ء میں وہ مسلمان ہو گیا (جوسلین: ص ۱۴۰)

۸۱۔ شیفلر: ص ۵۳۔ ۵۶۔ فنلے: جلد ۵، ص ۱۱۸۔ ۱۱۹۔

۸۲۔ ہیمر: (۱) جلد ۶، ص ۹۴۔

۸۳۔ سپون: جلد ۲، ص ۵۷۔

۸۴۔ ہیمر: (۱) جلد ۶، ص ۳۶۴۔

۸۵۔ اسی طرح سولھویں صدی کے آخری حصے میں محمد ثالث کے ختنے کے موقع پر جو جشن منایا گیا، اس کے بیان کے آخر میں میکائیل بودیے نے عیسائیوں کی ایک کثیر تعداد کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''اس رسم کے دوران میں کم بخت

Marfat.com

یونانیوں کے گروہ کے گروہ اسلام قبول کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ بعضوں نے ترکوں کے مظالم سے بچنے کے لئے عیسائیت کو ترک کردیا اور بعضوں نے کسی ذاتی فائدے کے لئے اسے خیر باد کہا۔ ان مردودوں کی تعداد چار ہزار سے زائد تھی۔"

(منقول از تاریخ باب عالی، ص ۹۳۔ مطبوعہ لندن، ۱۹۳۵ء، ص ۹۳۔۹۴)

۸۶۔ شیفلر: ص ۵۵

۸۷۔ ٹامس سمتھ: یونانی کلیساؤں کے حالات، ص ۱۵۔۱۶ (لندن ۱۶۸ء)

۸۸۔ اے۔ ڈی لاموترے: جلد ۱، ۳۰۶۔۳۰۸

۸۹۔ پیزی پاؤس: ص ۸۳۔۸۷۔ پکلر: ص ۲۹۔

۹۰۔ تورنفور: جلد ۱ ص ۱۰۷۔ سیون: جلد ۱، ص ۵۶۔

۹۱۔ گالٹیر: ص ۱۳۷۔

۹۲۔ اے۔ جے ایومنز: ص ۲۶۷۔ اسی طرح میکنزی اور ار بی لکھتے ہیں کہ "ہم نے قدیم سربیہ کے اکثر حصوں میں دیکھا کہ لوگوں کے ذہن میں کسی اسقف کا تصور یہ تھا کہ ترکوں کی لوٹ کھسوٹ سے جو کچھ بچے وہ اسقف کا مال ہے۔" یونانی کلیسا کے پادریوں کے بیان میں ایک اور مصنف نے ذیل کا قصہ لکھا ہے:

"اس صدی کے شروع پر ترنووا کے مقام میں ایک پادری رہتا تھا جس کا نام یواچم تھا۔ عام عیسائی اس کی بہت عزت کرتے تھے، لیکن اس کے اسقف کو اس سے نفرت اور عداوت تھی۔ ایک دن اسے حکم ملا کہ اسقف کے اصطبل میں جا کر وہاں کا کوڑا کرکٹ صاف کرے، اور جب اس نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا تو اسقف کے نوکروں نے لاٹھیوں سے اس کی مرمت کر ڈالی، لیکن پادری بھی خوب مضبوط آدمی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بچایا، اور پھر اپنا چوغہ اتار کر قاضی کے پاس جا پہنچا اور ابھی آفتاب بھی غروب نہیں ہوا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔"

۹۳۔ گالٹیر: ص ۸۷۔ پکلر: ص ۲۹۔ ۹۴۔ لازار: ص ۲۲۳۔

۹۵۔ فنلے: جلد ۴، ص ۱۵۳۔۱۵۴۔ ۹۶۔ تورنفور: جلد ۱، ص ۱۰۴۔

۹۷۔ Turchicae Sparcitiae Suggillatio, fol.xiii (b): fol.xv(b): fol. xvii (b)
fol.xx(a) Veniero.pp 32.36. Busbecq. p 174

۹۸۔ گالٹیر: ص ۱۸۰، ۱۸۲۔ ۹۹۔ ریکانٹ: جلد ۱، ص ۶۸۹۔ نیز دیکھیے جیار جی وائز: ص ۵۳۔۵۴۔ مینا دینو: ص ۳۷

۱۰۰۔ الیگزنڈر روس: ص ۹۔ ۱۰۱۔ فنلے: جلد ۵، ص ۲۹

۱۰۲۔ لارڈ ہنٹن نے اپنی کلیات میں ترکوں کی فتوحات پر چند اشعار انگریزی میں لکھے تھے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے "درخشاں ہلال اہل یورپ کی آنکھوں میں ایک آسیب کی طرح پھرنے لگا، یہاں تک کہ رومہ کے اکثر پوپ یقین رکھتے تھے کہ ہماری موت سے پہلے یہ ترکی جنات رومہ کے عالی شان محلوں اور کلیساؤں کی صفائی بول دیں گے۔" (منقول از کلیات لارڈ ہنٹن، جلد ۱)

۱۰۳۔ شلت برگر: ص ۹۶۔

۱۰۴۔ تورچیکا fol.xii (b) xiii (a) ۱۰۵۔ تورچیکا: fol.xxvii(a)

۱۰۶۔ "ترک جسم کو ایذا نہیں دیتے بلکہ پرہیزگاری کے لباس میں ظاہری طریق پر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ اپنے شیطانی

Marfat.com

فریب سے روح کو، جو جسم کے اندر ہے، اس کا ایمان لے کر اس کو تلف کر دیتے ہیں۔ بے شمار عیسائی اس بات کی تصدیق کے لئے موجود ہیں۔ ان میں بہت سے عیسائی ایسے تھے جو عیسوی مذہب کی حمایت میں اور روحانی نجات کے لئے مرنے کو تیار ہو جاتے، لیکن جسم کی موت سے بچانے کے لئے ان کو قید میں ڈال دیا جاتا۔ کچھ عرصے کے بعد اسلام کا زہران میں پھیلنے لگا اور مسلمانوں کی ترغیب سے عیسائیوں نے انتہائی کمینگی سے مسیح کا دین ترک کر دیا۔" (تورچیکا:(fol. i, vi(a)

۱۰۷۔ ینناویئو: ص ۹۶۔ جان میرس: جلد ۲، ص ۸۱۹ (لندن ۱۷۶۴ء)۔

۱۰۸۔ "ترکوں کی تعریف میں یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ، جن کی محنت سے وہ نفع اٹھاتے ہیں، اچھا سلوک کرتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا برتاؤ عیسائیوں کے برتاؤ سے، جو وہ اپنے غلاموں اور نوکروں سے کرتے ہیں، بہتر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی غلام کوئی پیشہ سیکھ لیتا ہے تو اسے سوائے آزادی کے اور کسی چیز کی کمی نہیں رہتی۔ سوائے آزادی کے اسے وہ تمام ایسی چیزیں میسر ہوتی ہیں جن کی ایک آزاد آدمی کو ضرورت ہوسکتی ہے۔" (فان ڈریش ص ۱۳۲)

۱۰۹۔ سر ولیم سٹرلنگ میکسویل نے ان غلاموں کے متعلق یوں لکھا ہے کہ "جو بدقسمت غلام کسی ترکی جنگی جہاز میں چپو چلاتے تھے، ان کی زندگی ان غلاموں کی زندگی سے بہتر یا بدتر نہ تھی، جو عیسائیوں کے جہازوں میں صلیب کے نشان کے سائے تلے کام کرتے تھے۔ سخت کام، برا کھانا، گھونسے اور طمانچے ان کی قسمت میں تھے۔ خشکی پر شاید نیپلز اور برشلونہ کے قید خانوں کے مقابلے میں ترکی یا الجزائر کے قید خانے زیادہ گندے اور پرشور معلوم ہوتے ہوں، لیکن اگر مصیبتوں کے بھی درجے قائم ہوسکتے ہیں، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر پر عیسائی غلام ترکوں کی زنجیروں میں بہ نسبت عیسائیوں کی قید کے زیادہ فائدے میں رہتا تھا، کیونکہ سلطان کے جہازوں میں چپو چلانے والے غلام اکثر اوقات جہاز کے کپتان کی ملکیت ہوتے تھے، اور اسے اپنے مملوکوں کا اتنا خیال ہوتا تھا کہ بعض اوقات یہ خیال اس کے فرض منصبی کی ادائیگی میں مخل سمجھا جاتا تھا۔" جلد ۱، ص ۱۰۲۔۱۰۳

۱۱۰۔ گیملن: ص ۱۶۔ ۱۱۱۔ ایضاً: ص ۲۳۔ ۱۱۲۔ جان ہیرس: جلد ۲، ص ۸۱۰۔

۱۱۳۔ "ان بدقسمت لوگوں کے لئے، اگر وہ جوان ہوتے تھے، اپنی غلامی کا ابتدائی زمانہ خاص طور پر سخت ہوتا تھا، کیونکہ ترک ان کو خوشامد سے، اور اگر خوشامد کام نہ دیتی، تو سختی سے مسلمان کرنا چاہتے تھے، لیکن جب اس طوفان سے صحیح و سلامت نکل آتے ہیں تو غلامی کی حالت جیسی ترکوں میں گوارا ہوسکتی ہے اور کہیں نہیں ہوسکتی۔ " (فان ڈریش)۔ اس کے علاوہ جرجیوز نے لکھا ہے کہ "جو غلام عیسائی مذہب پر قائم رہتے تھے، وہ کچھ عرصے کے بعد آزاد کر دیئے جاتے تھے۔ "اگر یہ لوگ عیسائی مذہب پر قائم رہتے تو ایک مدت مقرر کر دی جاتی تھی جس کے بعد وہ آزاد ہو جاتے تھے لیکن ان عیسائی غلاموں کے لئے جنہوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا، ان کی غلامی ختم ہونے کے لئے نہ تو کوئی مدت مقرر تھی، اور نہ ان کو وطن واپس جانے کا حق تھا۔ بلکہ آزادی کی جو کچھ امید ہوسکتی تھی، وہ ان کے آقاؤں کی خوشنودی پر موقوف تھی۔ ایک اور مصنف نے عیسائی غلاموں کے آزاد ہونے کی مدت سات سال لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ترک اپنے غلاموں پر بہت اعتماد کرتے ہیں، کیونکہ ان کے پیغمبر ﷺ نے دوسرے احکام کے علاوہ یہ حکم بھی دیا تھا کہ غلام سات برس سے زیادہ غلامی کی حالت میں رہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس حکم کا پابند نہ ہو۔" (فان ڈریش: ص ۱۲۸)

۱۱۴۔ دین دار عیسائی جو ترکی یا دیگر اسلامی سلطنتوں میں آباد ہو گئے تھے، ان کے لئے اس بات کی کافی وجہ موجود تھی کہ وہ اپنے اکثر ہم مذہبوں کے مسلمان ہو جانے پر افسوس کریں۔ اس زمانے کے پادریوں کی تحریریں اس قسم کی شکایتوں سے بھری پڑی ہیں۔

Marfat.com

غلاموں کی حالت پر رحم آتا تھا، اگرچہ ان سے نفرت بھی تھی، لیکن آزاد عیسائیوں کی حالت سخت افسوس اور رنج کے قابل تھی۔ عیسائی سفیروں کو کبھی اس بات کا یقین نہیں ہوتا تھا کہ ان کے ملازم ان کو چھوڑ کر نہ چل دیں گے۔ اور جب تک شام نہ ہو جاتی تھی، وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ آج کا دن خیریت سے گزرا۔" (گیملن: ص ۲۲۔ فان ڈریش: ص ۱۶۱)

۱۱۵۔ ٹامس سمتھ: ص ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۱۶۔ تورچیکا: ص ۳۵

۱۱۷۔ ایم۔ دہوسن: جلد ۳، ص ۱۳۳۔ جیور جی وائز: ص ۸۷۔ بیناوینو: ص ۹۵۔

۱۱۸۔ فان ڈریش: ص ۲۵۰۔ ۱۱۹۔ ایضاً: ص ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۲۰۔ ہرزبرگ: ص ۶۲۱۔

۱۲۱۔ جب بوڑھے آدمی مر جاتے ہیں تو نوجوان آدمی بالعموم مسلمان ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اب (۱۶۵۵ء میں) ان خوش سواد میدانوں میں تمہیں مشکل سے دو عیسائی ارمنی ملیں گے جن کی آبادکاری کے لئے ان کے آباؤاجداد کو بھیجا گیا تھا۔

۱۲۲۔ فنلے: جلد ۶، ص ۲۸، ۲۹۔ ۱۲۳۔ لیک (Leake): ص ۲۵۰۔

۱۲۴۔ البانیہ والے اپنے آپ کو ہمیشہ "سکی پیٹر" کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنی ہیں "چٹانوں کے رہنے والے"۔ یعنی کوہستانی۔

۱۲۵۔ البانیہ کے ایک عیسائی نے بلغاریہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں کی باہمی عداوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "البانیہ میں صورت حال اور ہے۔ البانیہ کے مسلمان ایسے ہی البانوی ہیں جیسے عیسائی ہیں۔ وہ ایک ہی زبان بولتے ہیں، ایک ہی طرح کے رسوم وآداب رکھتے ہیں اور ان کی قومی روایات بھی یکساں ہیں۔ البانیہ کے مسلمانوں اور عیسائیوں نے کبھی ایک دوسرے سے نفرت نہیں کی اور نہ ہی ان کے درمیان صدیوں سے کسی طرح کی عداوت رہی ہے۔ مذہب کے امتیاز نے ان میں کبھی کوئی تفرقہ پیدا نہیں کیا۔ سوائے چند لوگوں کے مسلمان اور عیسائی ہمیشہ مل جل کر رہتے ہیں، ان کو یکساں حقوق میسر ہیں اور وہ ایک ہی طرح کے فرائض ادا کرتے ہیں۔" (منقول از "البانیہ اور اہل البانیہ" (جرمن) مؤلفہ واسا آفندی مطبوعہ برلن)

۱۲۶۔ فنلے: جلد ۵، ص ۴۶۔

۱۲۷۔ "الیسیو کے علاقے میں مردی قوم کے جو رومن کیتھولک رہتے ہیں، وہ اس قدر متعصب ہیں کہ اس بات کے روادار نہیں کہ ان کے پہاڑی علاقوں میں کوئی مسلمان آباد ہو۔ اس قوم کے کسی شخص نے اپنا مذہب ترک نہیں کیا، کیونکہ اگر کوئی شخص اس بات کا قصد کرتا تو وہ اسے مار ڈالتے تھے، سوائے اس کے کہ وہ البانیہ سے کہیں باہر بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائے" منقول از تاریخ البانیہ مذکور (فرانسیسی) مؤلفہ ہیکار۔

۱۲۸۔ بزی (Bizzi): ص ۶۰۔ ۱۲۹۔ ایضاً: ص ۲۵۔ ۱۳۰۔ فرلاتی (Farlati): جلد ۷، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

۱۳۱۔ اس سلسلے میں اس بات کی بھی شکایت کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے مطران کے محل پر قبضہ کر لیا تھا لیکن یہ محل آٹھ برس سے خالی پڑا تھا کیونکہ بطریرک امبروسیوس (۱۵۷۹ء۔ ۱۵۹۸ء) نے بر بنائے مصلحت جلاوطنی اختیار کر لی تھی۔ اس کی یہ وجہ ہوئی کہ "اس نے جوش میں آکر اور احتیاط کو چھوڑ کر اسلام پر حملہ کیا تھا، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی، اور ان کی تعلیم سے بیزاری ظاہر کی تھی۔" منقول از فرلاتی۔

۱۳۲۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ "میں نے ایک دن سب رومن کیتھولک عیسائیوں کو صبح کی نماز پڑھائی تھی۔" زمیوخ نے جو اعداد وشمار دیئے ہیں، ان سے میرا اندازہ ہے کہ عیسائیوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔

۱۳۳۔ بزی: ص ۲۷، ۳۸۔

Marfat.com

۱۳۴۔ البانیہ کے بعض دیہات میں یہ رواج انیسویں صدی کے شروع تک جاری رہا۔ چنانچہ لیک نے اپنے سفرنامہ "یونان میں لکھا ہے کہ "بعض دیہات میں مسلمان عیسائی عورتوں سے شادی کرتے ہیں۔ ان کے لڑکے تو مسلمانوں کی طرح تربیت پاتے ہیں لیکن لڑکیاں عیسائی ہوتی ہیں، چنانچہ بھیڑ کا گوشت اور سؤر کا گوشت ایک ہی دسترخوان پر کھایا جاتا ہے۔" (لیک: ص ۲۵۰)

۱۳۵۔ بزی: ص ۳۸۔ فرلاتی: ص ۱۵۸۔

۱۳۶۔ مارکو بزی کو انتی واری کے شہر میں وارد ہوئے ابھی چند روز ہوئے تھے کہ ایک معزز مسلمان خاتون نے یہ خواہش ظاہر کی کہ خود مطران اسکے بچے کو اصطباغ دے۔ اسی مطران کا بیان ہے کہ بعد ازاں اس خاتون نے شہر کے ایک عیسائی رئیس سے سخت شکایت کی کہ مطران نے میری درخواست کو قبول نہیں کیا، حالانکہ اسی مطران کے ماتحت پادری ان ترکوں کی درخواست پر، جو عیسائی نہیں ہیں، ان کے بچوں کو اصطباغ دے دیتے ہیں۔

۱۳۷۔ ایک ہی گاؤں کے رہنے والے عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی خوشگوار تعلقات کی اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ البانیہ" مولفہ ہیکار (فرانسیسی) مطبوعہ پیرس ۱۸۵۸ء۔

۱۳۸۔ گارنٹ: ص ۲۶۷۔

۱۳۹۔ بزی: ص ۳۶۔

۱۴۰۔ ایضاً: ص (ا) ۳۷، (ب) ۳۸۔

۱۴۱۔ بزی: (ا) ص ۶۱، ۳۷، (ب) ۳۸، ۳۳۔

۱۴۲۔ اٹھارویں صدی میں وینس کے ریال اور ترکی کے سکے پیاسٹر کی قیمت یکساں تھی۔ بوسینلو (Businello): ص ۹۴۔

۱۴۳۔ بزی: ص ۱۲۔۱۳

۱۴۴۔ ایضاً: ص ۱۰۔۱۱۔

۱۴۵۔ ایضاً: (ب) ص ۳۱۔

۱۴۶۔ "یہ خرابی اس ملک میں اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ پادریوں کی کمی ہے اور وہ اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں نہایت کم عقل ہیں۔ بہت سے عیسائی ایسے ہیں جو بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں۔ وہ عیسوی دین میں مستحکم نہیں کئے جاتے اور مذہب سے ہر جگہ منحرف ہو گئے ہیں۔"

۱۴۷۔ "اگر البانیہ کو کافی مذہبی امداد نہ ملی تو چند سال میں اس ملک سے عیسائی مذہب بالکل اٹھ جائے گا، کیونکہ لائق اسقفوں اور پادریوں کی تعداد بہت کم ہے۔"

۱۴۸۔ "ان بدبخت لوگوں نے اپنے ایمان کو ایسا اندھا کر لیا ہے کہ وہ اس طرح کی شادی کو مطلق گناہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ترک ملک کے بادشاہ ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں اور نہ ہی ان کے لئے جائز ہے کہ کسی بات میں ترکوں کی حکم عدولی کریں۔" (Bizzi, fol 38.b)

۱۴۹۔ منقول از "ترکی کی عورتیں اور ان کی حکایات" (انگریزی) مؤلفہ گارنٹ، ص ۲۶۸۔

۱۵۰۔ بزی: (الف) ص ۶۳، (ب) ۳۸۔

۱۵۱۔ کیریاکوس (Kyriakos): ص ۱۲۔

۱۵۲۔ فرلاتی: ص ۱۴۴، ۱۴۱۔

۱۵۳۔ مارکو کریسیو: ص ۲۰۲۔

۱۵۴۔ زمیوخ (Zmaievich): ص ۱۳۷۔

۱۵۵۔ ایضاً: ص ۱۳۔۱۴۔

۱۵۶۔ کریسیو: ص ۲۰۴۔

۱۵۷۔ مارکو کریسیو: ص ۲۰۲۔۲۰۵

۱۵۸۔ ایضاً: ص ۲۰۵

۱۵۹۔ زمیوخ: ص ۱۳

Marfat.com

۱۶۰۔فرلاتی:ص ۱۰۹۔بزی: (ب) ص ۱۹۔ ۱۶۱۔کریسیو:ص ۲۰۴

۱۶۲۔فرلاتی: جلد ۷،ص ۱۳۶۔۱۳۲۔

۱۶۳۔"بہت سے عیسائی اس غرض سے کہ بے جا محصولوں اور سختیوں سے بچ جائیں، رفتہ رفتہ عیسوی دین چھوڑ گئے اور مسلمان ہو گئے۔"منقول از فرلاتی۔

۱۶۴۔زمیوخ:ص ۵۔ ۱۶۵۔زمیوخ:ص ۵۔

۱۶۶۔ایضاً:ص ۱۵۔۱۹۷۔ ۱۶۷۔ایضاً:ص ۱۱۔

۱۶۸۔ایضاًص ۱۳۷۔ ۱۶۹۔ایضاً:ص ۱۴۹۔

۱۷۰۔ایضاً:ص ۱۴۳۔۱۴۴۔۱۴۴۔ ۱۷۱۔زمیوخ:ص ۲۲۔

۱۷۲۔ایضاً:ص ۹۔ ۱۷۳۔فرلاتی:ص ۳۱۷۔

۱۷۴۔ایلیٹ:ص ۴۰۱۔ ۱۷۵۔ایضاً:ص ۳۹۲۔

۱۷۶۔۱۹۱۲ء میں البانیہ والوں نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔اسی اثنا میں بلقان کی دیگر قوموں یعنی بلغاریہ، سرویہ اور یونان والوں نے بھی ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔چنانچہ چند ماہ کے جنگ وجدال کے بعد یہ تمام ملک ترکوں کی سیادت سے آزاد ہو گئے۔اس آزادی کے بعد البانیہ میں کئی سیاسی انقلابات آئے۔آخر کار ۱۹۴۶ء میں انور خواجہ نے ایک مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے عنان حکومت سنبھالی اور آج تک وہی برسر اقتدار ہے۔۱۹۵۵ء میں البانیہ ایک ری پبلک کی حیثیت سے انجمن اقوام متحدہ کا ممبر ہوا۔ان تمام سیاسی انقلابات کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی،چنانچہ آج کل البانیہ کی ستر فی صد آبادی مسلمان ہے۔باقی بیس فی صد البانوی آرتھوڈوکس کلیسا سے اور دس فی صد رومن کیتھولک چرچ سے وابستہ ہے۔(مترجم)

۱۷۷۔معجم البلدان،از یاقوت حموی،مطبوعہ یورپ،جلد ا،ص ۴۶۹۔یا طبع مصر،جلد ثانی،ص ۳۷۔۳۸۔بذیل "باشغرد"۔

۱۷۸۔ڈی۔لا۔جان کر:ص ۲۱۵۔ ۱۷۹۔ایضاً:ص ۲۹۰۔

۱۸۰۔کینٹز (Kanitz):ص ۳۷۔ ۱۸۱۔ایضاً:ص ۳۷۔۳۸۔

۱۸۲۔میکنزی اور ار بی نے سرویہ قدیم کا نقشہ ص ۲۴۳ پر دیا ہے۔اس میں سرویہ کا قدیم پایۂ تخت پریزرن،اور سرویہ کے بطریک کا صدر مقام ایپک اور کسوبو کا میدان جنگ، یہ سب مقامات دکھائے گئے ہیں۔

۱۸۳۔کینٹز:ص ۳۷۔ ۱۸۴۔میکنزی اور ار بی:ص ۲۵۰۔۲۵۱۔

۱۸۵۔فرلاتی: جلد ۶،ص ۱۲۷۔۱۲۸۔کینٹز (Kanitz):ص ۳۹

۱۸۶۔میکنزی اور رار بی:ص ۳۷۴۔۳۷۵۔ ۱۸۷۔کینٹز (Kanitz):ص ۳۹۔۴۰۔

۱۸۸۔ایضاً:ص ۳۸۔ ۱۸۹۔بزی:۴۸(ب)۔

۱۹۰۔زمیوخ:ص ۴۸۲ ۱۹۱۔کینٹز (Kanitz):ص ۳۸۔

۱۹۲۔سرویہ کو سربیہ بھی لکھتے ہیں۔آج کل سربیہ یوگوسلاویہ کی جمہوریہ کا ایک حصہ ہے۔جس کی ۱۲ فی صد آبادی مسلمان ہے۔یہ لوگ بیشتر ترک نسل کے ہیں جنہوں نے اپنی اسلامی روایات کو قائم رکھا ہوا ہے۔اہل کرم کی بھی کمی نہیں۔مساجد میں بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام ہے اور مولود شریف کی مجلسیں بڑے اہتمام سے قائم ہوتی ہیں۔مقامی زبان میں ان کے کئی رسالے شائع ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ایک مذہبی رسالے کے مضامین کا خلاصہ عربی زبان میں بھی دیا جاتا ہے۔(مترجم)

۱۹۳۔مونٹ نیگرو ۱۵۱۶ء تا ۱۸۵۲ء اسقفوں کے زیر حکومت رہا۔

۱۹۴۔مونٹے نیگرو کو ترکوں نے قراطاغ (یعنی جبل اسود) کہا ہے جو اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ یہاں کے لوگ سرب قوم سے ہیں اور اکثر مشرقی آرتھوڈوکس کلیسا سے وابستہ ہیں جو بیس ہزار کے قریب ہیں۔آ جکل یہ علاقہ جمہوریہ یوگوسلاویہ کا ایک حصہ ہے(مترجم)

۱۹۵۔ایسباتھ (Asboth):ص ۴۲، ۹۵۔ ۱۹۶۔ایضاً:ص ۹۶۔۹۷

۱۹۷۔"فرقہ بوگومیل کے لوگ مسیحی کلیسا کی رسوم اور کلیسا کے تمام افسروں کو بہت برا کہتے ہیں اور انہوں نے یونانی پادریوں کا نام اندھے فریسی رکھا ہے۔اور ان کو دیکھ کر وہ اس طرح غراتے ہیں جیسے کتے گھوڑوں پر بھونکتے ہیں۔عشائے ربانی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق نہیں ہے،اور جو روٹی اس میں کھائی جاتی ہے،وہ مسیح کا جسم نہیں ہے بلکہ معمولی روٹی ہے۔"

۱۹۸۔ وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۔(سورۃ النساء) آیت:۱۵۷

۱۹۹۔ترک چارلس دوازدھم شاہ سویڈن کی ستائش کرتے تھے،" کیونکہ وہ شراب سے سخت پرہیز کرتا تھا اور روزانہ دو وقت باقاعدگی سے نماز پڑھتا تھا،اس لئے وہ اس کے متعلق کہتے تھے کہ وہ ایک سچا مسلمان ہے۔(مؤلفات والتیر :جلد ۲۳،ص ۲۰۰)

۲۰۰۔ایسباتھ (Asboth):ص ۳۶

۲۰۱۔اُلیور (Oliver):ص ۱۷۔۱۸ ۲۰۲۔ایضاً:ص ۱۱۳۔

۲۰۳۔آج کل بوسنیہ کے خطے میں چھ لاکھ کے قریب مسلمان آباد ہیں اور یہ علاقہ جمہوریہ یوگوسلاویہ میں شامل ہے۔جمہوریہ یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کی کل تعداد تیرہ لاکھ سے زائد ہے اور وہ کل آبادی کا ۱۲ فی صد ہیں۔۱۳۸۹ء میں یوگوسلاویہ کے ۱۵۱۷ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔(مترجم)

۲۰۴۔گارنارو (Gornaro):جلد ۱،ص ۲۰۵۔۲۰۸۔ ۲۰۵۔پیرٹ (Perrot):ص ۱۵۱۔

۲۰۶۔پشلے (Pashley):جلد ۱،ص ۱۳۰ اور جلد ۲،ص ۹۲۔۲۸۴۔۲۹۱۔

۲۰۷۔پشلے:جلد ۲،ص ۲۹۸۔ ۲۰۸۔ایضاً (Pashley):جلد ۲،ص ۲۸۵۔

۲۰۹۔ایضاً:جلد ۱،ص ۳۱۹۔ ۲۱۰۔پیرٹ (Perrot):ص ۱۵۱۔

۲۱۱۔خطوط کریٹ:ص ۹۰۔۹۲،از چارلس ایڈورڈ،مطبوعہ لندن ۱۸۸۷ء۔

۲۱۲۔پشلے (Pashley):جلد ۲،ص ۱۵۱۔۱۵۲۔

۲۱۳۔ایضاً:جلد ۱،ص ۹۔ ۲۱۴۔پیرٹ (Perrot):ص ۱۵۹۔

۲۱۵۔ T.A.B. Spratt, Travels and Researches in Cretei, Vol.I, p.47-

۲۱۶۔ Revue du Monde Musulman, Vol .VII, p.99-

Marfat.com

باب ہفتم

ایران اور وسطی ایشیا میں اسلام کی اشاعت

وسطی ایشیا میں اسلام کیسے پھیلا؟ اس اشاعت کی کیفیت بخوبی سمجھنے کے لیے قرن اول کی عربی فتوحات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ ساتویں صدی کے وسط تک ساسانیوں کا عظیم الشان خاندان، جس نے چار سو سال تک رومی سلطنت اور اس کے بعد بیزنطینی حکومت کی سطوت وصولت کا مقابلہ کیا تھا، خاک میں مل چکا تھا اور ان کا ملک اہل اسلام کا ورثہ بن چکا تھا۔ جب مملکت ایران کی فوجوں نے عربی عساکر کے مقابلے میں شکستیں کھائیں تو عامۃ الناس میں تابِ مقاومت باقی نہ رہی۔ ساسانی خاندان کے آخری حکمرانوں کے عہد میں ملک میں ہولناک بدنظمی کا دور دورہ رہا تھا۔ اسکے علاوہ رعایا کے دل اپنے حکمرانوں سے اس وجہ سے بھی برگشتہ ہو چکے تھے کہ وہ زرتشتی مذہب کی جابرانہ روش کے مئوید تھے۔ زرتشتی مذہب کے پیشواؤں نے مملکت میں بے حد اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا اور شہنشاہ کی مجالس مشاورت میں بھی ان کو بڑا اقتدار اور اختیار حاصل تھا اور ملک کے نظم ونسق میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔ اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ دیگر تمام جماعتوں پر ظلم وستم کرتے تھے جن کے مذہبی عقائد ان سے مختلف تھے۔ مختلف زرتشتی فرقوں کے علاوہ ایران میں عیسائی، یہودی اور صابی بھی آباد تھے اور بعض فرقوں میں ناستک، مانوی اور بدھ مت کے عقائد بھی پائے جاتے تھے۔ ان تمام مذاہب کے پیروؤں میں مملکت کے سرکاری مذہب کے خلاف اس کے جور وتعدی کی وجہ سے سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی اور وہ اس حکمران خاندان سے بھی بیزار تھے جو اس جور وستم کا حامی تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے عربی فتوحات کو اپنے حق میں نجات کا باعث سمجھا، (۱) کیونکہ ان مختلف فرقوں کو ایک ایسی حکومت کے زیر سایہ سکھ کا سانس لینے کی توقع ہوئی جس نے ان کو جزیہ کی خفیف رقم کے معاوضے میں مذہبی آزادی دی اور ان کو فوجی خدمت سے بری الذمہ کر دیا، کیونکہ اسلامی شریعت نے مذہبی آزادی اور جزیہ ادا کرنے کے حقوق نہ صرف عیسائیوں اور یہودیوں کو عطا کیے تھے بلکہ زرتشتیوں، صابیوں، بت پرستوں اور آتش پرستوں کو بھی دیے تھے (۲)۔ ایک روایت کے مطابق رسول خدا ﷺ نے اس بات کی واضح ہدایت کی تھی کہ زرتشتیوں کے ساتھ بھی اہل کتاب کا سا سلوک کیا جائے اور حفاظت کے معاوضے میں ان سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے (۳)۔ یہ روایت غالباً دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوئی جب عربوں کو اپنی تمام مفتوحہ اقوام کو یکساں طور پر آزادی دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی ضرورت پیش آئی، خواہ یہ اقوام اہل کتاب کی صنف میں آتی تھیں یا نہیں (۴)۔

Marfat.com

ایران کے مذہبی حالات:

ایران کے عیسائیوں نے حکومت کے انقلاب سے ساسانی حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات پائی، جنھوں نے یعقوبیوں اورنسطوریوں کے باہمی جھگڑوں کوخوب ہوادی تھی اوران مخالف فرقوں کے انتشار و افتراق میں بڑا اضافہ کیا تھا۔ شاہان ایران کی طرف سے گزشتہ زمانے میں عیسائیوں پرظلم وستم ہوا تھا، اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اوراس وقت بھی جب ساسانی خاندان دم توڑ رہا تھا، خسرو دوم نے جب عیسائی قیصر ہرقل کے ہاتھ سے شکست کھائی، تو اس نے کھسیانا ہوکراپنی مملکت کے عیسائیوں پر دوبارہ ظلم وستم کرنے کا حکم دیا، جس سے عیسائیوں کے تمام فرقوں کو ایذا پہنچی۔ ان ہولناک حالات سے لوگوں کے دلوں میں وہ نفرت اور برگشتگی پیدا ہوئی ہوگی جس سے مذہب کی تبدیلی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ ''مملکت کی سیاسی بدنظمی کے علاوہ عیسائیوں کے دل و دماغ اخلاقی اور ذہنی انتشار کا بھی شکار تھے۔ مصائب کے ہجوم اور مختلف عقائد کے باہمی شدید تصادم نے ان کو بے حد پریشان کر دیا تھا اور وہ ایک خاص قسم کی دماغی کیفیت کی طرف مائل ہو رہے تھے جہاں ایک نئے مذہب کے لیے جڑ پکڑنا آسان ہوتا ہے۔ الغرض یہ لوگ قدیمی پریشان کن بحث ومباحثہ سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے دین اور معاشرے کو نئی بنیادوں پر قائم کرنے میں کوشاں تھے۔ بالفاظ دیگر اہل ایران اور خصوصاً وہاں کے سامی لوگوں کی ذہنی کیفیت ایسی صورت اختیار کر رہی تھی کہ وہ اسلامی انقلاب کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار تھے اور اسلام کے جدید اور سادہ دین کو قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ اسلام نے اپنی مکمل اور پروقار سادگی سے تمام تاریک بادلوں کو یک قلم ہٹا دیا اور ان کے سامنے نئی دلفریب امیدوں کے دروازے کھول دیے اور ان کو غلامی کی ذلت سے فوری آزادی دلانے کا وعدہ کیا۔''(۵)

قدیم اور جدید عقائد کی یکسانی:

لیکن شہروں کے باشندوں، پیشہ وروں اور کاریگروں نے بڑی گرم جوشی سے اسلام کا خیر مقدم کیا۔ زرتشتی مذہب کی رو سے ان کے پیشہ وارانہ مشاغل نے ان کو نجس بنا دیا تھا، کیونکہ انہوں نے اپنی تجارت یا صنعت کے دوران میں آگ، زمین یا پانی کو ناپاک کر دیا تھا، لہذا ان کی شریعت کی نظروں میں وہ ملیچھ تصور ہوتے تھے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قبیل کے لوگوں نے بڑے ذوق وشوق سے اسلام ایسے مذہب کو اختیار کیا جس نے ان کو فوراً احرار بنا دیا تھا اور اسلامی برادری میں سب کے برابر درجہ دیا۔(۶) زرتشتی مذہب کے جو لوگ مسلمان ہوئے ان کا حال بھی قابل ذکر ہے۔ ساسانی خاندان کی عام تباہی کے ساتھ ہی ان کے قومی مذہب کا عالی شان قصر بھی، جو ان کے سہارے کھڑا تھا، دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ زرتشتیوں کے پاس اب

Marfat.com

کوئی ایسا مرکز باقی نہیں رہا تھا جہاں وہ جمع ہو سکیں۔ چونکہ ان کے قدیم اور جدید مذہب میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، اس لیے زرتشتی کیش کو دین اسلام سے تبدیل کرنا ان کو آسان معلوم ہوا ہوگا۔ ایرانیوں کو قرآن میں اپنے قدیم مذہب کے بہت سے بنیادی عقائد ملے ہوں گے، گو ان کی صورت مختلف تھی۔ اہورامزدا اور اہرمن کی جگہ اللہ اور ابلیس نے لے لی۔ اسی طرح چھ ایام میں کائنات کا خلق ہونا، ملائکہ اور شیاطین، ابتدا میں آدم کا بیگناہ ہونا قیامت کے دن حشر اجساد اور فردوس اور جہنم کا عقیدہ (۷)، یہ تمام مسائل دونوں مذہبوں میں مشابہ اور مشترک تھے۔ روزانہ عبادت میں بھی بہت سی باتیں یکساں تھیں، مثلاً جس طرح زرتشتیوں کو قبول اسلام کے بعد نماز پنجگانہ کا حکم ہوا، اسی طرح 'اوستا' (۸) میں بھی پنج وقتہ عبادت کی ہدایت تھی۔ شمالی ایران میں ایسے قبیلے موجود تھے جنہوں نے سرکاری مذہب کے کلیسائی نظام کی اس بناء پر سخت مخالفت کی تھی کہ ہر شخص اپنے خاندان کا پیشوا ہے اور اسے کسی غیر کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خدائے برتر پر اعتقاد رکھتے تھے اور بقائے روح کے قائل تھے۔ وہ اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ اپنے ہمسائے سے محبت کرو، اپنے نفس پر قابو پاؤ اور نیک زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ پس ایسے لوگوں کو قبولِ اسلام کی ترغیب دینے کی بہت کم ضرورت ہوئی ہوگی (۹)۔ ایران کے جو ملحدانہ فرقے عیسائیت سے متاثر ہوئے تھے، ان کے ساتھ اسلام کی مماثلت اور بھی زیادہ تھی۔

ایران میں اسلام کی اشاعت کے مذکورہ بالا اسباب کے علاوہ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ایران کی مفتوح قوم کو اسلام کے ساتھ ملکی اور قومی ہمدردی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ امام حسینؓ کی شادی شاہ بانو دختر یزدگرد سے ہوئی تھی جو ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ امام حسینؓ اور شاہ بانو کی اولاد کو ایرانیوں نے اپنے قدیم بادشاہوں کی وارث اور اپنی قومی روایات کا والی تصور کیا اور یہی وہ ملکی جذبہ ہے جس نے ایرانیوں میں حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ انتہائی شغف پیدا کر دیا اور اسلام میں شیعہ فرقے کی ابتدا اسی شغف سے ہوئی۔ (۱۰)

عربی حکومت کی رواداری:

ایران میں اسلام کی اس وسیع اشاعت میں جبر و اکراہ کا کوئی دخل نہ تھا، اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کے ساتھ تمسک کیا ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ایران کے بعض اضلاع میں آتش پرستوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں آج تک موجود ہیں۔ اور اگرچہ بعد کے زمانے میں ان پر اکثر سختیاں ہوئی ہیں (۱۱) لیکن اسلامی عہد کی ابتدائی صدیوں میں ان کو بہت حد تک مذہبی آزادی حاصل رہی ہے اور ان کے آتشکدوں کا احترام کیا جاتا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ معتصم (۸۳۳ء تا ۸۴۲ء) کے عہد میں ایک مسلمان سپہ سالار نے ایک امام اور مؤذن کو اس بنا پر دُرے لگائے تھے کہ انہوں نے صغد میں ایک آتش کدے کو مسمار کر کے

Marfat.com

اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی تھی (۱۲)۔دسویں صدی عیسوی میں یعنی اسلامی فتح کے تین سو سال بعد تک عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، جبال، آذربائیجان اور اران، غرض کہ ایران کے تقریباً ہر صوبے میں (۱۳) آتشکدے پائے جاتے تھے۔فارس کے صوبے میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شہر یا ضلع ہوگا جس میں مجوسی اور ان کے آتشکدے موجود نہ ہوں۔شہرستانی نے بھی، جس کا زمانہ تحریر بارھویں صدی عیسوی ہے، لکھا ہے کہ خود بغداد کے قرب وجوار میں اسفینیا کے مقام پر ایک آتشکدہ موجود تھا (۱۴)۔

ایرانیوں کا قبول اسلام:

ان واقعات کے پیش نظر زرتشتی مذہب کے بارے میں یہ کہنا یقیناً ناممکن ہے کہ اس کا زوال کلیتہً مسلمان فاتحین کے جبر واکراہ کا نتیجہ تھا۔اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں جن ایرانیوں نے اسلام قبول کیا، ان کی تعداد مذکورہ بالا دلائل اور اسباب سے غالباً بہت کثیر تھی۔لیکن چونکہ قدیم مذہب دیر تک زندہ رہا اور بعد کی صدیوں میں بھی زرتشتی وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے، اس لیے گمان غالب ہے کہ ایرانیوں نے اسلام پُرامن طریقے سے اور بطیب خاطر قبول کیا تھا۔چنانچہ آٹھویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب بلخ کے ایک امیر سامان نامی نے، جس نے خراسان کے والی اسد بن عبداللہ سے امداد حاصل کی تھی، زرتشتی مذہب کو ترک کر کے اسلام اختیار کیا اور اپنے معاون کے نام پر اپنے بیٹے کا نام اسد رکھا۔اور یہ وہی نومسلم ہے جس سے سامانی خاندان (۸۷۴ء تا ۹۹۹ء) کا نام چلا۔نویں صدی کی ابتدا میں قابوسی خاندان کا پہلا حکمران کریم بن شہریار مسلمان ہوا، اور ۸۷۳ء میں دیلم کے علاقے میں بہت سے لوگ ابو محمد ناصر الحق کے اثر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔دسویں صدی میں بحیرۂ کیسپین (خزر) کے جنوبی ساحل پر علوی خاندان کے حکمران حسن بن علی نے، جو علم وفہم کے علاوہ مختلف فرقوں کے مذہبی عقائد سے بھی خوب واقفیت رکھتا تھا، طبرستان اور دیلم کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ان میں بعض بت پرست تھے بعض مجوسی۔ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، لیکن باقی لوگ اپنے قدیم مذہب پر بدستور قائم رہے۔(۱۵) ۳۹۷ھ (۱۰۰۳ء-۱۰۰۴ء) میں دیلم کے مشہور شاعر ابوالحسن مہیار نے، جو پہلے آتش پرست تھا، شریف الرضا کی ترغیب سے، جو شعر وشاعری میں اس کا استاد تھا، اسلام قبول کیا (۱۶)۔

غالباً اسی زمانے کے قریب مشہور جغرافیہ نگار ابن خرداذبہ کا دادا بھی برمکی (۱۷) خاندان کے ایک فرد کے اثر سے مسلمان ہوا تھا۔اس برمکی کا جد امجد بھی مجوسی رہ چکا تھا اور شہر بلخ کے آتشکدۂ نوبہار کا متولی تھا۔

قبول اسلام کے اس قسم کے واقعات کے متعلق ہماری معلومات بہت قلیل ہیں تاہم ان سے اتنا پتا ضرور

Marfat.com

چلتا ہے کہ ایرانیوں نے اپنی رضا ورغبت سے اسلام اختیار کیا تھا اور عباسی عہد کے آخر تک زرتشتیوں کو بحیثیت مجموعی مذہبی معاملات میں آزادی حاصل تھی۔لیکن تاتاریوں کے حملے سے ان کی تاریخ میں ایک تاریک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ایران کے مسلمانوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں، ان سے ان کی طبیعت میں ایک طرح کا تعصب پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے زرتشتیوں کو بعض اوقات سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اسمٰعیلی دعوت:

آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران میں ایک جدید تحریک اسمٰعیلی فرقے کی صورت میں پیدا ہوئی، جس کے حالات اشاعت اسلام کی تاریخ میں دلچسپی کا موجب ہیں۔اس موقع پر ہمیں اس فرقے کی تاریخ یا اس کے مذہبی عقائد سے بحث نہیں ہے اور نہ ہی ان معاشرتی اور سیاسی اسباب سے سروکار ہے جو اس فرقے کی ترقی کا باعث ہوئے لیکن جس حیرت انگیز تبلیغی نظام سے اس فرقے کے عقائد کی ترویج ہوئی اس کی طرف توجہ کرنا ہم پر لازم ہے۔اس تنظیم کا بانی ایک شخص عبداللہ بن میمون تھا جس نے نویں صدی کی ابتدا میں اسمٰعیلیوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔اسمٰعیلی تنظیم اس لحاظ سے یسوعی جماعت کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے کہ اسے انسانی فطرت میں گہری بصیرت حاصل تھی اور اس کی داعی نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے مخصوص عقائد کو مختلف طبائع کے قدیمی خیالات اور تصورات کے مطابق پیش کرتے تھے۔اس نے اپنے داعی تمام اطراف میں طرح طرح کے بھیسوں میں روانہ کیے۔وہ اکثر اوقات صوفیوں کا خرقہ اوڑھتے تھے اور کبھی تاجروں اور سوداگروں کے لباس میں سفر کرتے تھے۔ان کو اس بات کی ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ ہر ایک شخص سے اس کی زبان میں بات کریں، یعنی اس کی لیاقت اور عقل وفہم کے مطابق اس سے گفتگو کریں اور اپنی تلقین کو اس کے عقائد کے ساتھ مطابقت دیں، اور لوگوں کے تمام طبقوں کو اپنے فرقے کے امام کی اطاعت کی ترغیب دیں۔چنانچہ اسمٰعیلی داعی جاہل عوام کو شعبدے دکھا کر مسحور کر لیتے تھے جن کو وہ معجزات سمجھتے تھے اور ان سے پر اسرار باتیں کرتے تھے، جن سے ان کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے تھے۔خدا پرستوں اور پرہیزگاروں کی صحبت میں پہنچے تو نیکی اور دین داری کی مجسم تصویر بن گئے،صوفیوں سے ملاقات ہوئی تو ان کے سامنے عام عقائد کے مخفی اور باطنی معنے بیان کیے اور ان کی لیاقت کے مطابق ان کو علم غیب کے مختلف مدارج سے آگاہ کیا۔بہت سے مذاہب کے لوگ ایک آنے والے نجات دہندہ کے یکساں منتظر تھے۔اس عام تصور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ امام مہدی عنقریب آنے والا ہے، یہودیوں سے کہتے کہ مسیح کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے اور عیسائیوں سے کہتے کہ فارقلیط کی آمد آمد ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی وہ سب کو آگاہ کرتے تھے کہ تم میں

Marfat.com

سے ہر ایک کی آرزو صرف اس وقت پوری ہو گی جب حضرت علیؓ ایک بڑے نجات دہندہ کی صورت میں خروج کریں گے۔ جب اسمٰعیلی داعی شیعوں کی مجلس میں بیٹھتا تو اپنے آپ کو تمام شیعی عقائد کا پر جوش حامی ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ سنیوں نے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے ساتھ بے انصافی اور بے رحمی کا سلوک کیا ہے، اور سنی خلفاء کو خوب تبرے سناتا تھا۔ جب وہ اس طرح سے اپنا راستہ ہموار کر لیتا تھا تو اس کے بعد شیعی عقائد کی تکمیل کے طور پر اسمٰعیلی فرقے کے مخصوص باطنی عقائد کی تلقین کرتا تھا۔ اگر اسے کسی یہودی سے واسطہ پڑتا تو وہ عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں فرقوں کا حقارت سے ذکر کرتا تھا، اور اس سے اس بات میں اتفاق کرتا کہ مسیح موعود عنقریب آنے والا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بتدریج یہ یقین پیدا کرتا تھا کہ مسیح موعود سے سوائے حضرت علیؓ کے، جو اسمٰعیلیہ کے مسیح اعظم ہیں، اور کوئی شخص مراد نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی عیسائی کو اپنے مذہب پر لانا مقصود ہوتا تو یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کی جہالت کا ذکر کرتا تھا، اور عیسوی مذہب کے اصولوں کا احترام کرتا تھا، لیکن اخیر میں نرمی سے کہتا تھا کہ یہ سب تمثیلی علامات ہیں، اور ان کے وہ عمیق اور دقیق معنے بیان کرتا جو صرف اسمٰعیلی عقیدے میں مل سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت احتیاط کے ساتھ عیسائیوں سے یہ بھی کہتا تھا کہ تم نے فارقلیط کے مفہوم کو قدرے غلط سمجھا ہے، سچا فارقلیط تو صرف حضرت علیؓ کی ذات ہے۔ اسی طرح سے جو اسمٰعیلی داعی ہندوستان میں وارد ہوئے، انہوں نے اپنے عقائد کو ایسی صورت دی جو ہندوؤں کے لیے قابل قبول ہو، چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کو وشنو کا دسواں اوتار بتایا، جو مغرب یعنی الموت سے آنے والا تھا۔ اسکے علاوہ انہوں نے ایک مہدی پران لکھ ڈالا اور واما چاریوں کی طرز پر بھجن تالیف کیے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کے دل و دماغ اپنے متصوفانہ خیالات کی وجہ سے اسمٰعیلیہ کے باطنی عقائد کو قبول کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیار تھے۔

الغرض ان طریقوں سے اسمٰعیلی داعیوں نے مختلف مذاہب کے بہت سے لوگوں کو ایک ایسے فرقے میں جمع کر لیا جس کے حقیقی مقاصد صرف چند اشخاص کو معلوم تھے۔ عبداللہ بن میمون کے اغراض کلیتًا سیاسی معلوم ہوتے ہیں، لیکن چونکہ اس نے اپنے مقصد کے لیے مذہبی وسائل کو اختیار کیا تھا، اور امام مہدی کی متوقع آمد کے ذریعے اپنے پیروؤں کی شیرازہ بندی کی تھی، اس لیے اس فرقے کی تبلیغی کوششوں کا مختصر ذکر ان صفحات میں ضروری سمجھا گیا۔ (۱۸)

وسطی ایشیا میں اسلام کی اشاعت:

وسطی ایشیا کے ملکوں میں اسلام کی جو اشاعت ہوئی، اس کے ضمن میں تبلیغی کوششوں کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ جب قتیبہ بن مسلم سمرقند میں وارد ہوا تو اس نے وہاں بہت سے بت خانے دیکھے۔ ان کے پجاریوں کا خیال تھا کہ جو شخص ان کی بے ادبی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا لیکن مسلمان فاتح کے دل میں اس قسم کے توہمات کیا

Marfat.com

خوف پیدا کر سکتے تھے، اس نے ان بت خانوں کو آگ لگادی۔ یہ دیکھ کر بت پرست ششدر رہ گئے اور ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے (۱۹) لیکن وسطی ایشیا کی اسلامی فتوحات کے ابتدائی ایام میں قبول اسلام کے اس قسم کے واقعات کا بہت کم ذکر آیا ہے اس ملک کے لوگ کچھ عرصے کے لیئے بظاہر مسلمان ہو جاتے تھے، لیکن جوں ہی عساکر واپس جاتے تھے وہ اسلام کا لبادہ اتار پھینکتے تھے (۲۰) اور خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہو جاتے تھے۔ جب قتیبہ نے بخارا پر چوتھی مرتبہ بزور شمشیر قبضہ کیا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو فاتحین کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

بخارا اور سمرقند میں اسلام کی مخالفت اتنی شدید تھی کہ سوائے ان کے جو مسلمان ہو چکے تھے، کسی کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ تھی اور کئی برسوں تک مسلمان بغیر ہتھیار باندھے مسجدوں یا دیگر عام مقامات میں نہیں جا سکتے تھے۔ اور نو مسلموں کی نگرانی کے لیے مخبر اور جاسوس مقرر تھے۔ فاتحین نے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کیں، چنانچہ مساجد میں نماز جمعہ کی حاضری پر ان کو انعام و اکرام دیے جاتے تھے اور قرآن کو عربی زبان میں پڑھنے کی بجائے اس کا فارسی ترجمہ پڑھنے کی اجازت تھی تا کہ سب لوگ اس کے معنے سمجھ سکیں۔ (۲۱)

ماوراء النہر میں اسلام کی رفتار یقیناً بہت سست تھی۔ وہاں کے بعض باشندوں نے عمر بن عبد العزیز (۷۱۷ء تا ۷۲۰ء) کی دعوت پر اسلام اختیار کیا (۲۲) اور بہت سے لوگ ایک شخص ابوصیدا نامی کے وعظ و نصیحت سے مسلمان ہوئے جس نے اپنی تبلیغ سمرقند میں خلیفہ ہشام کے عہد میں (۷۲۴ء تا ۷۴۳ء) شروع کی تھی، (۲۳) لیکن خلیفہ معتصم (۸۳۳ء تا ۸۴۲ء) کے زمانے سے پہلے وہاں اسلام کی عام طور پر اشاعت نہ ہو سکی۔ اس کا ایک سبب غالباً یہ تھا (۲۴) کہ خلیفہ کی فوج میں ہزاروں ترک بھرتی ہو چکے تھے اور دار الخلافہ بغداد کے ساتھ ترکوں کے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ اگرچہ اسلام نے ترکی قبیلوں میں قدم جما لیے تھے لیکن دسویں صدی عیسوی تک اس کی ترقی کی رفتار سست رہی۔ جس طرح شمالی یورپ کے بادشاہ کلووس اور دیگر وحشی بادشاہوں نے عیسوی مذہب اختیار کر کے اپنی قوم کے لوگوں کو عیسائی کر لیا تھا، اسی طرح بعض ترکی سرداروں نے بھی دسویں صدی میں اسلام قبول کر لیا اور ان کی تقلید میں ان کے قبیلوں کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

خوارزم میں اسلام کی اشاعت:

قبول اسلام کے اس قسم کے بہت کم واقعات معرض تحریر میں آئے ہیں، لیکن ان کی کمی خوش اعتقاد لوگوں کی روایات نے پوری کر دی ہے۔ شہر خیوا کے لوگ ایک مسلمان پہلوان کا اپنی قوم کے ولی کی حیثیت سے بڑا احترام کرتے ہیں، جو خوارزم کے ایک بت پرست بادشاہ کی ملازمت میں تھا۔ ہندوستان کے بادشاہ نے جب اس پہلوان کی شہرت سنی تو اس نے اپنے دربار کے پہلوان کو دعوت مبارزت کے ساتھ شاہ خوارزم کے پاس

Marfat.com

بھیجا۔ دونوں پہلوانوں کی زور آزمائی کے لیے ایک دن مقرر ہوا اور خیوا کے امراء اور عوام کو تماشا دیکھنے کے لیے بلایا گیا۔ شرط یہ ٹھہری کو جو شخص مغلوب ہو جائے گا، اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ کشتی سے ایک دن پہلے مسلمان پہلوان نے، جب کہ وہ مسجد میں دعا مانگ رہا تھا، ایک بڑھیا کی فریاد سنی جو یہ کہہ رہی تھی کہ ''خدایا! میرے بیٹے کو اس زبردست پہلوان کے ہاتھوں شکست نہ دلوائیو، کیونکہ میرا اور کوئی بچہ نہیں ہے"۔ پہلوان کو اس عورت پر بہت رحم آیا۔ اس نے ہندی پہلوان کو جیتنے کا موقع دیدیا۔ اس پر خیوا کا بادشاہ بہت غضبناک ہوا اور اس نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا۔ عین اس وقت وہ گھوڑا جس پر بادشاہ سوار تھا، چراغ پا ہو گیا اور اپنے آقا سمیت ایک خطرناک ڈھلوان کی طرف بھاگ نکلا۔ پہلوان نے ایک جست لگائی اور گھوڑے کو پکڑ لیا اور اس طرح سے بادشاہ کو ہیبت ناک موت سے بچا لیا۔ چنانچہ اس کے شکریے میں بادشاہ نے دینِ حق کو قبول کر لیا۔ اس بات پر باخدا خیوا پہلوان بہت خوش ہوا اور صحرا کی طرف نکل گیا اور دنیا ترک کر کے گوشہ نشین ہو گیا (۲۵)۔

بُغرا خان کا قبول اسلام:

کاشغر (مشرقی ترکستان) کے ایلک خانی خاندان کے بانی ساتوق بغرا خان نے دسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلام اختیار کیا تھا۔ اس کے قبول اسلام کے بارے میں بھی ایک عجیب وغریب حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ سامانی خاندان کا ایک شاہزادہ خواجہ ابوالنصر سامانی بڑا پرہیزگار اور حلیم الطبع شخص تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اپنے وطن میں اپنی انتظامی قابلیت کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ہے تو اس نے تجارت اختیار کی، تاکہ کافروں کے ملکوں میں جا کر دینِ حق کو پھیلا سکے۔ چنانچہ وہ اپنے تجارتی کاروبار سے مال و زر جمع کرنے کی بجائے اپنی تمام آمدنی کو تبلیغی کاموں میں صرف کرتا تھا۔ ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خواب میں نظر آئے اور انہوں نے اس سے کہا کہ ''اٹھو اور ترکستان جاؤ، جہاں ساتوق بغرا خان قبول اسلام کے لیے محض تمہارا منتظر ہے۔'' اسی طرح نوجوان بغرا خان کو بھی خواب میں بشارت ملی کہ تمہارے پاس دینِ حق کا ایک معلم آنے والا ہے۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب اس کی ابوالنصر سامانی سے ملاقات ہوئی تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا، کیونکہ اس کا دل ودماغ اس کی تعلیم قبول کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا۔ یہ حکایت اس تاریخی واقعے پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام فی الواقع سامانی مملکت ہی کے راستے سے مشرقی ترکستان میں پہنچا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندوں نے بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کی اور اسلام قبول کر لیا، کیونکہ ۹۶۰ء میں ترکوں کے دو لاکھ خاندان جو بغرا خان کی مملکت کی ترکی آبادی کی اکثریت پر مشتمل تھے، اسلام کے حلقہ بگوش تھے (۲۶)۔ اس کے متعلق حکایت بیان کرتے ہیں کہ کفار کے ساتھ جہاد کرنے میں اسے معجزانہ قوتیں حاصل تھیں، مثلاً اس کے منہ سے ایک شعلہ نکلتا تھا جو دشمن کو بھسم کر دیتا تھا، اور اس کی تلوار چالیس فٹ لمبی ہو جاتی تھی۔ جب وہ ۹۶ سال کی عمر کو

Marfat.com

پہنچا تو دریائے جیحوں سے لے کر قراقرم تک وہ تمام کفار کو بزور شمشیر مسلمان کر چکا تھا۔ اپنی وفات سے ذرا پہلے اس نے چین پر چڑھائی کی اور فتح پائی اور اسلام کو تورفان تک پھیلا دیا (۲۷)۔

یہ خوش نما حکایت دراصل اس خاندانی جنگ و جدال کو بیان کرتی ہے جو ختن کی مملکت کے ساتھ جاری رہی تھی، جس کا مذہب بدھ مت تھا۔ اور اس میں جس کامیابی کا ذکر آیا ہے، وہ ایلک خانیوں کو درحقیقت چودھویں صدی میں حاصل ہوئی تھی۔ اسی طرح اشاعت اسلام کے سلسلے میں بغرا خان کی کامیابی فی الحقیقت بہت محدود ہے۔۔ یہ امر اس واقعے سے ظاہر ہے کہ اس کے جانشینوں نے ۱۰۲۶ء میں محمود غزنوی کے خاندان کی شاہزادیوں کے ساتھ شادی بیاہ کرنے کی درخواست کی تھی، لیکن سلطان محمود نے جواب دیا کہ '' وہ مسلمان ہے اور وہ کافر ہیں، اور اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو کافروں کے حبالۂ نکاح میں دینا اہل اسلام کے دستور کے خلاف ہے۔ ہاں، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کی درخواست پر غور ہو سکتا ہے۔ (۲۸) چند سال کے بعد ۱۰۴۱ء۔ ۱۰۴۲ء میں چند ترکوں نے، جو ابھی تک کافر تھے اور تبت کے علاقے میں رہتے تھے، ارسلان خان بن قدر خان سے اس کی مملکت میں آباد ہونے کی اجازت طلب کی، کیونکہ وہ اس کے عدل وانصاف اور اس کی نرم دلی کا شہرہ سن چکے تھے۔ جب وہ بالا ساغون (۲۹) کے قریب پہنچے تو اس نے ان کو قبول اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا۔ جب ارسلان خان نے دیکھا کہ وہ لوگ پر امن اور اطاعت گزار ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ان کے قبول اسلام کا کتابوں میں کہیں ذکر نہیں آیا، لیکن گمان غالب ہے کہ وہ مرورِ ایام سے مسلمان ہو گئے تھے۔ آئندہ سال ترکوں کے دس ہزار خاندانوں نے اسلام اختیار کیا، ان کے متعلق بالصراحت کہا گیا ہے کہ اس سے پہلے وہ مسلمانوں کو لوٹتے رہے تھے اور ان پر حملے کرتے رہے تھے (۳۰)۔ ترکستان میں قراخطائی (۳۱) کی فوج کشی سے اسلام کو سخت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ مغربی سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ملکوں میں تیرھویں صدی تک بدھ مت اور مانوی اور عیسوی مذاہب کے لوگوں کی کثیر جماعتیں موجود تھیں (۳۲)۔

سلاجقہ کا قبول اسلام:

سلجوقی ترکوں کا اسلام قبول کرنا تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے، لیکن ان کے قبول اسلام کی کوئی تحریر ہم تک نہیں پہنچی، سوائے اس مختصر بیان کے کہ ۹۵۶ء میں سلجوق اپنی قوم کے ساتھ ترکستان سے ہجرت کر کے بخارا کے علاقے میں وارد ہوا اور وہاں اس نے اور اس کی قوم نے بڑی گرم جوشی سے اسلام اختیار کیا (۳۳)۔ یہیں سے ان شہرۂ آفاق ترکوں کی ابتدا ہوتی ہے جن کی فتوحات نے اہل اسلام کی زوال پزیر عسکری قوت کو دوبارہ زندہ کیا اور مغربی ایشیا کی متفرق اسلامی حکومتوں اور ریاستوں کو ایک سلطنت میں دوبارہ جمع کر دیا۔

Marfat.com

افغانستان میں اسلام کی اشاعت:

بارہویں صدی کے خاتمے پر جب سلجوقی سلاطین کے ہاتھ سے ان کے تمام مقبوضات سوائے ایشیائے کوچک کے نکل گئے، اور محمد غوری نے اپنی مملکت کو افغانستان سے مشرق کی طرف شمالی ہندوستان میں وسعت دی تو اسلام نے افغانوں کے درمیان بڑا فروغ پایا، اور ان کے ملک میں بہت سے عرب مبلغ اور ہندوستان کے نومسلم وارد ہوئے، جنہوں نے بڑی ہمت اور جرأت کے (۳۴) ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ افغانوں میں جو روایات مشہور ہیں، انکی رو سے ان کے ہاں اسلام کی ترویج پُر امن طریق سے ہوئی تھی۔ ان کی روایت ہے کہ پہلی صدی ہجری میں جب یہ لوگ غور کے ملک میں، جو ہرات سے جنوب مشرق میں واقع ہے، آباد تھے تو خالد بن ولید ان کے پاس اسلام کی بشارت لے کر آئے اور ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ اس کے بعد خالد بن ولید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس گئے اور چھ یا سات افغانی سردار جو اپنی قوم کے نمائندے تھے، ان کے ہمراہ ہو گئے۔ جب یہ سردار اپنے وطن کو واپس آئے تو انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں میں اسلام کی تلقین شروع کی۔ (۳۵) لیکن یہ روایت تاریخ سے ثابت نہیں ہوئی۔

افغانوں میں قبول اسلام کا اولین ذکر مستند تاریخوں میں یوں آیا ہے کہ المامون کے عہد خلافت میں کابل کے ایک بادشاہ نے اسلام اختیار کیا تھا (۳۶) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جانشینوں نے بدھ مت کی طرف دوبارہ رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ جب صفاری خاندان کے بانی یعقوب بن لیث (۳۷) نے ۸۷۱ء میں اپنی فتوحات کا قدم کابل تک بڑھایا، تو اس نے دیکھا کہ ملک کا بادشاہ بت پرست ہے۔ اس کے عہد میں کابل کا علاقہ پہلی مرتبہ حقیقی معنی میں، مسلمان ہوا اور گمان غالب ہے کہ افغان یعقوب بن لیث جیسے بہادر فاتح کی فوجی ملازمت میں بڑی خوشی سے داخل ہوئے ہوں گے۔ لیکن پورے افغانستان میں اسلام صرف سبکتگین اور محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد ہی مضبوطی سے قائم ہو سکا۔

ایران اور وسطی ایشیا میں اشاعتِ اسلام کی مزید تاریخ کے متعلق بعض تفصیلات آپ کو آئندہ باب میں ملیں گی۔

Marfat.com

حواشی

1۔ کیتانی: جلد۲،ص۹۱۰۔۹۱۱۔

۲۔ کتاب الخراج، از قاضی ابو یوسف، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۲ھ،ص۳۷۔

۳۔ ایضاً: ص۴۷۔ بلاذری: ص۷۰۔۷۱، ۸۰۔

۴۔ کیتانی، جلد۵،ص۳۶۱، ۳۹۴، ۴۵۷۔

۵۔ ایضاً: جلد۲،ص۹۶۰۔

۶۔ اے۔ ڈی گوبینو (A-de Gobineau)،ص۳۰۶۔۳۱۰۔

۷۔ ڈوزی (۱)،ص۱۵۷۔

۸۔ ہنبرگ (Heneberg):ص۵۔

۹۔ ڈوزی: (۱)۱۹۱۔

۱۰۔ ماہرین شرقیات کی نویں بین الاقوامی کانگریس کی روداد، جلد۲،ص۵۰۹۔۵۱۱، مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء۔

۱۱۔ نکولس دی خانیکوف کا بیان ہے کہ اٹھارویں صدی کے اختتام پر کرمان میں آتش پرستوں کے بارہ ہزار خاندان آباد تھے۔

۱۲۔ چالسن (Chwolsohn): جلد۱،ص۲۸۷۔

۱۳۔ مسعودی: جلد۴،ص۸۶۔

۱۴۔ کتاب الملل والنحل، مرتبہ کیورٹن، حصہ اول،ص۱۹۸۔

۱۵۔ مروج الذہب، از مسعودی، جلد ہشتم،ص۲۷۹، مطبوعہ پیرس۔

۱۶۔ وفیات الاعیان، از ابن خلکان، جلد۳،ص۵۱۷۔

۱۷۔ کتاب الفہرست،ص۱۴۹۔

۱۸۔ آجکل ایران ایک آزاد اور خودمختار مملکت ہے، جس کا دستور جمہوری طرز کا ہے۔ ایران کی آبادی دو کروڑ کے قریب ہے اور اکثر باشندے شیعہ امامیہ اثناعشری مذہب پر ہیں۔ ۱۳۸۹ء (۱۹۷۰ء) میں ایران کے ۱۵۱۳۲ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے (مترجم)۔

۱۹۔ فتوح البلدان، از بلاذری، مطبوعہ یورپ،ص۴۲۱۔

۲۰۔ نارشخی (Narshakhi):ص۴۶۔

۲۱۔ ایضاً: ص۴۷۔

۲۲۔ بلاذری: ص۴۲۶۔

۲۳۔ تاریخ طبری، جلد۲،ص۱۵۰۷ (طبع یورپ)

۲۴۔ بلاذری: ص۴۳۱۔

۲۵۔ کاہن (Cahun) ص۱۵۰۔

۲۶۔ ابن الاثیر: جلد۸،ص۳۹۶

Marfat.com

۲۷۔ "یہ جنگ دراصل ملک گیری کے لئے تھی، لیکن اسے جہاد کا رنگ دے دیا گیا ہے۔ اس طرح ساتوق بغرا خان کی طرف اس فتح یابی کو منسوب کیا گیا ہے جو درحقیقت اس کے دوسرے جانشین کو حاصل ہوئی تھی، اور اس کے نام کو ساتوق کے کافر چچا کے نام کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے دو مختلف شخصوں کو ایک ہی نام دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اسی فرماں روا کی طرف تورفان کی فوج کشی یعنی اویغور کی مہم بھی منسوب کر دی ہے، حالانکہ یہ چڑھائی اس خاندان کے تیسرے حکمران نے کی تھی۔" (منقول از "ایشیائے بالا کی سائنٹفک مشن" مؤلفہ گرینار)

۲۸۔ راورتی (Raverty): ص۲۲۵۔۲۲۶۔

۲۹۔ یہ شہر دسویں اور گیارہویں صدی میں ترکستان کے خوانین کا دارالحکومت تھا، لیکن اس کا محل وقوع یقینی طور پر معلوم نہیں۔

۳۰۔ راورتی: ص۲۲۵، ۲۲۷۔

۳۱۔ نارشخی (Narshakhi): ص۲۳۴۔۲۳۵۔

۳۲۔ گرینار: ص۶۷۔

۳۳۔ راورتی: ص۱۱۷۔

۳۴۔ بیلو (Bellow): ص۹۶۔

۳۵۔ اقوام افغانستان (انگریزی) مؤلفہ بیلو، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۰ء۔

۳۶۔ فتوح البلدان، از بلاذری، مطبوعہ یورپ، ص۴۰۲۔

۳۷۔ اگست ملر (August Muller): جلد۲، ص۲۹۔

Marfat.com

باب ہشتم

مغلوں اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت

اسلام کی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے جس کا مقابلہ دہشت انگیزی اور غارت گری میں حملہ تاتار کے ساتھ کیا جا سکے۔ جس طرح کسی پہاڑ سے برف کا ایک بھاری تودہ اچانک آ گرتا ہے، اسی طرح چنگیز خان کے وحشی لشکر اسلامی تہذیب وتمدن کے مرکزوں پر آن ٹوٹے اور اپنے پیچھے ویران صحرا اور بھیانک کھنڈر چھوڑ گئے۔ حالانکہ ان کی آمد سے پہلے یہاں کبھی شان دار شہروں کے محلات کھڑے تھے اور ان کے گرد و نواح میں خوش نما باغات اور سرسبز کھیت لہلہاتے تھے۔ جب ہرات کے شہر سے مغلوں کے لشکر نے کوچ کیا تو چالیس تباہ حال آدمی اپنی پناہ گاہوں سے نکلے اور دہشت زدہ نظروں سے اس برباد ویرانے کو دیکھنے لگے جو چند دن پہلے ان کا خوب صورت شہر تھا صرف یہی چالیس آدمی تھے جو ایک لاکھ کی آبادی میں سے بچے تھے۔ بخارا جو علمائے اسلام کی بدولت دنیا بھر میں مشہور تھا، ان مغلوں نے اس کی مسجدوں کے صحنوں میں اپنے گھوڑے باندھے اور قرآن کے نسخوں کو پھاڑ پھاڑ کر ان کی بے حرمتی کی۔ جو باشندے ان قصابوں کے ہاتھ سے بچ گئے، ان کو غلام بنا کر لے گئے اور ان کے شہروں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ یہی حال سمرقند، بلخ اور وسطی ایشیا کے دوسرے شہروں کا ہوا جن سے اسلامی تہذیب وتمدن کی شان وشوکت وابستہ تھی اور جو اولیاء کا مسکن اور علم وفضل کا مخزن تھے۔ یہی مصیبت بغداد پر نازل ہوئی جو صدیوں تک دولتِ عباسیہ کا پایۂ تخت رہ چکا تھا۔

ابن اثیر حملہ تاتار کے تصور ہی سے کانپ اٹھا:

سفاکی اور غارت گری کے ان واقعات کے تصور ہی سے اگر کوئی مسلمان مؤرخ کانپ اٹھا ہو تو یہ بات کچھ بے جا نہیں ہے۔ ابن الاثیر نے جہاں اسلامی ملکوں پر مغلوں کے حملوں کا حال لکھا ہے، وہاں وہ بیان کرتا ہے کہ ''میں کئی برس تک اس حادثے کے ذکر سے پہلو تہی کرتا رہا، کیونکہ میں اسے ایک حادثہ عظیم سمجھتا تھا اور اس کے ذکر سے کراہت محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اسی تردد کی حالت میں کبھی ایک قدم آگے بڑھتا تا تھا اور کبھی ایک قدم پیچھے ہٹاتا تھا۔ کیونکہ ایسا کون شخص ہوگا جس کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی خبرِ مرگ کا لکھنا اور اس کا بیان کرنا آسان ہو۔ کاش کہ میری ماں مجھ کو نہ جنتی' اور میں اس سے پہلے ہی مرجاتا اور دنیا مجھ کو بالکل بھول جاتی جب کہ میں اس بارے میں پس وپیش کر رہا تھا' میرے چند دوستوں نے مجھے اس سانحے کے قلم بند کرنے پر مجبور کیا۔ پھر میں نے بھی خیال کیا کہ اس حادثے کا ذکر چھوڑ دینے میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اس کے ضمن میں مجھے ایک بڑے

Marfat.com

حادثے اور ایک سخت مصیبت کا حال لکھنا ہے جس کی نظیر لانے سے لیل ونہار قاصر ہیں۔ یہ مصیبت تمام لوگوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً نازل ہوئی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب سے خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا ہے، اس وقت سے آج تک اہل دنیا ایسی سخت مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے، تو وہ بالکل حق بجانب ہوگا، کیونکہ کتب تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ مذکور نہیں جو (دہشت انگیزی اور سفاکی میں) اس کے لگ بھگ ہو۔ اس قسم کا سب سے بڑا حادثہ جو تاریخ میں مذکور ہے یہ ہے کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کا قتلِ عام کیا تھا اور بیت المقدس کو برباد کیا تھا۔ مگر بیت المقدس کو ان شہروں سے کیا نسبت ہے جن کو ان ملعونوں نے تباہ کیا اور جن میں سے ہر شہر بیت المقدس سے کئی گنا بڑا تھا۔ اسی طرح بنو اسرائیل کا ان لوگوں کے مقابلے میں کیا شمار ہے، جن کو تاتاریوں نے قتل کیا ہے۔ کیونکہ عالم اسلام کے تنہا ایک شہر کے باشندے جن کو انہوں نے قتل کیا، تعداد میں بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ تھے۔ شائد اہل عالم، دنیا کے خاتمے تک ایسا عظیم حادثہ نہیں دیکھیں گے۔ (۱)

لیکن اسلام کے لیے اپنی گزشتہ شان وشوکت کی خاکستر سے دوبارہ جی اٹھنا اور اپنے مبلّغوں کی کوشش سے ان وحشی تاتاریوں کو اپنا حلقہ بگوش بنانا مقدور ہو چکا تھا۔ مسلمان مبلّغوں کا یہ کام اس وجہ سے اور بھی دشوار تھا کہ اس وقت اسلام کو دو زبردست حریفوں سے مقابلہ درپیش تھا یعنی، بدھ مت اور عیسوی دین۔ اسلام اور یہ دونوں مذاہب ان وحشی فاتحین کو اپنا معتقد بنانے کی کوشش میں مصروف تھے جنھوں نے ان مذاہب کے پیروؤں کو پامال کر رکھا تھا۔ ان مذاہب کا باہمی مقابلہ ایک ایسا منظر پیش کرتا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

چنگیز خاں کے جانشین:

ان مذاہب ثلاثہ کے باہمی مقابلے کی کیفیت قلم بند کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعات آئندہ کو بخوبی سمجھنے کے لیے اس بات پر سرسری نگاہ ڈالیں کہ چنگیز خاں کی موت کے بعد تاتاریوں کی سلطنت کیسے تقسیم ہو کر اس کے چار بیٹوں کے حصے میں آئی۔ چنگیز خان کا تیسرا بیٹا اوکتائی بطور خاقان (یعنی خان اعظم) اس کا جانشین ہوا، اور اس کے حصے میں سلطنت کا مشرقی حصہ آیا جس میں بعد ازاں قوبلائی خان نے چین بھی شامل کر لیا تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا چغتائی سلطنت کے وسطی حصے (یعنی ترکستان) کا مالک بنا۔ چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوچی کا فرزند باتو خاں سلطنت کے مغربی حصے (یعنی دشت قبچاق) کا حکمران مقرر ہوا، اور آلتون اردو کا خان کہلایا۔ چنگیز خاں کے چوتھے بیٹے تولوی نے ایران میں اپنی بساط حکومت بچھائی اور اس کے بعد اس کے بیٹے ہلاکو خاں نے ایشیائے کوچک کے ایک بڑے حصے کو بھی ایران کی مملکت میں شامل کر لیا، اور ایران میں ایلخانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

Marfat.com

مغلوں کا قدیم مذہب:

مغلوں کا قدیم مذہب شامانی تھا۔ وہ ایک خدائے بزرگ و برتر کی ہستی پر اعتقاد رکھتے تھے لیکن اس کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کی بجائے چند کم تر درجے کے خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ارواح خبیثہ کی ضرر رسانی سے بچنے کے لیے قربانیاں دیتے تھے۔ وہ اپنے بزرگوں کی روحوں کو بھی پوجتے تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی اولاد کی زندگیوں پر برا یا بھلا اثر ڈال سکتی ہیں۔ الغرض ان مختلف سماوی اور ارضی طاقتوں کو راضی رکھنے کے لیے مغل لوگ شامان کی طرف رجوع کرتے تھے (جو ان کے مذہبی پیشوا تھے)۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ ساحر لوگ عناصر اور مردوں کی ارواح کو متاثر کرنے کی پراسرار طاقت رکھتے ہیں۔ بہر حال ان کا دین ایسا مضبوط نہ تھا کہ وہ ایک ایسے تبلیغی مذہب کا دیر تک مقابلہ کر سکتا جس کے پاس الٰہیات کا ایک مرتب اور باقاعدہ نظام تھا اور جو انسانی عقل کو مطمئن کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اسلام کے پاس مذہبی معلّموں کی ایک منظّم جماعت تھی، لہٰذا جب مغلوں کو مہذب اور شائستہ قوموں سے واسطہ پڑا تو انہوں نے ان کے ثقافتی اثرات کو قبول کیا اور اپنی خانہ بدوشی کی وحشیانہ زندگی کو چھوڑنا شروع کیا۔

مذاہب ثلاثہ کی مسابقت:

مغلوں کو اپنی فتوحات کے بعد جن مہذب قوموں سے واسطہ پڑا، ان میں بدھ، عیسائی اور مسلمان بکثرت موجود تھے۔ چنانچہ ان تینوں تبلیغی مذاہب کے پیروؤں نے مغلوں کو اپنے مذہب میں لانے کے لیے مسابقت شروع کر دی۔ جس وقت مغلوں کے سر پر غارت گری اور بے حرمتی کا جنون سوار نہ ہوتا تھا، جو ان کی جنگوں کے لوازمات میں سے تھا، تو اس وقت یہ شامانی المذہب تاتاری غیر مذاہب والوں کے ساتھ رواداری برتتے تھے، ان کے دینی پیشواؤں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کرتے تھے اور مذہب کے معاملے میں پوری آزادی دیتے تھے۔ خود چنگیز خاں کے حضور میں بدھ مت کے عالم شامانیوں سے مذہبی مسائل پر مناظرہ کرتے تھے، اور منگو خاں اور قوبلائی خاں کے درباروں میں بھی بدھ، عیسائی اور مسلمان عالموں پر ان خاقانوں (۲) کا لطف و کرم یکساں تھا۔ قوبلائی خاں کے عہد میں چین کے مغلوں پر بدھ مت کے قوی اثرات شروع ہوئے، کیونکہ وہ ہر طرف سے بدھ مت کے پیروؤں سے گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ چودھویں صدی کی ابتدا میں بدھ مت نے ان لوگوں پر پورا اقتدار حاصل کر لیا تھا (۳)۔ ان میں بدھ مت کی اشاعت کے لیے تبت کے لاما گروؤں نے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ چنانچہ مغولستان (منگولیا) کے لوگ اب تک یہی مذہب رکھتے ہیں۔ اور قلموق قوم کے لوگ بھی، جو سترھویں صدی میں روس میں جا کر آباد ہو گئے تھے، اسی مذہب کے پابند ہیں۔

Marfat.com

مغلوں میں عیسائیت کی اشاعت:

اگرچہ مغلوں کی سلطنت کے مشرقی حصے میں بدھ مت نے غلبہ حاصل کرلیا تھا لیکن ابتدا میں مسیحی کلیسا کا اثر بھی کچھ کم نہ تھا، اور عیسائیوں کو بڑی امید تھی کہ مغل ہمارا مذہب اختیار کرلیں گے۔ چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں نسطوری فرقے کے مبلّغوں نے ایشیا بھر میں مغرب سے لے کر مشرق کی سمت میں شمالی چین تک مسیحی دین کا پرچار کیا تھا۔ تیرھویں صدی تک مختلف مقامات میں ان کی متفرق جماعتیں پائی جاتی تھیں۔ پرسٹر جان کو، جس کے متعلق قرونِ وسطیٰ میں بہت سے قصے مشہور تھے، ایک مسیحی تاتاری قبیلہ کرایت کا سردار سمجھا جاتا تھا جو بحیرۂ بیکال کے جنوب میں آباد تھا۔ جب چنگیز خاں نے اس قوم پر فتح پائی تو اس نے ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کی، اور اس کے بیٹے اوکتای نے بھی اسی خاندان کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کیا۔ اوکتای کا بیٹا گیوک خاقان اگرچہ خود عیسائی نہ تھا، لیکن عیسائیوں پر بہت مہربان تھا اور اس کا وزیرِاعظم اور ایک معتمد کاتب بھی عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ اور اس کے دربار میں نسطوری پادریوں کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور اس نے پوپ اینوسنٹ چہارم (۴) کے سفیروں کو شرفِ باریابی بخشا تھا۔ مشرق اور مغرب کے عیسائی ممالک مغلوں سے یہ اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کریں گے۔ یہ آرمینیہ کا عیسائی بادشاہ ھتیون ہی تھا جس نے منگو خاقان کو اس بات کی ترغیب دی تھی کہ وہ ہلاکو خاں کی سرکردگی میں (۵) ایک لشکر روانہ کرے، جس نے بالآخر بغداد کو تباہ و برباد کیا۔ ہلاکو خاں کی بیوی عیسائی تھی اس لیے وہ عیسائیوں پر بالعموم اور نسطوریوں پر بالخصوص بہت مہربان تھا۔ جو مغل آرمینیہ اور گرجستان میں آباد ہوئے ان میں سے اکثر لوگوں کو ان ملکوں کے عیسائی اپنے مذہب پر لے آئے اور ان کو اصطباغ (۶) دیا۔ پرسٹر جان کی عظمت اور شان و شوکت کے جو حیرت انگیز قصے یورپ میں مشہور تھے، ان کی وجہ سے یورپ کے عیسائی سبز باغ دیکھ رہے تھے، اور ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مغل بھی عیسائی ہیں۔ یہ خیال ان کے دلوں میں ان غلط خبروں کی وجہ سے اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ متعدد مغل شہزادے عیسائی ہو گئے ہیں اور وہ عیسوی مذہب کے بڑے سرگرم حامی ہیں۔ اس قسم کے مغالطے کی بناء پر سینٹ لُوئی شاہ فرانس نے ولیم سا کن ردبروک کو خاقان کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا، تاکہ وہ خاقان کو تاکید کرے کہ وہ عیسوی دین کی ترویج میں جو کوشش صرف کر رہا ہے، اسے مستعدی سے بدستور جاری رکھے، لیکن اس بات کا جلد ہی انکشاف ہو گیا یہ خبریں درحقیقت بالکل بے بنیاد تھیں۔ البتہ ولیم نے دیکھا کہ منگو خان کے دربار میں عیسوی مذہب کو کامل آزادی حاصل تھی اور چند مغل بھی عیسائی ہو چکے تھے، جس کی وجہ سے عیسائی پادری یہ اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ دوسرے مغل بھی ان کا مذہب قبول کرلیں گے۔ لیکن چونکہ لاطینی، یونانی، نسطوری اور ارمنی فرقوں نے اپنے مذہبی اختلافات مغلوں کے دربار میں بھی جاری رکھے تھے، اس لیے مغلوں کے درمیان عیسوی مذہب کی ترقی کی بہت کم امید ہو سکتی

Marfat.com

تھی۔ اور غالباً عیسائی مبلّغوں کی یہی نااتفاقی تھی جس کی وجہ سے مغلوں کے درمیان ان کی تبلیغی کوششیں زیادہ بارآور نہ ہوسکیں۔ جس وقت عیسائی پادری ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریباں تھے، بدھ مت اور اسلام مغلوں کے ہاں اپنے قدم مضبوط کررہے تھے۔ روما کے پوپ نے جب بڑھ چڑھ کر دعوے کیے تو مغرور و متکبر مغلوں نے، جو اس وقت تک آدھی دنیا فتح کیے بیٹھے تھے، اس کے سفیروں کو اس تھوڑی سی مروت اور مہربانی سے بھی محروم کردیا جس کا وہ ابتدا میں شاید قصد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آئے جن سے پوپ کی سفارت ناکام رہی۔ (۷)

سطوری مبلغ:

نسطوری فرقے کے مبلغ سب سے پہلے تبلیغ کے میدان میں اترے تھے، لیکن وہ بظاہر ایسے بے پروا اور پست ہمت تھے کہ اس موقع سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ چین کے نسطوریوں کے بارے میں ولیم لکھتا ہے (۸) کہ وہ بہت جاہل تھے اور اپنی نماز کی کتاب کو بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، جو کہ سریانی زبان میں تھی۔ وہ ان پر شراب نوشی، کثرت ازواج اور حرص و آز کا بھی الزام لگاتا ہے، اور کہتا ہے کہ بدھ مت کے پروہتوں کے مقابلے میں ان کے اخلاق گرے ہوئے تھے۔ ان کے اسقف ان کے ہاں دورہ نہیں کرتے تھے، اور بعض اوقات پچاس برس میں صرف ایک مرتبہ ان کے پاس پہنچتے تھے۔ ایسے موقع پر عیسائیوں کے تمام لڑکوں کو حتیٰ کہ گود کے بچوں کو بھی قسیس کی سند دے دیتے تھے۔ کلیسا کے عہدوں کی خرید وفروخت عام تھی، اور ارباب کلیسا نے مذہبی رسومات کو تجارت بنا رکھا تھا۔ دین کی اشاعت کی بجائے ان کو روپیہ پیدا کرنے کا زیادہ خیال رہتا تھا (۹)۔

سلطنت مغلیہ کے مغربی حصوں میں عیسائیوں نے مغلوں سے یہ امید لگا رکھی تھی کہ وہ جنگ کے وقت مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی مدد کریں گے اور ان کو ارض مقدس کا قبضہ دلائیں گے۔ لیکن ایران کے ایلخانیوں کے ساتھ ان کا اتحاد دیرپا ثابت نہ ہوسکا، کیونکہ مصر کے مملوک سلطان بیبرس (۱۲۶۰ء تا ۱۲۷۷ء) کی فتوحات اور برکہ خاں (حاکم دشتِ قپچاق) کے ساتھ اس کے اتحاد نے ایلخانیوں کو اپنے مفاد کی حفاظت کی طرف متوجہ کردیا۔ دمشق اور دوسرے شہروں کے عیسائیوں نے اس قلیل عرصے میں، جب کہ ایران کے مغل حکمران ان پر مہربان تھے، لوگوں پر جو زیادتیاں کیں ان کی وجہ سے مغربی ایشیا میں عیسائی بہت بدنام ہوگئے تھے۔ (۱۰)

سمرقند کا ایک واقعہ:

عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی مقابلے میں بعض اوقات جانبین کی طرف سے وحشیانہ بے رحمی کا ارتکاب ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال ہمیں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ملتی ہے جس کو 'طبقاتِ ناصری' کے

Marfat.com

مصنف منہاج سراج جوز جانی نے بیان کیا ہے۔ اس نے یہ قصہ دہلی میں سید اشرف الدین کی زبان سے سنا تھا جو وہاں سمرقند سے آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ سید موصوف نے مجھ سے بیان کیا کہ سمرقند کے ایک عیسائی کو قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی، اور سمرقند کے مسلمانوں نے، جو اپنے دین میں بڑے راسخ ہیں، اس کی بڑی تعظیم اور تکریم کی اور اس کو انعام واکرام سے نوازا۔ اچانک چین کے مغرور مغلوں میں سے ایک شخص سمرقند میں وارد ہوا جو بڑا صاحب اقتدار تھا اور عیسوی مذہب کی طرف مائل تھا۔ شہر کے عیسائی اس مغل کے پاس گئے اور اس سے اس بات کی شکایت کی کہ ''مسلمان ہمارے بچوں کو مسیحی دین سے انحراف کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں اور ان کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی پیروی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو ہمارے تمام اہل وعیال عیسائیت سے منحرف ہو جائیں گے، اپنی قوت اور اپنے اختیار سے ہمارے قضیے کا فیصلہ کیجیے۔'' اس مغل نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو، جو مسلمان ہو گیا تھا، حاضر کیا جائے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں اور مہر ومحبت سے کام لے کر اس بات کی بہت کوشش کی کہ وہ نومسلم اپنے عقیدے سے تائب ہو جائے، بلکہ اس کو مال ودولت کا لالچ بھی دیا گیا، لیکن اس نے تائب ہونے سے بالکل انکار کر دیا۔ وہ اپنے دل ودماغ سے اسلام کا خیال نکالنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوا۔ اس پر مغل حاکم نے اپنے تیور بدلے اور سخت سزا کا ذکر اپنی زبان پر لایا۔ چنانچہ اس نے اس نوجوان کو ہر وہ سزا دی جو دے سکتا تھا، اور اس پر ہر سختی کی جس کو اس کا دماغ سوچ سکتا تھا، لیکن چونکہ اس نوجوان کو اسلام کے ساتھ شغف تھا اس لیے اس نے اپنے عقیدے کو ترک نہ کیا۔ کفار کی کج روی کے باوجود اس نے دین اسلام کے شیریں جام کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جب وہ نوجوان دین حق پر قائم رہا اور اس نے اس رذیل جماعت کے وعدہ ووعید کی مطلق پروانہ کی تو اس ملعون مغل نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو برسرعام سزا دی جائے۔ چنانچہ وہ نوجوان اس دنیا سے دین کی دولت کے ساتھ رخصت ہو گیا، جزاہُ اللہ خیراً۔ اس حادثے کے سبب سے سمرقند کے مسلمان بہت شکستہ خاطر اور خوف زدہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک عرض داشت تیار کی اور سمرقند میں جو مسلمان لوگ رہتے تھے ان کے سرکردہ اور معتبر آدمیوں نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی، اور وہ عرض داشت لے کر برکہ خاں کی لشکرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سے سمرقند کے عیسائیوں کے طرز عمل اور ان کی خصلت کا حال بیان کیا۔ اس دیانت دار بادشاہ کے دل میں اسلامی حمیّت نے جوش مارا اور صداقت کی حفاظت وحمایت کا خیال اس کے مزاج پر غالب آیا۔ چنانچہ چند روز کے بعد اس نے اس سید کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور ترکوں کی ایک جماعت کے علاوہ مسلمان اکابر میں سے چند معتبر اشخاص کو مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اُن عیسائیوں کو قتل کر ڈالیں اور جہنم رسید کر دیں جنھوں نے ظلم وستم کا ارتکاب کیا تھا۔ جب یہ فرمان حاصل ہو گیا تو انہوں نے اسے محفوظ رکھا اور جب اس ملعون فرقے کے لوگ اپنے گرجا میں جمع ہوئے ''تو

Marfat.com

انہوں نے ان سب کو پکڑ لیا اور ان تمام لوگوں کو واصل جہنم کیا، اور ان کے گرجا کو گرا کر اینٹوں کا ڈھیر بنا دیا۔" (۱۱)

مغل حکمرانوں کے مظالم:

مغلوں کے عہدِ حکومت کے ابتدائی دور میں بدھ مت اور عیسوی مذہب اسلام کے ایسے زبردست حریف تھے جن کے مقابلے میں اس کا کامیاب ہونا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا، کیونکہ حملہ تاتار کے طوفان میں مسلمانوں نے دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ نقصان اٹھایا تھا۔ مغربی ایشیا کے وہ آباد شہر جو کسی زمانے میں اسلامی مذہبی نظام اور علوم وفنون کے مرکز تھے، جلا کر خاکستر کر دیے گئے تھے، اور مسلمانوں کے علماء وفضلاء یا تو قتل کر دیے گئے تھے یا غلام بنا لیے گئے تھے (۱۲)۔ اگرچہ مغل حکمران بالعموم تمام مذاہب کے ساتھ رواداری کا سلوک رکھتے تھے، لیکن اُن میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اسلام سے کم وبیش نفرت اور عداوت رکھتے تھے۔ چنانچہ چنگیز خاں نے حکم دیا کہ جو لوگ جانوروں کو اسلامی شریعت کے مطابق ذبح کریں ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کو اس کے پوتے قوبلائی خاں نے دوبارہ جاری کیا اور مخبروں کے لیے انعام مقرر کیے۔ اس سے ظلم وستم کا ایک ایسا دور شروع ہوا جو سات سال تک جاری رہا۔ چنانچہ بہت سے مفلسوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس حکم کو دولت کمانے کا ایک آسان طریقہ سمجھا، اور غلاموں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے آقاؤں پر غلط الزام لگائے (۱۳)۔ گیوک خاقان (۱۲۴۶ء تا ۱۲۴۸ء) نے اپنی مملکت کا تمام انتظام اپنے دو عیسائی وزیروں کے سپرد کر رکھا تھا اور اس کا دربار بھی عیسائی راہبوں سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں بھی مسلمانوں پر بہت سختیاں ہوئیں۔

ایک مناظرے کی کیفیت:

مغلوں کے ایک ہم عصر مؤرخ منہاج سراج جوز جانی کے مندرجہ ذیل بیان سے صاف ظاہر ہے کہ گیوک خان کے دربار میں مسلمان علماء کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "مجھے چند معتبر آدمیوں نے بتایا ہے کہ بدھ مت کے پروہت گیوک کو مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے کے لیے ہمیشہ اُکساتے رہتے تھے۔ اُن کے ملک میں ایک امام تھا جو مسلمانوں کا ایک بڑا عالم تھا اور جس کا نام نورالدین خوارزمی تھا۔ بعض عیسائی عوام اور ان کے پیشواؤں نے اور چند بدھ مت کے پروہتوں نے بھی گیوک سے درخواست کی کہ مسلمانوں کے اس امام کو دربار میں طلب کیا جائے، تاکہ ہم اس سے مناظرہ کریں اور اس سے کہیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی برتری اور ان کی رسالت کی صداقت کو ثابت کرے ورنہ اسے ہلاک کر دیا جائے۔ غازی نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور امام کو طلب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر بحث شروع ہوئی اور ان کی سیرت کا دوسرے انبیاء کی زندگیوں سے مقابلہ کیا گیا۔ چونکہ ان ملعونوں کے دلائل کمزور تھے اور زور

Marfat.com

صداقت سے عاری تھے، انہوں نے آخرکار اعتراضات سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس معاملے میں جور وتعدی سے کام لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ انہوں نے گیوک سے کہا کہ آپ اس امام سے کہیں کہ وہ اپنی شریعت کے احکام اور رسوم کے مطابق دو رکعت نماز ادا کرے، تاکہ عبادت کے دوران میں اس کی تمام حرکات وسکنات یعنی رکوع وسجود کی کیفیت ان پر اور خان پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ گیوک نے امام کو حکم دیا اور امام نے اور ایک دوسرے مسلمان نے، جو اس کے ساتھ تھا، اسلامی طریقے کے مطابق نماز شروع کی۔ جب اس باخدا امام نے اور اس کے مسلمان ہمراہی نے سجدے کے وقت اپنی پیشانیاں زمین پر رکھیں تو چند کافروں نے، جن کو گیوک نے بلا رکھا تھا، ان کو تنگ کرنا شروع کیا اور ان کے سروں کو زور زور سے زمین پر پٹک دیا اور ان کے ساتھ اسی طرح کی اور ناشائستہ حرکتیں کیں۔ لیکن اس خدا پرست امام نے اس تمام تعدّی اور بدسلوکی کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور نماز کے تمام ارکان کو باقاعدگی سے ادا کیا اور ان میں کسی قسم کا اختصار نہ کیا۔ جب اس نے سلام پھیرا تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور آیہ کریمہ "ادعوا ربكم تضرعاً وخفيةً" کے حکم پر عمل کیا اور خان سے رخصت کی اجازت لی اور اپنے گھر واپس چلا آیا۔ (۱۴)

ارغون خان (۱۲۸۴ء تا ۱۲۹۱ء) نے بھی، جو ایران کے ایلخانی خاندان کا چوتھا فرمانروا تھا، مسلمانوں پر ظلم کیے اور محکمۂ عدالت اور مال کے تمام عہدوں سے ان کو برخاست کر دیا اور ان کا دربار میں آنا بند کر دیا۔ (۱۵)

مغلوں کا اسلام قبول کرنا:

باوجود ان تمام مشکلات کے مغلوں اور دیگر وحشی قبائل نے، جو ان کے ہمراہ تھے، (۱۶) بالآخر انھی مسلمانوں کے مذہب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جن کو انہوں نے بے دردی سے پامال کیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ تاریخ اس تبلیغی تحریک پر بہت کم روشنی ڈالتی ہے اور ہمیں صرف سربرآوردہ اشخاص کے قبول اسلام کے متعلق چند تفصیلات ملتی ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے طول وعرض میں مختلف مقامات پر بہت سے ایسے مسلمان موجود ہوں گے جو کافروں کو اپنے مذہب پر لانے میں کامیاب ہوئے۔ اوگتائی خان (۱۲۲۹ء تا ۱۲۴۱ء) کے عہد میں فارس کا ایک گورنر کرگز تھا۔ وہ پہلے بدھ مت کا پیرو تھا لیکن بعد ازاں بدھ مت کو ترک کر کے مسلمان ہو گیا۔ (۱۷) تیمور خان (۱۳۲۳ء تا ۱۳۲۸ء) کے عہد میں آنندا، جو قوبلائی خان کا پوتا اور صوبہ کانسو کا حاکم تھا، ایک پُرجوش مسلمان ثابت ہوا۔ چنانچہ اس نے تان گوت میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا اور جو لشکر اس کے زیر فرمان تھا، اس کے بہت سے آدمیوں نے بھی اسلام اختیار کر لیا۔ اس کو دربار میں طلب کیا گیا اور اس بات کی کوشش کی گئی کہ وہ بدھ مت اختیار کرے لیکن جب اس نے اسلام کو ترک کرنے سے انکار کیا تو اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ لیکن اسے جلدی ہی

Marfat.com

رہا کر دیا گیا، کیونکہ اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ تنگوت کے باشندے، جو اس کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے، بغاوت کر دیں گے۔(۱۸)

''منتخب التواریخ'' کے مصنف کا بیان ہے کہ آنندا نے خان بالغ (۱۹) (یعنی موجودہ پیکنگ) میں چار مسجدیں بنوائی تھیں جن میں جمعہ کے روز دس لاکھ آدمی نماز ادا کر سکتے تھے۔لیکن چین میں اسلام کی اشاعت کے متعلق اس قسم کی جو روایات اس مصنف نے بیان کیں، ان کو معتبر نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ اس نے آنندا کو تیمور خاں کا جانشین بتایا ہے (جو غلط ہے) اور اس کے جانشینوں کا حال لکھا ہے جو بالکل افسانہ ہے، اور ان میں سے بعض کو مسلمان بتایا ہے، لیکن مصنف کے تخیل کے باہر ان کا کہیں وجود نہیں ہے(۲۰)۔

مغلوں کا پہلا فرمانروا جو مسلمان ہوا، وہ برکہ خاں تھا(۲۱)۔وہ آلتون اردو کا حاکم تھا، جس نے ۱۲۵۶ء سے لے کر ۱۲۶۷ء تک حکمرانی کی۔(۲۲) ابوالغازی کا بیان ہے(۲۳) کہ برکہ خاں نے اپنی تخت نشینی کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔روایت ہے کہ ایک دن وہ ایک کارواں میں پہنچا جو بخارا سے آیا تھا اور اس میں سے دو تاجروں کو الگ لے گیا اور ان سے اسلام کی تعلیم کے متعلق سوالات کیے۔چنانچہ اُن مسلمانوں نے اپنے دین کے عقائد ایسی خوبی سے بیان کیے کہ برکہ خاں صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔اس نے اس کا ذکر سب سے پہلے اپنے چھوٹے بھائی سے کیا اور اسے بھی اپنی مثال کی پیروی کی ترغیب دی۔اس کے بعد اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔لیکن جوزجانی کی روایت یہ ہے کہ برکہ خاں کی تربیت بچپن ہی سے ایک مسلمان کی طرح ہوئی تھی اور جب وہ بڑا ہو کر لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو اس نے شہر خجند (۲۴) کے ایک عالم سے قرآن مجید پڑھا۔اسی مصنف نے، جس نے اپنی تاریخ برکہ خاں کے حین حیات میں لکھی تھی، بیان کیا ہے کہ اس کا تمام لشکر مسلمان تھا۔''معتبر اشخاص نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کی تمام فوج میں یہ دستور ہے کہ ہر ایک سوار کے پاس ایک سجادہ ہوتا ہے تاکہ جب نماز کا وقت آئے وہ عبادت میں مصروف ہو سکے۔اس کی ساری فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو نشہ آور شراب پیتا ہو۔بڑے جلیل القدر علماء یعنی مفسّر، محدث، فقیہ اور مناظر اس کی صحبت میں رہتے ہیں۔اس کے دربار میں ہمیشہ دینی مسائل پر بحث ہوتی ہے اور بحیثیت مسلمان کے وہ اپنے مذہب میں بڑا پختہ اور صحیح العقیدہ ہے''۔(۲۵) برکہ خاں نے مصر کے مملوک سلطان رکن الدین بیبرس کے ساتھ باہمی اتحاد کا معاہدہ کیا تھا۔اس اتحاد کی تحریک سلطان مصر نے کی تھی جس نے آلتون اردو کے دو سو سپاہیوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔یہ لشکری اس سے پہلے ہلاکو خاں کی فوج میں شامل تھے، لیکن جب ان کے آقا اور ہلاکو میں عداوت بڑھی تو وہ بھاگ کر شام میں چلے گئے۔اس کے بعد وہ عزت کے ساتھ قاہرہ میں بیبرس کے دربار میں پہنچے، جہاں سلطان نے ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی(۲۶)۔خود بیبرس ہلاکو سے برسرپیکار تھا اور اسے حال ہی میں شکست دے کر شام سے نکال چکا تھا۔اس نے

Marfat.com

ان مغل لشکریوں میں سے دو آدمیوں کے ہمراہ اپنے چند اور سفیر بھیجے اور برکہ خاں کے نام ان کی معرفت ایک خط روانہ کیا۔ جب یہ سفیر واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ برکہ خاں کے دربار میں ہر ایک شاہزادی اور ہر ایک امیر کے ہاں ایک ایک امام اور ایک ایک مؤذن مقرر ہے، اور مدرسوں میں بچوں کو قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔(۲۷) غرض کہ بیبرس اور برکہ خاں کے درمیان جب دوستانہ تعلقات بڑھے تو آلتون اردو کے بہت سے مغل مصر میں آئے جہاں وہ اہل مصر کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔(۲۸)

ایران کے ایلخانیوں میں اسلام کی ترویج:

ایران میں، جہاں ہلاکو خاں نے ایلخانی خاندان کی بنیاد ڈالی تھی، وہاں مغلوں کے ہاں اشاعت کی رفتار نسبتاً سست رہی۔ برکہ خاں اور سلطان مصر کے حملوں سے بچنے کے لیے ہلاکو خاں نے مشرق کی عیسائی حکومتوں یعنی شاہ ارمینیہ اور صلیبی مجاہدین سے اتحاد پیدا کیا۔ اس کی چہیتی بیگم عیسائی تھی جس نے اپنے شوہر کو اپنے ہم مذہب لوگوں کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ اس کے بیٹے اباقا خاں نے قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کی بیٹی سے شادی کی۔ اگرچہ اباقا خاں نے خود عیسوی مذہب قبول نہ کیا، تاہم اس کا دربار عیسائی پادریوں سے بھرا ہوا تھا اور اس نے یورپ کے متعدد بادشاہوں، مثلاً سینٹ لُوئی شاہ فرانس، چارلس شاہ صقلیہ اور جیمز شاہ آرغون کے پاس سفیر روانہ کیے اور مسلمانوں کے خلاف اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسی مقصد کے لیے اس نے ۱۲۷۴ء میں لیون (فرانس) کی مجلس میں سولہ مغلوں کی ایک سفارت روانہ کی۔ وہاں پہنچ کر اس سفارت کے سربراہ نے عیسوی دین قبول کر لیا اور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ اصطباغ لیا۔ عیسائی اباقا خاں کے بارے میں بھی بڑی اُمیدیں لگائے بیٹھے تھے لیکن ان کی یہ اُمیدیں پوری نہ ہو سکیں۔

تکودار کا قبول اسلام:

اباقا خاں کا بھائی تکودار، (۲۹) جو اس کا جانشین ہوا، ایلخانی خاندان کا پہلا حکمران تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ اس کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب کے مطابق ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک ہم عصر عیسائی مصنف (۳۰) لکھتا ہے کہ ''اسے بچپن میں اصطباغ ملا تھا اور اس کا نام نکولس رکھا گیا تھا، لیکن جب وہ بڑا ہوا تو وہ مسلمانوں کے اثر صحبت سے، جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا، مسلمان ہو گیا۔ عیسوی مذہب کو ترک کر کے اس نے اپنا نام محمد خان رکھا۔ حتی المقدور اس بات کی پوری کوشش کی کہ تمام تاتاری دینِ محمدی ﷺ قبول کر لیں۔ اور جب انہوں نے سرکشی اختیار کی اور اسے بھی ان کو مجبور کرنے کی جرأت نہ ہوئی تو اس نے ان کا اعزاز بڑھا کر اور ان کو انعام و اکرام اور تحفے تحائف دے کر ان کا مذہب تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس کے عہد میں بہت سے تاتاریوں

Marfat.com

نے مسلمانوں کا دین اختیار کر لیا۔''

تکودار کا مراسلہ:

احمد تکودار نے سلطان مصر کے نام ایک مراسلہ بھیجا اور اس میں اس کو اپنے قبولِ اسلام سے مطلع کیا۔ اس خط کا عربی متن ''تاریخِ وصاف'' میں درج ہے (۳۱) اور اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی نوازش اور نورِ ہدایت سے ہم کو عہدِ جوانی ہی میں اپنی ربوبیت کے اقرار اور اپنی وحدانیت کے اعتراف کی طرف رہنمائی کی تھی اور حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نبوت کی صداقت کی شہادت دینے اور خدا کے اولیاء اور اس کے صالح بندوں کے ساتھ حسن اعتقاد رکھنے کی طرف رہبری کی تھی۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ پس ہم دین اسلام کا بول بالا کرنے اور اسلام اور اہلِ اسلام کے معاملات کی اصلاح کرنے کی طرف مائل رہے، یہاں تک کہ ہمارے والد بزرگوار اور برادر کلاں کے بعد بادشاہت ہمیں ملی اور خداوند کریم نے ہم کو اپنے لطف و کرم سے نوازا اور ہماری امیدوں کو پورا کیا اور عروسِ مملکت کی نقاب کشائی کی اور اس سے ہم کو ہم کنار کیا۔ پھر ہمارے ہاں ایک قوریلتای منعقد ہوئی اور اس مجلس میں ہمارے تمام بھائی، فرزند، امرائے کبار، سپہ سالار اور فوج کے بڑے بڑے افسر جمع ہوئے۔ تمام حاضرین اس رائے پر متفق ہوئے کہ ہمارے برادر کلاں کے سابقہ حکم کے مطابق مملکت کے تمام عساکر کے جم غفیر کو لشکر کشی کے لئے جمع کیا جائے، جن کی کثرت کے سامنے روئے زمین تنگ ہے، جن کی صولت و سطوت کا رعب لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے، جن کی ہمت اور شجاعت کے سامنے پہاڑوں کے سر بھی جھک جاتے ہیں اور جن کے عزم و ارادہ کے سامنے سخت پتھروں کا زہرہ بھی گداز ہو جاتا ہے۔ پس ہم نے ان کی تجویز پر غور کیا جس پر سب نے اتفاق رائے کیا تھا، اور اس کے ماحصل کو اپنے مافی الضمیر کے خلاف پایا، کیونکہ ہم تو عوام کی بھلائی چاہتے ہیں اور شعائرِ اسلام کی تقویت کے خواہاں ہیں۔ ہم حتی الامکان صرف ایسے احکام اور فرمان صادر کرنا چاہتے ہیں جن سے خون ریزی بند ہو اور رعیت کو امن و سکون حاصل ہو۔ امن و امان کی نسیم تمام ملکوں میں چلے اور تمام ملکوں کے سلاطین شفقت اور احسان کے گہوارے میں راحت پائیں، کیونکہ ہم خدا کے حکم کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کی مخلوق پر شفقت کرتے ہیں۔ خدا نے ہمارے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ ہم جنگ و جدال کی آگ کو بجھائیں اور فتنہ و فساد کو دبائیں۔ جن لوگوں نے لشکر کشی کا مشورہ دیا ہے، اُن کو بتا دیں کہ ہمارے لیے خدا کا ارشاد ہے کہ ہم اہل عالم کو ان کی بیماریوں سے شفا دیں اور جنگ آزمائی سے سب سے آخر میں کام لیں۔ ہم کو معرکہ آرائی اور تیراندازی کی طرف سبقت نہیں کرنی چاہیے، تاوقتیکہ ہم اتمام حجت نہ کرلیں اور حق کا اظہار نہ کر دیں اور اس کی

Marfat.com

دلیل نہ پیش کرلیں۔ امن وامان اور فلاح وصلاح پر ہماری جورائے قرار پائی ہے، اس کی تحریک وتائید شیخ الاسلام قدوۃ العارفین کے وعظ وتذکیر سے ہوئی ہے جو دینی امور میں ہمارے بڑے اچھے مشیر ومددگار ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہ مراسلہ صادر کیا ہے اور قاضی القضاۃ قطب الدین اور اتابیگ بہاء الدین کو آپ کی طرف بھیجا ہے، جو ہمارے ارکانِ دولت میں سے ہیں، تاکہ وہ آپ کو ہمارے طریقے اور نیک نیتی سے مطلع کریں۔ آپ کو بتائیں کہ ہم تمام مسلمانوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور آپ کو آگاہ کریں کہ ہم کو خدا کی طرف سے بصیرت حاصل ہے کہ اسلام نے تمام گذشتہ باتوں کو مٹا دیا ہے۔ خداوند کریم نے ہمارے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ ہم حق اور اہلِ حق کی پیروی کریں۔ اگر کوئی شخص ہماری بات کی دلیل وحجت طلب کرے تو اس کو چاہیے کہ ہماری کارکردگی کا مشاہدہ کرے جو دنیا میں مشہور ہو چکی ہے، کیونکہ ہم نے توفیق الٰہی سے دین کے نشانوں کو بلند کیا ہے اور ہر ایک بات میں، ہر ایک حکم میں اس کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہم نے شرعِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین کو نافذ کیا ہے جیسا کہ عدلِ محمدی ﷺ کا تقاضا تھا۔ چنانچہ اس طرح سے ہم نے جمہور کے دلوں کو مسرور کر دیا ہے اور جن لوگوں سے کوئی برائی یا خطا پہلے سرزد ہو چکی ہے، ہم نے ان سب کو یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے کہ خدا تمہاری پہلی خطاؤں کو معاف کرے۔ پھر ہم مسلمانوں کے اوقاف کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے جن میں ان کی مساجد، زیارت گاہیں اور مدارس شامل ہیں، اور خانقاہیں اور سرائیں جن کے نشان مٹ گئے تھے، ان کو آباد کیا ہے۔ اوقاف کی آمدنی کو قدیم دستور کے مطابق اور واقفین کی شروط کے مطابق مستحق لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ حاجیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان کے لیے سامانِ سفر مہیا کیا جائے اور جن راستوں سے وہ سفر کرتے ہیں ان کو محفوظ بنایا جائے۔ ہم نے سوداگروں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کی کامل آزادی دی ہے اور وہ جہاں چاہیں آمد ورفت کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی فوج اور پولیس کو ان کی آمد ورفت میں مداخلت کرنے سے سختی سے روک دیا ہے۔ ہم سلطانِ مصر کے ساتھ اتحاد چاہتے ہیں تاکہ یہ دیار وامصار پھر آباد ہو جائیں اور فتنہ وفساد فرو ہو جائے۔ تلواریں میان میں آ جائیں اور تمام لوگ آرام وآسائش سے زندگی بسر کریں اور مسلمانوں کی گردنیں ذلت وخواری کے طوق سے آزاد ہو جائیں۔" (۳۲).

جن لوگوں نے مغلوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، اُن کے لیے انکی ناقابل بیان سفاکیوں اور مسلسل خونریزیوں کا حال پڑھنے کے بعد مندرجہ بالا مراسلے کا دیکھنا راحت اور سکون کا موجب ہے۔ یہ مراسلہ ایک مغل فرمانروا کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اس میں ایسی حلیمی اور خیر اندیشی کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے جو اس کی زبان سے فی الواقع عجیب معلوم ہوتے ہیں۔

جب مغلوں نے دیکھا کہ اُن کا خان تکودار مسلمان ہو گیا ہے اور عیسائیوں پر ظلم کرتا ہے تو وہ اس سے

Marfat.com

ناراض ہو گئے۔ اگرچہ مغل خود عیسائی نہ تھے، لیکن وہ مدت سے عیسائیوں کے ساتھ میل ملاپ کے عادی ہو چکے تھے، لہٰذا انہوں نے قوبلائی خاں سے تکودار کی شکایت کی اور اس پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ غرض کہ تکودار کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی جس کا سرغنہ اس کا بھتیجا ارغون تھا۔ ارغون نے اسے مروا ڈالا اور تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ اس کے مختصر عہد حکومت میں (۱۲۸۴ء تا ۱۲۹۱ء) عیسائی پھر موردِ الطاف ہوئے اور مسلمانوں پر سختیاں ہونے لگیں۔ ان کو ان عہدوں اور منصبوں سے برطرف کر دیا گیا اور دربار سے نکال دیا گیا۔ (۳۳)

غازان خاں کا مسلمان ہونا:

تکودار کے تمام جانشین کافر تھے، لیکن ۱۲۹۵ء میں غازان خان، جو ایلخانی خاندان کا ساتواں اور سب سے بڑا فرماں روا ہو گزرا ہے، مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام کو ایران کا شاہی مذہب قرار دیا۔ تین گزشتہ حکمرانوں کے زمانے میں عیسائیوں کو بڑی امید تھی کہ ایران کا شاہی خاندان عیسائی ہو جائے گا کیونکہ انہوں نے عیسائیوں پر بہت مہربانیاں کی تھیں اور ان کو سلطنت کے مناصبِ جلیلہ پر مقرر کیا تھا۔ غازان خاں کا پیشرو بایدو خاں جو ۱۲۹۵ء میں صرف چند ماہ تک تخت شاہی پر قابض رہا، عیسائیت کی طرف اس حد تک مائل تھا کہ اس نے مغلوں میں اشاعتِ اسلام کو قطعی طور پر بند کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد سے اس نے حکم دیا کہ کوئی شخص مغلوں کے درمیان اسلام کی تبلیغ نہ کرنے پائے۔ (۳۴)

مسلمان ہونے سے پہلے غازان خاں کی تعلیم و تربیت بدھ مت کے مطابق ہوئی تھی اور اس نے خراسان میں بدھوں کے لیے کئی مندر بھی تعمیر کیے تھے۔ ایران میں مغلوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد بدھ مت کے بہت سے پروہت ایران چلے (۳۵) آئے تھے اور غازان خاں ان کی صحبت سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے فطری طور پر مذہب کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا، کیونکہ اس نے اپنے زمانے کے مختلف مذاہب کے عقائد کا مطالعہ کیا تھا، اور وہ ہر مذہب کے (۳۶) عالموں کے ساتھ مذہبی مباحثے کیا کرتا تھا۔ رشید الدین جو غازان خاں کا فاضل وزیر اور اس کے عہد کا ممتاز مؤرخ تھا، یہ رائے رکھتا تھا کہ غازان خاں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کیا تھا (۳۷)، جس کے احکام کی اس نے اپنے تمام عہد حکومت میں سرگرمی اور خلوص کے ساتھ پابندی کی۔ غازان کے بعض ہم عصروں کا خیال تھا کہ اس نے چند امیروں اور مشائخ کی استدعا پر اسلام اختیار کیا تھا اور بعد کے زمانے کے اکثر مصنفوں نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے، لیکن رشید الدین، غازان کی حمایت میں لکھتا ہے "ایسے زبردست بادشاہ کو کیا لالچ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرے، اور خصوصاً ایسے بادشاہ کو جس

Marfat.com

کے بت پرست بزرگوں نے دنیا کو فتح کیا ہو؟''

بہر حال غازان کے مسلمان ہوتے ہی ایرانیوں کے دل اس کے قبضے میں آ گئے ۔ چنانچہ جب وہ بایدو خاں کے ساتھ تختِ ایران کے لیے بر سر پیکار تھا تو اس کے حریف کے لشکر میں جو مغل مسلمان تھے، وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنے ہم مذہب غازان کی امداد کو چلے آئے ۔ اسی قسم کی دور اندیشی سے کام لے کر ایک مسلمان امیر نوروز بیگ نے ، جو غازان کا طرف دار تھا، اس پر اسلام قبول کرنے کے لیے زور ڈالا تھا۔ اس نے غازان سے کہا کہ ایک پیش گوئی کے مطابق تم ہی وہ بادشاہ ہو جو اس زمانے کے قریب ظہور کرنے والا ہے، تا کہ وہ دین اسلام کی حفاظت وحمایت کرے اور اس کی گزشتہ شان وشوکت کو بحال کرے ۔ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ تمام ایران کا فرمانروا ہو جائے گا اور اہل اسلام کافر مغلوں کے تکلیف دہ جوئے سے آزاد ہو کر اس کے حامی بن جائیں گے، اور خداوند کریم اس کو دین برحق کا محافظ جان کر اسے فتح وظفر (۳۸) عطا کرے گا۔ غرض کسی قدر تامل کے بعد غازان نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اس کے افسروں اور لشکریوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی ۔ اس نے عالموں اور دیندار لوگوں میں خیرات تقسیم کی، مسجدوں میں حاضری دی اور اولیاء کے مقابر کی زیارت کی۔ غرض کہ اس نے اپنے تئیں ہر طرح سے ایک قابل تقلید مسلمان فرمانروا ثابت کیا۔

غازان خاں کے بعد اس کا بھائی الجائتو، محمد خدابندہ کے نام سے ۱۳۰۴ء میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کی والدہ عیسائی تھی، چنانچہ اس کی تربیت بھی عیسائی طریقے پر ہوئی تھی، اور اس نے اصطباغ کے وقت نکولس نام پایا تھا۔ لیکن اپنی والدہ کی وفات کے بعد، جب کہ وہ ابھی نوجوان ہی تھا، اپنی بیوی کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔ (۳۹) ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس کی مثال سے مغل لوگ بہت متاثر ہوئے ۔ (۴۰) اور اس زمانے سے ایلخانی مملکت میں اسلام سب مذاہب پر غالب آ گیا۔

چغتائی خاندان:

مغلوں کی درمیانی مملکت چغتائی اور اس کے جانشینوں کے حصے میں آئی تھی ۔ اس مملکت میں اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی؟ اس کے متعلق ہمارے پاس معلومات اور بھی کم ہیں۔ اس خاندان کے متعدد حکمرانوں کے وزیر مسلمان تھے، لیکن ان حکمرانوں کو بذات خود دین اسلام کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی ۔ چغتائی نے جانوروں کے ذبح کرنے اور غسل اور وضو کے متعلق احکام جاری کر کے مسلمانوں پر ایسی پابندیاں عائد کر دی تھیں جو ان کیلئے باعث آزار تھیں ۔ جوز جانی کا بیان ہے کہ تمام مغل حکمرانوں میں چغتائی اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، اور اس کے سامنے کوئی شخص اسلام کا نام بغیر تحقیر اور مذمت (۴۱) کے نہیں لے سکتا تھا لیکن اس کے پوتے اور جانشین قرا

Marfat.com

ہلاکو کی بیگم ارغنہ نے اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت اسلامی طریقے پر کی تھی، اور اس نے ۱۲۶۴ء میں مبارک شاہ کے نام سے چغتائی مملکت کے تخت کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اس کے چچازاد بھائی براق خاں نے اسے جلد ہی تخت وتاج سے محروم کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مبارک شاہ نے اپنے مذہب کے حق میں اپنے اثر ورسوخ سے کچھ کام نہیں لیا، بلکہ اس کے لڑکوں کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے مذہب کو اختیار نہیں کیا تھا۔ (۴۲) روایت ہے کہ براق خاں کو اپنی وفات (۱۲۷۰ء) سے چندروز پہلے "نوراسلام حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی" اور اس نے سلطان غیاث الدین کا نام اختیار کیا تھا۔ (۴۳) لیکن اس کی تجہیز وتدفین اسلامی طریقے پر نہیں بلکہ مغلوں کے قدیم دستور کے مطابق ہوئی تھی۔ جو مغل اس کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے، اس کے مرنے کے بعد قدیم مذہب کی طرف لوٹ گئے۔

چودھویں صدی سے پہلے چغتائی نسل کے مغلوں میں اسلام کی اشاعت عام نہ ہوسکی۔ ۱۳۲۶ء کے قریب ترماشیرین نے اسلام قبول کیا، اور مغلوں نے اپنے خان کی پیروی کی اور اس مرتبہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ لیکن اب بھی اسلام کا غلبہ یقینی امر نہیں تھا۔ کیونکہ چند سال کے بعد بوزن نے ترماشیرین کو تخت حکومت سے اتار دیا اور مسلمانوں پر ظلم وستم کیے۔ (۴۴)

تو قلق خاں کا مسلمان ہونا:

لیکن چند برس کے بعد ہم کاشغر کے پہلے مسلمان حکمران کا ذکر سنتے ہیں، جس نے چغتائی سلطنت کے زوال کے بعد ایک الگ مملکت قائم کی تھی۔ اس کا نام تو قلق تیمور خاں (۱۳۴۷ء تا ۱۳۶۳ء) تھا۔ روایت ہے کہ اس نے بخارا کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شیخ چند مسافروں کے ساتھ نادانستہ طور پر تو قلق تیمور کی شکارگاہ میں داخل ہوگیا، اور خاں نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں باندھ کر اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ خان نے ان سے غضبناک ہوکر پوچھا کہ تم لوگوں نے ہمارے شکار میں خلل ڈالنے کی کیسے جرأت کی۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہم بالکل اجنبی ہیں اور اس بات سے مطلق آگاہ نہ تھے کہ ہم ایک ممنوعہ قطعہ زمین میں داخل ہورہے ہیں۔ جب خان کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اس نے کہا کہ ایک ایرانی سے تو ایک کتا بھی بہتر ہوتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ "ہاں، یہ سچ ہے، اگر ہم دین برحق پر نہ ہوتے تو اس صورت میں ہم یقیناً کتوں سے بھی بدتر تھے"۔ شیخ کے اس جواب سے خان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو اس جرأت مند ایرانی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔ چنانچہ خان نے شیخ کو الگ لے جاکر پوچھا کہ " دین برحق" کیا چیز ہے اور اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی گرم جوشی اور ایسے دینی ولولے سے بیان کیے کہ خان کا دل، جو پہلے پتھر کی طرح سخت تھا، موم کی مانند پگھل گیا۔ پھر شیخ نے حالتِ کفر

Marfat.com

کا ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان کو اپنے بے بصیرت اور گمراہ ہونے کا یقین ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا کہ "اگر میں اسی وقت دین اسلام کا اظہار کروں تو میں اپنی رعایا کو راہ راست پر نہ لا سکوں گا، لہذا تم کچھ عرصے کے لیے صبر و تحمل سے کام لو۔ جب میں اپنے باپ دادا کی سلطنت کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس پھر آنا"۔

اس زمانے میں چغتائی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی، اور کئی برسوں کے بعد تو قلق تیمور تمام سلطنت کو جمع کرنے اور اس پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس اثنا میں شیخ جمال الدین اپنے ملک کو واپس جا چکا تھا۔ وطن پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گیا اور جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے رشید الدین کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تو قلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ بننے والا ہے۔ اس وقت اس کے پاس ضرور جانا اور اس کو میرا اسلام پہنچانا اور اسے بے خوف و خطر وہ وعدہ یاد دلانا جو اس نے مجھ سے کیا تھا۔ چند سال کے بعد جب تو قلق تیمور اپنے باپ دادا کا تخت و تاج حاصل کر چکا تو، رشید الدین خان مذکور کے لشکر میں جا پہنچا تا کہ اپنے والد کے وصیت پوری کرے، لیکن باوجود اپنی تمام کوششوں کے وہ خان کے دربار میں باریاب نہ ہو سکا۔ آخر کار مجبور ہو کر اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصبح اس نے خان کے خیمے کے پاس اذان کہنی شروع کر دی۔ جب اس طرح تو قلق خاں کی نیند خراب ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا اور رشید الدین نے حاضر ہو کر اسے اپنے باپ کا پیغام پہنچایا۔ تو قلق تیمور کو اپنا وعدہ فراموش نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ "جب سے میں تخت پر بیٹھا ہوں جو وعدہ میں نے کیا تھا وہ میرے ذہن میں تھا، لیکن جس شخص سے میں نے کیا تھا، وہ پھر کبھی نہ آیا۔ بہر حال اب میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں"۔ اس کے بعد تو قلق خاں نے کلمہ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہوا۔ اور بقول ابو الغازی "اس صبح کو آفتاب اقبال نے توفیق الٰہی کے افق سے طلوع کیا، اور کفر کی تاریک رات کافور ہو گئی۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغِ اسلام کے لیے مغل شہزادوں سے فرداً فرداً گفتگو کرنی چاہیے۔ جو لوگ اسلام قبول کریں تو یہ بات ان کے حق میں اچھی ہو گی، مگر جو لوگ انکار کریں، ان کو کافر اور بت پرست سمجھ کر قتل کر دینا چاہیے"۔

جس شخص کا سب سے پہلے اظہار لیا گیا وہ میر تو لک تھا۔ خان نے اس سے پوچھا "کیا تم اسلام قبول کرو گے؟" اس پر وہ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ "تین سال ہوئے جب کاشغر کے چند مقدس آدمیوں نے میرے سامنے اسلام کی تبلیغ کی تھی اور میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن تمہارے خوف سے میں نے اس کا اعلان نہیں کیا۔" پھر تو قلق خاں اٹھا اور اس کو گلے لگا لیا اور پھر تینوں اکٹھے بیٹھ گئے۔ اس طرح سے انہوں نے شہزادوں سے یکے بعد دیگرے گفتگو کی اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا، سوائے ایک شخص کے جس کا نام جراس تھا، اس نے یہ تجویز پیش کی کہ شیخ اور اس کے ملازم کے درمیان زور آزمائی کا مقابلہ ہونا چاہیے۔ اس کا خادم ایک بڑا اقد آور کافر

Marfat.com

تھا۔ وہ اس قدر طاقت ور تھا کہ دو سال کے اونٹ کو اٹھا سکتا تھا۔ شیخ نے اس مقابلے کو منظور کر لیا اور اس سے کہا کہ ''اگر میں تمہارے خادم کو گرا نہ سکا تو میں تمہیں مسلمان ہونے کے لیے نہ کہوں گا۔ اگر خدا کی یہ مرضی ہے کہ مغل لوگ مشرّف با سلام ہوں تو مجھے بے شک اس آدمی کو مغلوب کرنے کے لیے کافی طاقت بخشے گا۔'' تو قلق خاں اور دوسرے مسلمانوں نے شیخ کو سمجھانے اور باز رکھنے کی کوشش کی لیکن شیخ اپنے ارادے میں پختہ رہا۔'' ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا اور کافر کو اندر لے آئے، اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ کافر، جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، بڑے پُرغرور انداز میں آگے بڑھا۔ شیخ اس کے سامنے بہت چھوٹا اور کمزور دکھائی دیتا تھا۔ جب وہ ایک دوسرے کو گھونسے مارنے لگے تو شیخ نے اس کافر کی چھاتی پر ایک ایسی سخت ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ ہوش میں آیا تو وہ اٹھا اور شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور کلمہ شہادت زبان پر لایا۔ لوگوں نے آفرین وستائش کے نعرے بلند کیے اور اس دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار مغلوں نے اپنے سروں کی بودیاں کٹوا ڈالیں اور مسلمان ہو گئے۔ خان کا ختنہ ہوا اور نورِ اسلام کی برکت سے کفر کی تاریکیاں دور ہو گئیں۔''(۴۵) اس وقت سے اسلام ان تمام شہروں میں مضبوطی سے قائم ہو گیا جو چغتائی خان کے جانشینوں کے زیر نگیں تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے خانہ بدوش مغل پندرھویں صدی کی ابتدا تک دائرہ اسلام سے باہر رہے، کیونکہ محمد خاں کو، جو ۱۴۱۶ء کے قریب مغلستان کا حاکم تھا (۴۶)، ان کو مسلمان کرنے کے لیے سختی سے کام لینا پڑا تھا۔ ''محمد خاں ایک دولت مند شہزادہ تھا اور ایک مسلمان تھا۔ وہ عدل و انصاف کے راستے پر گامزن رہا اور اس کے مبارک عہد حکومت میں اس کی مسلسل کوششوں سے مغلوں کے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مغلوں کو اسلام کا معتقد بنانے کے لیے اسے سخت وسائل اختیار کرنے پڑے تھے۔ مثلاً جب کوئی مغل پگڑی نہیں باندھتا تھا تو اس کے سر میں میخ گاڑ دیتے تھے اور اس قسم کا سلوک عام تھا۔ جزاہ اللہ خیراً۔''(۴۷)

لیکن اس قسم کی سختیاں بھی تمام مغلوں کو مسلمان کرنے میں ناکام رہیں، کیونکہ سولھویں صدی کے اختتام (۴۸) پر بھی ایک درویش، جس کا نام اسحاق ولی تھا، کاشغر، یارقند اور ختن میں تبلیغ اسلام میں مصروف تھا۔ وہ ان شہروں میں بارہ برس تک (۴۹) اسلام پھیلاتا رہا۔ اس نے قرغیز اور قزاق قبائل میں بھی تبلیغ کی اور ایک سو اسی آدمیوں کو مسلمان کیا اور اٹھارہ بت خانے ویران کیے (۵۰)۔

گزشتہ صفحات میں ان وسائل و ذرائع کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے مسلمان اُن وحشی قبیلوں کو اپنے مذہب پر لے آئے جنہوں نے ان کے تمدن کے مرکزوں کو تباہ و برباد کیا تھا۔ اس طرح سے اسلام اپنے گذشتہ عروج کے کھنڈروں سے دوبارہ آہستہ آہستہ ابھرنا شروع ہوا اور اس نے ایک صدی کی افسردگی اور پژمردگی کے بعد دوبارہ ایک غالب مذہب کا مقام حاصل کر لیا۔ مغلوں کو اپنے مذہب پر لانے کے لیے مختلف

Marfat.com

مذاہب کے پیروؤں میں جو باہمی کشمکش ہوئی، اس میں سیاسی مصالح بلاشبہ مسلمانوں کے حق میں اثر انداز ہوئے۔ مغرب کی عیسائی حکومتوں نے جو سازشیں کیں ان کی وجہ سے ایشیائی ملکوں کے عیسائی باشندوں کی وفاداری مشکوک ہوگئی، کیونکہ ان کو مغربی حکومتوں کے کارندے سمجھا جاتا تھا۔لیکن ابتدا میں وہ مغل جونسطوری ہو گئے تھے، قومی پارٹی ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے اور مسلمانوں پر اس بناء پر اعتراض کر سکتے تھے کہ وہ ایک غیر مذہب کے پیرو ہیں۔ چنانچہ ارغون نے احمد تکودار پر یہی الزام لگایا تھا کہ اس نے اپنے باپ دادا کے قانون کے ساتھ غداری کی ہے، کیونکہ اس نے عربوں کے طریقے کی پیروی کی ہے، جس سے اس کے آباؤاجداد قطعاً نا آشنا تھے۔(۵۱) اسی طرح ترماشیرین کے خلاف جو بغاوت برپا ہوئی تھی، اُسے اس شکایت سے تائید ملی تھی کہ اس حکمران نے یساق یعنی مغلوں کے قدیم آئین و دستور کو نظر انداز کر دیا تھا۔(۵۲) اس کشمکش کا نتیجہ اگرچہ مدت تک مشتبہ رہا لیکن اسلام آہستہ آہستہ ان ملکوں میں دوبارہ غالب آ گیا جو اس کے قبضے سے نکل چکے تھے۔جن ذرائع و وسائل سے اسلام کو یہ کامیابی حاصل ہوئی، وہ تاریکی میں ہیں۔اس بارے میں صفحاتِ بالا میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ بہت قلیل ہیں اور اس داستان کا بہت سا حصہ ابھی باقی ہے۔لیکن جن تبلیغی عوامل سے مختلف افراد مسلمان ہوئے، ان کے متعلق ہم نے کافی تفصیلات دے دی ہیں۔آنندا نے تو اپنی انّا کے دودھ (۵۳) کے ساتھ ہی اسلام کو بھی جذب کیا تھا اور مسلمان ترکوں کے قدیم خاندانوں نے ان مغلوں پر، جو ان کے درمیان آ کر آباد ہو گئے تھے، غیر محسوس طور پر اثر ڈالا تھا۔

مغلوں کو مسلمان کرنے میں جو تبلیغی عناصر کارفرما تھے، ان میں پیروں اور ان کے مریدوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔مغلوں کے سیلاب کے بعد مسلمان بہت دل شکستہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس افسردگی کے عالم میں انہوں نے سب سے پہلے تصوف کے دامن میں پناہ لی، پیروں نے اور ان کے طریقوں نے ملتِ اسلامی میں ایک نئی روح پھونک دی اور اس میں ایک تازہ ولولہ پیدا کیا۔مثلاً چودھویں صدی عیسوی (یعنی آٹھویں صدی ہجری) میں نقشبندی سلسلے میں ترقی کا ایک دور شروع ہوا۔ایک فرانسیسی مؤرخ کاھوں لکھتا ہے کہ ”پیر اور ان کے مریدوں کے ہاتھ میں ایشیا کا مسلمان ایک ایسا کارکن تھا جو پہلے تو بے خبر اور سست رو تھا، لیکن بعد ازاں وہ ایک پارٹی کارکن بن گیا، یعنی قومی مذہب کی پارٹی کا جو مغلوں کی حکومت کی مخالف تھی، کیونکہ یہ حکومت غیر ملکی ہونے کے علاوہ وحشی اور بے دین بھی تھی۔“ (۵۴)

آلتون اُردو اور اسلام:

اب ہم آلتون اردو (۵۵) میں اسلام کی اشاعت کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔مغلوں کی اس شاخ کی سب سے بڑی چراگاہیں اس گھاس دار میدان میں واقع تھیں جس کو دریائے والگا سیراب کرتا ہے۔

Marfat.com

انہوں نے اپنا دارالحکومت یعنی سرائے کا شہر بھی اسی دریا کے کنارے آباد کیا تھا۔ روسی امراء اپنا خراج خان کی خدمت میں یہیں بھیجا کرتے تھے۔ جب برکہ خاں نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے بعد سلطان مصر سے گہرے تعلقات استوار کر لیے تو ان اسباب سے بھی اسلام نے بڑی ترقی کی اور آلتون اردو کے امراء و اعیان نے بھی بتدریج اس کی مثال کی پیروی کی۔ لیکن ان کے اکثر قبیلے اپنے درمیان اسلام کے داخلے سے بہت ناراض ہوئے۔ جب برکہ خاں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو انہوں نے اسے تخت و تاج کا نااہل قرار دے دیا اور اس کے حریف ہلاکو خاں کو تختِ حکومت پیش کیا۔ یہ مخالفت اس قدر بڑھی کہ اس کی وجہ سے نوگائی کا ایک الگ جرگہ پیدا ہو گیا۔ اس کا نام نوگائی کے نام پر پڑا جو برکہ خاں کے لشکر کا سالار تھا۔ جب آلتون اردو کے دوسرے امراء مسلمان ہو گئے تو نوگائی بدستور اپنے شامانی طریقے پر قائم رہا۔ جو مغل اپنا قدیم مذہب ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، وہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن اس کی بیٹی جو ایک شامانی مغل سے بیاہی ہوئی تھی، اپنی شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مسلمان ہو گئی اور اسی وجہ سے اسے اپنے شوہر کی بدسلوکی اور تحقیر کا نشانہ بننا پڑا (۵۶)۔

اوزبک خاں کی تبلیغی کوششیں:

اوزبک خاں نے، جو ۱۳۱۳ء سے لے کر ۱۳۴۰ء تک آلتون اردو کا حاکم رہا، اپنی تبلیغی کوششوں کے سبب سے بڑی شہرت پائی۔ اس کے مغل سرداروں نے اس سے کہا کہ ”تم کو صرف ہماری اطاعت اور فرماں برداری پر اکتفا کرنا چاہیے، تمہیں ہمارے مذہب سے کیا واسطہ ہے؟ ہم چنگیز خاں کا مذہب چھوڑ کر عربوں کا دین کیوں اختیار کریں؟“ تاہم اوزبک خاں بہت سے لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب رہا (۵۷)۔ وہ اسلام کا پُرجوش حامی تھا، چنانچہ اس کی کوششوں سے اسلام اس کی مملکت میں خوب راسخ ہو گیا۔ اسی کے اثر سے وسطی ایشیا کے اوزبک قبائل معرضِ وجود میں آئے۔ یہ قبیلے اسی کے نام پر اوزبک کہلائے اور غالباً اسی کے عہد حکومت میں مسلمان ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اوزبک خاں نے تمام بلاد روس میں اسلام پھیلانے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اگرچہ مغل (۵۸) روس میں دو سو سال تک حکمران رہے لیکن وہ اس ملک کے باشندوں کو، خصوصاً مذہب کے معاملے میں، بہت کم متاثر کر سکے۔

اوزبک خاں کا ایک فرمان:

یہ بات لائق توجہ ہے کہ اگرچہ اوزبک خاں اپنے مذہب کو پھیلانے میں بڑا سرگرم تھا، تاہم وہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بہت رواداری برتتا تھا۔ وہ اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد تھے، بلکہ اس نے ان کو اپنی مملکت میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔ اوزبک خاں نے ۱۳۱۳ء میں مطران پیٹر کے حق میں

Marfat.com

جو فرمان جاری کیا تھا، اس کا شمار ان اہم دستاویزوں میں ہوتا ہے جن سے مسلمانوں کی رواداری اور مسامحت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس فرمان کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

''خدائے بزرگ و برتر کی مشیت، قدرت، عظمت اور رحمت کے ساتھ، اوزبک خاں کا یہ فرمان ہمارے تمام چھوٹے بڑے امیروں کے نام ہے۔ کوئی شخص مطران کے کلیسا کی، جس کا پیٹر سربراہ ہے، توہین نہ کرے اور اس کے خادموں اور کلیسا کے پادریوں کی بے عزتی نہ کرے۔ کوئی شخص ان کی جائداد یا مال و متاع یا ان کے آدمیوں پر قبضہ نہ کرے اور ان کے کلیسا کے معاملات میں دست اندازی نہ کرے، کیونکہ یہ چیزیں مقدس ہیں۔ جو شخص ان کے معاملات میں بے جا دخل دے گا اور ہمارے فرمان سے تجاوز کرے گا، وہ خدا کے حضور میں گناہ گار ہو گا اور اس کے غضب کا سزاوار ہو گا اور ہماری طرف سے اسے موت کی سزا ملے گی۔ مطران امن و امان میں رہے گا لہذا اس کو یا اسکے نائب کو چاہیے کہ عدل و انصاف کے ساتھ کلیسا کے تمام معاملات کا انتظام و انصرام کرے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ نہ ہم خود، نہ ہماری اولاد، نہ ہماری مملکت کے امراء، نہ ہمارے صوبہ جات کے حاکم کلیسا اور مطران کے معاملات میں کسی طرح سے مداخلت کریں گے اور نہ ہی ان کے شہروں، ضلعوں، دیہات، شکارگاہوں، مچھلی پکڑنے کے مقامات، ان کے شہد کے چھتوں، اراضی، مرغزاروں اور جنگلوں سے تعرض کریں گے، نہ ان کے تاکستانوں، چکیوں، ان کے مویشی کے استھانوں یا کلیسا کی جائداد، مال و اسباب اور ان مقامات میں، جو ان کے کارندوں کی نگرانی میں ہیں، دست اندازی کریں گے۔ مطران امن و امان کے ساتھ پریشانی سے دور رہے تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ ہمارے لیے اور ہماری اولاد اور قوم کے لیے خدا سے دعائے خیر کر سکے۔ جو شخص کلیسا کی کسی مقدس چیز پر ہاتھ ڈالے گا، وہ گناہ گار قرار دیا جائے گا، خدا کے غضب کا مستحق ہو گا اور سزائے موت کا مستوجب ہو گا، تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ جب خراج یا دوسرے محصول از قسم چونگی یا ہل کا ٹیکس لگائے جائیں یا ڈاک کے لیے گھوڑے طلب کیے جائیں یا فوج کے لیے ہم رعایا سے آدمی بھرتی کریں تو جو گرجے پیٹر کے قبضے میں ہیں ان سے یا اس کے پادریوں سے کوئی چیز وصول نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص پادریوں سے جبراً کوئی رقم لے گا تو اسے تگنی رقم واپس کرنی ہوگی۔ ان کے آئین و قوانین، ان کے گرجوں اور خانقاہوں کا احترام کیا جائے گا۔ جو شخص اس دین کی مذمت کرے گا یا اسے برا کہے گا اسے کسی حیلے یا بہانے سے بے قصور تصور نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ پادریوں کے بھائیوں اور بیٹوں کو بھی جو ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، ویسے ہی حقوق حاصل ہوں گے (۵۹)۔''

اوزبک خاں کا یہ فرمان محض خالی الفاظ پر مشتمل نہ تھا، بلکہ اس میں جس مذہبی آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ فی الواقع عیسائیوں کو حاصل تھی۔ اس حقیقت کا اندازہ اس مراسلے سے لگایا جا سکتا ہے جو ۱۳۱۸ء میں پوپ جان

Marfat.com

بست ودوم نے خان کے نام بھیجا تھا اور جس میں اس نے اس مسلمان فرماں روا کا شکریہ ادا کیا تھا کہ وہ اپنی عیسائی رعایا پر لطف وکرم کرتا ہے اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ اوز بک خاں کے جانشینوں میں تبلیغ اسلام کے لیے اس جیسا جوش وخروش نہ تھا لہٰذا جہاں اوز بک خاں ناکام رہا تھا وہاں اس کے جانشینوں کی کامیابی کی کیا اُمید ہوسکتی تھی۔ جب تک ان کی روسی رعایا اپنے ٹیکس ادا کرتی رہتی تھی، اس کو اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی، عیسوی مذہب ان کی زندگی میں اس قدر سرایت کر چکا تھا کہ اگر ان کو اپنے آبائی دین سے منحرف کرنے کی کوشش بھی کی جاتی تو اس میں کامیابی محال تھی، کیونکہ ملک روس میں مغلوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے روسی قوم تین سو سال سے عیسائیت کی پابند چلی آرہی تھی۔

روسی لوگ مسلمان نہ ہو سکے:

مغلوں سے کئی برس پہلے ایک اور قوم نے روسیوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی۔ یہ بُلغاری مسلمان تھے جو دسویں صدی عیسوی میں دریائے والگا کے کنارے آباد تھے اور جو غالباً ان مسلمان تاجروں کے میل ملاپ سے مسلمان ہوئے تھے جو سمور اور شمالی ملکوں کی دوسری اشیاء کی تجارت کے سلسلے میں ان کے ہاں آمدورفت رکھتے تھے۔ بُلغاری لوگ ۹۲۱ء سے پہلے مسلمان ہوئے ہوں گے، کیونکہ اس سنہ میں خلیفہ المقتدر عباسی نے ان کے ہاں اپنا سفیر بھیجا تھا تاکہ انہیں اسلام کے احکام اور عقائد کی تعلیم دے اور ان کے ایمان کو راسخ کرے۔(۶۰)

ان بلغاری مسلمانوں نے ولادیمیر کو مسلمان کرنے کی کوشش کی جو اس زمانے میں روسیوں کا بادشاہ تھا۔ ایک روسی مؤرخ کا بیان ہے کہ ولادیمیر نے یہ ضرورت محسوس کی کہ بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب اختیار کرے۔ لیکن ولادیمیر کو ختنے کی رسم اور شراب کی ممانعت پر جو اعتراض تھا اسے مسلمان دور نہ کرسکے۔ اس نے کہا کہ روسی لوگ شراب خواری کبھی نہ چھوڑیں گے، کیونکہ یہ ان کی زندگی کا پُر مسرت مشغلہ ہے۔ اسی طرح یہودی بھی اسے اپنے مذہب پر لانے میں ناکام رہے۔ یہ یہودی خُزر کے ملک سے آئے تھے جو بحیرۂ کیسپین پر واقع تھا اور اس قوم کے حکمران کو موسوی شریعت پر لا چکے تھے (۶۱)۔ ولادیمیر نے یہودیوں کے دلائل سننے کے بعد ان سے پوچھا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''ہمارا وطن اورشلیم ہے، لیکن خدا ہم پر غضب ناک ہوا اور اب اس نے ہم کو تمام روئے زمین پر منتشر کر دیا ہے۔'' یہ سن کر بادشاہ پکار اٹھا کہ ''تم خدا کے معتوب ہو اور اس کے باوجود تم دوسروں کو ایسا دین سکھانا چاہتے ہو؟ جاؤ کیونکہ ہم تمہاری طرح بے وطن ہونا نہیں چاہتے۔''

ولادیمیر کے دل پر سب سے اچھا اثر یونانی کلیسا کے ایک پادری نے ڈالا۔ اس نے اولاً دوسرے مذاہب پر مختصر تنقید کی اور اس کے بعد عیسوی دین کی ساری تعلیم اس کے سامنے پیش کی۔ آفرینش عالم، ہبوط آدم

Marfat.com

کے قصے سے لے کر سات مذہبی مجالس کے انعقاد کا حال بیان کیا، جن کے فیصلوں کو یونانی کلیسا نے تسلیم کیا تھا۔
پھر اس نے بادشاہ کو روزِ قیامت اور یوم الحساب کی تصویر دکھائی جس میں خدا کے نیک بندے بہشت میں داخل ہو رہے تھے اور گناہ گار دوزخ میں جھونکے جا رہے تھے۔ اس نے بادشاہ سے کہا اگر تم اصطباغ لے لو تو جنت کے وارث ٹھہرو گے۔ لیکن ولادیمیر نہیں چاہتا تھا کہ اپنی بت پرستی چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے میں عجلت سے کام لے، لہٰذا اس نے اپنی سلطنت کے امراء کو جمع کیا اور اس نے مختلف مذاہب کی جو کیفیت سنی تھی، ان سے بیان کی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ "اے بادشاہ! ہر ایک شخص اپنے مذہب کی ستائش کرتا ہے۔ اگر تم بہترین مذہب کا انتخاب کرنا چاہتے ہو تو چند عقل مند آدمیوں کو مختلف ملکوں میں بھیجو تا کہ وہ یہ دریافت کریں کہ تمام قوموں میں سے کون سی قوم ہے جو خدا کی شان و عظمت کے مطابق اس کی اطاعت و تعظیم کرتی ہے۔"
یہ سن کر بادشاہ نے اس کام کے لیے دس آدمی منتخب کیے جو عقل و فہم میں ممتاز تھے۔ یہ لوگ روانہ ہو کر بلغار کے مسلمانوں میں پہنچے، لیکن دیکھا کہ ان کی عبادت گاہیں حقیر سی ہیں، ان کے طریقۂ عبادت میں ایک قسم کی اداسی ہے اور نمازیوں کے چہرے سنجیدہ اور مغموم ہیں۔ اسی طرح جرمن کیتھولک لوگوں کی مذہبی رسوم میں بھی انہیں کوئی شان و شوکت نظر نہ آئی۔ آخر کار وہ قسطنطنیہ پہنچے جہاں قیصر نے اپنے لوگوں سے کہا کہ "ان روسیوں کو اپنے خداوند کا جاہ و جلال دکھاؤ۔" چنانچہ وہ اُن کو ایا صوفیہ کے گرجا میں لے گئے، جہاں ان کا بطریرک اپنی امامت کے پر تکلف لباس میں نماز پڑھا رہا تھا۔ عمارت کی عظمت و شان، پادریوں کے قیمتی اور زرق برق لباس، قربان گاہوں کی زیب و زینت، بخور کی خوشبو، نمازیوں کی مؤدبانہ خاموشی اور طریقۂ عبادت کی پر اسرار سنجیدگی، ان سب چیزوں کو دیکھ کر روسیوں کے دل تعجب اور حیرت سے لبریز ہو گئے۔ ان کو یوں معلوم ہوا، گویا یہی گرجا خدائے بزرگ و برتر کا مسکن ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ اپنا جاہ و جلال اپنے فانی بندوں پر آشکارا کرتا ہے۔
جب وہ سفیر کیف کے شہر میں واپس آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے اپنی ساری سرگزشت بیان کی۔ اسلام کا ذکر انہوں نے حقارت سے کیا اور رومن کیتھولک مذہب کے حق میں بھی کچھ نہ بولے، لیکن یونانی کلیسا کی تعریفوں کے پُل باندھ دیے اور کہا کہ "جس شخص نے ایک دفعہ میٹھے شربت کو لبوں سے لگایا ہو تو پھر وہ تلخ چیز سے ہمیشہ نفرت کرے گا۔ پس جب ہمیں یونانی کلیسا کا علم ہو گیا ہے تو ہم کسی اور مذہب کی خواہش نہیں رکھتے۔" ولادیمیر نے اپنے ارکانِ دولت سے دوبارہ مشورہ کیا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ "اگر یونانی کلیسا سب مذاہب سے بہتر نہ ہوتا تو تمہاری دادی اولگا، جو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ دانش مند تھی، کبھی اس مذہب کو قبول نہ کرتی۔" یہ سن کر ولادیمیر نے مزید تذبذب نہ کیا اور ۹۸۸ء میں اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس دن اس نے اصطباغ لیا، اس کے اگلے دن اس نے ان بتوں کو توڑ ڈالا جن کو اس کے باپ دادا پوجتے آئے تھے۔

Marfat.com

ایک فرمان جاری کیا کہ تمام روسی لوگ، خواہ آقا ہوں یا غلام، امیر ہوں یا فقیر، عیسوی مذہب میں داخل ہونے کے لیے اصطباغ لیں (۶۲)۔

الغرض اس طریقے سے عیسوی دین روسی لوگوں کا قومی مذہب قرار پایا۔ مغلوں کی فتح کے بعد روسیوں اور تاتاریوں کے مختلف قومی خصائص نے دونوں قوموں کو آج تک ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ روسیوں کو تاتاری حکومت سے انتہائی نفرت اور اپنے مذہب کے ساتھ گہری شیفتگی تھی۔ اس کے علاوہ تاتاریوں میں مذہبی جوش و خروش مفقود تھا۔ ان اسباب سے روسی قوم تاتاری فاتحین کا مذہب اختیار نہ کر سکی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شریعتِ اسلام میں شراب نوشی کی جو ممانعت آئی ہے، اس نے بھی روسیوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب تک زار روس نے ۱۹۰۵ء میں ایک فرمان کے ذریعے سے تمام روسی سلطنت میں مذہبی آزادی کا اعلان نہیں کیا تھا اور جب تک وہاں اسلام کی تبلیغ عملی طور پر شروع نہیں ہوئی تھی، اُس وقت تک روسی لوگوں کے قبولِ اسلام کے واقعات دیکھنے میں نہیں آئے۔ جو روسی مسلمان ہوئے ہیں، ان کے قبولِ اسلام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو تاتاریوں نے مالی امداد دی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی اخلاقی قوت نے بھی اپنا اثر دکھایا (۶۳)۔

کریمیہ میں اسلام کی اشاعت:

پھر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ روس کے تاتاریوں نے گزشتہ صدیوں میں اسلام پھیلانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ کریمیہ کے تاتاریوں میں یونانی وضع قطع کے جو چہرے نظر آتے ہیں، اُن سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ ان مسلمانوں نے ان یونانیوں اور اطالویوں کو اپنی جماعت میں جذب کر لیا تھا جو کریمیہ میں آباد تھے۔ اُن میں وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اصلی مقامی باشندوں اور جنوآ کے آباد کاروں (۶۴) کی اولاد ہیں، اور اب مسلمان ہیں۔ سترھویں صدی کا ایک سیاح لکھتا ہے کہ کریمیہ کے تاتاری اپنے اپنے غلاموں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے غلاموں کو آزادی کا وعدہ دے کر مسلمان کر لیا تھا۔ جب ۱۹۰۵ء میں (۶۵) حکومتِ روس کی طرف سے مذہبی آزادی کا اعلان ہوا تو اس کے بعد کریمیہ کے تاتاریوں میں بھی قبولِ اسلام کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔

Marfat.com

بلادِ روس میں اسلام کی اشاعت

لتھوانیا کے مسلمان:

اس موقع پر لتھوانیا کے تاتاریوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جن کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اس ملک میں پندرھویں صدی کی ابتدا سے آباد ہیں۔ یہ مسلمان مہاجر عیسائی آبادی کے درمیان رہتے ہیں، لیکن وہ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کی کبھی کوشش نہیں کی اور اس کے اسباب غالباً سیاسی ہیں۔ ان کے ہاں لتھوانیا اور پولینڈ کی عورتوں سے شادی بیاہ کرنے کا عام دستور رہا ہے جن کی اولاد کی تربیت ہمیشہ اسلامی طریقے پر ہوتی تھی۔ لیکن اس کے برعکس کسی مسلمان لڑکی کو کسی عیسائی مرد کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پندرھویں صدی میں اس ملک کے (عیسائی) حاکم اپنے تاتاری لشکریوں کی عیسائی عورتوں سے شادی کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتے تھے اور ان کو زمینیں اور دوسرے حقوق عطا کرتے تھے (٦٦)۔

قرغیز قبائل میں اسلام کی اشاعت:

اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں سب سے عجیب وغریب واقعہ وسطی ایشیا کے قرغیز قبیلوں کا قبولِ اسلام ہے جن کو تاتاری ملاؤں نے مسلمان کیا تھا۔ یہ ملا وہ تھے جنہوں نے روسی حکومت کے سفیروں کی حیثیت سے اٹھارویں صدی میں ان کے ہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ قرغیز قوم کے لوگ ۱۷۳۱ء سے سلطنت روس کے محکوم ہونے شروع ہوئے اور ایک سو بیس سال تک ان کے ساتھ تمام سرکاری خط وکتابت اس خیال سے تاتاری زبان میں ہوتی رہی کہ وہ دریائے والگا کے تاتاریوں کے ہم نسل اور ہم قوم ہیں۔ ان کے بارے میں روسی حکومت کو دوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ اس نے قرغیز کو مسلمان سمجھا، حالانکہ اٹھارویں صدی میں قرغیز کے تقریباً تمام لوگ شامانی مذہب رکھتے تھے اور ان کے بہت سے افراد انیسویں صدی کے وسط تک اسی مذہب پر قائم تھے۔ جس وقت اُن کا ملک روسی سلطنت میں شامل ہوا تو ان کے چند خوانین اور سرداروں کے علاوہ کسی کو دینِ اسلام کا علم نہ تھا۔ ان کو اسلام کا جو کچھ علم تھا وہ بھی غیر واضح اور مبہم سا تھا۔ قرغیز قوم کے تمام علاقے میں نہ تو کوئی مسجد تھی اور نہ ہی اسلام کا کوئی معلّم تھا۔ اُن میں اسلام کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ روسی حکومت نے ان کو مسلمان سمجھ کر ان سے مسلمان رعایا کا سا سلوک کیا۔ مسجدوں کی تعمیر کے لیے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیں اور ان کے ہاں مدارس جاری کرنے اور بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے ملّا اور معلّم روانہ کیے۔ قرغیز طالب علموں کو گزر اوقات کے لیے روزینہ ملتا تھا اور ان کے والدین کو تحائف اور دوسرے ذرائع سے اس بات کی ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسوں میں بھیجیں۔

Marfat.com

قرغیز کے علاقوں میں اسلام کی اشاعت روسی حکومت کی جانب سے ہوئی۔ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ قرغیز کے جو قبیلے یورپ سے متصل آباد تھے وہی سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان کا قدیم شامانی مذہب اُنیسویں صدی تک ان قبیلوں میں باقی رہا جو خیوا، بخارا اور خوقند کے قرب و جوار میں خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کر رہے تھے، حالانکہ یہ شہر صدیوں سے مسلمان چلے آ رہے تھے (۶۷)۔

غالباً یہ واحد نظیر اس بات کی ہے کہ ایک عیسائی حکومت نے (نادانستہ طور پر) اسلام کی اشاعت میں مدد دی ہو۔ یہ بات اس لحاظ سے اور بھی لائقِ توجہ اور قابلِ غور ہے کہ عین اسی زمانے میں روسی حکومت یورپ میں اپنی مسلمان رعایا کو جبراً عیسائی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی یہ کوشش اس وقت سے جاری تھی جب سے روسیوں نے سولھویں صدی میں قازان کی اسلامی ریاست کو فتح کیا تھا۔

بہت سے قرغیز قبیلے، جو اُن میدانوں میں آباد تھے جو ضلع ٹوبولسک سے لے کر جنوب کی طرف ترکستان تک پھیلے ہوئے ہیں، اُنیسویں صدی کی ابتدا تک بت پرست تھے، لہٰذا روسی حکومت سے درخواست کی گئی کہ عیسائیت کی اشاعت کے لیے ان کے ہاں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن روسی حکومت نے اس درخواست کو یہ کہہ کر نامنظور کر دیا کہ ''یہ لوگ ابھی تک اس قدر وحشی اور جنگلی ہیں کہ وہ انجیل کی تعلیم کو قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی دوسرے مذہب کے مبلغ، جنہوں نے کسی حکومت کی رضا مندی کا سہارا نہیں ڈھونڈا تھا اور جو زیادہ مذہبی جوش اور فہم و فراست کے مالک تھے، اس میدان میں آ نکلے اور انہوں نے تمام قرغیز قبیلے کو دینِ اسلام میں داخل کر لیا (۶۸)۔''

سولھویں صدی میں جب روسی قازان کی اسلامی تاتاری ریاست کو فتح کر چکے تو انہوں نے عیسائیت کی اشاعت کے لیے سرکاری طور پر ایک مہم چلائی اور وہاں کے بعض بت پرستوں کو اصطباغ دیا۔ پولیس اور دیوانی محکموں کے افسروں نے پادریوں کے تبلیغی کام میں ان کو مدد دی، لیکن روسی پادری ان تاتاریوں کی زبان نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ اُن کی طرف سے جلد ہی غافل ہو گئے اور اِن کے بارے میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ''یہ تاتاری لوگ عیسائی ہونے کے باوجود بے شرمی کے ساتھ اپنے قدیم مکروہ رسوم و رواج کے پابند ہیں اور ان کو عیسوی مذہب کا نہ تو علم ہے اور نہ ہی اس پر اعتقاد ہے''۔ جب دینی تعلیم و تلقین کارگر نہ ہوئی تو حکومت نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ ''جو لوگ اصطباغ پا کر عیسائی ہو چکے ہیں لیکن مطران کے احکام کو نہیں مانتے ان کو پہلے نرمی سے سمجھایا جائے اور اگر نہ سمجھیں تو ان کو قید کر کے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ ان کو ڈرا دھمکا کر ان کے دلوں سے قدیم تاتاری مذہب کا خیال نکال دیا جائے۔''

اُنیسویں صدی میں روسی حکومت نے بت پرست قبیلوں کو اور ان تاتاریوں کو جو عیسوی مذہب سے

Marfat.com

منحرف اور مرتد ہو گئے تھے، عیسائی کرنے کی دوبارہ کوشش کی اور ان کو اصطباغ لینے کے لیے بہت سے لالچ دیے۔ چنانچہ ملکہ کیتھرین دوم نے ۱۷۷۸ء میں حکم جاری کیا کہ جو لوگ تازہ عیسائی ہوئے ہیں وہ اس مضمون کا تحریری اقرار نامہ داخل کریں کہ ''وہ اپنی بت پرستی کی ضلالت کو کامل طور پر ترک کر دیں گے اور کافروں سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے، اور بغیر کسی تذبذب کے عیسوی مذہب اور اس کے عقائد کے سختی سے پابند رہیں گے۔'' لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود اصطباغ پانے والے یہ عیسائی محض نام کے عیسائی تھے، کیونکہ انہوں نے جلد ہی آرتھوڈوکس کلیسا کی تبلیغی کوششوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش شروع کر دی اور اسلام کی خاطر عیسائیت کو ترک کر دیا۔ گویا ان کا برائے نام عیسائی ہونا ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ثابت ہوا۔

اگرچہ سرکاری دفاتر میں تاتاریوں کا نام عیسائیوں کی فہرست میں لکھا جاتا تھا لیکن وہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اُن تمام کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے جو ان کو عیسائی بنانے کے لیے کی جاتی تھیں۔ ایک نیم سرکاری مضمون میں، جو ۱۸۷۲ء میں چھپا تھا، مضمون نگار نے لکھا تھا کہ ''یہ امر قابل غور ہے کہ عیسوی دین کو ترک کرنے کے واقعات عین اسی زمانے میں پیش آئے جب عیسائیوں کو اپنے مذہب میں پختہ کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں لہٰذا ان کوششوں کے پہلو بہ پہلو ضرور کوئی اور سبب موجود ہوگا جس کی وجہ سے ارتداد کے یہ واقعات رونما ہوئے، حالانکہ توقع اس کے برعکس تھی۔'' حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ تاتاری دل سے ہمیشہ مسلمان رہے تھے' اس لیے انھوں نے ان تمام طریقوں کا مقابلہ کیا جن سے ان کو حقیقی طور (۶۹) پر عیسائی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں بت پرست اور مسلمان قبیلوں میں مدارس جاری کئے گئے اور ان کے ذریعے سے ان قبائل کو عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی، کیونکہ روسیوں کو یہ امید تھی کہ اس طریقے سے تاتاریوں کی نئی نسل کو عیسائی بنایا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کے سوا کسی اور ذریعے سے تاتاریوں میں عیسائیت کی ترویج ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک روسی پروفیسر نے لکھا ہے کہ ''قازان کے لوگوں کو عیسائی کرنا بہت دشوار ہے۔ لیکن ہمیں دیہات کے چند لڑکے مل جاتے ہیں جن کو ہم خدا ترسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ جب وہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ ہو جاتے ہیں تو پھر کبھی عیسائی مذہب سے روگردانی نہیں کرتے (۷۰)۔'' اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ روسیوں کے ضابطہ فوجداری میں کئی دفعات ایسی تھیں جن کی رو سے عیسائی مذہب (۷۱) ترک کرنے والوں کو سخت سزائیں مل سکتی تھیں۔ جو شخص کسی عیسائی کو مسلمان کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوتا تھا وہ تمام شہری حقوق سے محروم ہو جاتا تھا اور آٹھ سے دس برس کی قیدِ بامشقت کی سزا پاتا تھا۔ لیکن روسی حکومت کے ان تمام احکام اور فرامین کے باوجود اسلام کی تبلیغ سے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلام کی اشاعت اُن قبائل میں خاص طور پر کامیاب رہی جو روس کے شمال مشرق میں آباد تھے (۷۲)۔

Marfat.com

قازان تبلیغ اسلام کا مرکز تھا:

قازان کا شہر اسلامی تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز ہے اور ہر سال یہاں بہت سی اسلامی کتابیں چھپتی ہیں۔ وہاں کی یونیورسٹی سے بہت سے ملا دیہات میں وہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کرنے کے لئے جاتے ہیں اور ان تاتاریوں کو، جو اصطباغ پا کر عیسائی ہو گئے ہیں، اسلام کی طرف واپس لاتے ہیں۔ عیسائی تاتاری جس کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں، اس سے آرتھوڈوکس کلیسا کے پادری گھبرا اُٹھے ہیں۔ لیکن وہ ابھی تک ملاؤں کی کامیابی کو روکنے میں ناکام رہے ہیں (۷۳)۔ خصوصاً جب سے (۱۹۰۵ء) روس میں مذہبی آزادی کا اعلان ہوا ہے، تاتاریوں کے گروہ کے گروہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۹ء میں اتوموا کے گاؤں کے اکانوے خاندانوں نے اسلام قبول کیا (۷۴) اور ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۰ء (۷۵) کے درمیانی عرصے میں ترپین ہزار (۵۳۰۰۰) آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلامی تبلیغ کی کامیابی کا بیشتر سبب یہ تھا کہ اسلامی معاشرے کا اخلاقی درجہ بلند تر تھا اور اس میں اتفاق واتحاد کا جذبہ بھی قوی تر تھا (۷۶)۔ اس کے علاوہ عیسائی پادریوں نے روسی حکومت کی تائید سے عیسائی تاتاریوں کو راسخ العقیدہ بنانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے تھے، ان سے تاتاری عیسائیت سے متنفر ہو گئے ہیں (۷۷)۔ اس کے برعکس اسلام کی تبلیغ بڑے جوش وخروش سے جاری ہے۔ ایک روسی مصنف بابرونکوف لکھتا ہے کہ ''ہر ایک سیدھا سادہ ان پڑھ مسلمان بھی اپنے دین کا مبلغ ہے، اور بت پرست یا نیم بت پرست قبیلے جو نادار، بے علم اور جاہل ہیں، ان مبلغوں کی قوت ایمانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عیسائیوں کے دیہات سے بہت سے لوگ سرما کے موسم میں درزی کا کام کرنے کے لیے مسلمانوں کے قصبوں میں چلے جاتے ہیں اور وہاں جا کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ وہ جب اپنے دیہات کو واپس آتے ہیں تو اسلامی عقائد بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ انہیں بڑے جوش وخروش سے اپنے گھروں میں پھیلاتے ہیں۔ (۷۸)''۔

اس اسلامی تبلیغ سے ووتیاک قبائل سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں ان کے اکثر لوگ اصطباغ پا کر عیسائی ہو چکے تھے، لیکن ان کے بہت سے افراد اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلمان ہو گئے۔ اسلام کا اثر عیسائی اور بت پرست دونوں قسم کے قبیلوں میں روز بروز بڑھ رہا ہے۔

ووتیاک کی طرح چرمس بھی فن قوم کا ایک قبیلہ ہے ان میں سے تقریباً ایک چوتھائی ابھی تک بت پرست ہیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور گمان غالب ہے کہ باقی افراد بھی عنقریب یہی مذہب اختیار کر لیں گے۔ اسلام کی طرف چرمس قوم کا میلان انیسویں صدی میں ظاہر ہوا تھا، اگرچہ ان کے اکثر لوگ برائے نام عیسائی تھے۔ ان کے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے، حالانکہ روسی حکومت کے قانون کے

Marfat.com

مطابق اس زمانے میں جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہتا تھا، وہ آرتھوڈوکس کلیسا (۷۹) کے سوائے اور کوئی مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ انھوں نے باشقیر اور تا تاریوں کے میل ملاپ سے اسلام قبول کیا تھا، جن کے خاندانی اور معاشرتی رسم و رواج ان کے اپنے دستور کے مشابہ اور موافق تھے۔ ان کے ہاں اسلام کی اشاعت کا آغاز بعض اوقات مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ سے ہوا۔ مثلاً کسی گاؤں میں ایک چرمس خاندان نے باشقیروں کے ہاں شادی کی اور پھر انھی کا مذہب اختیار کر لیا جب ان کے اپنے گاؤں کے عیسائی ان کو ''مختون کتے'' کہہ کر ان سے بدسلوکی کرنے لگتے تو وہ وہاں سے نقل مکانی کر کے چند میل کے فاصلے پر ایک نئی بستی بسا لیتے اور بعض خوش حال باشقیر ان کو مالی امداد دیتے۔ لیکن چونکہ سرکاری رجسٹروں میں ان کا اندراج بت پرستوں کی فہرست میں ہوتا تھا اس لیے ان کو مسجد بنانے کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا ان کے قرب و جوار کے چند باشقیر خاندان اس نئی بستی میں آ کر آباد ہو جاتے تھے تاکہ مسجد کی تعمیر کے لئے سرکاری طور پر مسلمانوں کی جتنی تعداد مطلوب ہے (۸۰) وہ پوری ہو سکے۔ اسی قسم کا عمل کئی بار دوسرے دیہات میں بھی ہوا ہے جہاں مسلمان آ کر آباد ہوئے ہیں اور چرمس (۸۱) کے ساتھ سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہوئے ہیں۔ دیگر مقامات میں خاص تعلیمی تحریک کا پتا چلتا ہے، مثلاً انیسویں صدی کی ابتدا میں کراکول کے گاؤں میں عیسائی چرمس آباد تھے۔ لیکن اسی صدی کے وسط کے بعد ایک چرمسی کی تبلیغ سے، جو مّلا بن چکا تھا، ان کے چند خاندان مسلمان ہو گئے۔ جب وہ مّلا مر گیا تو اس کی جگہ ایک اور گاؤں کے ایک باشقیر نے لے لی۔ جو چرمس مسلمان ہوئے تھے وہ بعد ازاں تا تاری اور باشقیری دیہات میں منتقل ہو گئے اور ان کی جگہ تا تاریوں نے لے لی یہاں تک کہ تمام گاؤں عملی طور پر تا تاری بن گیا، نئی نسل کے اکثر لوگ چرمسی زبان بھول گئے اور صرف تا تاریوں کے ہاں شادی بیاہ کرنے لگے (۸۲)۔ ان تبلیغی کوششوں کے علاوہ چرمسی قوم پر تا تاری زبان اور تا تاری اوضاع و اطوار کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں تا تاری زبان رائج ہو گئی ہے جو اپنے ساتھ اسلام کے مذہبی اور اخلاقی خیالات کو بھی لے کر آئی ہے تا تاری لباس کا استعمال ایک اعلیٰ تہذیب کا نشان سمجھا جاتا ہے اگر کوئی چرمسی تا تاری لباس نہ پہنے تو اسے اس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے کہ اس پر تا تاری لوگ یا اس کے اپنے ہم قوم چرمسی ہنسیں گے۔ ان تمام تمدنی اثرات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ چرمسی بالآخر تا تاریوں کا مذہب (یعنی اسلام) اختیار کر لیتے ہیں (۸۳) کہا جاتا ہے قبول اسلام کے بعد چرمسی لوگ اپنے نئے دین کی اشاعت میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس کے بارے میں خوش حال تا تاری ان کو امداد (۸۴) دیتے ہیں۔ اس کے برعکس روسی لوگ چرمس کو ایک نیچ ذات سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کو برے ناموں سے یاد کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی جو عیسائی ہو چکے ہیں۔ (۸۵) چرمس قوم کے تقریباً ایک چوتھائی لوگ ابھی تک بت پرست ہیں، لیکن ان کے ہاں اسلامی اثرات اتنے زبردست ہیں کہ ان کے اکثر لوگ غالباً عنقریب مسلمان ہو

Marfat.com

جائیں گے(۸۶)۔

چواش قوم میں اسلام کی اشاعت:

چواش قوم کے لوگ، جن کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے' تقریباً تمام اصطباغ لے چکے ہیں لیکن ان میں سے تقریباً بیس ہزار ابھی تک بت پرست ہیں مگر یہ لوگ بتدریج مسلمان ہو رہے ہیں۔ جو چواش عیسائی ہیں ان میں سے بھی بعض افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔اور جو باقی ہیں وہ بھی اسلام کے اثر میں آ رہے ہیں۔ چواش قوم کے مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک عیسائی گاؤں کے پادری نے ایک گرجا کی مرمت کے لیے کئی سال کے عرصے میں بمشکل تین سو روبل جمع کیے،لیکن اس کے برعکس جس چواش کے آٹھ خاندان مسلمان ہوئے تو انھوں نے ایک مسجد (۸۷) کی تعمیر کے لیے چند مہینوں میں دو ہزار روبل اکٹھے کر لیے۔اس قسم کا مذہبی جوش اس اسلامی تبلیغ کا خاصہ ہے جو اس وقت کے قدیم مقامی قبائل میں جاری ہے۔ ہر خاندان کو جو اسلام قبول کرتا ہے، نقدی یا جنس کی صورت میں امداد ملتی ہے کسی کے لیے گھر تعمیر کر دیا جاتا ہے اور کسی کے لیے کھیت اور مویشی خریدے جاتے ہیں۔ جب کسی گاؤں کے چند خاندان مسلمان ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے ایک مسجد تعمیر کر دی جاتی ہے اور ان کے بچوں کے لیے ایک مدرسہ جاری کر دیا جاتا ہے(۸۸)۔

سائبیریا کے تاتاری مسلمان:

سائبیریا کے تاتاریوں میں اسلام کیسے پھیلا؟ اس کے متعلق ہمارے علم میں صرف چند ایک واقعات آئے ہیں۔سولھویں صدی سے پہلے اس ملک میں اسلام کے قدم نہ جم سکے تھے،لیکن اس سے پہلے بھی اسلام کے مبلّغ اس ملک میں وقتاً فوقتاً اس امید پر آتے رہے تھے کہ وہ اس ملک کے بت پرستوں کو مسلمان کریں گے،لیکن ان میں سے اکثر کو سوائے مرتبہ شہادت کے اور کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ جب کوچُم خاں کے عہد میں سائبیریا کے ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو مبلغینِ اسلام کی سات قبریں ایک بوڑھے شیخ نے دریافت کیں جو بخارا سے ان کی تلاش میں آیا تھا اور چاہتا تھا کہ ان شہیدانِ اسلام کی کوئی یادگار سائبیریا میں قائم کی جائے۔اس شیخ نے ان ساتوں شہیدوں کے نام بھی بتائے۔گزشتہ صدی تک سائبیریا کے تاتاری (۸۹) ان کو احترام کے ساتھ یاد کرتے رہے ہیں۔جب ۱۵۷۰ء کے قریب کوچم خاں، جو چنگیز خاں کے بیٹے جوچی کی اولاد سے تھا،سائبیریا کو فتح کر کے وہاں کا فرماں روا بنا،یا بروایت دیگر وہاں کے بادشاہ کے لاولد (۹۰) مرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کی درخواست پر وہاں کا حاکم ہوا،تو اس نے اپنی رعایا کو مسلمان کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور بخارا سے مبلّغ منگوائے تا کہ اس کارِ خیر میں اس کی مدد کریں۔ان میں سے ایک مبلّغ نے، جو بخارا سے آیا تھا،اپنا حال یوں لکھا ہے کہ وہ ایک ساتھی

Marfat.com

کے ہمراہ کوچم خاں کے دارالحکومت میں پہنچا جو دریائے ارتش کے کنارے پر واقع تھا۔ دو سال کے بعد اس کا رفیق یہاں انتقال کر گیا اور بعض وجوہات سے، جو اس نے بیان نہیں کیں، وہ اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔ لیکن کوچم خاں نے جب بخارا سے دوبارہ مدد طلب کی (۹۱) تو یہی شخص پھر سائبیریا آیا اور اپنے ساتھ ایک معاون لایا۔ قازان سے بھی مبلغ آئے۔ لیکن اسلام کی اشاعت میں ابھی کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ روسی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے کوچم خاں کی تبلیغی کوششوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ بہت سے قبیلوں نے، جو کوچم خاں کے محکوم تھے، قبول اسلام کی سخت مخالفت کی تھی۔

اگرچہ روسی فتوحات نے اسلام کی ترقی میں خلل ڈالا تھا لیکن یہ ترقی بہرحال قطعی طور پر رک نہ سکی۔ کیونکہ بخارا اور ترکستان کے دوسرے شہروں کے علمائے دین اور قازان کے مسلمان تاجر سائبیریا میں مسلسل طور پر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے تھے۔ برایا قبیلے کے تاتاریوں میں، جو دریائے ارتش اور اوب کے درمیان آباد تھے، اسلام کا قدم پہلی مرتبہ ۱۷۴۵ء میں پہنچا۔ اگرچہ انیسویں صدی کی ابتدا تک ان کے اکثر لوگ بت پرست رہے مگر اب تمام مسلمان ہو چکے ہیں (۹۲)۔

قرغیز کے قبول اسلام کا اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے مگر سائبیریا کے دوسرے مسلمان قبیلوں کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ بہرحال یہ قومیں غالباً حال ہی میں مسلمان ہوئی ہیں۔ آج کل جن وسائل سے تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی ہے، ان میں یہ طریقہ بہت دلچسپ ہے کہ اسلام کے بڑے بڑے حقائق یعنی اس کے ارکان و احکام کو قرغیز کے قصے کہانیوں میں اس طرح ملا دیا گیا ہے جس سے وہ عوام کے دلوں (۹۳) میں اتر جاتے ہیں۔

Marfat.com

حواشی

ا۔ابن الاثیر: جلد۱۲،ص۲۳۴۔

۲۔ولیم آف روبروک(William of Rubruck):ص۱۸۲۔۱۹۱

۳۔ڈی گوئیگنس(De Guignes): جلد۳،ص۲۰۰۔۲۰۳۔

۴۔ڈی گوئیگنس: جلد۳،ص۱۱۵۔

۵۔کاہن(Cahun):ص۳۹۱۔

۶۔کلاپوتھ(Klapooth):ص۲۰۴۔

۷۔سی۔ڈی۔آکسن: جلد۲،ص۲۲۶۔۲۲۷۔کاہن: ص۴۰۸۔

۸۔ولیم کے بارے میں کرنل یول نے لکھا ہے کہ "اس شخص نے نسطوری پیشواؤں کی علمی اور اخلاقی حالت کی مذمت کی ہے۔اور بدعتی فرقوں کے متعلق جس قدر تحریریں لکھی گئی ہیں، ان میں ولیم کا بیان زیادہ قابل وقعت ہے، کیونکہ اس کے پڑھنے سے ہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی دیانتدار اور لائق آدمی نے اسے لکھا ہے"۔(ملک ختاے، جلد ا)

۹۔ولیم روبروک:ص۱۵۸۔۱۵۹

۱۰۔مقریزی: جلد ا،ص۱۵۸۔۱۵۹۔

۱۱۔طبقات ناصری، از جوز جانی، ص۴۴۸۔۴۵۰ اور انگریزی ترجمہ از راورٹی، ص۱۲۸۸۔۱۲۹۰۔

۱۲۔مغلوں نے مسلمانوں پر ایسے ظلم کئے تھے کہ چینی تماشا گر بھی جب پردہ پر عکس ڈال کر تصویریں دکھاتے تھے تو ایک تصویر میں ایک سفید ریش بوڑھا آدمی نظر آتا تھا جس کی گردن گھوڑے کی دم سے بندھی ہوئی تھی اور گھوڑا اسے گھسیٹتا پھرتا تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغل سوار مسلمانوں سے کیسا سلوک کرتے تھے۔(تاریخ مغول، از ہوورتھ، جلد ا)

۱۳۔جب مغلوں نے دیکھا کہ اس حکم سے مسلمان تاجروں کا دربار میں آنا بند ہو گیا ہے۔اور اس سے تجارت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔تو اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا(طبقات ناصری)۔

۱۴۔جوزجانی:ص۵۰۴۔۵۰۵۔راورٹی(Raverty):ص۱۱۶۰۔

۱۵۔گوئیگنس: جلد۳،ص۲۶۵۔

۱۶۔کاہن:ص۲۷۹۔

۱۷۔سی۔ڈی۔آکسن: جلد۳،ص۱۲۱۔

۱۸۔رشید الدین:ص۲۰۰۔۲۰۲۔

۱۹۔چین کے دارالحکومت پیکنگ کو مغل لوگ "خاں بالغ" کہتے تھے جس کے معنی ہیں "خان کا شہر"۔(مترجم)

۲۰۔بلاکٹ(Blocket):ص۷۴۔۷۷۔

۲۱۔یہ دلچسپ بات قابل ذکر ہے کہ نجم الدین مختار الزاہدی نے ۱۲۶۰ء میں برکہ خاں کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صداقت کے دلائل بیان کئے تھے، اور منکرین کا رد کیا تھا اور عیسائیوں اور مسلمانوں

Marfat.com

کے باہمی مناظروں کا ذکر کیا تھا۔

۲۲۔ چنگیز خاں کے مرنے کے بعد اس کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی اور ہر ایک حصے میں ایک الگ حکومت قائم ہوگئی تھی۔ خاقان یعنی خان اعظم کو چھوڑ کر مغلوں کے باقی تینوں حکمران خاندان یکے بعد دیگرے مسلمان ہوگئے۔ سب سے پہلے بلاد روس میں دشت قبچاق کے آلتون اردو والے مغل مشرف با سلام ہوئے۔ اس کے بعد ایران کے ایلخانی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور سب سے آخر میں ترکستان کے چغتائی مغل بھی اسلام کے حلقہ بگوش بنے۔ (مترجم)

۲۳۔ تاریخ مغول، از ابوالغازی بہادر خاں، فرانسیسی ترجمہ، جلد ثانی ص ۱۸۱۔

۲۴۔ جوز جانی: ص ۴۴۷۔ راورٹی: ص ۱۸۳۔۱۸۴۔

۲۵۔ ایضاً: ۱۲۸۵۔۱۲۸۶۔

۲۶۔ مقریزی: جلد ۲، ص ۱۸۰۔۱۸۱، ۱۸۷۔

۲۷۔ ایضاً: ص ۲۱۵۔۲۲۲۔

۲۸۔ ایضاً: ص ۲۱۵۔۲۲۲۔

۲۹۔ وصاف نے اس کو اسلام قبول کرنے سے قبل تکودار کے نام سے یاد کیا ہے اور قبول اسلام کے بعد احمد کے نام سے پکارا ہے۔

۳۰۔ ہٹن (Hayton): رے موسیو (Ramusio): جلد ۲، ص ۶۰۔

۳۱۔ تاریخ وصاف: مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۹ھ، ص ۱۱۳۔۱۱۵۔

۳۲۔ وصاف: ص ۲۳۱۔۲۳۴۔

۳۳۔ ڈی گونیگنس (Deguignes) جلد ۳، ص ۲۶۳۔۲۶۵۔

۳۴۔ سی۔ ڈی۔ آکسن: جلد ۴، ص ۱۴۱۔۱۴۲۔

۳۵۔ ایضاً: جلد ۴، ص ۱۴۸۔

۳۶۔ ایضاً: ص ۳۶۵۔

۳۷۔ ایضاً: ص ۳۵۴۔۱۴۸۔ کاہن: ص ۴۳۴۔

۳۸۔ سی۔ ڈی۔ آکسن: جلد ۴، ص ۱۳۲، ۱۸۲۔

۳۹۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں ہے کہ مسلمان عورتوں نے، جو مغلوں کی باندیاں تھیں، ان کو مسلمان کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ مغلوں کے ہاں عورتوں کو بظاہر عزت کا رتبہ حاصل تھا، اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ وہ سیاسی اور ملکی معاملات میں نمایاں حصہ لیتی تھیں۔ اسی طرح اس امر کی کئی نظیریں ملتی ہیں کہ عورتوں نے اپنے شوہروں کے مذہبی عقائد پر اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ ولیم (روبروک: ص ۹۰۔۹۱) لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان کو عیسائی کرنے میں اس کی مسلمان بیوی حائل ہوئی "پینٹی کوسٹ کے دن ایک مسلمان ہمارے پاس آیا اور گفتگو کے دوران میں ہم اس سے اپنے مذہب کے عقائد بیان کرنے لگے۔ جب اس نے خدا کے احسانات کا حال سنا، مثلاً خدا کا مجسم ہو کر آنا، حشر اموات، یوم الحساب اور اصطباغ سے گناہوں کا دھویا جانا، تو اس نے اصطباغ پانے کی خواہش کی، لیکن جب ہم اس کو اصطباغ دینے کی تیاری کر رہے تھے تو وہ اچانک لپک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے گھر جا کر اپنی بیوی سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ جب وہ دوسرے دن ہمارے پاس آیا تو کہنے لگا کہ میں ہرگز اصطباغ نہ لوں گا

Marfat.com

کیونکہ اس صورت میں میں پھر کبھی کمس یعنی گھوڑی کا دودھ نہ پی سکوں گا۔"

۴۰۔ابن بطوطہ: جلد۲،ص ۵۷۔

۴۱۔جوز جانی: ص ۳۸۱،۱۴۱۔۳۹۷۔ راورٹی: ص ۱۱۴۰،۱۱۴۵۔۱۱۴۶۔

۴۲۔رشید الدین: ص ۱۷۳،۱۷۴۔۱۸۸۔

۴۳۔ابوالغازی: جلد۲،ص ۱۵۹۔

۴۴۔ابن بطوطہ: جلد۲،ص ۴۷۔

۴۵۔ابوالغازی: ترجمہ فرانسیسی، جلد۲،ص ۱۶۶۔۱۸۸۔ محمد حیدر: ص ۱۳۔۱۵۔

۴۶۔جب چغتائی خوانین کی طاقت کو زوال آیا تو ان کی سلطنت کا مشرقی حصہ عملی طور پر خود مختار ہو گیا اور اس کا نام مغلستان ٹھہرا۔ اس میں بیشتر چراگاہیں تھیں جو خانہ بدوش گلہ بانوں کے لئے موزوں تھیں، یہ علاقہ آج کل چینی ترکستان میں شامل ہے۔

۴۷۔محمد حیدر: ص ۵۷۔۵۸۔

۴۸۔یعنی عبدالکریم خاں کے عہد میں جو ۹۸۳ھ سے لے کر ۱۰۰۳ء تک کاشغر کا حکمران رہا۔

۴۹۔مارٹن ہرتمان (Martin Hartmann): جلد ا،ص ۲۰۳۔ (برلن ۱۸۹۹ء)

۵۰۔ایضاً: ص ۲۰۲۔

۵۱۔اسیمانی (Assemani): جلد ۳، پیرا ۲،ص (cxvi)

۵۲۔ابن بطوطہ: جلد ۳،ص ۴۰۔

۵۳۔رشید الدین: ص ۶۰۰۔

۵۴۔کاہن (Cahan): ص ۴۱۰۔

۵۵۔مغلوں یعنی تاتاریوں کی وہ شاخ جس نے بلادروس میں دریائے والگا کی وادی میں اپنی بساط حکومت بچھائی، تاریخ میں "آلتون اردو" کے نام سے مشہور ہے، جس کے معنی سنہری لشکر کے ہیں۔ روسیوں نے اسے Zolotaya Orda اور انگریزوں نے Golden Horde کہا ہے۔ جس وادی میں وہ آباد ہوئے، مسلمان مؤرخوں نے اسے دشت قبچاق لکھا ہے۔ (مترجم)

۵۶۔ہوورتھ (Howorth): جلد ۲،ص ۱۰۱۵۔

۵۷۔ابوالغازی: جلد ۲،ص ۱۸۴۔

۵۸۔ڈی گوئیگنس: جلد ۳،ص ۳۵۱۔

۵۹۔کرمسین (Karamzin): جلد ۴،ص ۳۹۱۔۳۹۴۔

۶۰۔پیٹرزبرگ: جلد ۸،ص ۶۲۶۔۱۸۲۲۔ بلغاری قوم اور خلیفہ مقتدر کی سفارت کے متعلق ملاحظہ ہو یاقوت حموی کی معجم البلدان بذیل "بلغار" (مترجم)۔

۶۱۔ابوعبید القری: ص ۴۷۰۔۴۷۱۔

۶۲۔کرمسین: جلد ا،ص ۲۵۹۔۲۷۱۔

Marfat.com

۶۳۔ بابرونکوف (Babrovnikoff): ص ۱۳۔

۶۴۔ ریکلس (Reclus): جلد ۵، ص ۸۳۱۔ آر۔ ڈی۔ ایم۔ ایم: جلد ۳، ص ۷۶۔۷۸۔

۶۵۔ اسلام اور تبلیغی جماعتیں: ص ۲۵۷۔

۶۶۔ گاسنوٹ: ص ۳۲۱۔۳۲۳۔

۶۷۔ ایک تاریخی جائزہ: بعنوان وسطی ایشیا کے بارے میں روسی پالیسی، از پروفیسر وی۔ گریگورف (V.Grigorief) (ترکستان، جلد ۲، ص ۴۰۵۔۴۰۶)

۶۸۔ اسلام اور تبلیغی جماعتیں: ص ۲۵۱۔۲۵۲۔۲۵۵۔

۶۹ "روس" از ڈی میکنزی ویلس: جلد ۱، ص ۲۴۲۔۲۴۴ (ایڈیشن ۴، لندن ۱۸۷۷ء)۔ آر۔ ڈی۔ ایم۔ ایم: جلد ۹، (۱۹۰۹) ص ۲۴۹۔ بابرونکوف: ص ۵۔

۷۰۔ آزاد روس، از ڈبلیو ہیورتھ۔ ڈکسن: جلد ۲، ص ۲۸۴۔ لندن (۱۸۷۰ء)

۷۱۔ ان تعزیرات کی ایک مثال اس واقعے سے ملتی ہے کہ "۱۸۸۳ء میں موضع ابوزوف کے چند تاتاری کاشتکار اس جرم میں ماخوذ ہو کر قازان کی عدالت میں پیش کئے گئے کہ وہ عیسوی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں۔ ملزموں نے بیان کیا کہ وہ ہمیشہ سے مسلمان چلے آرہے ہیں، لیکن اس کے باوجود عدالت نے ان کو مرتد قرار دیا اور سات آدمیوں کو قید بامشقت کی سزا دی۔ چنانچہ اس طرح کے بہت سے لوگ جنہوں نے عیسائیت سے روگردانی کی تھی، سائبیریا میں جلاوطن کر دیئے گئے ہیں"۔ (منقول، از تاریخ سلطنت زار روس (فرانسیسی)، مؤلفہ اناتول لافروای، مطبوعہ پیرس ۱۸۸۹ء)۔

۷۲۔ روس، از ڈی میکنزی ویلس: جلد ۱، ص ۲۴۵۔

۷۳۔ پامیری: ص ۸۵۔۸۶۔ آر۔ ڈی۔ ایم۔ ایم: (۱۹۰۷ء): ص ۱۶۲۔

۷۴۔ آر۔ ڈی: ایم۔ ایم: ۴ (۱۹۰۹ء)۔ ص ۲۹۴۔

۷۵۔ ایضاً: ۵ (۱۹۱۰ء) ص ۱۴۱۳ (۱۹۰۷ء) ص ۲۷۳۔

۷۶۔ ایضاً: ۴، ص ۲۵۲۔

۷۷۔ ایضاً: ۴، ص ۲۴۹۔

۷۸۔ بابرونکوف: ص ۱۲۔

۷۹۔ ریکلس: جلد ۵، ص ۷۴۶۔۷۴۸

۸۰۔ ارسلان: ص ۳۔۶۔

۸۱۔ ایضاً: ص ۷۔۸۔

۸۲۔ ایضاً: ص ۵۔۶۔

۸۳۔ ریکلس: ص ۹۔۱۳۔

۸۴۔ ایضاً: ص ۷۔۸۔

۸۵۔ ایضاً: ۳۸۔۳۹۔

۸۶۔ بابرونکوف: ص ۲۲۔

۸۷۔ ارسلان: ص ۲۱۔۲۲۔۳۱۔

۸۸۔ ایضاً: ص ۱۳۔ اسلام اور تبلیغی جماعتیں، ص ۲۵۷۔

۸۹۔ جی۔ ایف۔ ملر: جلد ۷، ص ۱۹۱۔

۹۰۔ ایضاً: جلد ۷، ص ۱۸۳۔۱۸۴۔

۹۱۔ روڈلف (Rodloff): جلد ۱، ص ۱۴۷۔

۹۲۔ جارنسیو (Jadrinzew): ص ۱۳۸۔ روڈلف: جلد ۱، ص ۲۴۱۔

۹۳۔ روڈلف: جلد ۱، ص ۲۴۷، ۴۹۷۔

Marfat.com

باب نہم

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت

بہت سے ہم عصر اور متاخر مؤرخوں نے ہندوستان پر مسلمانوں کی چڑھائیوں کا حال لکھا ہے اور اس ملک میں اسلامی حکومت کے قیام اور اس کی ترقی کی تاریخ قلم بند کی ہے، لیکن کسی مؤرخ نے آج تک یہ کوشش نہیں کی کہ مسلمانوں کی ملکی فتوحات اور سیاسی نظم ونسق سے قطع نظر کرتے ہوئے اس ملک میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ لکھتا۔ یہ کام فی الحقیقت بہت سے لوگوں کو ناممکن معلوم ہوا ہوگا، کیونکہ ہندوستان کو خصوصیت کے ساتھ ایک ایسا ملک سمجھا گیا ہے جہاں اسلام کے رائج ہونے اور رائج رہنے کا سبب یہ ہوا کہ غیر ملکوں کے مسلمان اس ملک کو فتح کر کے یہاں آباد ہو گئے۔ وہ اپنا مذہب اپنی اولاد میں چھوڑ گئے اور اگر اپنے حلقے سے باہر کہیں اس کی اشاعت کی تو جور وستم اور جبر سے کام لیا۔ چنانچہ لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ مسلمانوں کی تبلیغی کوششیں اس صورت میں ظاہر ہوئیں کہ محمود غزنوی نے برہمنوں کا وحشیانہ طریقے پر قتل عام کیا اور اورنگ زیب نے ہندوؤں پر ظلم کیے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے لوگوں کو مختون کر کے زبردستی مسلمان بنایا اور علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی اور سختیاں کی گئیں۔

ہندوستان کے چھ کروڑ اور ساٹھ لاکھ مسلمانوں میں اکثر لوگ نومسلم ہیں یا نومسلموں کی اولاد ہیں (۱)، جن کے مسلمان کرنے میں کسی طرح کے جبر وتشدد سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ انہوں نے اسلام کے پُرامن مبلغوں کی محض تعلیم وتلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس قسم کے نومسلموں کی جماعت ان لوگوں سے بالکل الگ نظر آتی ہے جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے، یا ہندوستان کی مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے؛ اول وہ غیر ملکی لوگ ہیں جو اس ملک میں اپنا مذہب اپنے ساتھ لائے اور دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف قسم کی ترغیبوں سے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔

ہندوستان کے غیر ملکی مسلمان تین بڑی جماعتوں پر مشتمل ہیں: اول جماعت جو اپنی تعداد کے لحاظ سے سب سے اہم ہے، ان لوگوں کی ہے جو شمال مغربی سرحد کے پار سے نقل مکانی کر کے آئے تھے اور اب بیشتر پنجاب اور سندھ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو مختلف مسلمان حکمرانوں کے درباریوں اور لشکریوں کی اولاد ہیں اور اب بیشتر شمالی ہندوستان میں اور کسی قدر دکھن میں آباد ہیں۔ تیسری قسم میں ہندوستان کے مغربی ساحل کی وہ مسلم آبادیاں شامل ہیں، جو غالباً عربی نسل سے ہیں اور جن کے اصل بانی ہندوستان میں سمندر کے راستے سے آئے تھے (۲)، لیکن غیر ملکوں کے مسلمان خاندانوں کی تعداد، جو ہندوستان میں آ کر آباد

Marfat.com

ہوئے ہیں، سوائے پنجاب اور اس کے قرب و جوار کے کہیں بھی زیادہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں سے نصف سے زیادہ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے غیر ملکی القاب مثلاً شیخ، بیگ، خان بلکہ سید وغیرہ اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن ان میں بیشتر لوگ دراصل مقامی نومسلم ہیں یا ان نومسلموں کی اولادیں ہیں جنہوں نے ان ممتاز لوگوں کے القاب لے لیے ہیں جن کے ذریعے سے وہ مسلمان ہوئے تھے۔ بعض اوقات انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں (۳) کے ساتھ اس سے بھی کم معقول وجوہات کی بناء پر وابستہ کیا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا دوسرا حصہ مقامی لوگوں کا ہے جو مسلمان ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے بعض لوگوں نے بلاشبہ مجبوری سے یا حاکموں کے دباؤ سے اسلام قبول کیا، لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی خوشی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ مؤرخوں نے اشاعت اسلام کی تاریخ اور ان معاشرتی اثرات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، جن کی وجہ سے لوگوں نے اسلام اختیار کیا تھا۔ مسلمانانِ ہند کی متداول تاریخوں میں جو مغربی یا ملکی مصنفوں نے لکھی ہیں، صرف لڑائیوں کا حال یا بادشاہوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کی کیفیت درج ہے، لیکن ان میں اسلامی عہد کے مذہبی حالات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اگر کہیں مذہب کی بنیاد پر ظلم ہوا ہو یا کسی پر سختی کی گئی ہو تو اس قسم کے واقعات کا ضرور ذکر کیا جاتا ہے۔ البتہ مسلمان اولیاء کرامؒ کے تذکروں سے یا مقامی روایات سے ان کوششوں کا کسی قدر حال معلوم ہو سکتا ہے جو ملک کے سیاسی واقعات سے قطع نظر اسلام کی اشاعت کے لیے کی گئی تھیں۔ لیکن ان کے بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سرکاری طور پر اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی اور مسلمان حکمرانوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے میں کیا حصہ لیا۔

ھند کے مسلمان حکمران اور اشاعت اسلام:

رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے پندرہ سال بعد عربوں نے سندھ میں ایک فوجی مہم بھیجی تھی۔ اس وقت سے لے کر اٹھارویں صدی تک مسلمان کشور کشاؤں کا ایک لمبا سلسلہ ہے جنہوں نے شمال مغربی سرحد کی جانب سے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ ان میں سے بعض نے بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیاد ڈالی۔ بعض منچلے لوگ تھے جو محض طالع آزمائی کے لیے اس ملک میں وارد ہوئے تھے۔ بعض حملہ آور محض لوٹ مار کے لیے آئے تھے جو مال غنیمت سمیٹ کر واپس چلے گئے اور بعض ایسے تھے جنہوں نے یہاں آباد ہو کر مستقل سلطنتیں قائم کیں، جن کے پائیدار اثرات آج تک باقی ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی فاتح کے متعلق ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ اس کے ہمراہ اسلام کے مبلغ اور واعظ بھی آئے ہوں۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہب کی طرف سے بے پروا تھے، کیونکہ ان میں سے اکثر نے ہندوستان کی لشکر کشی کو جہاد تصور کیا تھا۔ چنانچہ محمود غزنوی اور امیر تیمور کا بظاہر یہی

Marfat.com

خیال تھا۔ دہلی فتح کرنے کے بعد تیمور نے اپنی ''توزک'' میں یوں لکھا ہے کہ ''مجھے دہلی میں آئے ہوئے پندرہ دن گزر چکے تھے، میں نے یہ زمانہ عیش و آرام میں گزارا، جشن ملوکانہ کیے اور لوگوں کو ضیافتیں دیں۔ پھر میں نے سوچا کہ میں تو ہندوستان میں کافروں کے خلاف جہاد کرنے آیا تھا۔ میری مہم ایسی مبارک ثابت ہوئی کہ میں جہاں کہیں پہنچا، ظفریاب ہوا۔ میں اپنے دشمنوں پر غالب آیا تھا اور میں نے لاکھوں کافروں اور بت پرستوں کو تہ تیغ کیا اور میں نے اپنے تیغِ تبلیغ کو دشمنانِ دین کے خون سے رنگین کیا تھا۔ اس فتح عظیم کے بعد میں نے خیال کیا کہ مجھے عیش و عشرت میں مستغرق نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہندوستان کے کفار (۴) کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہیے۔'' اگرچہ امیر تیمور اپنی تیغِ تبلیغ کا اکثر ذکر کرتا ہے مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تلوار نے کفار کو واصل جہنم کرنے کے سوا اور کوئی کام انجام نہیں دیا۔

اکثر مسلمان حملہ آوروں نے یہی طریقہ اختیار کیا، یعنی اللہ کا نام لے کر بتوں کو توڑ پھینکا، ان کے پجاریوں اور پروہتوں کو قتل کیا، اُن کے مندروں کو مسمار کیا اور اُن کی جگہ اکثر اوقات مسجدیں تعمیر کیں۔ یہ بات سچ ہے کہ ہندوؤں پر حملہ کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی جاتی تھی (۵)، اور بعض اوقات خوف کے مارے ہندو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے، لیکن اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں جو ہندو اس طرح مجبوراً اسلام لاتے تھے، وہ حملہ آوروں کے رخصت ہونے کے بعد اسلام ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ بلند شہر کے راجا ہردت کے واقعے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس راجا نے محمود غزنوی کی جس طرح اطاعت قبول کی، اس کا حال سلطان کے وزیر نے اس کی فتوحات کے ضمن میں یوں لکھا کہ ''آخر کار سلطان محمود ۱۰۱۹ء کے قریب بربا (۶) کے قلعے پر پہنچا جو ہردت کی عمل داری میں تھا۔ وہ وہاں کا رائے تھا جس کا معنی ہندی زبان میں بادشاہ ہے۔ جب ہردت نے اس چڑھائی کا حال سنا، جس میں خدا کے مظفر و منصور غازی سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور فرشتے ان کے گرد تھے، تو وہ نہایت پریشان ہوا، اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور اس پر اپنی جان کا خوف طاری ہو گیا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے، کیونکہ خدا کی تلوار نیام سے نکل چکی تھی اور سزا کا تازیانہ بلند ہو چکا تھا۔ پس وہ دس ہزار آدمیوں کے ساتھ قلعے سے باہر آیا اور قبول اسلام کا اعلان کیا اور بت پرستی ترک کی۔'' (۷)

حملہ آوروں کے واپس جاتے ہی یہ نو مسلم غالباً اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں ہندوستان کے قدیم مسلمان مؤرخین نے مسلسل طور پر شکایت کی ہے۔ چنانچہ ۱۱۹۳ء میں جب قطب الدین ایبک نے برن پر حملہ کیا تو وہاں کے راجا چندر سین نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ راجا ہردت کی اولاد سے تھا اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، وہ ہندو مذہب کا پابند تھا۔ اس کے علاوہ چندر سین کی رعایا میں بھی کسی

Marfat.com

مسلمان کا ذکر نہیں ملتا (۸)۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ان مسلمان فاتحین میں لوگوں کو مسلمان کر کے ان کی آخرت کی بھلائی چاہنے کا جذبہ بہت کم تھا جو ایک سچے مبلغ کے دل میں موجزن ہوتا ہے اور جس کی بدولت اسلام کو بڑی شان دار روحانی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔ خلجی (۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء) تغلق (۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۲ء) اور لودھی (۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء) خاندانوں کے حکمران لڑائیوں میں عموماً ایسے مشغول رہے کہ انہیں دینِ اسلام کے مفاد کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہیں ملی، یا ان کو تبلیغ کی جگہ اپنی رعایا سے خراج وصول کرنے کا زیادہ خیال رہا (۹)۔ ان حکمرانوں کے دل مذہبی جوش سے بالکل خالی نہ تھے۔ مثلاً شمالی پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں گھکھڑوں کی ایک وحشی قوم آباد تھی جنہوں نے پہلے مسلمان حملہ آوروں کو بہت تنگ کیا تھا۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بارھویں صدی کے خاتمے پر سلطان محمد غوری کے اثر سے مسلمان ہوئے تھے۔ سلطان نے ان کے سردار کو قید کر لیا تھا اور اسے مسلمان ہونے کی ترغیب دی تھی۔ جب یہ سردار مسلمان ہو گیا تو سلطان نے اسے گکھڑ قوم کی سرداری پر مستقل کر دیا اور اسے اس کی قوم کی طرف واپس بھیج دیا، تاکہ وہ ان کو بھی مسلمان کرے۔ چونکہ گکھڑوں کا مذہب خود کچھ قوی نہ تھا، اس لیے وہ آسانی سے مسلمان ہو گئے (۱۰)۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے (۱۱) کہ خلجی حکمران اشاعتِ اسلام کی ایک حد تک اس طریق سے حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ نو مسلم بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوتا تھا اور بادشاہ اسے خلعت پہناتا تھا۔ اس کے رتبے کے مطابق اسے طلائی طوق اور کنگن عطا کرتا تھا۔ لیکن پہلے مسلمان خاندانوں کے حکمرانوں نے بالعموم تبلیغ اسلام میں بہت کم دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) نے اپنے خود نوشت حالات میں اپنے شوق تبلیغ کے متعلق حسبِ ذیل جملہ لکھا ہے جو ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے:

''میں نے اپنی کافر رعایا کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب قبول کرنے کی حوصلہ افزائی کی اور میں نے اعلان کیا کہ جو شخص کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جائے گا، وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ سمجھا جائے گا۔ جب یہ خبر عوام کے کانوں تک پہنچی تو بہت سے ہندو حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پس روزانہ ہر طرف سے لوگ آتے تھے اور اسلام قبول کر کے جزیہ سے معافی پاتے تھے۔ انعام و کرام سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے''۔ (۱۲)

ہندوستان کا مغلیہ دور:

جب ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت، خاص کر مغلیہ دور میں، خوب مستحکم اور مضبوط ہو گئی تو اس سے قدرتی طور پر اسلام کے دینی اثرات میں استحکام اور استقلال پیدا ہو گیا۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں

Marfat.com

ہندوؤں کے ہاں جو مذہبی تحریکیں پیدا ہوئیں، اُن میں یقیناً اسلامی اثرات کارفرما نظر آتے ہیں۔ بشپ لافرائے کا خیال ہے کہ اسلام کی مثبت تعلیم نے بہت سے ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جو ''ہمہ اوست'' کے مبہم مسئلے سے مطمئن نہیں تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''مسلمان خدا کی ہستی پر کامل اور مضبوط یقین رکھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک صداقت اور حقانیت ایک مستحکم حقیقت ہے۔ لہذا جب یہ اسلامی عقیدہ ہندوستان میں ''ہمہ اوست'' جیسے مبہم مسئلے کے ساتھ متصادم ہوا تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اسلام اس معرکے میں نہ صرف غالب رہا بلکہ شمالی ہند کی زندگی اور اس کے اندازِ فکر کے لیے باعثِ تقویت ثابت ہوا اور اس نے بہت سے لوگوں میں ایک نئی جان ڈال دی اور ان کو تازہ قوت بخشی''۔ (۱۳)

راجپوتوں میں اشاعت اسلام:

اسلام قبول کرنے کی سب سے بڑی ترغیب اور تحریص اُس وقت ہوئی جب لوگوں کی بت پرستی اسلامی درباروں میں اعزاز پانے کے راستے میں حائل ہوئی، حالانکہ ہندوؤں کے ساتھ مسامحت اور رواداری کا سلوک ہوتا تھا اور یہ رواداری اکبر جیسے وسیع الخیال بادشاہ کے عہد میں حدِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ ہندو مندروں کے شاہی اوقاف کا احترام کیا جاتا تھا (۱۴) اور بدنامی کے خوف سے رعایا کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے مسلمان حکمران کے مذہب میں دست اندازی نہیں کرتے تھے اور ابتدائی دور جیسی سختیوں اور ہنگاموں سے اجتناب کرتے تھے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بہت سے ہندو دنیوی فوائد کے خیال سے مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ بہت سے راجپوتوں نے اسی طرح سے اسلام قبول کیا اور ان کی اولاد آج تک دولت مند زمین داروں میں شمار ہوتی ہے۔ ان راجپوتوں میں غالباً سب سے اہم اور معزز بچگوتی قبیلے کا مسلمان خاندان ہے جس کا سربراہ اودھ کا سب سے بڑا مسلمان رئیس ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس کے مورث اعلیٰ تلوک چند کو بابر بادشاہ نے قید کر لیا تھا اور اس نے قید سے رہائی پانے کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا (۱۵)۔ لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہمایوں کے عہد میں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب ہمایوں نے تلوک چند کی بیوی کے حسن و جمال کا شہرہ سنا تو اس نے اسے ایک میلے سے پکڑ منگوایا، لیکن وہ جونہی بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئی تو بادشاہ کے ضمیر نے اسے ملامت کی اور اس نے تلوک چند کو طلب کیا۔ تلوک چند، جو اپنی بیوی کی صورت دوبارہ دیکھنے سے قطعاً مایوس ہو چکا تھا، بادشاہ کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے شکرانے کے طور پر اس دین کو قبول کر لیا ''جس نے بادشاہ کو ایسے فیاضانہ اور پاکیزہ (۱۶) سلوک کی تلقین کی تھی۔''

یہ مسلمان راجپوت اسلام کے بڑے پابند ہیں، لیکن ان کے اوضاع واطوار سے اکثر اوقات اس بات

Marfat.com

کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہندو تھے۔ مثلاً بلند شہر کے ضلع میں مسلمانوں کا ایک بڑا گھرانہ ہے جس کے لوگ لال خانی پٹھان کہلاتے ہیں۔ سوائے چند لوگوں کے اُن میں اکثر ایسے ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ اب تک قدیم ہندی لقب لگاتے ہیں اور شادی بیاہ میں ہندوانی رسم ورواج کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی قوم کے ہندو گھرانے بھی ان کے پہلو بہ پہلو آباد ہیں (١٧)۔ مرزا پور کے ضلع میں گہروار قوم کے راجپوت جو اب مسلمان ہیں، ابھی تک اپنے تمام خانگی امور میں ہندوانہ آئین و آداب کے پابند ہیں اور اپنے اسلامی ناموں کے ساتھ ہندوؤں کے القاب بھی استعمال کرتے ہیں۔ (١٨)

اورنگ زیب کا عہدِ حکومت:

کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے کے لیے سرکاری دباؤ سب سے زیادہ سختی کے ساتھ اورنگزیب کے عہد میں ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ پنجاب کے مشرقی اضلاع میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کسی گاؤں میں اگر کچھ لوگ مسلمان ہیں تو ان کے مورثِ اعلیٰ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ اپنی زمین بچانے کے لیے اورنگزیب کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ دہلی کے نزدیک گوڑ گاؤں میں بنیوں کا ایک گھرانہ ہے کہ جو اب تک اپنے ناموں کے ساتھ شیخ کا لقب لگاتے ہیں۔ (یہ لقب وہ ہے جو بالعموم ہندو نومسلم اختیار کرتے ہیں)، کیونکہ اس گھرانے کے ایک آدمی نے جس کی اب کوئی اولاد باقی نہیں ہے، اپنی موروثی جائداد کو ضبطی سے بچانے کے لیے اسلام قبول کرلیا تھا (١٩)۔ ضلع کانپور کے بہت سے راجپوت زمین دار بھی اسی وجہ سے مسلمان ہونے پر مجبور ہوئے تھے (٢٠)۔ اسی طرح اور خاندانوں کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے مورث کو قید کر کے یا یرغمال کے طور پر دہلی لے گئے تھے اور وہاں اسے مختون کر کے زبردستی مسلمان کرلیا گیا تھا (٢١)۔ لیکن اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس قسم کے واقعات کی شہادت میں صرف خاندانی یا مقامی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن جہاں تک میں تلاش کر سکا ہوں، مجھے اورنگزیب کے عہد کی تاریخوں میں ایسی باتوں کا کہیں ذکر نہیں ملا۔ (٢٢) بعض مسلمان بادشاہوں نے بلاشبہ لوگوں کو جبراً مسلمان کیا تھا، اور گمان غالب ہے کہ اورنگ زیب کے مشہور عام مذہبی جوش اور حرارت ایمانی کے سبب سے شمالی ہند کے بہت سے خاندانوں نے (جن کے تبدیل مذہب کی تاریخ فراموش ہو چکی ہے) اپنے قبول اسلام کو اس سلطان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اسی طرح دکھن میں بھی حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی طرح اور اورنگ زیب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے وہاں کے بعض خاندانوں اور اپنی رعایا کے بعض طبقوں کو جبراً مسلمان کیا تھا۔ حالانکہ ان کا قبول اسلام بہت پہلے کا واقعہ ہے جس کی کوئی تاریخی روئداد ہم تک نہیں پہنچی۔ (٢٣)

Marfat.com

اورنگزیب کے فرامین اور مراسلات کے ایک قلمی مجموعے میں، جو ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے(۲۴)، مذہبی آزادی کا وہ جامع اور مانع اصول مندرج ہے جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔جس واقعے کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی تھی کہ دو پارسی ملازموں کو، جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے، اس بناء پر برخواست کر دیا جائے کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو متعین کیا جائے، کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ " (سورہ الممتحنہ۔۱)اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔اورنگ زیب عالمگیر نے عرضی پر یہ حکم لکھا کہ "مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے۔ اپنے قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی: "لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ۝" ۔(سورہ الکافرون۔۶)تم کو تمھارا دین مبارک رہے اور مجھ کو میرا دین)۔بادشاہ نے لکھا جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہے، اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہیے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور ان کی رعایا کو غارت کر دیتے ،لیکن یہ کس طرح ہوسکتا تھا۔شاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی۔اس کے سوا اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں"۔لہذا یہ ضروری ہے کہ عالمگیر پر جو یہ الزام اکثر لگایا جاتا ہے کہ اس نے غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان کیا تھا تو اس الزام کی اچھی طرح تحقیق کرنی چاہیے۔

ٹیپو سلطان:

ٹیپو سلطان غالباً وہ مسلمان بادشاہ ہے جس نے بڑی باقاعدگی سے لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا۔ چنانچہ ۱۷۸۸ء میں اس نے ذیل کا فرمان مالابار کے لوگوں کے نام جاری کیا: "فتح کے زمانے سے لے کر آج تک یعنی گزشتہ چوبیس سال کے عرصے میں تم نے ایک سرکش اور شورش پسند قوم ہونے کا ثبوت دیا ہے۔موسم برسات کی جنگوں کے دوران میں تم نے ہمارے لشکریوں کو شہادت کا جام پلایا ہے۔خیر جو کچھ ہوا سو ہو چکا، لیکن آئندہ تمہیں ایک نیا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔تم کو چاہیے کہ امن کے ساتھ زندگی گزارو اور اچھے شہریوں کی طرح ٹیکس ادا کرو۔ اور چونکہ تمہارے ہاں یہ دستور ہے کہ ایک عورت دس مردوں کے ساتھ رہتی ہے اور تم نے اپنی ماؤں اور بہنوں کو ایسی شرم ناک باتوں کی بغیر کسی روک ٹوک کے کھلی آزادی دے رکھی ہے، اس لیے تم سب ولد الزنا ہو۔(۲۵) اپنے شرم ناک جنسی تعلقات میں تم جنگل کے جانوروں سے بھی بدتر ہو، لہذا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم معصیت کے ان اعمال کو چھوڑ دو اور دوسرے بنی نوع انسان کے سے دستور اختیار کرو۔اگر تم ان احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو میں نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ تم سب کو مشرف بہ اسلام کروں گا اور تمہارے سرداروں کو اپنے

Marfat.com

دارالحکومت میں حاضر کروں گا۔'' اس اعلان سے مالا بار میں ایک عام بغاوت برپا ہوگئی۔ ۱۷۸۹ء میں ٹیپو سلطان نے بیس ہزار فوج کی مدد سے اس فرمان پر عمل درآمد کرنے کی تیاری کی اور ایک عام حکم جاری کیا کہ مالا بار کے علاقے میں ہر شخص کو بلا امتیاز مشرف بہ اسلام کیا جائے۔ جو لوگ اس شرف سے بچنے کے لیے بھاگ نکلیں ان کے گھر جلا دیے جائیں اور جہاں کہیں وہ چھپے ہوں ان کا تعاقب کیا جائے، ان کو زور وزور غرض ہر طریقے سے مسلمان بنایا جائے۔ چنانچہ ہزاروں ہندوؤں کا ختنہ کیا گیا اور ان کو گائے کا گوشت کھلایا گیا۔ لیکن ۱۷۹۰ء کے آخر تک انگریزی فوج نے مالا بار میں ٹیپو سلطان کی رہی سہی طاقت کا خاتمہ کر دیا اور سلطان خود بھی ۱۷۹۹ء میں سرنگاپٹم کی لڑائی کے موقع پر مارا گیا۔ بہت سے برہمن اور نائر جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے، اپنے نئے دین سے منحرف ہو گئے۔ (۲۶)

بعض مسلمان حکمرانوں کے تشدد کے باوجود ہندوستان میں اسلام کی اشاعت بہت محدود رہی۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے مرکزوں میں بھی مسلمانوں کی تعداد نسبتاً بہت کم رہی ہے۔ مثلاً دہلی کے ضلع میں زمانۂ حال مسلمان مجموعی آبادی کا دس فی صد ہیں۔ اسی طرح آگرے کے علاقے میں بھی ان کی تعداد ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں ہے (۲۷)۔ مذہب کی جبری اشاعت اپنے نتائج کے لحاظ سے اکثر عبث ثابت ہوئی ہے۔ اس کی تصدیق مجھولی (ضلع گورکھپور) کے راجہ بودھ مل کے واقعے سے ہوتی ہے۔ مال گزاری کی عدم ادائیگی کے جرم میں اکبر اسے پکڑ کر دہلی لے گیا اور اسے مسلمان کر کے اس کا نام محمد سلیم رکھا۔ لیکن جب راجہ دہلی سے لوٹ کر اپنے وطن میں واپس آیا تو رانی نے اس کو اپنے آبائی قلعے میں داخل ہونے سے روک دیا۔ چونکہ رعایا رانی کے ساتھ ہمدردی تھی اس لیے رانی اپنے بیٹے بھوانی مل کی صغرسنی سے ریاست کا انتظام کرتی رہی اور اس ہند ریاست کی وراثت میں کسی طرح کا خلل نہ پڑا (۲۸)۔

مذہب کی جبری اور جھوٹی اشاعت کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہندوؤں کے وشنوئی فرقے میں چند عجیب وغریب رسمیں پائی جاتی تھیں۔ اس فرقے کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف وشنو کی پوجا کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ وہ اپنے مردوں کو جلانے کے بجائے دفن کرتے تھے، غلام محمد وغیرہ اسلامی نام رکھتے تھے اور مسلمانوں کی طرح سلام کرتے تھے، ان اسلامی رسموں کو اختیار کرنے کی وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک قاضی کو، جو ان کی ستی کی رسم میں مخل ہوا تھا، مار ڈالا تھا، اس جرم کی پاداش میں ان کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا، لیکن اب انہوں نے یہ رسمیں چھوڑ کر ہندوانہ طریقے اختیار کر لیے ہیں (۲۹)۔

اگرچہ بعض مسلمان حکمرانوں کو اپنی ہندو رعایا کو جبراً مسلمان کرنے میں مذکورہ بالا واقعات کی بہ نسبت

Marfat.com

زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہو اور خواہ یہ قول کتنا ہی صحیح ہو (۳۰) کہ مسلمانان ہند کی سیاسی حالت کا اندازہ لگائے بغیر ان کی مذہبی کیفیت کو سمجھنا ناممکن ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے بلاشبہ اپنی سب سے زیادہ عظیم الشان اور پائدار فتوحات ان زمانوں اور مقامات میں حاصل کی ہیں، جہاں ان کی سیاسی قوت سب سے زیادہ ضعیف رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہم جنوبی ہند اور مشرقی بنگال کے علاقوں کو بطور مثال پیش کر سکتے ہیں۔

اب ہم اس قسم کی تبلیغی تحریکوں کا کسی قدر حال لکھتے ہیں اور اپنے بیان کو دکن یعنی جنوبی ہند سے شروع کرتے ہیں۔ پھر سندھ، کچھ اور گجرات کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بنگال کا حال قلم بند کریں گے۔ سب سے آخر میں ہم بعض ایسے مبلغوں کا ذکر کریں گے جن کا دائرۂ عمل مذکورہ بالا علاقوں کی حدود سے باہر تھا۔ ہم جن مبلغوں کا ذکر کریں گے، ان میں سے بعض کے ناموں اور دائرہ تبلیغ کے علاوہ ان کے دیگر حالات بہت کم معرض تحریر میں آئے ہیں، لہذا ان کے متعلق ہمیں جس قدر تفصیلات دستیاب ہوئی ہیں، ہم نے انہیں قلم بند کر دیا ہے۔

Marfat.com

جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت

جنوبی ہندوستان میں اسلام کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی (یعنی دوسری صدی ہجری) سے ہوا، جب پناہ گزینوں کی ایک جماعت، جن کے ساتھ ماپلا قوم (۳۱) کے لوگ اپنا نسب ملاتے ہیں، عراق سے آکر اس ملک میں آباد ہوئی۔ (۳۲)۔ گرم مصالحوں، ہاتھی دانت اور جواہرات وغیرہ کی جو تجارت سینکڑوں برس سے ہندوستان اور یورپ کے درمیان عربوں اور ایرانیوں کے ذریعے سے رائج تھی، اس کی وجہ سے جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر اسلام کا اثر مسلسل طور پر جاری رہا۔ باہر کے لوگوں کی اس مسلسل آمد سے وہاں کے تجارتی شہروں میں ایک مخلوط آبادی پیدا ہوگئی جو آدھی ہندو اور آدھی عربی یا ایرانی تھی۔ ان مسلمان تاجروں اور وہاں کے ہندو راجاؤں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ چنانچہ یہ حکمران مسلمان تاجروں کی حفاظت اور سرپرستی کرتے تھے، کیونکہ ان ہی کے دم قدم سے ان کے ہاں تجارت کا بازار گرم رہتا تھا (۳۳)، جس پر ان کے ملک کی خوش حالی موقوف تھی۔ (۳۴) یہ راجے اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتے تھے، بلکہ جو مقامی لوگ مسلمان ہو جاتے تھے، ان کی غیر ملکی تاجروں کی طرح عزت کرتے تھے، اگرچہ اسلام لانے سے پہلے یہ نومسلم سماج کی نیچ ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ (۳۵)

مالا بار میں اسلام کی اشاعت:

سولھویں صدی کے ایک مسلمان مؤرخ (یعنی شیخ زین الدین معبری) (۳۶) نے مالا بار میں اسلام کے آغاز کی کیفیت یوں بیان کی ہے کہ اس ملک میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی وہ زائرین کی ایک جماعت تھی جو لنکا کی طرف حضرت آدم علیہ السلام کے نشانِ قدم کی زیارت کے لیے جارہی تھی جب وہ کرنگ نور میں پہنچے تو وہاں کے راجا نے ان کو بلا بھیجا۔ اس جماعت کا سربراہ شیخ شرف بن مالک تھا اور اس کے ہمراہ اس کا بھائی مالک بن دینار اور اس کا بھتیجا مالک بن حبیب بھی تھا۔ شرف بن مالک نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور راجا کے سامنے اسلام کی تعلیم اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کو پیش کیا۔ "خداوند کریم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی صداقت کو راجا کے دل میں اتار دیا اور وہ ان پر ایمان لایا۔ اس نے شیخ اور اسکے ساتھیوں سے کہا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے نشانِ قدم (۳۷) کی زیارت سے واپس آئیں تو مجھ سے دوبارہ ملاقات کریں۔ جب یہ زائرین لنکا سے واپس آئے تو راجا چپکے سے جہاز پر سوار ہوکر، جو ساحل عرب کو جا رہا تھا، ان کے ساتھ روانہ ہوگیا اور اپنی مملکت کا انتظام ایک نائب کے سپرد کر گیا۔ وہ بلادِ عرب میں کچھ عرصہ

Marfat.com

ٹھہرا، اس کا ارادہ تھا کہ وطن واپس پہنچ کر مسجدیں تعمیر کرے اور دین اسلام پھیلائے، لیکن جب وہ واپسی کے لیے تیاری کر رہا تھا تو اچانک بیمار ہو گیا اور انتقال کر گیا۔ لیکن اس نے مرنے سے پہلے اپنے رفیقوں کو تاکیداً وصیت کی کہ اس نے مالا بار میں تبلیغ اسلام کا جو قصد کر رکھا ہے، اس کو ترک نہ کریں۔ اس کام میں امداد دینے کی غرض سے راجا نے ان کو اپنے نائبوں کے نام چند خطوط دیئے اور ان سے کہا کہ ان سے اس کی وفات کی خبر پوشیدہ رکھیں۔

شیخ شرف بن مالک اور اس کے ساتھی یہ خطوط لے کر کرنگ نور کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کو راجا کے نائب کے سامنے پیش کیا۔ نائب ان سے بہت مہربانی سے پیش آیا اور (راجہ کی ہدایات کے مطابق جو مراسلے میں مندرج تھیں) اس نے ان کو ایک قطعہ زمین عطا کیا جس پر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کی۔ مالک بن دینار نے وہاں آباد ہونے کا فیصلہ کیا، لیکن مالک بن حبیب ایک تبلیغی دورے پر روانہ ہو گیا، تاکہ تمام مالا بار میں مساجد تعمیر کرے۔ ''پس مالک بن حبیب اپنے بیوی بچوں اور کچھ اسباب کے ساتھ شہر کولم کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک مسجد بنائی، پھر اس نے اپنے اہل و عیال کو وہیں چھوڑا اور ہیلی ماراوی (۳۸) کی راہ لی اور وہاں ایک مسجد بنائی''۔ پھر مؤرخ ممدوح سات دیگر مقامات کا ذکر کرتا ہے جہاں اس نے مسجدیں تعمیر کیں اور آخر کار وہ کرنگ نور واپس پہنچ گیا۔ بعد ازاں وہ ان تمام مقامات میں دوبارہ گیا اور اس نے ہر ایک مسجد میں نماز ادا کی۔ ''واپس آ کر خدا کی حمد و ثنا کی اور اس بات پر اس کا شکر ادا کیا کہ اس نے دین اسلام کو ایک ایسے ملک میں پھیلایا ہے جو کافروں سے بھرا پڑا تھا'' (۳۹)۔

اگرچہ یہ روایت بڑی مفصل ہے (اور اس کے قرائن بھی پائے جاتے ہیں) لیکن اس کی تاریخی صداقت کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ عوام کا یہ خیال ہے کہ یہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے کا واقعہ ہے۔ لیکن شیخ زین الدین نے اس پر قدرے شک کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ تیسری صدی ہجری (۴۰) سے پہلے کا نہیں ہو سکتا، لیکن اس قول کی بھی کوئی سند نہیں ہے۔ اسی طرح ماپلا (موپلہ) قوم کے ہاں ایک روایت مشہور ہے کہ جنوبی عرب کے ساحل پر شہر ظفار میں ایک ہندو راجا کی قبر ہے اور اس پر یہ کتبہ پایا جاتا ہے: ''عبدالرحمٰن السامری جو ۲۱۲ھ میں وارد ہوا اور ۲۱۶ھ (۴۱) میں انتقال کر گیا۔'' مداری کی مسجد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے مالک بن دینار نے بنایا تھا۔ لیکن اس پر جو کتبہ نصب ہے اس میں اس کا سنہ تعمیر ۱۱۲۴ء دیا گیا ہے (۴۲)۔

اس قصے سے اس بات کی یقینی شہادت ملتی ہے کہ مالا بار کے ساحل پر (۴۳) اسلام کے حق میں جو تبلیغی کوششیں کئی سو سال تک جاری رہیں، ان کی نوعیت پر امن تھی۔ اس کام کو انجام دینے والے بیشتر عرب تاجر تھے۔ لیکن ابن بطوطہ بہت سے علمائے دین کا بھی ذکر کرتا ہے جو یہاں بلاد عرب یا دوسرے ملکوں سے آئے تھے، اور جن

Marfat.com

سے وہ مالا بار کے مختلف شہروں میں ملتا تھا۔ کالیکٹ کا راجا زمورن عرب تاجروں کا بڑا سر پرست تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبول اسلام کی حوصلہ افزائی کرتا تھا تا کہ اسے ان جنگی جہازوں کے لیے آدمی مل سکیں جن پر اس کی عظمت و طاقت کا انحصار تھا۔ لہذا اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی مملکت میں ماہی گیروں کے ہر گھرانے میں سے ایک یا دو لڑکوں کی تربیت اسلامی طریق پر کی جائے۔ (۴۴)

ماپلا قوم:

سولھویں صدی کے آغاز میں ماپلا (موپلہ) قوم کے نومسلم مالا بار کی آبادی کا پانچواں حصہ تھے۔ ان کی زبان وہی تھی جو وہاں کے ہندوؤں کی تھی اور ان کو صرف لمبی داڑھی اور سر کے مخصوص لباس سے پہچانا جا سکتا تھا۔ اگر پرتگالی ہندوستان میں نہ پہنچتے تو اس ساحل کے تمام لوگ مسلمان ہو جاتے، کیونکہ وہ کثرت سے اسلام قبول کر رہے تھے، گجرات اور دکن کے علاوہ بلاد عرب اور ایران (۴۵) کے مسلمان تاجر بھی ان پر اپنا اثر ڈال رہے تھے (۴۶)۔

عبدالرزاق سمرقندی کی سفارت:

جن اشخاص نے اس تبلیغ میں حصہ لیا تھا، ان کا ہمیں کہیں تذکرہ نہیں ملتا، سوائے عبدالرزاق مؤرخ کے جس نے (اپنی کتاب "مطلع السعدین" میں) زمورن کے دربار میں اپنی ناکام سفارت کا حال لکھا ہے۔ کالیکٹ کے حکمران زمورن نے تیموری خاندان کے فرمانروا شاہرخ بہادر کے پاس ایک سفیر بھیجا تھا، چنانچہ اس کے جواب میں شاہرخ نے بھی ۱۴۴۱ء میں عبدالرزاق کو زمورن کے دربار میں روانہ کیا۔ زمورن کا سفیر مسلمان تھا، چنانچہ اس نے سلطان سے کہا کہ "یہ ایک بڑا کار ثواب ہوگا اگر زمورن کے پاس ایک خاص قاصد بھیجا جائے جو اس کو بھجوائے آیہ کریمہ (۴۷) "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" (سورہ النحل۔ ۱۲۵) اسلام کی دعوت دے اور اس ظلمت و ضلالت کو دور کرے جو اس کے تاریک دل پر چھائی ہوئی ہے تا کہ علم دین کا آفتاب اس کی روح کے روزن کو روشن کرے"۔ اس کام کے لیے عبدالرزاق کا انتخاب ہوا اور وہ ایک جان جوکھوں کے سفر کے بعد کالیکٹ پہنچا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راجا اس کے ساتھ سرد مہری سے پیش آیا اور وہاں چھ مہینے ٹھہرنے کے بعد عبدالرزاق نے بالآخر اپنے اصلی مقصد کو خیر باد کہا اور واپس خراسان کا راستہ لیا۔ اس سفارت کے سلسلے میں وہ اپنے وطن سے تین سال تک غیر حاضر رہا تھا (۴۸)۔

جنوبی ہند کی ایک اور مسلمان قوم راوتن ہے (۴۹) جس کی زبان تامل ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے چند مبلغوں کی تلقین سے اسلام قبول کیا تھا، جن کی قبروں کا وہ آج تک احترام کرتے ہیں۔ ان میں سب سے

Marfat.com

زیادہ مشہور سید نثار شاہ (۵۰) (۹۶۹ء تا ۱۰۳۹ء) تھا جس نے دیار عرب، ایران اور شمالی ہند میں طویل سفر کرنے کے بعد آخر کار ترچنا پلی میں سکونت اختیار کر لی اور اپنی عمر کے آخری سال وہیں عبادت اور اعمال صالحہ میں گزار دیے اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ مسلمانوں نے اس کے نام پر (۵۱) ترچنا پلی کا نام نثار نگر رکھ دیا تھا اور اس کی قبر وہاں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اسی سلسلے میں سید ابراہیم شہید بھی قابل ذکر ہے جس کی قبر اروڈی میں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی پیدائش بارھویں صدی کے وسط میں ہوئی تھی۔ وہ ایک جنگجو مجاہد تھا جو پانڈین کی مملکت پر چڑھائی کر کے اس پر بارہ سال تک قابض رہا، لیکن آخر کار مارا گیا۔ تاہم لوگوں نے اس کے بیٹے کی جان بخش دی، کیونکہ اس کے باپ نے اپنے عہد حکومت میں ان کے ساتھ بھلائی کی تھی، بلکہ اسے ایک قطعہ زمین بطور جاگیر دے دیا گیا جو آج تک اس کی اولاد کی ملکیت میں ہے۔

ان اولیاء میں سب سے آخری بزرگ شاہ حمید (۱۵۳۲ء تا ۱۶۰۰ء) ہے جو شمالی ہند میں مانک پور میں پیدا ہوا تھا اور جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ جنوبی ہند کی زیارت گاہوں پر حاضری دینے اور تبلیغی دوروں میں صرف کیا تھا۔ اس نے آخر کار ناگور میں سکونت اختیار کی، جہاں اس کے لے پالک بیٹے کی اولاد آج کل اس کی قبر کی متولی ہے۔

جنوبی ہند کے مسلمانوں کی ایک اور قوم دودکلا ہے، جن کا پیشہ کپاس صاف کرنا اور موٹے موٹے کپڑے بننا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ بابا فخر الدین کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے، جو پینو کنڈا میں مدفون ہے اور جس کی قبر کا وہ بہت احترام کرتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ ابتدا میں سیستان کا بادشاہ تھا، لیکن بعد ازاں اس نے تخت و تاج اپنے بھائی کے حوالے کر کے درویشی اختیار کر لی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد اس نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہندوستان جانے کی ہدایت کی۔ یہاں اس کی ترچنا پلی کے بزرگ نثار شاہ سے ملاقات ہوئی اور وہ نثار شاہ کا مرید بن گیا۔ نثار شاہ نے اسے دو سو درویشوں کے ساتھ تبلیغ کے لئے باہر روانہ کیا اور ان لوگوں نے آخر کار پینو کنڈا میں ایک ہندو مندر کے پاس سکونت اختیار کر لی۔ وہاں کا راجہ ان کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن اس نے جبر سے کام لینے کی بجائے مختلف طریقوں سے اس بات کی آزمائش کی کہ مسلمان ولی اور اس کے اپنے پروہت میں کون سا شخص اپنے تقدس اور روحانی طاقت کی بناء پر اس مندر کی ملکیت کا زیادہ اہل ہے اس نے آخری آزمائش یہ کی کہ دونوں کو بوریوں میں بند کر دیا اور ان میں چونا بھر کر حوض میں پھینک دیا۔ پروہت تو ایسا غرق ہوا کہ پھر کبھی ابھر نہ سکا لیکن بابا فخر الدین نے اپنے دین کی برتری کا یوں ثبوت دیا کہ معجزانہ طور پر شہر سے باہر ایک

Marfat.com

پہاڑی پر جا نکلا۔ یہ کرامت دیکھ کر راجا مسلمان ہو گیا اور قرب و جوار کے بہت سے باشندوں نے بھی اس کی پیروی کی اور مندر مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ (۵۲)

نیچ ذاتوں کا قبول اسلام:

جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت ہمیشہ ایسے ہی پُرامن طریق پر جاری نہیں رہی لیکن وہاں کی قدیم تاریخ میں ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنے کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس کا ارتکاب حیدر علی (۱۷۶۷ء تا ۱۷۸۲ء) اور ٹیپو سلطان (۱۷۸۲ء تا ۱۷۹۹ء) کے عہد میں ہوا، جب اسلامی حکومت اپنے عروج پر تھی۔ بہر حال اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ نیچ ذاتوں (۵۳) کے لوگ پرامن طریقوں سے بکثرت مسلمان ہوئے اور یہ عمل اب تک جاری ہے، کیونکہ تیان (جو ہندوستان کی ترقی پذیر قوموں میں شمار ہوتے ہیں) اور مکوّن (جو ماہی گیر ہیں) اور چیرومن (جو کاشتکار ہیں) اور دوسری نیچ ذاتوں کے لوگ وقتاً وقتاً اسلام قبول کرتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ذات پات کی رو سے یہ لوگ ملیچھ ہیں اس لیے بےبس اور مجبور ہیں لیکن قبول اسلام ان کو لاچاری سے نجات دلاتا ہے۔

بعض اوقات نایر قوم کے لوگ اور مقامی عیسائی باشندے بھی مسلمان ہو جاتے ہیں۔ پونانی میں، جہاں مسلمانان مالابار کا مذہبی پیشوا رہتا ہے، مسلمانوں کی ایک انجمن ہے جس کا نام منت الاسلام سبھا ہے۔ یہ انجمن نو مسلموں کو دینی تعلیم اور طالب علموں کو مالی امداد دیتی ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی تین سالوں میں جو نو مسلم اس ادارے میں داخل ہوئے، ان کی اوسط تعداد ۷۵۰ تھی (۵۴)۔ لوگ ہندو مذہب کو چھوڑ کر اس کثرت سے مسلمان ہوئے تھے کہ جنوبی ہند کے مغربی اور مشرقی ساحلوں کے مسلمان ہندو لوگوں یا قدیم مقامی باشندوں کی وضع قطع اختیار کر رہے ہیں۔ اور سوائے چند ایک شریف خاندانوں کے، وہاں کے اکثر مسلمانوں میں ملک کے اصلی باشندوں کی خصوصیات ظاہر ہو رہی ہیں اور غیر ملکی خون کا اثر بہت کم نظر آتا ہے مغربی ساحلی علاقوں میں ذات پات کی شدت اور روک رکاوٹ خاص طور پر نمایاں ہے، جس کی یہاں صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔ ٹراونکور میں بعض نیچ ذاتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ برہمن سے چوہتر قدم کے فاصلے پر رہیں اور جب سڑک پر چلیں تو پکارتے چلیں تاکہ لوگوں کو ان کی آمد سے آگاہی ہو۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ادنیٰ قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہو۔ یہ لوگ اسلام قبول کر کے ان ذلت آمیز سختیوں سے نجات پاتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے اپنا اور اپنی اولاد کا درجہ بلند کرتے ہیں۔

جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر نیچ ذاتوں کے مسلمان ہونے سے ماپلا قوم کے مسلمانوں کی تعداد اس قدر

Marfat.com

بڑھ رہی ہے کہ چند سالوں میں مغربی ساحل کی تمام ادنیٰ قوموں کا مسلمان ہو جانا عین ممکن ہے۔(۵۵)

جزائر مالدیپ میں اسلام کی اشاعت:

آج کل جزائر مالدیپ اور لکادیپ کی تمام آبادی مسلمان ہے۔ان جزیروں میں اسلام غالباً مالا بار ہی کے راستے سے پھیلا تھا اور یہاں کے باشندے عرب اور ایرانی تاجروں کے ذریعے سے مسلمان ہوئے تھے۔یہ تاجران جزیروں میں آباد ہوئے اور انہوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کیں اور اس طرح سے عملی تبلیغ کا راستہ صاف کر دیا۔اندازہ ہے کہ جزائر مالدیپ کا پہلا مسلمان سلطان احمد شنورازہ ۱۲۰۰ء کے قریب اسلام لایا تھا (۵۶)۔لیکن یہ بات عین ممکن ہے کہ اس سے تین سو سال پہلے (۵۷) مسلمان تاجروں نے ان جزیروں میں اسلام کی ترویج کی ہو۔بہر حال یہاں کے لوگ بتدریج مسلمان ہوئے، لیکن ان کے قبول اسلام کی تفصیلات ہم تک نہیں پہنچیں۔

جزائر مالدیپ کے دارالحکومت مالی میں شیخ یوسف شمس الدین کی تربت ہے۔یہ بزرگ ایران کے شہر تبریز سے آئے تھے۔ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ان جزیروں میں اسلام پھیلانے میں بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔وہاں کے لوگ آج تک ان کے مزار کا بہت احترام کرتے ہیں اور اچھی حالت میں رکھتے ہیں۔جزیرے کے اسی حصے میں ان کے بعض اور ہم وطن بھی مدفون ہیں جو ان کی تلاش میں آئے تھے اور پھر مرتے دم تک ان ہی جزیروں میں مقیم رہے (۵۸)۔

لکادیپ میں اسلام کی اشاعت:

جزائر مالدیپ کے نزدیک لکادیپ کے جزیرے ہیں۔روایت ہے کہ ان جزیروں میں اسلام کی اشاعت ایک عرب مبلغ کے ذریعے سے ہوئی تھی جس کا نام ممبا ملیا کا تھا۔اندروتھ کے مقام پر اس کی قبر اب تک موجود ہے اور وہاں کے موجودہ قاضی کا بیان ہے کہ وہ چھبیسوئیں پشت میں اسی مبلغ کی اولاد سے ہے۔اس حساب سے وہ مبلغ ان جزیروں میں غالباً بارھویں صدی میں وارد ہوا ہوگا۔(۵۹)

دکن میں اسلام کی اشاعت:

دکن میں بھی بہت سے مسلمان مبلغین اسلام پھیلانے میں کامیاب رہے ہیں۔ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہندوستان کے مغربی ساحل پر نہایت قدیم زمانے سے عرب تاجروں کی آمد و رفت رہی ہے۔چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں عرب لوگ کونکن کے بہت سے شہروں میں بکثرت آباد تھے اور وہاں کی عورتوں سے شادیاں کر

Marfat.com

کے اپنے دین و آئین کے (۶۰) مطابق زندگی بسر کر رہے تھے۔ بہمنی خاندان (۱۳۴۷ء تا ۱۴۹۰ء) اور بیجا پور کے حکمرانوں (۱۴۸۹ء تا ۱۶۸۶ء) کے عہد میں عربوں کو دکن میں آباد ہونے کی تازہ تحریک ہوئی۔ چنانچہ تاجروں اور سیاحوں کے ساتھ مسلمان مبلغ بھی دکن میں وارد ہوئے تاکہ اس ملک میں اسلام کی تبلیغ کریں اور جو لوگ منکر ہیں ان کو اپنے وعظ و نصیحت اور اپنی ذاتی مثال سے مسلمان کریں۔ جہاں تک جبر و اکراہ کا تعلق ہے، اس کا دکن کی اسلامی سلطنتوں میں کہیں ذکر نہیں ملتا، کیونکہ مذہبی رواداری (۶۱) ان کے اصول حکومت کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔

ان عرب مبلغین میں سے ایک واعظ کا نام پیر مہابیر کھمدایت تھا۔ وہ ۱۳۰۴ء میں دکن میں اسلام پھیلانے کے لیے آیا۔ بیجا پور کے مسلمان کاشتکاروں میں اب تک جین مت کے ان لوگوں کی اولاد موجود ہے جن کو اس نے (۶۲) مسلمان کیا تھا۔ اسی صدی کے خاتمے کے قریب گلبرگہ کے ایک مشہور بزرگ سید محمد گیسو دراز نے (۶۳) ضلع پونا کے بعض ہندوؤں کو مسلمان کیا، اور بیس برس کے بعد بلگام (۶۴) میں بھی ان کی تبلیغی کوششوں کو ویسی ہی کامیابی نصیب ہوئی۔ دہانو میں شیخ بابا کی اولاد اب تک موجود ہے۔ یہ بزرگ اسلام کے ایک بہت بڑے ولی یعنی سید عبدالقادر جیلانیؒ کے قرابت دار تھے۔ وہ مغربی ہند میں تقریباً پندرھویں صدی میں آئے اور کونکن میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کرنے کے بعد انتقال کر گئے اور دہانو میں (۶۵) مدفون ہوئے۔ دھاروار کے ضلع میں بہت سے باشندے آباد ہیں جن کے باپ دادا کو ہاشم پیر گجراتی نے مسلمان کیا تھا۔ ہاشم پیر بیجا پور کے بادشاہ ثانی کے مرشد تھے جو سولھویں صدی کے اخیر میں گزرا ہے۔ یہ مسلمان جولا ہے اب تک اپنے پیر کا بہت احترام کرتے ہیں اور اس کی اولاد کے (۶۶) ساتھ بہت ادب سے پیش آتے ہیں۔ ایک اور بزرگ شاہ محمد صادق سرمست حسینی کی اولاد اب تک ناسک میں پائی جاتی ہے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان مبلغوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہے، وہ ۱۵۶۸ء میں مدینہ سے آئے اور مغربی ہندوستان کے اکثر مقامات کا سفر کر کے آخر کار ناسک میں مقیم ہو گئے۔ اسی ضلع میں ان سے تقریباً پچاس برس (۶۷) پہلے ایک اور کامیاب مبلغ یعنی خواجہ خوند میر حسینی اسلام کی تبلیغ شروع کر چکے تھے۔ اسی سلسلے میں دو اور عرب مبلغین یعنی سید محمد بن سید علی اور سید عمر عیدروس باشیبان (۶۸) قابل ذکر ہیں جو ضلع بلگام میں اسلام کی اشاعت میں مصروف رہے۔

سندھ میں اسلام کی اشاعت:

ایک اور تبلیغی تحریک کا مرکز ملتان کا شہر تھا۔ (۶۹) عربی فتوحات کے ابتدائی ایام میں جب محمد بن قاسم نے سندھ میں اسلامی حکومت قائم کی (۷۱۴ء) تو ملتان عالم اسلام کا ایک سرحدی شہر تھا۔ عربوں کے دور حکومت

Marfat.com

میں ، جو تین سو سال تک جاری رہا، بہت سے لوگوں نے قدرتی طور پر فاتحین کا مذہب اختیار کر لیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر سندھ کے کئی ہندو شہزادے بھی مسلمان ہو گئے (۷۰)۔ ساوندری کے لوگوں نے جب محمد بن قاسم کی اطاعت اختیار کی تو ان کو اس شرط پر امن و امان دیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مہمانداری کریں گے اور ان کے لیے رہبر مہیا کریں گے۔ چنانچہ اس واقعے کے ایک سو سال بعد بلاذری لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں یہ لوگ مسلمان تھے اور محمد بن قاسم کے مراسلات میں بھی ہندوؤں کے مسلمان ہونے کا اکثر ذکر آیا ہے۔

ہندو رعایا کو مذہبی آزادی دی گئی:

جب عربوں کے حملے کا پہلا جوش و خروش ختم ہو گیا تو انہوں نے اپنی بت پرست رعایا کو مذہبی آزادی دے دی۔ آزادی کی اس فضا میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، وہ بیشتر اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے تھے، مثلاً برہمن آباد کے باشندوں کو، جن کا شہر بزور شمشیر فتح ہوا تھا، اپنے شہر کے مندر کو مرمت کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی، کیونکہ ان کے برہمنوں کی روزی اسی مندر کی آمدنی پر موقوف تھی۔ رعایا کے کسی شخص کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے کی ممانعت نہ تھی (۷۱)۔ اور جب کسی مقام کے باشندے اطاعت اختیار کرتے تو ان کو فوراً امان دے دی جاتی تھی اور ان کو اپنے دین و آئین کی پیروی کی عام اجازت تھی۔

نویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں جب خلافت بغداد طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہو گئی تو مرکزی حکومت سندھ کی طرف سے غافل ہو گئی اور یہ ملک متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان میں سے ملتان اور منصورہ کے امیر سب سے زیادہ طاقتور تھے۔ اس نااتفاقی سے مسلمانوں کی سیاسی قوت میں قدرتی طور پر ضعف آ گیا۔ یہ انحطاط درحقیقت اس صدی کی ابتدا ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ خلیفہ معتصم (۸۳۳ء تا ۸۴۲ء) کے عہد میں سندان (۷۲) کے ہندوؤں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن انہوں نے مسجد سے کچھ تعرض نہ کیا (۷۳) اور مسلمان اس میں بغیر کسی خلل اندازی کے بدستور نماز ادا کرتے رہے۔ ملتان کے مسلمان اپنی سیاسی خود مختاری قائم رکھنے میں کامیاب رہے، اور آس پاس کے ہندو راجاؤں کو یہ دھمکی دے کر اپنا بچاؤ کرتے رہے کہ اگر تم نے ہم پر حملہ کیا تو ہم تمہارا بت توڑ ڈالیں گے۔ ہندو لوگ اس بت کا بہت احترام کرتے تھے اور دور دور سے ہندو (۷۴) یاتری اس کے مندر کی زیارت کے لیے آتے تھے۔

ایک راجا کا قبول اسلام:

لیکن اپنے سیاسی انحطاط کے زمانے میں بھی اسلام تبلیغی میدان میں فتوحات حاصل کرتا رہا۔ چنانچہ مؤرخ بلاذری نے حسب ذیل قصہ عسیفان کے راجا کے قبول اسلام کے متعلق لکھا ہے۔ بقول بلاذری عسیفان کا

Marfat.com

ملک کشمیر، ملتان اور کابل کے درمیان واقع تھا۔ یہاں کے باشندے ایک بت کو پوجتے تھے اور انہوں نے اس کے لیے ایک مندر تعمیر کر رکھا تھا۔ اتفاقاً راجا کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور اس نے مندر کے پروہتوں سے درخواست کی کہ وہ اپنے دیوتا کے حضور میں اس کے بیٹے کی شفایابی کے لیے دعا کریں۔ وہ پروہت کچھ عرصے کے لیے چلے گئے اور پھر واپس آ کر انہوں نے راجا سے کہا کہ ہم نے اپنے دیوتا سے دعا کی ہے اور اس نے ہماری دعا کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ راجا کا بیٹا مر گیا۔ اس پر راجا نے مندر پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا، بت کو توڑ دیا اور پروہتوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے مسلمان تاجروں کی ایک جماعت کو بلایا اور انہوں نے اس کے سامنے باری تعالیٰ کی توحید پیش کی۔ راجا توحید پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا (۷۵)۔

مسلمان تاجر اور تبلیغ:

اسی طرح کی تبلیغی کوششیں بلاشبہ مسلمان تاجروں کی بہت سی جماعتوں کے ذریعے سے جاری رہیں جو اپنے مال تجارت کے ساتھ ساتھ اپنے دین کو بھی ہندوستان کے بت پرست شہروں میں لے جاتے تھے۔ دسویں اور بارہویں صدی عیسوی کے عربی جغرافیہ نگاروں (اصطخری اور ابن حوقل وغیرہ) نے ساحل ہند اور اندرونی ملک کے بہت سے ایسے شہروں کے نام لکھے ہیں جہاں مسلمانوں نے اپنی مسجدیں بنا رکھی تھیں اور وہ مقامی راجاؤں کی حفاظت اور سرپرستی میں رہتے تھے، بلکہ ان راجاؤں نے ان کو اپنی شریعت (۷۶) کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اسی زمانے میں سندھ، ہند اور دنیا کے باقی ملکوں کی باہمی تجارت کا سلسلہ عرب تاجروں ہی کے دم سے قائم تھا۔ وہ چین اور لنکا کی پیداوار سندھ کی بندرگاہوں میں لاتے تھے اور وہاں سے براستہ ملتان، ترکستان اور خراسان میں (۷۷) لے جاتے تھے۔

یہ امر باعث تعجب ہوتا اگر یہ مسلمان تاجر، جو بت پرستوں کے شہروں میں جابجا پھیلے ہوئے تھے، تبلیغ اسلام میں ویسی ہی سرگرمی اور ہمت نہ دکھلاتے جو مسلمان تاجروں نے دوسرے ملکوں میں دکھلائی تھی۔ غالباً ایسے ہی تاجروں کی تلقین سے سمّہ قوم کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا جو سندھ پر ۱۳۵۱ء سے لے کر ۱۵۲۱ء تک حکمران رہے۔ اسی خاندان کے ایک بادشاہ نندا بن بابنیہ کے عہد حکومت کے متعلق خاص طور پر کہا گیا ہے کہ اس کا زمانہ ایسے امن وامان کا تھا کہ اسے نہ تو کبھی سوار ہو کر میدان جنگ میں جانا پڑا اور نہ ہی کوئی دشمن اس کے خلاف کبھی صف آرا ہوا (۷۸)۔" اس کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ "اس کا عہد عدل وانصاف اور اسلام کے فروغ کے اعتبار سے بھی مشہور وممتاز تھا۔" ظاہر ہے کہ ان حالات میں یہ فروغ صرف پرامن تبلیغی وسائل ہی سے حاصل ہو سکتا تھا۔ اس عہد کے مبلغین میں سب سے زیادہ مشہور سید یوسف الدین تھے جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد

Marfat.com

سے تھے۔ ان کو خواب میں حکم ہوا کہ بغداد چھوڑ کر ہندوستان جائیں اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنائیں۔ چنانچہ وہ ۱۴۲۲ء میں سندھ آئے اور وہاں دس برس تک تبلیغ کرتے رہے، حتیٰ کہ لوہانہ قوم کے سات سو گھرانوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اول اس قوم کے دو آدمی سندر جی اور ہنس راج، سید صاحب کی کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ قبول اسلام کے بعد ان کا نام آدم جی اور تاج محمد رکھا گیا۔ آدم جی کا پوتا لوہانہ کا سردار تھا۔ اس کی سرکردگی میں یہ لوگ سندھ سے اٹھ کر کچھ میں آباد ہو گئے اور کچھ کے لوہانوں (۷۹) کے اسلام لانے سے بھی ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

پیر صدرالدین اسمٰعیل داعی:

پانچ سو سال سے زیادہ گزرے ہیں جب سندھ میں پیر صدرالدین نے تبلیغ کی تھی۔ وہ ایک اسمٰعیلی داعی تھا اور ۱۴۳۰ء کے قریب خوجہ قوم کا سربراہ تھا۔ اسمٰعیلی داعیوں کا یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ اول اپنے آپ کو دوسروں کے موافق اور مطابق بنا لیتے تھے۔ چنانچہ اس اصول کے مطابق پیر صدرالدین نے ہندو نام اختیار کیا اور ان ہندوؤں کے بعض عقائد کو تسلیم کر لیا جن کو وہ مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے لیے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام 'دس اوتار' تھا۔ اس میں لکھا کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ یہ کتاب ابتدا ہی سے خوجہ فرقے کا مقدس صحیفہ سمجھی جاتی ہے اور تمام مذہبی موقعوں اور تہواروں کے علاوہ حالت نزع میں مریض کے بستر کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ یہ کتاب وشنو کے پہلے نو اوتاروں کو تسلیم کرتی ہے، لیکن ان کا سلسلہ ناقص اور نامکمل رہتا ہے اور پوری حقیقت تک نہیں پہنچتا جب تک اس میں یہ عقیدہ شامل نہ کیا جائے کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار ہیں اور عنقریب ظہور کرنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ برھما کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے، وشنو کو حضرت علیؓ سے اور شیو کو حضرت آدمؑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پیر صدرالدین کی تعلیم کو سب سے پہلے شمالی سندھ کے شہروں اور دیہات کے لوگوں نے قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ میں بھی وعظ کہے اور ان علاقوں سے اس فرقے کے عقائد جنوب کی طرف گجرات اور بمبئی تک پھیل گئے۔ آج کل خوجہ فرقے کے لوگ مغربی ہندوستان اور اس کے ساحل کے تقریباً تمام بڑے بڑے تجارتی شہروں میں پائے جاتے ہیں۔

دیگر اسمٰعیلی داعی:

لیکن پیر صدرالدین پہلا اسمٰعیلی داعی نہ تھا جو ہندوستان میں وارد ہوا، بلکہ اس سے بہت پہلے ۱۰۶۷ء کے قریب ایک داعی عبداللہ نامی یمن سے بھیجا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک بڑا عالم آدمی تھا اور اس نے بہت سی کرامات بھی دکھائی تھیں جن کو دیکھ کر بہت سے ہندو اس کے دین کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ ہندوستان کا

Marfat.com

دوسرا اسمٰعیلی داعی نورالدین ہے اس نے نورستاگر کا ہندوانہ نام اختیار کر لیا تھا اور وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ وہ اسمٰعیلیہ کے شیخ الجبل کے قلعہ الموت سے ہندوستان میں بھیجا گیا تھا۔ وہ راجہ سید ھاراج (۱۰۹۴ء تا ۱۱۴۳ء) کے عہد میں گجرات میں پہنچا تھا۔ اس نے ہندوانہ نام اختیار کر لیا تھا، لیکن اس نے مسلمانوں کو بتایا کہ اس کا اصل نام سید سعادت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے گجرات کی نیچ ذاتوں یعنی کنبی، کھاروا اور کوری قوموں کو مسلمان کیا تھا۔

بوہرہ قوم کا مسلمان ہونا:

جس طرح نورستاگر خوجہ قوم کا پہلا داعی تھا اور اس لحاظ سے اس کا احترام کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ عبداللہ کو بوہرہ فرقے کا بانی سمجھتے ہیں۔ بوہرہ شیعہ لوگوں کی ایک اہم اور کثیر التعداد جماعت ہے جو صوبۂ بمبئی کے بڑے بڑے تجارتی شہروں میں بکثرت آباد ہے۔ لیکن دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ بوہرہ قوم کا پہلا داعی ہونے کا فخر مّلا علی کو حاصل ہے چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ یعنی نوراللہ شوستری نے اس کے طریقۂ تبلیغ کو "مجالس المئومنین" میں حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس زمانے میں گجرات کے لوگ کافر تھے اور ایک بوڑھا آدمی ان کا گرو تھا، جس کے ساتھ وہ بدرجۂ غایت اعتقاد اور ارادت رکھتے تھے، لہذا مولانا نے یہ تدبیر سوچی کہ اول اس گروہ کے پاس جا کر اظہار ارادت کرے اور اس کو دلائل قاطعہ کے ساتھ مسلمان کرے اور اپنے ساتھ متفق کرے۔ اس کے بعد دوسروں کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنا شروع کرے۔ چنانچہ اس منصوبے کے مطابق اس نے چند سال اس پیشوا کی خدمت میں گزارے اور ان لوگوں کی زبان کو سیکھا، ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے علوم پر حاوی ہو گیا اس کے بعد اس نے دین اسلام کی حقیقت کو بتدریج اس پیر روشن ضمیر پر ظاہر کیا اور اس کو مسلمان کر لیا۔ جب وہ پیر مرد مسلمان ہو گیا تو اس کے بعض مرید بھی اپنے پیشوا کی پیروی میں مسلمان ہو گئے۔ آخر کار جب اس ملک کے بادشاہ کے وزیر کو اس پیشوا کے مسلمان ہونے کی خبر پہنچی تو وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی پیروی میں مسلمان ہو گیا۔ لیکن کچھ مدت تک اس پیشوا، وزیر اور دوسرے نومسلموں نے راجہ کے خوف سے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا، لیکن آخر کار وزیر کے مسلمان ہونے کی خبر راجہ تک پہنچی۔ راجہ حقیقت حال معلوم کرنے کے درپے ہوا اور وہ ایک دن اچانک وزیر کے گھر جا پہنچا اور اسے نماز کی حالت میں رکوع کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے ناراض ہو گیا۔ جب وزیر نے راجہ کی آمد کا سبب بھانپ لیا اور اسے معلوم ہوا کہ راجہ کی ناراضگی اور بدظنی کا سبب اس کا رکوع اور سجود ہے تو لطف ربانی اس کا شامل حال ہوا۔ اس نے ارشاد الٰہی سے فوراً کہا کہ میں گھر کے ایک گوشے میں ایک سانپ کو دیکھ کر اس کو دور کرنے کی تدبیر میں کبھی اٹھ رہا اور کبھی بیٹھ رہا تھا۔ جب راجہ نے گوشے کی طرف نگاہ کی تو خدا

Marfat.com

کے حکم سے اسے ایک سانپ دکھائی دیا۔ چنانچہ راجہ نے وزیر کا عذر قبول کرلیا اور اس کی بدگمانی رفع ہوگئی۔ آخر کار راجہ بھی در پردہ مسلمان ہوگیا، لیکن مصلحت عامہ کے پیش نظر اس نے قبول اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے وصیت کی کہ اس کی لاش کو کفار کے دستور کے مطابق جلایا نہ جائے۔

راجہ کی وفات کے بعد جب سلطان ظفر نے، جو سلطان فیروز شاہ شاہ دہلی کے امراء میں سے تھا، گجرات کو فتح کیا تو چند سنی علماء نے جو اس کے ہمراہ تھے، لوگوں کو اہل السنّت کے مذہب کی طرف رہنمائی کی۔ چنانچہ بوہرہ قوم کے بعض لوگ سنی مذہب میں داخل ہو گئے لیکن اکثر لوگ اپنے پہلے مذہب پر قائم رہے (۸۰)''۔

کچھ میں اشاعت اسلام:

کچھ اور گجرات کے مسلمانوں کی متعدد جماعتوں کا بیان ہے کہ وہ پیرانہ (۸۱) کے امام شاہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ امام شاہ نے پندرھویں صدی کے نصف ثانی میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے دو موسموں کی خشک سالی کے بعد بارش برسائی تھی۔ یہ کرامت دیکھ کر بہت سے ہندو کاشت کار مسلمان ہو گئے۔ ایک اور موقع پر پیرانہ میں چند ہندو یاتریوں سے اس کی ملاقات ہوئی جو بنارس جا رہے تھے۔ اس نے ان کو بنارس لے جانے کی پیش کش کی جس کو یاتریوں نے منظور کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک لمحے میں بنارس پہنچ گئے ہیں، گنگا میں نہا رہے ہیں اور اپنی منتیں پوری کر رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ابھی تک پیرانہ میں ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اس ولی اللہ کا دین قبول کرلیا جس نے ایسی کرامت دکھائی تھی۔ امام شاہ نے ۱۵۱۲ء میں وفات پائی اور اس کی تربت کی مسلمان اور ہندو دونوں آج تک زیارت کرتے ہیں۔

کچھّ کے بہت سے مسلمان جو ہندو نسل سے ہیں، اپنے مذہبی پیشوا داول شاہ پیر کا بڑا احترام کرتے ہیں، جس کا اصلی نام ملک عبداللطیف تھا۔ وہ محمود بیگرہ (۱۴۵۹ء تا ۱۵۱۱ء) کے ایک امیر کا بیٹا تھا۔ محمود بیگرہ گجرات سے مسلمان حکمران خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہوگزرا ہے جس کے عہد میں عام روایت کے مطابق بہت سے ہندو مسلمان ہوئے تھے۔

بنگال میں اسلام کی اشاعت:

جہاں تک نومسلموں کی تعداد کا تعلق ہے، ہندوستان میں مسلمان مبلغین نے بنگال میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہے۔ محمد بختیار خلجی نے یہاں سب سے پہلے بارھویں صدی عیسوی کے اختتام پر ایک اسلامی مملکت قائم کی۔ بہار اور بنگال کو فتح کر کے گور کو بنگال کا دارالحکومت مقرر کیا۔ یہاں اسلامی حکومت مدت دراز تک

Marfat.com

قائم رہی اور اس سے قدرتی طور پر اسلام کی اشاعت میں مدد ملی۔ اگرچہ ہندو راج دس سال کے لیے راجہ کانس کے عہد میں دوبارہ بحال ہو گیا تھا۔ جو اپنی رواداری کی وجہ سے اپنی مسلمان رعایا میں بھی ہردلعزیز تھا، لیکن اس کے بیٹے جٹ مل نے ہندو مت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس کا باپ مر گیا تو اس نے ۱۴۱۴ء میں اپنی سلطنت کے تمام امراء کو بلایا اور ان کو بتایا کہ وہ اسلام اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر وہ اس کی تخت نشینی پر رضامند نہ ہوں تو وہ اپنے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جائے گا۔ یہ سن کر سرداروں نے کہا کہ راجہ خواہ کوئی مذہب اختیار کرے، ہم اسے بدستور اپنا بادشاہ تسلیم کریں گے۔ چنانچہ راجہ نے چند علمائے اسلام کو طلب کیا تاکہ جب وہ ہندو مت ترک کر کے اسلام قبول کرے تو وہ اس واقعے کی شہادت دینے کے لیے موجود ہوں۔ راجہ نے اپنا نام جلال الدین محمد شاہ رکھا۔ اور روایت ہے کہ اسکے عہد میں اور بھی بہت سے ہندو مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر زبردستی مسلمان کیے گئے تھے۔ مشرقی بنگال میں اسلامی حکومت ساڑھے پانچ سو سال تک قائم رہی، لیکن اس طویل عرصے میں صرف جلال الدین ہی کا زمانہ ایسا ہے جس میں ہندو رعایا کے ساتھ عام طور پر زبردستی کی گئی تھی۔

لیکن اس عہد کے علاوہ اور زمانوں میں بھی اسلام کی ترویج و اشاعت میں اسلامی حکومت کے سرکاری دباؤ سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً کھرگ پور کے راجے ابتدا میں دراصل ہندو تھے، لیکن جب انہوں نے اکبر بادشاہ کے ایک سپہ سالار سے شکست کھائی تو ان کو اپنی خاندانی ریاستوں پر بدستور قابض رہنے کی اس شرط پر اجازت دی گئی تھی کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ اسی طرح چٹگام میں اسد علی خاں کے خاندان کا مورث اعلیٰ ہندو تھا، لیکن اسے اپنی اصلی ذات سے اس طریق سے محروم کر دیا گیا کہ اسے گائے کا گوشت سونگھنے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ اسے مجبوراً مسلمان ہونا پڑا، اسی طرح کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔

مرشد قلی خاں ایک نومسلم برہمن کا بیٹا تھا جس کو شہنشاہ اورنگزیب نے اٹھارویں صدی کی ابتدا میں بنگال کا صوبیدار مقرر کیا تھا۔ اس نے یہ قانون نافذ کیا کہ جو افسر یا جاگیردار سرکاری لگان یا مالیانہ ادا نہ کر سکے یا اس کی تلافی نہ کر سکے تو اسے اپنے بیوی بچوں سمیت مسلمان بنایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ ایک عام دستور تھا کہ جب کوئی ہندو اپنے دھرم کی ریت رسم توڑنے سے اپنی ذات پات کھو بیٹھتا تو وہ اسلامی حکومت ہی کے واسطے سے اپنی ذات کو دوبارہ حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اگر حاکم اس معاملے میں دخل دینے سے انکار کر دیتا تو اس شخص کے لئے ہندو برادری میں دوبارہ جگہ پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہتی اور اسے مسلمان ہونے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آتا (۸۲)۔

جو افغان لوگ بنگال میں آباد ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسلام کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ ان

Marfat.com

کی جو اولاد ہندو بیویوں کے بطن سے ہوتی تھی وہ تو بہر حال مسلمان ہی ہوتی تھی مگر ان کے علاوہ وہ قحط کے زمانے میں مفلس ہندوؤں کے بچوں کو بھی خرید لیتے تھے اور ان کی پرورش اسلامی طریقے پر کرتے تھے۔ لیکن بنگالی مسلمانوں کی کثرت ایسے شہروں میں نہیں ہے جو پہلے زمانے میں اسلامی حکومت کے مرکز رہ چکے ہیں، بلکہ ان کی کثرت ایسے اضلاع اور مقامات میں ہے جہاں مغربی صوبوں کے مسلمانوں کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا اور جہاں نیچ ذاتوں کے ہندو اور ملیچھ بکثرت آباد ہیں۔ نیچ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اوضاع و اطوار یکساں ہیں۔ اس کے علاوہ نومسلموں میں ابھی تک ذات پات کی تمیز باقی ہے اور جسمانی لحاظ سے بھی ان میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بنگال کے مسلمان اور وہاں کے قدیم باشندے ایک ہی اصل سے ہیں۔ بنگال میں اسلام کے راستے میں کوئی مضبوط مذہبی نظام حائل نہیں ہوا، لیکن اس کے برعکس ہندوستان کے شمال مغربی صوبوں میں مسلمان حملہ آوروں نے دیکھا کہ بدھ مت پر غالب آنے کے بعد برہمنوں کا مذہب پورے زوروں پر ہے اور اس میں ایک تازہ زندگی آ چکی ہے۔ مسلمانوں کی سخت گیری کے باوجود ہندو مذہب نے ان میں مخالفت اور مقاومت کی روح پھونک دی ہے اور انتہائی مصیبت اور ذلت کے زمانے میں بھی ان پر اس کی گرفت مضبوط رہی ہے۔ لیکن بنگال کے قدیم باشندوں اور نیچ ذات کے ہندوؤں نے مسلمان مبلغوں کا کشادہ دلی سے خیر مقدم کیا، کیونکہ یہ لوگ ہندو سماج سے تقریباً خارج تھے اور ان کے آریہ حکمران ان کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

بنگال کے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے سر ولیم ہنٹر لکھتے ہیں کہ "ان مفلس لوگوں کے لیے، جن میں ماہی گیر، شکاری، سمندری ڈاکو اور نیچ ذات کے کاشت کار شامل تھے، اسلام ایک نعمت عظمیٰ تھی جو ان پر عرش بریں سے اتری۔ اسلام حکمران قوم کا مذہب تھا اور اس کے پرُجوش مبلغ خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا مژدہ لے کر ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جس کو سب لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ قبول اسلام کی ابتدائی رسم سے ان کے لیے ارتداد ناممکن ہو جاتا تھا اور نومسلم اور اس کی اولاد ہمیشہ کے لیے مومن صادق بن جاتے تھے۔ اس طرح اسلام ہندوستان کے سب سے زیادہ شاداب اور سرسبز صوبے میں مضبوطی سے قائم ہو گیا، جو ایک انتہائی گنجان اور روز افزوں آبادی کی پرورش کے قابل تھا۔ جبراً مسلمان کرنے کے واقعات کا کہیں کہیں ذکر آیا ہے، لیکن جنوبی بنگال میں اسلام کو جو مستقل اور پائیدار کامیابی حاصل ہوئی، اس کا سبب جبر و اکراہ نہیں ہے۔ اس مذہب میں لوگوں کے لیے کشش تھی اور اس کو بیشتر ماننے والے غریب اور نادار طبقے سے ملے۔ اسلام نے انکو خدا کی ذات کا ایک اعلیٰ تصور دیا، انسانی اخوت اور مساوات کے ایک اشرف تخیل سے آشنا کیا۔ بنگال میں نیچ ذاتوں کے لاکھوں آدمی صدیوں سے ہندو سماج کے رحم و کرم پر ذلت و خواری کے دن کاٹ رہے تھے (بلکہ اس

Marfat.com

سے تقریباً خارج تھے) لیکن اسلام نے ان کے لیے ایک نئے معاشرے میں داخل ہونے کا راستہ کھول دیا۔''

خاص خاص اشخاص کے مذہبی جوش اور ولولے کے متعلق بنگال کے عوام میں جو قصے مشہور ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کی اشاعت کے لیے خاص کوششیں کی گئی تھیں۔ ان مبلغوں میں سے بعض کے مزاروں کا لوگ آج تک احترام کرتے ہیں اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں ان پر حاضری دیتے ہیں۔ ان قدیم مبلغوں میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ شامل ہیں جن کا ۱۲۴۴ء میں انتقال ہوا۔ وہ ولی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ اپنے تبلیغی سفر کے دوران میں وہ بنگال پہنچے، جہاں ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کی گئی اور اس کے ساتھ ایک بڑی جائداد بھی وقف کردی گئی، لیکن ان کے مدفن کا صحیح مقام معلوم نہیں۔ لوگ ان کی بہت سی کرامات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ انھوں نے ایک ہندو گوالے کو ایک ہی نگاہ سے مسلمان کرلیا تھا۔

اسی طرح ایک اور بزرگ قابل ذکر ہیں؛ ان کا نام بھی شیخ جلال الدینؒ تھا۔ وہ وطن کے لحاظ سے ایرانی تھے، وہ چودھویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان میں وارد ہوئے اور انھوں نے جنوبی آسام میں سلہٹ کے مقام پر سکونت اختیار کی تاکہ وہاں کے لوگوں کو مسلمان کریں۔ ان کے تقدس کا بڑا شہرہ ہوا اور ان کو اپنی تبلیغ میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

انیسویں صدی میں بنگال میں دین اسلام میں ایک نئی زندگی آئی اور وہابی اصلاحی تحریک کے اثر سے کئی فرقے ظہور میں آئے۔ ان فرقوں نے اپنے مبلغ تمام صوبوں میں بھیجے تاکہ ہندوانہ توہمات کو دور کریں، مذہبی ولولے کو بیدار کریں اور کافروں میں اسلام پھیلائیں۔

پنجاب میں اشاعت اسلام:

ہندوستان کے دیگر حصوں میں اسلام کی اشاعت کے لیے جو کوششیں ہوئیں، ان کا ذکر کرنا ابھی باقی ہے۔ ابتدائی دور کے بزرگان دین میں سے ایک بزرگ شیخ اسمٰعیلؒ ہیں جو بخارا کے سادات عظام میں سے تھے اور دینی اور دنیوی علوم میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے مبلّغ اسلام تھے، جو (۳۹۵ھ مطابق ۱۰۰۵ء) لاہور کے شہر میں وارد ہوئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہوئے۔ ان کی مجلس وعظ میں لوگ بکثرت شریک ہوتے تھے اور نومسلموں کی تعداد ہر روز بڑھتی رہتی تھی۔ کہتے ہیں کہ جو شخص ایک مرتبہ ان کے وعظ میں آتا تھا وہ اسلام قبول کیے بغیر واپس نہ جاتا تھا۔ (۸۳)

کہتے ہیں کہ پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے بہاء الحق ملتانیؒ (۸۴) اور پاک پٹن کے بابا فرید الدینؒ کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ تیرہویں صدی کے خاتمے اور چودھویں صدی

Marfat.com

کے آغاز میں گزرے ہیں، ایک تذکرہ نویس (اصغر علی) نے بابا فرید الدینؒ کے حالات میں سولہ قوموں کی فہرست دی ہے جو ان کے وعظ و نصیحت سے مسلمان ہوئیں، لیکن افسوس ہے کہ اس نے ان کی تبلیغ کی تفصیل بیان نہیں کی۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ:

ہندوستان کے مشہور و معروف اولیائے کبار میں سے خواجہ معین الدین چشتیؒ بھی ہیں، جنہوں نے راجپوتانہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور ۱۲۳۴ء میں اجمیر میں انتقال کیا۔ وہ سجستان کے رہنے والے تھے جو ایران کے مشرق میں واقع ہے۔ مشہور ہے کہ جب خواجہ صاحب مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں آپ کو ہندوستان کے کفار میں تبلیغ اسلام کا حکم ملا۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے خواب میں تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ "خدا نے ہندوستان کا ملک تیرے سپرد کیا ہے، وہاں جا اور اجمیر میں سکونت اختیار کر، خدا کی مدد سے دین اسلام تیرے اور تیرے ارادت مندوں کی پرہیزگاری سے اس سرزمین میں پھیل جائے گا"۔ خواجہ صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور اجمیر میں آئے جہاں کا راجہ ہندو تھا اور ملک میں ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد جس ہندو کو پہلے پہل آپ نے مسلمان کیا، وہ راجہ کا ایک جوگی گرو تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے مریدوں کی ایک کثیر جماعت ان کے پاس جمع ہوگئی جنہوں نے ان کی تعلیم و تلقین سے بت پرستی چھوڑ کر اسلام اختیار کر لیا۔ اب ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے آپ کی شہرت سب طرف پھیل گئی اور آپ کا شہرہ سن کر بہت سے ہندو لوگ اجمیر میں آئے اور آپ کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔ روایت ہے کہ جب آپ اجمیر جاتے ہوئے راستے میں دہلی میں ٹھہرے تھے تو وہاں آپ نے سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا (۸۵)۔

اُچ کا تبلیغی مرکز:

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سید جلال الدینؒ کی آمد بہت اہمیت رکھتی ہے جو ۱۱۹۹ء میں بخارا میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے ۱۲۴۴ء میں اُچ کے مقام پر سکونت اختیار کی جو آج کل بہاول پور کے علاقے میں واقع ہے۔ آپ نے اس کے قرب و جوار میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ آپ نے ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔ آپ کی اولاد، جن میں سے بہت سے لوگ اولیاء میں شمار ہوتے ہیں، آج تک آپ کے مزار کی متولی چلی آ رہی ہے اور اس کا مذہبی اثر دور دور کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کے پوتے سید احمد کبیر 'مخدوم جہانیاںؒ' کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کی نسبت مشہور ہے کہ انہوں نے پنجاب کے کئی قبیلوں کو مسلمان کیا تھا۔

اُچ کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر حسن کبیر الدینؒ کا مزار ہے جو سید صدر الدین کے بیٹے تھے اور سید صدر الدینؒ، سید جلال الدینؒ کے ہم عصر تھے۔ کہتے ہیں کہ سید صدر الدینؒ اور انکے بیٹے دونوں نے

Marfat.com

بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا تھا۔ حسن کبیر الدینؒ کی قوت تاثیر کے متعلق مشہور ہے کہ جونہی ان کی نگاہ کسی ہندو پر پڑتی تھی وہ فوراً اسلام قبول کر لیتا تھا۔

بوعلی شاہ قلندر:

تیرھویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک بزرگ ابوعلی قلندر نے، جو عراق عجم کے رہنے والے تھے، پانی پت میں آ کر سکونت اختیار کی اور سو سال کی عمر پا کر ۱۳۲۴ء میں انتقال کیا۔ اس شہر کے مسلمان راجپوت، جن میں تین سو مرد ہیں، ایک شخص امر سنگھ کی اولاد سے ہیں جس کو اسی ولی نے مسلمان کیا تھا۔ لوگ ان کے مزار کی آج تک بہت تعظیم کرتے ہیں اور اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔

ہندوستان میں انفرادی تبلیغی کوششیں:

گزشتہ سالوں میں بہت سے مبلغین اسلام نے اپنے دین کو ہندوستان میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور ان کو اس کام میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ خصوصاً انیسویں صدی کے نصف ثانی میں تبلیغی کوششوں میں ایک نئی جان آئی ہے اور ہندوستان میں جتنے لوگ ہر سال مسلمان ہوتے ہیں، ان کی تعداد دس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ بلکہ چھ لاکھ تک تخمینہ کی گئی ہے۔ لیکن اس تعداد کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے، کیونکہ یہ تبلیغی کوششیں انفرادی نوعیت کی ہیں اور مسلمانوں کے ہاں کوئی مرکزی تبلیغی تنظیم نہیں ہے اور نہ ہی تبلیغی کارگزاری کی کوئی روئداد شائع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان مبلغوں کو اپنے کام میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کے بارے میں بعض اوقات مبالغے سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً گارسیں دتاسی (۸۶) لکھتے ہیں کہ پنجاب میں ایک شخص حاجی محمد نے دو لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔ بنگلور کے ایک مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بنگلور اور اس کے مضافات میں پانچ برسوں میں ایک ہزار آدمیوں کو مسلمان کیا۔ یہ بیانات خواہ کتنے ہی مشکوک ہوں، پھر بھی اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ مسلمان مبلغ اپنے کام میں مصروف ہیں اور کامیاب ہیں۔ چنانچہ انیسویں صدی کے مندرجہ ذیل واقعات کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

مولوی بقا حسین خان نے، جو چل پھر کر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، چند سالوں میں ۲۲۸ آدمیوں کو مسلمان کیا جو بمبئی، کانپور، اجمیر اور دیگر شہروں کے رہنے والے تھے۔ مولوی حسن علی (۸۷) نے ۲۵ آدمیوں کو مسلمان کیا۔ جن میں سے بارہ پونا کے رہنے والے تھے اور باقی حیدر آباد اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے باشندے تھے۔ بمبئی پریزیڈنسی کے ضلع خاندیش میں نصیر آباد کے قاضی سید صفدر علی کی تلقین سے کاریگروں کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا جو آہنگری اور اسلحہ سازی کا کام کرتے ہیں۔ اس پیشے کے کچھ

Marfat.com

اور لوگ جن کی تعداد ضلع ناسک میں تقریباً ۲۰۰ تھی، عجیب طرح سے مسلمان ہوئے۔ ناسک کے مسیحی مبلغ مدت دراز سے کوشش کر رہے تھے کہ ان لوگوں سے ہندو مت چھڑا کر ان کو عیسائی کر لیں۔ اور یہ لوگ پس و پیش میں تھے کہ عیسائی مذہب قبول کریں یا نہیں کہ اس اثنا میں بمبئی سے ایک درویش آیا جو ان کے خصائل اور انداز فکر سے خوب واقف تھا۔ اس نے انکے سامنے اسلام کی تعلیم کو پیش کیا اور ان کو مسلمان کرنے میں کامیاب رہا۔

مولوی عبید اللہ:

پٹیالہ میں مولوی عبید اللہ نے، جو مسلمان ہونے سے پہلے ایک بڑے ودوان برہمن تھے، اپنے تئیں اسلام کا ایک پر جوش مبلّغ ثابت کیا، اور باوجود ان رکاوٹوں کے جو ان کے رشتہ داروں نے ان کے کام میں پیدا کیں، تبلیغ اسلام میں ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ پٹیالہ کا ایک پورا محلّہ ان لوگوں سے آباد ہے جو مولوی صاحب کی تلقین سے مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے عیسائی اور ہندو مذہب کی رد میں چند کتابیں مناظرانہ رنگ میں لکھیں جو بار بار طبع ہو چکی ہیں۔ ایک کتاب میں انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا حال یوں لکھا ہے: ''محمد عبید اللہ ولد کوٹے مل ساکن قصبہ پاٹل واقعے ریاست پٹیالہ لکھتا ہے کہ یہ فقیر لڑکپن میں اور اپنے باپ کی زندگی میں بت پرستی میں گرفتار تھا کہ اتنے میں رحمت الٰہی نے میری دستگیری کی اور مجھے اسلام کی طرف کھینچا، یعنی مجھ پر اسلام کی خوبیاں اور ہندو مذہب کی خامیاں منکشف ہو گئیں اور میں نے دل و جان سے اسلام قبول کیا اور اپنے آپ کو پیغمبر خدا (علیہ الصلوۃ والسلام) کے غلاموں میں شمار کیا۔ اس وقت عقلِ خداداد نے مجھ کو سمجھایا کہ اپنے باپ دادا کی رسوم کی آنکھیں بند کئے پیروی کرنا اور گمراہی کے جال میں پھنسے رہنا کمال حماقت اور غفلت ہے۔ دین و ایمان کے معاملات میں تحقیق نہ کرنا، جس پر انسان کی سعادت اور شقاوت کا دارو مدار ہے، سخت نادانی ہے۔ پس اس خیال سے میں نے مروجہ مذاہب کا مطالعہ کیا اور بلا رو رعایت ہر ایک مذہب کی تحقیق کی۔ چنانچہ میں نے ہندو مت کی خوب تحقیق و تدقیق کی اور ودوانی پنڈتوں سے گفتگو کی۔ اسی طرح میں نے عیسوی دین کی پوری واقفیت حاصل کی۔ میں نے اسلامی کتابیں بھی پڑھیں اور علمائے دین سے بات چیت کی۔ میں نے تمام مذاہب کو غلطی اور گمراہی پر پایا سوائے دین اسلام کے جس کی صداقت مجھ پر صاف طور پر واضح ہو گئی۔ اس کے بانی محمد رسول اللہ ﷺ ایسے اخلاق حسنہ سے متصف ہیں کہ زبان ان کے بیان سے عاجز ہے اور جو شخص اس دین کے عقائد اور عبادات اور اخلاق اور معاملات کو معلوم کرتا ہے، وہی ان کی خوبی کو پورے طور پر جان سکتا ہے سبحان اللہ! کیا سچا دین ہے جس کی ہر بات انسان کو راستہ دکھاتی ہے الغرض خدا کی توفیق سے مجھ پر حق اور ناحق کا امتیاز ایسی وضاحت سے منکشف ہو گیا، جسطرح دن اور رات اور اندھیرے اور اجالے کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ ہر چند کہ میرا دل ایک مدت سے

Marfat.com

نوراسلام سے منور اور میرا دہان کلمۂ شہادت سے معطر تھا، لیکن نفس امارہ اور شیطان نے مجھے عیش و آرام اور دنیائے بے بنیاد کی آسودگی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور رسوم کفر کی ظاہری پابندی سے ایک مدت تک خراب حال رہا۔ آخر کار توفیق الٰہی نے مجھے یوں فہمائش کی کہ ''تو کب تک اس گوہر بے بہا کو پردۂ صدف میں پوشیدہ رکھے گا اور اس عطر راحت فزا کو حجاب کے صندوقچے میں بند رکھے گا۔ تجھے اس گوہر کو گلے کا ہار بنانا چاہیے اور اس عطر کی خوشبو سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' اس کے علاوہ علمائے دین کا بھی یہ فتویٰ ہے کہ ایمان بالاسلام کو چھپانا اور کفار کا لباس اور ان کی وضع قطع اختیار کرنا انسان کو جہنم میں پہنچاتا ہے۔ سوالحمد للہ کہ ۱۲۶۴ھ میں عید الفطر کے دن اس فقیر کا آفتابِ اسلام حجابِ سحاب سے نکل کر جلوہ گر ہوا اور میں نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی (۸۸)''

مسلمان واعظین کا طریق کار:

بہت سے مسلمان واعظین نے عیسائی مشنریوں کے سے طریقے اختیار کر لیے ہیں مثلاً وہ گلی کوچوں میں وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ رسالے تقسیم کرتے ہیں اور اسی طرح کے دیگر وسائل اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مسلمان واعظ بازاروں میں روزانہ وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ بنگلور میں یہ طریقہ بہت عام ہے اور وہاں کا ایک واعظ، جو کسی مسجد کا امام تھا (۱۸۹۰ء) اس قدر ہر دلعزیز تھا کہ ہندو لوگ بھی اس کو بلا کر اس کا وعظ سنتے تھے۔ وہ مارکیٹ میں وعظ کہا کرتا تھا اور سات آٹھ سال کے عرصے میں بیالیس آدمیوں کو مسلمان کر چکا تھا۔ بمبئی میں ایک مسلمان مبلغ شہر کی بڑی مارکیٹ کے قریب تقریباً ہر روز وعظ کرتا ہے۔ کلکتہ میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں ہر وقت مسلمان واعظ موجود رہتے ہیں نومسلموں میں کبھی کبھی یورپی لوگ بھی پائے جاتے ہیں، لیکن ایسے اشخاص بالعموم مفلوک الحال ہوتے ہیں اور اکثر نومسلم ہندو ہی ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گزشتہ سالوں میں بہت سی اسلامی انجمنیں قائم ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض انجمنوں، مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن حامی اسلام اجمیر، کے مقاصد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بازاروں میں وعظ ونصیحت کے لیے واعظ بھیجے جائیں۔ ان انجمنوں کے مقرر کردہ واعظ تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن بازاروں میں وعظ کہنے کا کام زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو دن بھر تو کسی پیشے یا تجارت میں مصروف رہتے ہیں اور شام کو فرصت کا وقت اس کار خیر میں صرف کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا تبلیغی جوش اس بات میں بھی بکثرت صرف ہوتا ہے کہ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجی سکشا کرنے والوں کی مخالفِ اسلام تعلیم کا رد کیا جائے، لہذا انکی کوششیں تبلیغی ہونے کی بجائے دفاعی ہیں۔ بعض واعظ ایسے لوگوں کا مذہب پختہ کرنے کی کوشش کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں جن میں اسلام کی بنیاد تو

Marfat.com

پڑ گئی ہے، لیکن مضبوط نہیں ہوئی۔ وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جاہل مسلمانوں کے ذہن سے ہندوانہ توہمات کو دور کریں اور انکے دلوں پر مذہب اسلام کی زیادہ پاکیزہ صورت کو نقش کریں۔ اس قسم کی کوششوں سے اکثر اوقات پہلے مبلّغوں کے ادھورے کام کی تکمیل ہوتی ہے، کیونکہ بعض صورتوں میں لوگوں کو مسلمان کرنے کا کام بہت ناقص اور ادھورا رہ گیا ہے۔ بہت سے برائے نام مسلمان ایسے ہیں جو آدھے ہندو ہیں، کیونکہ وہ ذات پات کی تمیز کرتے ہیں، ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں اور بہت سی بت پرستانہ رسموں کی پابندی کرتے ہیں۔ بعض اضلاع مثلاً میوات اور گڑگاؤں میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اپنے مذہب سے بجز نام کے اور کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں نہ تو مسجدیں ہیں اور نہ وہ نماز کے پابند ہیں۔ یہ حال خاص کر ان دیہات یا ایسے مقامات کے مسلمانوں کا ہے جو مسلمانوں کے سواد اعظم سے دور اور الگ واقع ہیں۔ لیکن شہروں میں علمائے دین کی موجودگی سے مسلمانوں کے دلوں سے قدیم توہمات بہت حد تک رفع ہو چکے ہیں اور ان کی مذہبی زندگی ایک پاکیزہ تر اور قریب الفہم صورت اختیار کر چکی ہے۔

اسلامی اصلاحی تحریک:

چند برسوں سے ہندوستان کے مسلمانوں میں اس بات کی تحریک نظر آتی ہے کہ لوگوں کی مذہبی زندگی کو اسلامی شریعت کے زیادہ مطابق بنایا جائے۔ عیسائی مشن سکولوں کے اثر سے بھی بعض مسلمان نوجوانوں کو اپنے مذہب پر زیادہ غور وخوض کرنے کی تحریک ہوئی اور ان میں مذہبی ولولہ بیدار ہوا ہے۔ تعلیم کے عام ہونے پر لوگ اپنے مذہبی اصولوں کو بہتر سمجھنے لگے ہیں، اور مذہبی معلّم ایسے دور دراز اضلاع میں زیادہ ہو گئے ہیں، جن کی طرف پہلے کبھی توجہ نہیں کی گئی تھی۔ یہ تبلیغی اور اصلاحی تحریک خواہ کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو، ہندوستان کے بہت سے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً پنجاب کے مشرقی اضلاع میں غدر کے بعد مسلمانوں کے مذہب میں ایک نئی زندگی آئی۔ چنانچہ واعظوں نے ملک بھر میں شہر بہ شہر دور دور تک سفر کیا اور مسلمانوں کو بت پرستی کی رسمیں چھوڑنے کی تاکید کی اور ان کو اسلام کے صحیح عقائد کی تلقین کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے بہت سے گاؤں میں جہاں مسلمانوں کے پاس زمینیں تھیں، مسجدیں تعمیر ہو گئی ہیں اور لوگ ایسی قبیح رسموں کو چھوڑ رہے ہیں جو عیاں طور پر مشرکانہ تھیں۔ راجپوتانہ کے دیہات میں بھی وہ ہندو قومیں، جو وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتی رہی ہیں، درست عقائد اختیار کر رہی ہیں اور صوم وصلوٰۃ کی زیادہ پابند ہو رہی ہیں۔ وہ ان قدیم رسموں کو جو ان میں اور انکے بت پرست ہمسایوں میں مشترک تھیں، چھوڑ رہی ہیں۔ مثلاً میوات قوم کے مسلمان اب شادی بیاہ کے ہندوانہ طریقے کی بجائے اسلامی شریعت کے مطابق نکاح پڑھاتے ہیں اور سور کے گوشت سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح کی

Marfat.com

جو مذہبی اصلاح بنگال میں ہوئی ہے، اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

ہندوستان میں اشاعت اسلام کے اسباب:

ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد میں جو سریع ترقی ہوئی ہے، مذکورہ بالا تحریکیں اور انفرادی کوششیں اس کی توجیہ کے لیے قطعاً ناکافی ہیں۔ اس سے طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آبادی کے قدرتی اور طبعی اضافے کے علاوہ وہ کون سے اسباب ہیں جن سے مسلمانوں کی آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے؟ اس سوال کا جواب ہندوؤں کے معاشرتی حالات میں مضمر ہے اعلیٰ ذاتوں کے ہندو ادنیٰ ذاتوں کی تحقیر کرتے تھے اور ان کو ذلیل و خوار سمجھتے تھے، اور اگر نیچ ذات کا کوئی فرد اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا تھا تو اونچی ذات والے ہندو اس کے راستے میں طرح طرح کی سخت رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ ایسے سماج کے مقابلے میں اسلام کے مذہبی نظام کے فوائد نمایاں نظر آتے ہیں، جس میں کوئی شخص برادری سے خارج نہیں ہے اور ہر شخص کو ترقی کرنے کے لیے پوری آزادی حاصل ہے۔ مثلاً بنگالی جلا ہے، جو سوتی کپڑا بنتے ہیں، ان کو ہندو لوگ ناپاک سمجھ کر حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے یہ جلا ہے بکثرت مسلمان ہو رہے ہیں تا کہ اس طرح سے وہ اپنی ذلیل حالت سے چھٹکارا پائیں۔ اسی قسم کی ایک اور نمایاں مثال ہمیں اسی صوبہ بنگال کے شمال مشرقی حصے کی تاریخ میں ملتی ہے۔ اس علاقے میں ۱۵۵۰ء میں کوچ قوم کے آدباسیوں نے اپنے ایک بڑے سردار ہاجو کی سرکردگی میں ایک حکمران خاندان کی بنا ڈالی۔ جب ہاجو کے پوتے کا زمانہ آیا تو ریاست کے اعلیٰ طبقوں کے لوگ ہندوؤں میں شامل کر لیے گئے لیکن جب ادنیٰ ذاتوں کے اکثر لوگوں نے دیکھا کہ ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور وہ ہندو برادری سے بدستور خارج ہیں، تو وہ مسلمان ہو گئے۔

اسلام میں ذات پات نہیں:

قبول اسلام سے نیچ ذاتوں کے ہندو اعلی ذاتوں کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ اس کی ایک روشن مثال ہمیں انیسویں صدی کے اخیر میں ملتی ہے۔ نیچ ذات کے شنار چند سالوں سے خوش حال ہو گئے تھے اور ان میں سے اکثر نے عمدہ مکانات بنا لیے تھے۔ ان پر آج تک ہندو مندروں کے دروازے بند تھے، لیکن اب انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم بھی مندروں میں پوجا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس بات پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور اس بلوے میں شنار قوم کے لوگوں نے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ہاتھ سے سخت نقصان اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شنار نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ چنانچہ ایک گاؤں کے چھ سو شنار ایک ہی دن میں مسلمان ہو گئے اور دیگر مقامات کے شنار نے بھی ان کی پیروی کی۔

Marfat.com

غرض کہ اسی طرح کی اور مثالیں ہندوستان کے دیگر حصوں سے بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر کوئی ہندو کسی وجہ سے ذات سے خارج ہو جاتا ہے، تو اس کے رشتہ دار اور وہ لوگ جن کے ساتھ اس کی نشست و برخاست ہوتی ہے اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے شخص کو طبعی طور پر ایک ایسے مذہب کی طرف رغبت ہوگی جو اپنے حلقے میں ہر ایک شخص کو بغیر کسی تفریق و امتیاز کے قبول کرتا ہے، اور اس کو اپنے معاشرے میں وہی درجہ دیتا ہے جو اس کو اپنے پہلے سماج میں حاصل تھا۔ اس طریقے سے جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرے گا، اس کے قبول اسلام میں خلوص اور یقین شامل ہوگا، بلکہ وہ لوگ بھی جن کو اپنے دیوتاؤں کے نام اور ان کی گنتی بھی یاد نہ ہو، ذات برادری سے خارج ہونے کو بہت سختی سے محسوس کرتے ہیں اور کسی مذہبی جذبے کے بغیر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اسلامی کتابیں پڑھنے اور مسلمانوں کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی ہندوؤں نے اکثر اوقات محسوس کیے بغیر اسلام کا اثر قبول کیا ہوگا۔ انیسویں صدی میں راج پوتانہ اور بندھیل کھنڈ کے راجپوت حکمرانوں میں اسلام کی طرف اس قسم کا میلان پایا گیا ہے۔ اگر مغلیہ سلطنت کو دوام حاصل ہوتا تو یہ راجے غالباً بالآخر مسلمان ہو جاتے۔ وہ نہ صرف مسلمان اولیاء کا احترام کرتے تھے بلکہ اپنے لڑکوں کے لیے مسلمان مؤدب اور معلم مقرر کرتے تھے۔ وہ اپنے کھانے کے لیے جانوروں کو اسلامی طریقے سے ذبح کرتے تھے اور اسلامی تہواروں میں فقیروں کے بھیس میں شریک ہوتے تھے اور سچے مسلمانوں کی طرح دعائیں مانگتے تھے۔ اس کے علاوہ اس خیال کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ موجودہ صورت حال، جب کہ انگریزی حکومت مذہبی معاملات میں پورے طور پر غیر جانبدار ہے، ہندوؤں کے درمیان اشاعت اسلام کے لیے بہ نسبت اسلامی عہد حکومت کے زیادہ سازگار ہے، جب کہ ہندو لوگ مسلمان دشمنوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہنے کی وجہ سے آپس میں متحد ہو کر خوب طاقتور ہو گئے تھے۔ مسلمان اولیاء اور بزرگوں کے مزاروں پر ہندو لوگ بھی ان کے عرس کے موقع پر بہت کثرت سے حاضری دیتے ہیں۔ ایک بے اولاد ہندو، جو مشرک ہے اور ہزاروں خداؤں کو مانتا ہے، اس خیال سے کہ مراد مانگنے میں اس سے کوئی خدا چھوٹ نہ جائے، مسلمانوں کے خدا کے حضور میں بھی اپنی گزارش پیش کرتا ہے اگر اس دعا کے بعد وہ صاحب اولاد ہو گیا تو اس صورت میں اس کا سارا کنبہ مسلمان ہو جاتا ہے، چنانچہ اس قسم کی کافی مثالیں ملتی ہیں۔ (۸۹)

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی ہندو کسی مسلمان عورت کی محبت میں گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا، کیونکہ اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کا نکاح کافر سے قطعاً ممنوع ہے۔ ہندوؤں کے بچوں کو اگر کسی دولت مند مسلمان نے اپنا متبنیٰ کر لیا تو ان بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان کی بیوی بن جائے تو وہ بھی اپنے خاوند کے مذہب میں آ جاتی ہے (۹۰)۔ چونکہ اس کے برعکس کوئی عمل نہیں ہوتا (یعنی کوئی مسلمان ہندو نہیں بن سکتا) اس لیے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کا بڑھنا لازمی

Marfat.com

ہے۔ وہ ہندو جو کسی وجہ سے اپنی ذات برادری سے خارج کر دیے جاتے ہیں، اور ایسے مفلس ہندو بھی جو مسلمانوں کی خیرات پر پلتے ہیں، یا عورتیں اور بچے جو ماں باپ کے مر جانے سے لاوارث ہو جاتے ہیں یا ماں باپ ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ مسلمانوں کی حفاظت اور کفالت میں آ جاتے ہیں، جیسا کہ قحط سالی کے زمانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے، تو ایسے لوگ بھی مسلمان کر لیے جاتے ہیں اور اس طریقے سے مسلمانوں کی تعداد میں ہندوؤں کے ہاں سے برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اکثر اوقات مقامی حالات بھی اسلام کی ترقی کے لیے سازگار ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ بیان کیا گیا کہ ترائی کی بعض بستیوں میں جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد برابر ہوتی ہے، اگر کبھی مسلمانوں کا شمار بڑھ گیا تو گاؤ کشی کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ایسی باتوں سے جو ہندوؤں کو ناگوار گزرتی ہیں، فساد برپا ہو جاتے ہیں۔ ہندو رفتہ رفتہ گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے صرف چمار کاشتکار چھوڑ جاتے ہیں جو مسلمان زمینداروں کی ملازمت میں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ آخر کار اپنے آقاؤں کا مذہب اختیار کر لیتے ہیں اور دلی اعتقاد سے نہیں بلکہ تنہائی اور علیحدگی کی تکلیف سے بچنے کے لیے مسلمان ہو جاتے ہیں۔

نیچ ذاتوں کا مسلمان ہونا:

نیچ ذات کے ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی بعض نمایاں مثالیں اودھ کے زرعی اضلاع میں بھی ملتی ہیں۔ اگرچہ اس صوبے کے مسلمان کل آبادی کا صرف دسواں حصہ ہیں لیکن جہاں کہیں بھی مسلمان کاشتکاروں کے گروہ موجود ہیں، وہ گویا اس بغاوت کے متفرق مرکز ہیں، جو نیچ ذاتوں پر ہندوؤں کے حقارت آمیز ظلم وستم کے خلاف برپا ہوتی ہے۔ کوری اور چمار قوموں کے لوگ ہندو سماج کے نہایت ادنیٰ طبقے شمار ہوتے ہیں۔ ان کو قبول اسلام سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اعلیٰ ذاتوں کی بدسلوکی سے جس طرح نجات ملتی ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے ہو سکتا ہے جس میں ان کی سماجی حالت بیان کی گئی ہے: ''کوری، چمار، جلاہے اور موچی، ان قوموں کی بدحالی اور ذلت وخواری اسفل السافلین کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ، جو شمالی اضلاع میں رہتے ہیں، عملی طور پر غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں اتنی ہمت نہیں کہ انگریزی عدالتوں میں جا کر اس کے خلاف فریاد کریں۔ وہ اور ان کی اولاد نسل در نسل دوسروں کے قبضے میں اس طرح چلی آتی ہے جیسے کوئی خرید کردہ مال ہو۔ وہ اپنے برہمن اور کھشتری مالکوں کے لیے ہل جوتتے ہیں جو اپنی اونچی ذات کے غرور میں ہل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ وہ گاؤں سے دور الگ جگہوں میں سؤروں کے باڑوں کے پاس رہتے ہیں اور سؤروں سے بھی زیادہ ناپاک سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ فاقہ کشی کے قریب رہتے ہیں۔ ان کے بدن نحیف ونزار، رنگت سیاہ اور صورتیں بدہیئت ہیں اور چہرے پر بے وقوفی کے آثار نمایاں ہیں، ان کی نفرت انگیز اور ناپاک عادات سے ان

Marfat.com

کی بدنصیبی اور بدقسمتی ظاہر ہے جس نے انکو ذلت وخواری کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے جہاں وہ انسان ہو کر بھی حیوانوں اور جانوروں سے بھی بدتر شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ترقی کرنے کے قابل ہیں کیونکہ ان کے بہت سے آدمیوں نے اصطبل کی نوکریوں میں اپنے تئیں مفید اور ہوشیار نوکر ثابت کیا ہے۔ وہ اچھی تنخواہیں پاتے ہیں اور یورپی آقاؤں کی ملازمت میں اچھی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا قوموں کے لیے اپنی بدحالی سے چھٹکارا پانے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنا مذہب تبدیل کریں، کیونکہ ان کو اپنے موجودہ مذہب کے ساتھ وفادار رہنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔'' (۹۱)

اسلام ذات پات کی تمیز اور طبقاتی منافرت کو روا نہیں رکھتا۔ ہندوستان میں اسلام کو اس بات سے حقیقی قوت حاصل ہوئی ہے، اور اسی کی بدولت اس نے ہندوؤں کو اس کثرت سے اپنا حلقہ بگوش بنایا ہے۔

کشمیر میں اسلام کی اشاعت:

ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کی تاریخ کی تکمیل کے لیے ہمیں اب یہ بیان کرنا باقی ہے کہ کشمیر میں اسلام کیسے پھیلا اور پھر وہاں سے ہندوستان کی سرحدوں کو عبور کر کے اس نے تبت میں کیسے اشاعت پائی۔ صوبہ سندھ کو چھوڑ کر ہندوستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کے مقابلے میں کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد وہاں کی کل آبادی کی نسبت سے سب سے زیادہ ہے، یعنی ستر فیصدی ہے۔ کشمیر کے اکثر مسلمان ہندی یا تبتی اصل سے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ایسے تاریخی واقعات اور معلومات کی بہت کمی ہے جن سے اس بات کی تشریح ہو سکے کہ کشمیر کے لوگ اس کثرت سے کیسے مسلمان ہوئے۔ لیکن جس قدر تاریخی شہادتیں موجود ہیں، ان سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت فقیروں اور درویشوں کی مسلسل تبلیغی کوششوں سے ہوئی اور ان میں وہ اسمٰعیلی داعی بھی شامل ہیں جو الموت سے یہاں بھیجے گئے تھے۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کب شروع ہوئی۔ مشہور روایت یہ ہے کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ صدرالدین ہوا ہے (۹۲) جس نے چودھویں صدی کے اوائل میں ایک درویش بلبل شاہ نامی کی تلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ اپنے قدیم مذہب ہندومت سے مطمئن نہ تھا اور ایک بہتر اور زیادہ قابل قبول مذہب کی تلاش میں رہتا تھا۔ اور صرف بلبل شاہ ہی ایسا مرشد تھا جس کی تلقین سے اس نے دین برحق کی طرف رہنمائی حاصل کی اور اس کے ذریعے سے روحانی تسکین پائی۔ اسی صدی کے اخیر کے قریب یعنی ۱۳۸۸ء میں سید علی ہمدانی کی آمد سے اسلام نے کشمیر میں بڑی ترقی پائی۔ سید علی شہر ہمدان (ایران) کے رہنے والے تھے، لیکن امیر تیمور کے عتاب کی وجہ سے ان کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ ان کے ہمراہ سات سو سادات تھے جنہوں نے تمام

Marfat.com

ملک بھر میں خانقاہیں قائم کیں اور اپنے روحانی اثر سے اس نئے دین کو وہاں کے باشندوں میں مقبول بنایا۔ اس کے بعد سلطان سکندر (۱۳۹۳ء تا ۱۴۱۷ء) کا زمانہ آیا جس نے ہندوؤں کے بتوں اور بت خانوں کو توڑا اور "بت شکن" کا لقب پایا۔ اس کے وزیر اعظم نے، جو ہندو سے مسلمان ہوا تھا، ہندوؤں پر بڑے ظلم کیے، لیکن سلطان سکندر کی وفات کے بعد مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول اس کی مملکت میں دوبارہ جاری ہو گیا۔ پندرھویں صدی کے خاتمے کے قریب ایک مبلغ میر شمس الدین، جو شیعہ مذہب رکھتے تھے، عراق سے آئے اور اپنے مریدوں کی مدد سے انہوں نے کشمیر کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔

جب اکبر بادشاہ کے عہد میں کشمیر مغلیہ سلطنت کا صوبہ بن گیا تو اس سے طبعی طور پر اسلامی اثرات اور زیادہ محکم ہو گئے اور بہت سے علمائے دین کشمیر میں وارد ہوئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں کشتوار کا راجپوت راجہ، سید شاہ فرید الدین کی کرامات دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کے قبول اسلام سے اس کی بہت سی رعایا بھی مسلمان ہو گئی۔ شاہان مغلیہ جس راستے سے کشمیر جایا کرتے تھے، اس راستے پر ایسے راجے اب تک موجود ہیں جو نومسلم راجپوتوں کی اولاد ہیں۔

کشمیر کے شمال اور شمال مشرق میں بلتستان اور لدّاخ کے علاقے ہیں، جہاں ایک مخلوط تبّتی نسل کے لوگ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں کئی صدیوں سے اسلام مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے، لیکن ہمیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ اسلام یہاں کب اور کیسے پھیلا۔ بلتستان کے مسلمانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کے ملک میں خراسان سے چار بھائی آئے تھے اور انہوں نے اسلام کو ایک نئی زندگی دی تھی۔ لیکن اولین مبلغین کے متعلق ان کے ہاں کوئی روایت نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک اسلام یہاں برابر ترقی کرتا رہا، لیکن جب مہاراجہ رنبیر سنگھ والیٔ کشمیر نے بدھ مت کے پیروؤں کی حوصلہ افزائی کی تو اس سے اسلام کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

لدّاخ میں ایک مخلوط قوم کے لوگ ہیں جو ارغون کہلاتے ہیں۔ وہ تبّتی عورتوں کے بطن سے ہیں لیکن ان کے باپ مسلمان تاجر تھے جو لیہ میں سے آئے تھے اور انہوں نے تبّتی عورتوں سے شادیاں کر کے ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تھی۔ یہ ارغون تمام مسلمان ہیں اور اپنے باپ دادا کی طرح تبّتی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خالص تبّتی نسل کے لوگوں کے مقابلے میں ان کی آبادی بڑھ رہی ہے۔

کشمیری تاجروں نے اسلام کو تبت خاص میں پہنچا دیا ہے، اور ان مسلمان تاجروں کی بستیاں ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ تبّتی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اور یہ عورتیں اکثر اوقات اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کر لیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت تبت کے دارالحکومت لہاسہ میں مسلمانوں کے دو ہزار

Marfat.com

خاندان آباد ہیں۔(۹۳) اسلام تبت میں چین کے صوبہ یونان کی طرف سے بھی داخل ہوا ہے اور سوچنگ کے مقام میں، جو تبت اور صوبہ سی چون کی سرحد پر واقع ہے، تبتی باشندوں میں سے بعض لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تبت میں جو اسلامی اثرات ایران اور ترکستان سے بھی آئے ہیں۔

(نوٹ از مترجم: ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی؟ اس مضمون کے مربوط اور مسلسل بیان کے لیے ملاحظہ ہو: ''آب کوثر'' مؤلفہ شیخ محمد اکرام، طبع سوم، از ص ۲۰۲ از ص ۴۴۰ (مطبوعہ لاہور)۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستان کے نام سے ایک آزاد اور خودمختار اسلامی حکومت معرض وجود میں آ چکی ہے۔ آج کل (۱۹۷۰ء) پاکستان کی کل آبادی بارہ کروڑ کے قریب ہے، جس میں گیارہ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں اور باقی ا.ب کروڑ میں ہندو، عیسائی اور بدھ مت کے لوگ شامل ہیں۔

Marfat.com

حواشی

ا۔ مذکورہ بالا اعداد وشمار اس زمانے کے ہیں جب ڈاکٹر آرنلڈ نے ۱۹۱۳ء میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تھا۔ ہندوستان کی تقسیم (۱۹۴۷ء) کے بعد پاکستان کے مسلمانوں کی تعداد بارہ کروڑ کے قریب ہے اور ہندوستان کے مسلمان چار کروڑ کے قریب ہیں۔ (مترجم)

۲۔ مردم شماری ہند ۱۸۹۱ء۔ از جے۔ اے۔ بینز (Baines) ص ۱۶۷۔

۳۔ مردم شماری ہند ۱۸۹۱ء از جے۔ اے۔ بینز: ص ۱۲۶، ۲۰۷۔ (لنڈن ۱۸۹۳ء)

۴۔ ایلیٹ (Elliot): جلد ۲، ص ۴۴۸۔

۵۔ محمد بن قاسم نے ہندو راجاؤں کو قبول اسلام کی دعوت دی تھی اور جو حملہ آور اس کے بعد آئے، انہوں نے بھی غالباً شریعت اسلام کی پابندی کی تھی۔ ایلیٹ: جلد ۱، ص ۱۷۵۔ ۲۰۷۔

۶۔ برباپابارن، بلند شہر کے پرانے نام ہیں۔

۷۔ ایلیٹ: جلد ۲ ص ۴۲۔ ۴۳

۸۔ گزیٹیر (Gazetteer) شمال مغربی سرحدی صوبہ (فرہنگ شمال مغربی سرحدی صوبہ) جلد ۳، حصہ ۲، ص ۸۵۔

۹۔ "جن مسلمان فاتحین نے شمالی ہندوستان اور دکھن میں سلطنتوں کی بنیاد ڈالی، ان کو روحانی اور مذہبی معاملات کی طرف بہت کم توجہ تھی۔ وہ ملکی فتوحات یا خانہ جنگیوں میں اس قدر مصروف تھے کہ ان کو مذہب کی تبلیغ کی مطلق فرصت نہ تھی۔ یہ لوگ بالعموم وحشی تاتاری یا مغل تھے جن کو خود دین محمدی ﷺ کا بہت کم علم تھا۔ وہ اس سامی مذہبی جذبے سے عاری تھے جو اسلام کے پہلے علم برداروں کے سینوں میں موجزن تھا۔ جو سلطنت انہوں نے قائم کی وہ خالصتاً فوجی نوعیت کی تھی اور اس کی یہ نوعیت بدستور قائم رہی، کیونکہ ان کی ملکی فتوحات کبھی تکمیل کو نہ پہنچیں۔ ان کی روحانی فتح (یعنی اشاعت اسلام) بھی نسبتاً ناکام رہی۔ تاہم ان میں اتنی قوت ضرور تھی کہ انہوں نے ہندوؤں کے مذہبی اتحاد کو روک دیا اور منتشر قبیلوں کو ایک قوم نہ بننے دیا۔ ہندوستان کے لوگوں کو مسلمان بنانا تو بڑی بات تھی، مسلمان خود بھی حکومت کے تمام اعلیٰ عہدوں پر بلاشرکت غیرے قابض نہ ہو سکے۔" (سر الفریڈ لائل، ایشیاٹک سٹڈیز)۔

۱۰۔ تاریخ فرشتہ: جلد ۱، ص ۱۸۴۔

۱۱۔ رحلۃ ابن بطوطہ، مطبوعہ پیرس، جلد ۳، ص ۱۹۷۔

۱۲۔ ایلیٹ: جلد ۳، ص ۳۸۶۔

۱۳۔ انسانیت اور عیسائیت (Mankind and Church): ص ۲۸۶ (لنڈن ۱۹۰۷ء)۔

۱۴۔ ۱۸۸۰ء کا ہندوستان، از سر رچرڈ ٹمپل، (لنڈن ۱۸۸۱ء) گزیٹیر حکومت پنجاب جلد xxxvi، بہاولپور، ص ۱۸۳۔

۱۵۔ خطابات اودھ کی فہرست، ص ۸۷ (الہ آباد ۱۸۸۹ء)

۱۶۔ گزیٹیر صوبہ اودھ: جلد ۱، ص ۴۶۶۔

۱۷۔ گزیٹیر شمال مغربی سرحدی صوبہ، جلد ۳، حصہ ۲، ص ۴۶۔

۱۸۔ کانپور کے ضلع میں دیکھت خاندان کی ایک شاخ مسلمان ہے۔ یہ بچوں کی پیدائش، شادی بیاہ اور غمی کے موقع پر اسلامی رسوم کی

Marfat.com

پابندی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ بالعموم نماز ادا نہیں کر سکتے لیکن عبادت کے وقت سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس کے ساتھ ہی چیچک سے بچنے کے لئے چیچک دیوی کو پوجتے ہیں اور اپنی ذات کے ٹھاکروں سے جو ہندو ہیں، میل ملاپ رکھتے ہیں اور ہندوؤں کے سے نام رکھتے ہیں (شمال مغربی سرحدی صوبہ کا گزیٹیر، جلد ۶، ص ۶۴)۔

۱۹۔ ابٹسن (Ibbetson): ص ۱۶۳۔

۲۰۔ "مسلمان زمیندار تعداد میں زیادہ نہیں ہیں اور جو ہیں وہ بالعموم نومسلم ہیں ان میں سے اکثر بیان کرتے ہیں کہ وہ اول اول اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے بزرگوں نے یا تو سلطان کی سختیوں سے تنگ آ کر اسلام قبول کیا تھا یا اس غرض سے کہ مال گزاری کی عدم ادائیگی کی صورت میں ان کے مالکانہ حقوق برقرار رہیں" گزیٹیئر شمال مغربی سرحدی صوبہ، جلد ۶، ص ۶۴۔

انگریز اور ہندو مؤرخوں نے سلطان اورنگزیب کے مذہبی تعصب کے متعلق جو بے بنیاد قصے مشہور کر رکھے ہیں، ان کی مولانا شبلی نعمانی نے مضبوط تاریخی دلائل اور شواہد سے پرزور تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو مولانا موصوف کی تالیف: "اورنگ زیب پر ایک نظر"۔ (مترجم)

۲۱۔ ابٹسن: ص ۱۶۳۔

۲۲۔ تاریخ فرشتہ کے مؤلف نے اورنگ زیب کے متعلق لکھا ہے کہ "فروغ اسلام کے جوش میں اس نے نومسلموں کے ساتھ دریا دلی سے فیاضی کی، لیکن اس نے غیر مذاہب کے لوگوں پر مذہبی امور میں سختی نہیں کی"۔ ("تاریخ ہندوستان"، فارسی اور انگریزی میں ترجمہ، از الیگزنڈر ڈو، جلد ۳، ص ۳۶۱، لندن ۱۸۱۲ء)۔

۲۳۔ بمبئی گزیٹیئر: جلد ۲۲، ص ۲۲۲ اور جلد ۲۳، ص ۲۸۲۔

۲۴۔ اس مجموعے کا قلمی نسخہ مولوی عبدالسلام خان صاحب کے پاس موجود ہے۔ میں خان صاحب ممدوح کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ قلمی نسخہ دکھایا۔ (مصنف) مندرجہ بالا واقعے کا ذکر مصنف نے نامعلوم وجوہات کی بناء پر اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن سے حذف کر دیا تھا، لیکن میں نے اس کی اہمیت اور دلچسپی کے پیش نظر اسے موجودہ ترجمے میں شامل کر لیا ہے۔ (مترجم)

۲۵۔ ٹیپو سلطان نے اپنے فرمان میں مالابار کے جس دستور کا ذکر کیا ہے، یہ دستور مالابار، کوچین اور ٹراونکور کی نایر قوم میں آج بھی موجود ہے۔ اس دستور کے مطابق ایک عورت بیک وقت کئی مختلف مردوں سے رشتہ ازدواج قائم کر لیتی ہے۔ جس کو ان کی زبان میں "سمبندہم" کہتے ہیں، یعنی بالفاظ دیگر ایک عورت کے بیک وقت کئی شوہر ہوتے ہیں۔ اس طرز مناکحت کو انگریزی میں پولی اینڈری (Polyandry) کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا بذیل "پالی اینڈری" و "نایر"۔ (مترجم)

۲۶۔ (انس: ص ۲ ۷-۳ ۷-۱۹۰)۔ اس موقع پر ناظرین کرام یہ امر ذہن نشین رکھیں کہ قلم در کف دشمن است، کیونکہ مندرجہ بالا بیان مصنف نے ایک سرکاری گزیٹیر سے اخذ کیا ہے، جو مالابار کے متعلق ایک انگریز افسر نے مرتب کیا تھا۔ ٹیپو سلطان اور انگریزوں کی باہمی دشمنی ایک تاریخی حقیقت ہونے کے لحاظ سے اظہر من الشمس ہے، اس لئے گزیٹیئر کے انگریز مؤلف سے اسی قسم کے زہریلے بیان کی توقع ہو سکتی ہے۔ (مترجم)

۲۷۔ مذاہب ہندوستان، از سر ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر (دی ٹائم، ۲۵ فروری ۱۸۸۸ء)

۲۸۔ گزیٹیئر شمال مغربی سرحدی صوبہ، جلد ۶، ص ۵۱۸۔

۲۹۔ ایضاً: جلد ۵، حصہ ۱، ص ۳۰۲-۳۰۳۔

Marfat.com

۳۰۔ سر آرنلڈ۔ سی۔ لائل کی کتاب مطالعۂ ایشیا، ص ۲۳۰۔

۳۱۔ ماپلا یا موپلہ جنوبی ہند کے مغربی ساحل (مالابار) کی مخلوط نسل کی ایک مسلمان قوم ہے جس کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے گیارہ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ لوگ مذہباً سنی (شافعی) یا شیعہ ہیں۔ بعض تاجر ہیں اور بعض کاشت کار۔ ان کی زبان ملیالم ہے جس کو وہ عربی حروف میں لکھتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مرکز پونانی کا شہر ہے، جہاں ان کی جامع مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ بھی جاری ہے۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر آرنلڈ صاحب کا مقالہ بذیل ماپلا (Mapillas) در انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، طبع اول، جلد ۳، ص ۲۶۰۔ (مترجم)

۳۲۔ پانڈلیانی کولان کے مقام پر ایک مقبرے کی قبر پر ۱۶۰ھ کی تاریخ کندہ ہے۔ انس: ص ۴۳۶۔

۳۳۔ زین الدین: ص ۳۴۔۳۵۔

۳۴۔ تحفۃ المجاہدین کا مؤلف شیخ زین الدین معبری (متوفی ۹۹۱ھ) لکھتا ہے کہ "ہند کے مغربی ساحل کی بندرگاہوں میں مختلف ملکوں سے تاجر بکثرت آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نئے شہر آباد ہوگئے ہیں اور مسلمانوں کی تجارت سے ان کی آبادی بڑھ گئی ہے اور مکانات کثرت سے بن گئے ہیں۔ یہاں کے راجے اور سردار مسلمانوں پر سختی کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ راجے اور ان کی سپاہ بت پرست ہے لیکن وہ مسلمانوں کے مذہب اور ان کی رسوم کا بہت پاس اور لحاظ کرتے ہیں۔ سوائے ایسے موقعوں کے جب غیر معمولی اشتعال ہو، وہ مسلمانوں پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہونے دیتے۔ بت پرستوں اور مسلمانوں کا یہ اتحاد اس لحاظ سے اور بھی تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔ میں یہ بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ قدیم زمانے میں مالابار کے مسلمان نہایت امن و عافیت میں رہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ اس ملک کے باشندوں کے ساتھ وہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرتے تھے۔ ہندوؤں کے رسم و رواج کا لحاظ رکھتے تھے اور بلا قید مذہب امن و آشتی کے تعلقات ان میں چلے آتے تھے۔ چونکہ مالابار کے مسلمانوں میں کوئی امیر ایسا نہیں جس کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کے لئے کافی قدرت حاصل ہو اس لئے اہل اسلام بت پرست راجاؤں کے محکوم ہیں۔ وہ ایمان داری سے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں اور ان سے انصاف کرتے ہیں۔ ان کو ایسے حقوق دیتے ہیں جن سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے ہی جرم اور قصور سے سزا پانے کا مستحق ہو تو مجبوری ہے ورنہ مالابار کے ہندو حکمرانوں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت اور مہربانی کا ہے۔ کیونکہ ان کے شہروں کی آبادی اور خوش حالی ان ہی مسلمان تاجروں کی بود و باش کا نتیجہ ہے"۔ (مترجم)

۳۵۔ زین الدین: ص ۳۶۔

۳۶۔ تحفۃ المجاہدین کا مصنف شیخ زین الدین معبری دسویں صدی ہجری کا ایک عالم دین ہے جس کا والد عبدالعزیز اپنے زمانے میں مالابار کا قاضی تھا اور شافعی مذہب رکھتا تھا۔ زین الدین نے اس کتاب میں مالابار میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ لکھی ہے اور پھر اس ملک میں پرتگالیوں کے حملوں اور جنگوں کا حال قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب عربی میں ہے، اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہوا تھا اور پھر پروفیسر ڈیوڈ لوپیس نے اس کے عربی متن کو پرتگالی ترجمے کے ساتھ لزبن سے ۱۸۹۸ء میں شائع کر دیا تھا۔ (مترجم)

۳۷۔ زین الدین: ص ۲۱۔

۳۸۔ موجودہ نام مدائی۔

۳۹۔ زین الدین: ص ۲۳۔۲۴۔

Marfat.com

۴۰۔ایضاً:ص ۲۵۔

۴۱۔انس (Innes): ص ۴۱۔

۴۲۔ایضاً:ص ۳۹۸۔

۴۳۔ابن بطوطہ: جلد ۴،ص ۸۲۔۸۸۔

۴۴۔انس:ص ۱۹۰۔

۴۵۔اوباردوباربوسا (Oboardo Barbosa):ص ۳۱۰

۴۶۔اسی طرح بعض مصنفوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اگر پرتگالی لنکا میں نہ آتے تو وہاں ایک اسلامی حکومت قائم ہو جاتی، کیونکہ بحر ہند میں پرتگال کے جنگی جہازوں کے آنے سے پہلے یہاں کی تمام تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے صدہا سال پہلے تجارتی کوٹھیاں قائم کر رکھی تھیں اور عرب تاجر ہر بندرگاہ اور شہر میں موجود تھے۔ تجارتی سہولتوں کی بدولت مالابار کے شہروں سے بھی مسلمان تاجر لنکا میں آتے تھے۔ دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی مسلمان تاجروں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کر لیں اور لنکا کے ساحل پر اپنے دین کو پھیلا دیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عملی طور پر کوئی تبلیغی تحریک جاری نہ ہوئی تھی یا وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے لئے رغبت اور رضامندی کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ جس قدر مسلمان آجکل اس جزیرے میں ہیں، وہ بیشتر عربوں کی نسل سے ہیں۔ (سر جیمس ایمرسن ٹینٹ: لنکا، جلد ۱،ص ۶۳۱۔۶۳۳ پانچواں ایڈیشن، لندن ۱۸۶۰ء۔ آج کل لنکا کے مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ سے قدرے زائد ہے۔ ۱۳۸۹ھ میں وہاں کے ۲۷۴ مسلمان حج میں شریک ہوئے۔ (مترجم)

۴۷۔قرآن: سورہ طہٰ: ۱۲۵۔

۴۸۔ملاحظہ ہو مطلع السعدین، تالیف عبدالرزاق سمرقندی،ص ۳۷۱۔

۴۹۔ان کی زبان تامل ہے جو آج کل اکثر و بیشتر مدادورا، تنولی، کوئمبٹو، شمالی ارکاٹ اور نیلگری کے اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔

۵۰۔دی امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا، جلد (xxiv) ص ۴۷ پر ان کا نام نادرشاہ درج ہے۔ قادر حسین خاں نے ان کو ناشادولی کہا ہے۔

۵۱۔ضلع مدراس گزیٹیئر ترچناپلی، جلد ۱،ص ۳۳۸۔ (مدراس ۱۹۰۷ء)۔ شمالی ہند کے مسلمان، از قادر حسین خاں،ص ۳۶ (مدراس ۱۹۱۰ء)۔

۵۲۔قادر حسین خان:ص ۳۹۔۴۴ ضلع مدراس گزیٹیئر، اننت پور جلد ۱،ص ۱۹۳۔۱۹۴۔ (مدراس ۱۹۰۵ء)

۵۳۔زین الدین:ص ۳۳۔۳۶

۵۴۔انس:ص ۱۹۰۔ مردم شماری مدراس ۱۸۷۱ء از ڈبلیو۔ آر۔ کورنش ص ۷۱۔۷۲، ۱۰۹ (مدراس ۱۸۷۴ء)

۵۵۔رپورٹ سیکنڈ ڈیسینل مشنری کانفرنس منعقدہ کلکتہ ۱۸۸۲ء۔۱۸۸۳ء۔ص ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۴۸۔

۵۶۔ابن بطوطہ جزائر مالدیپ میں ۱۳۴۳ء اور ۱۳۴۴ء میں مقیم رہا تھا۔ اس نے یہاں کے وزیر کی بیٹی سے شادی کی جو سلطان داؤد کا پوتا تھا اور سلطان داؤد سلطان احمد شنورازہ کا پوتا تھا (رحلۃ ابن بطوطہ، جلد ۴)۔ اس بیان سے ہم نے ۱۲۰۰ء کا اندازہ لگایا ہے۔

۵۷۔ایچ۔سی۔پی۔بل: دی مالدیپ جزائر،ص ۲۳۔۲۵، ۵۷۔۵۸، ۷۱ (کولمبو ۱۸۸۳ء)۔

Marfat.com

۵۸۔ سرگذشت باشندگان مالدیپ از۔ جے۔ اے ینگ اور ڈبلیو کرسٹوفر روئداد جغرافیکل سوسائٹی آف بمبئی ۱۸۳۶ء تا ۱۸۳۸ء، ص ۴۷ (بمبئی ۱۸۸۴ء)

۵۹۔ انس: ص ۴۸۴، ۴۹۲۔

۶۰۔ مسعودی: جلد ۲، ص ۸۵۔ ۸۶

۶۱۔ بمبئی گزیٹیئر، جلد ۱۰، ص ۱۳۲۔ جلد ۱۶، ص ۷۵

۶۲۔ ایضاً: جلد ۲۳، ص ۲۸۲۔

۶۳۔ بعض اوقات آپ کو سید مخدوم گیسو دراز کہا گیا ہے۔

۶۴۔ بمبئی گزیٹیئر، جلد ۲۸، ص ۵۰۱، جلد ۲۱ حصہ دوم، ص ۲۳۱۔ ۲۲۳۔

۶۵۔ ایضاً: گزیٹیئر: جلد ۱۳، حصہ دوم، ص ۲۳۱۔

۶۶۔ بمبئی گزیٹیئر: جلد ۲۲، ص ۲۴۲۔

۶۷۔ ایضاً جلد ۲۶، ص ۷۵۔ ۷۶۔

۶۸۔ ایضاً: جلد ۲۱، ص ۲۰۳۔

۶۹۔ عربوں کی فتح کے وقت سندھ کے ہندو راجا کی عملداری شمال میں ملتان تک پہنچتی تھی، لیکن اب یہ شہر سندھ میں شامل نہیں۔

۷۰۔ بلاذری: ص ۱۴۴۔

۷۱۔ ایلیٹ: جلد ۱، ص ۱۸۵۔ ۱۸۶۔

۷۲۔ **Probably the Sindan in Abrasa, Southern district of charch.**

۷۳۔ بلاذری: ص ۴۴۶۔

۷۴۔ اصطخری: ص ۱۷۳۔ ۱۷۴۔

۷۵۔ بلاذری: ص ۴۴۶۔

۷۶۔ اصطخری: ابن حوقل ص ۲۳۰۔ پی۔ اے جو بیری جلد ۱، ص ۱۷۵

۷۷۔ مسعودی: جلد ۱، ص ۲۰۷۔

۷۸۔ ایلیٹ: جلد ۱، ص ۲۷۳

۷۹۔ بمبئی گزیٹیئر جلد ۱، ص ۹۳۔

۸۰۔ مجالس المومنین، از قاضی نور اللہ شوستری، مطبوعہ طہران ۱۲۹۹ھ، ص ۶۵۔

۸۱۔ پیرانہ کا شہر احمد آباد کے جنوب مغرب کی طرف دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۸۲۔ مصنف کا یہ بیان ہندوستان کی مردم شماری کی سرکاری رپورٹ پر مبنی ہے جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے مرتب کرنے والے چونکہ بیشتر انگریز افسر تھے اس لئے اس بیان کو قبول کرنے سے پہلے اس کے ماخذ کی مناسب تنقید و تنقیح ضروری ہے۔ (مترجم)

۸۳۔ جن بزرگوں نے اسلامی دور کی ابتدا میں پنجاب میں اسلام پھیلایا، ان میں شیخ فخر الدین زنجانی بھی قابل ذکر ہیں جو لاہور

Marfat.com

میں مدفون ہیں۔ ان ہی بزرگوں میں ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری خاص طور پر مشہور ہیں جو عام طور پر داتا گنج بخشؒ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کا اصل وطن غزنی تھا۔ آپ نے بہت سے اسلامی ملکوں کی سیاحت کی اور وہاں کے علماء و مشائخ سے فیض حاصل کیا اور پھر لاہور میں سکونت اختیار کی۔ ہر وقت درس و تدریس یا وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے۔ لاہور میں ابھی غزنوی کے دور کی ابتدا تھی اور اگرچہ پنجاب میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، لیکن ہندوؤں کے دل اسلام دشمنی سے لبریز تھے اور وہ مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اس لیے ان کو اسلام کی دعوت دینا ایک بڑا کٹھن کام تھا، لیکن آپ نے تبلیغ کا کام بڑے استقلال کے ساتھ جاری رکھا اور اس میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ آپ کی تالیف "کشف المحجوب" تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں ایک جامع اور قابل قدر تالیف جو مذہبی حلقوں میں ہمیشہ سے مقبول و متداول رہی ہے۔ عام روایت کے مطابق آپ نے ۴۵۶ھ میں وفات پائی۔ لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حقیقی سنہ وفات اس سے متاخر ہے۔ آپ لاہور میں مدفون ہوئے جہاں ان کے مرقد پر ہمیشہ زائرین کا ہجوم رہتا ہے اور ہر سال ۲۰ صفر کو ان کا عرس بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ (مترجم)

۸۴۔ بہاء الحق ملتانی، جو عام طور پر بہاء الدین زکریا کے نام سے مشہور ہیں، کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے، لیکن تعلیم خراسان اور ترکستان میں پائی۔ اس کے بعد حج کے لئے گئے اور واپسی پر بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کی ہدایت کے مطابق آپ نے ملتان میں اقامت اختیار کی اور سہروردی سلسلے کی ترویج کے علاوہ اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی کوشش سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا جن میں متعدد غیر مسلم راجپوت قبیلے بھی تھے۔ آپ نے ۶۶۶ھ میں وفات پائی اور ملتان میں مدفون ہوئے، جہاں ان کا عالیشان مزار ملتان کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ اس کے قرب و جوار میں دیگر بزرگ اور مشاہیر بھی مدفون ہیں۔ (مترجم)

۸۵۔ خواجہ صاحب نے ۶۳۳ھ میں وفات پائی اور آپ کو اسی حجرے میں دفن کر دیا گیا جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں مالوہ کے ایک بادشاہ نے آپ کے مدفن پر ایک پختہ عمارت بنوادی اور شاہان مغلیہ اس میں مسلسل اضافے کرتے رہے۔ شاہ جہان نے مزار کا شاندار گنبد بنوایا اور اس کے پاس سنگ مرمر کی ایک خوب صورت مسجد بھی تعمیر کروائی۔ آج کل آپ کا مرقد ہندوستان کی ایک بہت بڑی زیارت گاہ ہے جہاں بے شمار ارادت مند حاضری دیتے ہیں۔ (مترجم)

۸۶۔ گارسیں دتاسی (Garcin de Tassy) (۱۷۹۴ء تا ۱۸۷۸ء) فرانس کا ایک مشہور مستشرق گزرا ہے جس نے ہندی اور ہندوستانی ادبیات کی تاریخ تین جلدوں میں لکھی تھی۔ مذکورہ بالا قول اس کی ایک اور کتاب سے ماخوذ ہے جو اس نے ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۹ء کے درمیانی عرصے کے اردو ادبیات کے متعلق تالیف کی تھی (مترجم)

۸۷۔ مولوی حسن علی نے ۱۸۹۶ء میں اپنے انتقال سے پہلے مجھ کو یہ تعداد بتائی تھی۔ مسلم کرانیکل مورخہ ۴۔ اپریل ۱۸۹۶ء میں مولوی صاحب کے انتقال کی جو اطلاع چھپی، اس میں ان کی زندگی کے مندرجہ ذیل حالات شائع ہوئے تھے: "مولوی صاحب طالب علمی کے زمانے میں بہت ذہین تھے اور تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے اپنے کام میں بہت ترقی کر لی تھی، وہ صغرسنی ہی میں انٹرنس کے امتحان میں کامیاب رہے اور ان کو وظیفہ ملا، جس کی مدد سے انہوں نے ایف۔ اے کلاس میں پڑھنا شروع کیا، لیکن اسی زمانے میں ان کو تلاش حق میں دنیا دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ لکھنا پڑھنا چھوڑ کر مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنا جلنا شروع کیا۔ فقیروں، پنڈتوں اور عیسائیوں سے ملاقات کی، گرجاؤں میں جا کر بیٹھے اور ویرانوں، صحراؤں اور شہروں میں گردش کی، اور اس دوران میں

Marfat.com

محض خدا پر توکل اور اس کی رحمت کی امید ان کی مددگار اور معاون تھی۔ایک سال تک وہ مختلف مذاہب کی تحقیق میں مصروف رہے، اور ۱۸۷۴ء میں وہ پٹنہ کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ چونکہ وہ تبلیغ اسلام کے لئے پیدا ہوئے تھے،اس لئے انہوں نے اس عہدے کو، جس سے انہیں سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی، چھوڑنا چاہا اور اپنے دوستوں کے مشورے کے برعکس انہوں نے استعفی داخل کر دیا۔ پھر ایک ماہوار رسالہ "نور الاسلام" نکال کر کچھ عرصے تک گزر اوقات کرتے رہے۔انہوں نے پٹنہ میں اسلام پر کئی لیکچر دیئے اور پھر کلکتہ چلے گئے جہاں انہوں نے انگریزی میں ایک لیکچر دیا جس کا سامعین پر ایسا اثر ہوا کہ متعدد یورپی پادریوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا۔ایک معزز بنگالی بابو پپن چندر پال تو مسلمان ہونے کے قریب تھے۔ پھر ڈھاکہ کے لوگوں نے ان کو بلایا جن کے دلوں پر ان کے مواعظ حسنہ کا نقش ابھی تک باقی ہے۔ان کی مختلف کتابوں، رسالوں اور لیکچروں کی بدولت، جو انہوں نے مختلف شہروں میں دیئے، ان کا نام ہندوستان میں زندہ ہے۔تقریباً ایک سو آدمی ان کی کتابیں پڑھ کر یا ان کے لیکچر سن کر مسلمان ہوئے۔" تبلیغ اسلام کا جوش وخروش انکے دل میں آخری دم تک قائم رہا۔ چنانچہ نزع کی حالت میں بھی ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے گئے: "اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ" اور جب ان سے پوچھا گیا کہ کس سے باتیں کر رہے ہو تو جواب دیا کہ میں ایک عیسائی سے گفتگو کر رہا تھا۔

۸۸۔تحفۃ الہند مطبوعہ دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۳۔

۸۹۔اس قسم کی صرف ایک مثال ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ضلع کانپور میں گھاتم پور کے موضع میں ایک بڑے ہندو کنبے کی ایک شاخ مسلمان ہے۔ یہ شاخ اپنے کسی بزرگ گھاتم دیو پائس کے منت ماننے سے مسلمان ہوئی تھی۔گھاتم نے ایک مسلمان بزرگ مدار شاہ کے مزار پر یہ منت مانی تھی کہ اگر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کی آدھی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔(شمال مغربی صوبے کا گزیٹیئر، جلد ۶، ص ۶۴)۔ ہندوؤں کی بعض نیچ ذاتوں میں مسلمان پیروں کی پرستش اتنی عام ہے کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں صرف شمال مغربی صوبوں اور اودھ میں ۲۳۳۳۶۴۳ ہندوؤں نے جو ان صوبوں کی ہندو آبادی کا ۸۷ء۔۵ فیصد تھے، اپنے تئیں پیر پرست لکھوایا، (ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ، جلد ۱۶، مطبوعہ الہ آباد ۱۸۹۴ء)۔

۹۰۔اس قسم کی تبدیل مذہب کی مثالیں ۱۹۱۰ء کے ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ میں دی گئی ہیں، جلد ۶ متعلق بنگال، حصہ اول، ضمیمہ ۲۔

۹۱۔منقول از "صوبہ اودھ کا گزیٹیئر" جلد ۱، ص ۲۳۔

۹۲۔ایک دوسری روایت کے مطابق اس بادشاہ کا نام شمس الدین تھا۔دیکھو تاریخ رشیدی از مرزا محمد حیدر دوغلات۔

۹۳۔تو دین سن نے ۱۸۵۶ء سے لے کر ۱۸۷۳ء تک پینتھے کی بغاوت برپا رکھی اور سولہ سال تک چین کے صوبہ یونان کے نصف حصے پر قابض رہا۔اس نے اپنے خروج کے آغاز میں لہاسہ میں بھی ایک اعلان جاری کیا تھا، تاکہ وہاں کے مسلمانوں میں سے رنگروٹ حاصل کرے۔

Marfat.com

باب دہم

چین میں اسلام کی اشاعت

روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اطلبوا العلم و لو کان بالصین"۔ یعنی علم کی جستجو کرو اگر چہ وہ علم چین میں ہو(۱)۔ اگر چہ اس روایت کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے تاہم یہ بات بہت ممکن ہے کہ چین کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بہت پہلے ہی سے بلادِ عرب اور چین میں تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ دیارِ عرب ہی کے واسطہ سے مشرقی ملکوں کی بیشتر پیداوار شام اور مشرقی بحیرۂ روم کی بندرگاہوں میں پہنچتی تھی۔ چنانچہ چھٹی صدی عیسوی میں چین اور بلادِ عرب کے درمیان سیلون کے راستے سے خاصی تجارت ہوتی تھی۔ ساتویں صدی کے اوائل میں چین، ایران اور عرب کی باہمی تجارت مزید وسیع ہوگئی اور سیراف کا شہر، جو خلیج فارس میں ہے، چینی تاجروں کی سب سے بڑی تجارت گاہ بن گیا۔ یہی وہ زمانہ ہے یعنی خاندان تانگ (۶۱۸ء تا ۹۰۷ء) کا ابتدائی عہد جس میں چینی تواریخ میں سب سے پہلے عربوں کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ یہ تاریخیں مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کا ذکر کرتی ہیں اور ارکانِ اسلام کو مختصر طور پر بیان کرتی ہیں۔

چین میں مسلمانوں کی آمد:

صوبہ کوانگ تنگ کی تاریخوں میں چین میں مسلمانوں کی آمد کا یوں ذکر آیا ہے: "تانگ خاندان کے اوائلِ عہد میں انام، کمبودیا، مدینہ اور دوسرے ملکوں سے بہت سے اجنبی لوگ کانٹن میں وارد ہوئے۔ یہ اجنبی خدا کی پرستش کرتے تھے اور ان کی عبادت گاہوں میں نہ تو کوئی بت تھا اور نہ کوئی مورتی۔ مدینہ کی مملکت ہندوستان کے قریب ہے اور یہی وہ سلطنت ہے جس میں ان اجنبی لوگوں کے مذہب نے، جو بدھ مت سے مختلف ہے، ظہور کیا تھا۔ وہ سور کا گوشت نہیں کھاتے، شراب نہیں پیتے اور اس جانور کے گوشت کو ناپاک سمجھتے ہیں جس کو وہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے۔ آجکل وہ ہوی ہوی کہلاتے ہیں۔ شہنشاہ کی اجازت سے وہ کانٹن میں رہتے ہیں جہاں انہوں نے عالیشان مکانات بنالیے ہیں، جن کا طرزِ تعمیر ہمارے ملک کے طرز سے مختلف ہے۔ وہ بہت دولت مند تھے اور اپنے ہی سردار کا حکم مانتے تھے جس کا وہ خود انتخاب کرتے تھے۔

چین اور عالمِ اسلام کے سفارتی تعلقات:

اگر چہ کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں (۲)، لیکن چین میں اسلام غالباً سب سے پہلے ان تاجروں کے ذریعے سے داخل ہوا تھا جو قدیم بحری راستے سے آئے تھے۔ سب سے قدیم تاریخی تحریر میں، جس پر ہم اعتماد کر

Marfat.com

سکتے ہیں، ان سفارتی تعلقات کا ذکر آیا ہے جو خشکی کے راستے سے ایران کے توسط سے قائم ہوئے تھے۔ جب ایران کے ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ یزدگرد ہلاک ہوگیا تو اس کے بیٹے فیروز نے عرب حملہ آوروں کے خلاف اہل چین سے مدد طلب کی، لیکن فغفور چین نے جواب دیا کہ ایران کا ملک اتنا دور ہے کہ وہاں کوئی لشکر نہیں بھیجا جا سکتا۔ لیکن روایت ہے کہ اس نے اپنا ایک سفیر دربار خلافت میں روانہ کیا تھا اور مغرور شہزادے کے حق میں سفارش کی تھی، اور اس سفیر کو غالباً یہ حکم بھی ملا ہوگا کہ وہ اس نئی سلطنت کی وسعت اور قوت کا حال دریافت کرے، جو مغربی ممالک میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب یہ چینی سفیر ۶۵۱ء میں واپس ہوا تو خلیفہ عثمانؓ نے اس کے ہمراہ اپنا ایک عرب سپہ سالار روانہ کیا تھا، اور فغفور نے اس کا تعظیم و تکریم کے ساتھ استقبال کیا تھا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵ء تا ۷۱۵ء) کے عہد میں جب مشہور عرب سپہ سالار قُتیبہ بن مسلم خراسان کا والی مقرر ہوا تو اس نے دریائے جیحوں کو عبور کر کے ترکستان پر چڑھائی کر دی، اور بخارا، سمرقند اور دوسرے شہر یکے بعد دیگرے تسخیر کر لیے اور اپنی فتوحات کا قدم سلطنتِ چین کی سرحدوں تک بڑھایا۔ ۷۱۳ء میں اس نے فغفور کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور عرب مؤرخوں کا بیان ہے کہ فغفور نے ان کو قیمتی تحائف دے کر واپس بھیجا۔ چینی تواریخ میں لکھا ہے کہ چند سالوں کے بعد ایک سفیر، جس کا نام سلیمان تھا، ۷۲۶ء میں خلیفہ ہشام اموی کے طرف سے شہنشاہ ہسوان تسنگ کے دربار میں آیا۔ عربی اور چینی سلطنتوں کے ان سفارتی تعلقات نے اس شہنشاہ کے عہد کے اواخر میں ایک نئی اہمیت حاصل کر لی۔ جب ایک باغی نے غلبہ حاصل کر کے اس کو تخت سے اتار دیا تو وہ اپنے بیٹے سوتسنگ کے حق میں دست بردار ہوگیا (۷۵۶ء)۔ سوتسنگ نے خلیفہ المنصور عباسی سے امداد کی درخواست کی اور خلیفہ نے اس کے جواب میں عربوں کی ایک فوج بھیجی اور شہنشاہ نے اس فوج کی مدد سے اپنے دو صدر مقام سی نگان فو اور ہونا نفو باغیوں سے واپس لے لیے۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو یہ عرب فوجی اپنے وطن کو واپس نہ گئے بلکہ انہوں نے چین میں شادیاں کر لیں اور وہیں آباد ہوگئے۔ انؔ کے چین میں آباد ہونے کی مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک بیان یہ ہے کہ وہ واپس وطن چلے گئے تھے، لیکن ان کو وہاں رہنے کی اس بنا پر اجازت نہ دی گئی کہ وہ ایک مدت تک ایسے ملک میں مقیم رہ چکے تھے جہاں لوگ سور کا گوشت کھاتے تھے۔ اس لیے وہ چین کو واپس چلے گئے۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ جب وہ کانٹن میں بلاد عرب جانے کے لیے جہاز میں چڑھنے کے لیے تیار تھے کہ لوگوں نے ان کو دوران جنگ میں لحم خنزیر کھانے کا طعنہ دیا، اس لیے انہوں نے وطن جانے سے انکار کر دیا، مبادا ان کے اہل وطن ان کو ویسا ہی طعنہ دیں۔ جب کانٹن کے حاکم نے ان کو مجبور کرنا چاہا تو انہوں نے اپنے ہم مذہب عربی اور ایرانی تاجروں سے مل کر شہر کی بڑی بڑی دو کانوں کو لوٹ لیا اور حاکم نے شہر کی فصیل میں پناہ لے کر اپنی جان بچائی۔ آخر کار شہنشاہ نے ان فوجیوں کو ملک میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی، اور ان کو مختلف شہروں میں مکانات اور اراضی عطا کی۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور چینی عورتوں سے شادیاں

Marfat.com

کرلیں۔

چینی مسلمانوں کے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ چین میں سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ماموں نے اسلام کا وعظ کہا تھا۔ کہتے ہیں کہ ان کی تربت کانٹن میں موجود ہے اور مسلمان اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ لیکن اس روایت کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے، اور زمانہ مابعد کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تہہ میں بلاشبہ یہ خواہش مخفی معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے چین میں اسلام کے داخلے کو عہد رسالت کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ جو ملک اسلامی تاریخ کی مرکزوں سے دور ہیں، وہاں بھی اسی قسم کی روائیتیں مشہور ہیں۔ (۳)

تانگ خاندان کا عہد حکومت:

لیکن اس بات کی واضح شہادت موجود ہے کہ تانگ خاندان کے عہد میں چین میں مسلمان موجود تھے اور خصوصاً بندرگاہوں میں مسلمان تاجر پائے جاتے تھے۔ چنانچہ اس عہد میں (۷۱۳ء تا ۷۴۲ء) کا ایک چینی مؤرخ لکھتا ہے کہ ''مغرب کے وحشیوں کے گروہ کے گروہ مملکت وسطیٰ میں وارد ہوئے۔ وہ کم از کم ایک ہزار کوس اور ایک سو ملکوں سے طوفان کی طرح امڈ آئے اور اپنی مقدس کتابیں بطور خراج لائے۔ ان کتابوں کو وصول کر کے شاہی محل کے اس ایوان میں رکھ دیا گیا جو مقدس مذہبی کتابوں کے تراجم کے لیے مخصوص ہے۔ چنانچہ اس عہد سے ان مختلف ملکوں کے مذہبی عقائد (چین میں) پھیل گئے اور تانگ کی سلطنت میں لوگ ان پر علانیہ عمل کرنے لگے۔'' ایک عرب جغرافیہ نگار نے ۸۵۱ء میں ان بستیوں کا بیان لکھا ہے اور ان مساجد کی کیفیت قلم بند کی ہے جو ان تاجروں نے عبادت کے لیے حکومت کی اجازت سے بنائی تھیں۔ اس کا بیان ہے کہ جہاں تک اسے معلوم ہے، کسی چینی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ قول قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ اس نے یہی بات ہندوستان کے متعلق کہی ہے اور ممکن ہے کہ اس کی معلومات دونوں ملکوں کے متعلق یکساں طور پر ناقص ہوں۔

تاتاریوں کا عہد حکومت:

لیکن مسلمانان چین کی تبلیغی سرگرمی کی یقیناً کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے۔ تیرھویں صدی کی تاتاری فتوحات کے زمانے تک ان کے متعلق ہمارے پاس بہت کم معلومات ہیں۔ ان فتوحات کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عرب، ایرانی، ترک اور دوسری قوموں کے مسلمان چینی سلطنت میں چلے آئے۔ (۴) ان میں سے بعض تاجر تھے، بعض کاری گر، بعض فوجی اور بعض نو آباد تھے اور بعض ایسے تھے جو لڑائی میں بطور قیدی پکڑے ہوئے آئے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ دائمی طور پر ملک میں آباد ہو گئے اور انہوں نے ایک کثیر اور خوش حال جماعت کی صورت اختیار کر لی۔ وہ چینی عورتوں سے شادیاں کر کے بتدریج اپنی اصلی قومی خصوصیات کھو بیٹھے۔ تاتاری حکمرانوں کے عہد میں متعدد مسلمان اعلیٰ منصبوں پر فائز ہوئے، مثلاً ۱۲۴۴ء میں عبدالرحمٰن سلطنت کے محکمہ

Marfat.com

مالیات کا افسر اعلیٰ مقرر رہا اور اس نے اہل چین کے محاصل کی لگان بندی کی۔ جب قوبلائی خاں ۱۲۵۹ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے عمر شمس الدین کو، جو بخارا کا رہنے والا تھا اور عام طور پر سید اجلّ کے لقب سے مشہور تھا، محکمہ مال کا منتظم بنایا اور جب یونان کا صوبہ فتح ہو کر چینی سلطنت میں شامل ہوا تو سید اجلّ اس کا والی مقرر ہوا۔ سید اجلّ نے ۱۲۷۰ء میں انتقال کیا اور ایک روشن ضمیر اور عادل حاکم کی حیثیت سے اس نے بڑی شہرت پائی۔ اس نے یونان کے شہر میں کنفیوشس کے پیروؤں کے لیے مندر اور مسلمانوں کے لیے مسجدیں تعمیر کیں۔

سید اجلّ کی اولاد نے چین میں اسلام کو مستحکم کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ چنانچہ اس کے پوتے نے ۱۳۳۵ء میں خاقان سے یہ اقرار کروایا کہ اسلام ایک ''سچا اور پاک مذہب'' ہے اور اس کے لیے یہ نام آج تک مستعمل ہے۔ سید اجلّ کی اولاد میں سے ایک اور شخص کو شہنشاہ نے ۱۴۲۰ء میں سی نگان فو اور نانکن کے صدر مقاموں میں مسجدیں تعمیر کرنے کی اجازت دی۔

قوبلائی خاں کے عہد کے چینی مئورخ اس بات کے شاکی ہیں کہ اس نے ترکوں اور ایرانیوں کی جگہ چینیوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر نہیں کیا۔ چینی سلطنت میں سید اجلّ کو جو اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا اور مغولی فتوحات کے بعد چین اور مغربی ملکوں کے درمیان آمد و رفت میں جو آسانیاں پیدا ہوئیں، ان اسباب سے بہت سے ترک اور ایرانی شمالی چین میں چلے آئے۔ غالباً ان ہی مہاجرین کی وجہ سے ان مسلمان جماعتوں کی ابتدا ہوئی، جنہوں نے بعد ازاں چین کے بہت سے حصوں میں بڑی اہمیت حاصل کر لی۔ مارکو پولو، جو چین میں ۱۲۷۵ء سے لے کر ۱۲۹۲ء تک مقیم رہا اور جس پر قوبلائی خاں بہت مہربان تھا، یونان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔ چودھویں صدی کے اوائل میں ایک معاصر مئورخ کے بیان کے مطابق یونان کے صدر مقام تلیفو کے تمام باشندے مسلمان تھے۔ ابن بطوطہ، جس نے چودھویں صدی کے وسط میں ساحل چین کے متعدد شہروں کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے کہ اس کے ہم مذہب لوگوں نے ہر جگہ اس کا کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کیا۔ ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک خاص محلّہ ہے جس میں صرف مسلمان رہتے ہیں اور جہاں ان کی مسجدیں ہیں اور چینی لوگ ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔''

منگ خاندان:

مغلوں کے دور حکومت تک مسلمانوں کو چین میں غیر ملکی سمجھا جاتا تھا، لیکن چودھویں صدی کے اواخر میں جب مغل حکمرانوں کو ملک سے نکال دیا گیا تو چین کے مسلمانوں کی تعداد میں نو واردوں کے ذریعے سے اضافہ نہ ہو سکا، کیونکہ چین کی حکومت نے اب دیگر ملکوں اور قوموں سے الگ تھلگ رہنے کی پالیسی اختیار کر لی تھی۔ لہذا جب مسلمانان چین کے تعلقات باہر کے اسلامی ملکوں سے منقطع ہو گئے تو وہ چینی عورتوں سے شادیاں کر کے اور چینی رسم و رواج اختیار کر کے دیسی آبادی کے سواد اعظم میں آہستہ آہستہ مدغم ہو گئے۔ منگ خاندان کے بانی

Marfat.com

شہنشاہ ہنگ وو نے ان کو بہت سی مراعات دیں اوراس خاندان کے عہد حکومت میں (۱۳۶۸ء تا ۱۶۴۴ء) تک ان کو جو خوش حالی نصیب ہوئی وہ ان مسجدوں سے ثابت ہے جو اس دور میں تعمیر ہوئیں۔

منگ خاندان کے شہنشاہوں نے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے اور تیموری فرماں رواؤں کے ساتھ کئی مرتبہ سفیروں کا تبادلہ کیا۔ ان میں سے ایک سفارت اشاعت اسلام کی تاریخ کے لحاظ سے دلچسپ ہے، کیونکہ جب ایک چینی سفیر شاہرخ بہادر کے دارالحکومت سمرقند میں وارد ہوا تو شاہرخ نے ۱۴۱۲ء میں جو جوابی مراسلہ ارسال کیا، اس میں فغفور چین کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ جب چینی سفیر واپس ہوئے تو شاہرخ نے ان کے ہمراہ اپنا قاصد روانہ کیا اور اس کے ہاتھ دو مراسلے بھیجے۔ ان میں ایک خط عربی زبان میں تھا جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم۔ لااله الا الله محمد رسول الله ۔ قال رسول الله يعنى محمد ا عليه السلام لايزال من امتى قائمة با مرالله لا ينصر من خذلهم و لا من خالفهم حتى امرالله وهم علىٰ ذالك لما اراد الله تعالىٰ ان يخلق آدم و ذريته قال كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعر ف فخلقت الخلق لاعرف فعلم حكمته ، جلت قدرته و علت كلمته من خلق نو ع الانسان آثارا العرفان و اعلاء اعلام الهدى والايمان وارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله و لو كره المشركُون ليعلّم الشرائع والاحكام وسنن الحلا ل و الحرام و اعطاه القرآن المجيد معجزةً ليفحم به المنكرين و يقطع لسانهم عندالمنازعة والخصام وابقى بعنا يته الكاملة و هدايته الشاملة آثاره الىٰ يوم القيامة و نصب بقدر ته فى كل حين و زمان و فرصة و اوان فى اقطار العالمين من الشرق و الغرب و الصين ذا قدرة وامكان وصاحب جنود مجندة و سلطان ليروج اسواق العدل والا حسان ويبسط على رؤس الخلائق اجنحة الامن والامان و يامرهم بالمعروف وينهٰهُم عن المنكر والطغيان ويرفع بهم اعلام الشريعة الغراء وازاح من بينهم الشرك والكفر بالتوحيد الزهراء فوفقّنا اللّه تعالىٰ بسوابق لطفه ولواحق فضله ان نسعى فى اقامة قوانين الشريعة الطاهرة وادامة قواعد الطريقة الظاهرة و امرنا بحمدللّه ان يفصل بين الخلائق والرعايا فى الوقائع والقضا يا بالشر يعة النبوية والاحكام المصطفوية وتبنى فى كل ناحية المساجد والمدارس و تعمر الخوانق والصوامع والمعابد لئلا يندرس اعلام العلوم و معالمها و ينطمس اثارالشريعة ومراسمها ولان بقاء الدنيا الدنية وسلطنتها و استدامة اثار الحكومة وايالتها باعانة الحق والصواب و اماطة اذى الشرك والكفر عن وجه الارض لتوقع الخيروالثواب و المرجو و المامول من ذالك الجانب و اركان دولته ان لو وافقونا فى الامور المذكورة ويشاركونا فى تشييد قواعدالشريعة المعمورة و

Marfat.com

یراسلون الرسل والقاصدین و یفتحون المسالك للسائرین والتاجرین لیتا کد اسباب المحبة والوداد و یتعاضد وسائل المودة والا تحاد و یستریح طوائف البرایا فی اطراف البلاد و ینتظم اسباب المعاش بین صنوف العباد والسلام علی من اتبع الهدیٰ والله رؤف بالعباد۔

ترجمہ:بسم الله الرحمن الرحیم ۔لا اله الاالله محمد رسول الله ۔

رسول خدا یعنی محمد علیہ الاالسلام نے فرمایا کہ میری اُمت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو احکام الٰہی کو قائم رکھے گی۔ جو شخص ان کو چھوڑ دے گا یا انکی مخالفت کرے گا، کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آدم اور اس کی ذریت کو پیدا کرے تو اس نے کہا کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ لوگ مجھے جانیں پہچانیں۔ پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا تا کہ مجھے پہچانے۔ پس معلوم ہوا کہ نوع انسان کے پیدا کرنے میں خدا کی حکمت یہ تھی (اس کی قدرت بڑی ہے اور اس کا بول بالا ہے) کہ معرفت الٰہی کے آثار کو زندہ کرے اور ہدایت اور ایمان کے جھنڈوں کو بلند کرے۔ خدا نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کرے، اگرچہ مشرک لوگ اس کو ناپسند کریں۔ نیز اس لیے کہ وہ لوگوں کو احکام شریعت اور حلال وحرام کی تعلیم دے۔ اور خداوند کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید بطور معجزہ عطا کیا کہ تا کہ منکروں کو لاجواب کر دے اور مباحثہ ومناظرہ میں ان کے منہ بند کر دے، اور خدا نے اپنی پوری مہربانی اور مکمل ہدایت کے ساتھ اس کے آثار کو تا روز قیامت بقا دی ہے، اور اس نے اپنی قدرت سے ہمیشہ کے لیے مشرق ومغرب کے تمام ملکوں میں ایک ایسے ذی قدرت سلطان کی حکومت کو قائم کیا ہے جو لشکر جرار کا مالک ہے، تا کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل واحسان کا سلوک کرے اور ان کو امن وامان دے، ان کو نیکی کا حکم دے، ان کو برائی اور سرکشی سے روکے، شریعت غراء کے جھنڈوں کو بلند کرے، ان کے ہاں کے شرک اور کفر کو دور کر کے توحید کو قائم کرے۔ پس ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ہم کو اس بات کی توفیق دے کہ ہم شریعت طاہرہ کے قوانین اور احکام دین کے نفاذ میں کوشاں رہیں۔ اور الحمد للہ ہم نے حکم دیا ہے کہ رعایا کے تمام مقدمات اور معاملات کا فیصلہ شریعت نبویہ ﷺ کے مطابق کیا جائے اور ہر ملک میں مساجد اور مدارس تعمیر کیے جائیں، خانقاہیں اور عبادت گاہیں بنائی جائیں۔ مبادا کہ علوم وفنون مٹ جائیں اور شریعت کے آثار اور دستور محو ہو جائیں۔ دنیا کی بقا اور حکومت وسلطنت کا دوام اس بات پر موقوف ہے کہ حق وصواب کی اعانت کی جائے اور روئے زمین سے شرک وکفر کو مٹایا جائے تا کہ خیر وبرکت کی توقع کی جا سکے۔ لہذا ہم آں جناب سے اور آپ کے ارکان دولت سے اس بات کی التماس کرتے ہیں کہ آپ امور مذکورہ بالا میں ہماری موافقت کریں اور شریعت اسلامیہ کی بنیادیں مضبوط کرنے میں ہمارے ساتھ شرکت کریں، اور آپ ایلچی اور قاصد روانہ کریں اور مسافروں اور تاجروں کے لیے راستے کھلے رکھیں، تا کہ محبت اور الفت کے ذرائع اور دوستی

Marfat.com

اور اتحاد کے وسائل مضبوط ہوں اور تمام ملکوں کی رعایا راحت و آرام پائے، اور لوگوں کے تمام طبقوں کے اسباب معیشت درست رہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

شاہ رخ بہادر کا دوسرا خط فارسی میں تھا کہ اس میں بھی صراحت کے ساتھ تبلیغ دین کی گئی تھی۔ اس کا متن حسب ذیل ہے:

''بجانب وای منگ پادشاہ از شاہ رخ سلطان، سلام مالا کلام۔ چون خداوند تعالیٰ بحکمت بالغہ وقدرت کاملہ آدم علیہ السلام بیافرید و بعضی فرزندان اورا پیغمبر و رسول گردانید و براستی خلق فرستاد تا آدمیان را بحق دعوت کنند و باز بعضے را ازیں پیغمبراں راچوں ابراہیم وموسیٰ وداؤد علیہم السلام کتاب داد و شریعت تعلیم کرد و خلق آں روزگار را فرمود تا بشریعت عمل کنند و بردین ایشاں باشند و مجموع ایں رسولاں مردم را بدین توحید و خدا پرستی دعوت کردند واز آفتاب و ماہتاب و ستارہ و شیطان و بت پرستیدن باز داشتہ و ہر کدام را ازیں رسولاں شریعتے مخصوص بود اما ہمہ در توحید خدای متفق بودند۔ چوں نوبت رسالت و پیغمبری بر رسول ما محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسید شریعت ہائے دیگر منسوخ گشت واو رسول و پیغمبر آخر الزمان شد و ہمہ عالمیان امیر و سلطان وغنی و فقیر و صغیر و کبیر را بشریعت او عمل می باید کرد ترک ملت و شریعت ہائے گزشتہ می باید داد۔ اعتقاد بحق و درست اینست و مسلمانی عبارت ازین است۔

پیشتر ازین بچند سال چنگیز خان، خروج کرد و بعضے فرزندان خود را ابولا یتہا و مملکتہا فرستاد۔ جوچی خان را بحد و دسرائے وقرم و دشت قپچاق فرستاد و درانجا نیز بعضے پادشاہان چوں اوزبک وجانی خان وارس خان برسر اسلام مسلمانی بودند و بشریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمل می کردند و ہولا گو خان را ببلاد خراسان وعراق ونواحی آں مقرر گردانیدند، پس ازاں بعضے از فرزندان او کہ حاکم آں ممالک بودند چوں آفتاب شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم در دل ایشان بود، ہمچنان برسر اسلام و مسلمانی بودند و بسعادت اسلام مشرف گشتہ بآخرت رفتند۔ چوں پادشاہ راست گوی غازان واولجایتو سلطان و بادشاہ سعید ابوسعید بہادر تا نوبت حکومت و فرمان روائی و سلطنت و کامرانی بہ پدر مخدوم امیر تیمور گورگان طاب ثراہ رسید، ایشان نیز در جمیع ممالک بشریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرمودند و در ایام سلطنت و جہانداری ایشان اہل ایمان و اسلام را رونقی ہرچہ تمامتر بود۔ اکنون کہ بلطف وفضل خداوند تعالیٰ ایں ممالک خراسان وماوراء النہر وعراق وغیرہا در قبضہ تصرف آمدہ در تمامی ممالک حکم بموجب شریعت مطہرہ نبویہ می کنند وامر معروف ونہی منکر کردہ یرغو وقواعد چنگیز خانی مرتفع است۔ چوں یقین و تحقیق شد کہ خلاص و نجات در قیامت و سلطنت و دولت در دنیا بسبب ایمان و اسلام وعنایت خداوند تعالیٰ است بارعیت بعدل وداد وانصاف زندگانی کردن واجب است۔ امید بموہبت وکرم اللہ تعالیٰ آنست کہ ایشاں نیز در آں ممالک بشریعت حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمل کنند و مسلمانان

Marfat.com

راقوت دہند تا باشد کہ بادشاہی چندروزہ دنیا بپادشاہی آخرت کہ وللآخرۃ خیرلك من الاولی متصل گردد"۔

ترجمہ: والی منگ بادشاہ کی جانب سلطان شاہرخ کی طرف سے سلام مالا کلام پہنچے۔ جب خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے آدمؑ کو پیدا کیا اور اس کے بعض فرزندوں کو رسول اور پیغمبر بنایا اور ان کو لوگوں کی طرف بھیجا تا کہ ان کو سچائی کی طرف بلائیں، اور ان پیغمبروں میں سے بعض کو مثلاً ابراہیم، موسیٰ اور داؤد علیہم السلام کو کتاب دی اور شریعت کی تعلیم دی، اور اس زمانے کے لوگوں سے فرمایا کہ شریعت پر عمل کریں اور ان کے دین پر قائم رہیں۔ ان تمام پیغمبروں نے لوگوں کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی۔ ان کو سورج، چاند، ستاروں، بتوں اور شیطان کی پرستش سے روکا۔ اگرچہ ان پیغمبروں میں سے ہر ایک کی مخصوص شریعت تھی لیکن خدا کی یکتائی کے بارے میں سب متفق تھے۔ جب پیغمبری کی نوبت ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچی تو دوسری شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور وہ پیغمبر آخر الزمان ٹھہرے۔ لہٰذا تمام اہل عالم کو یعنی سلطان و وزیر، امیر و فقیر صغیر و کبیر کو ان کی شریعت پر عمل کرنا چاہیے اور گزشتہ ملتوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ صحیح عقیدہ یہی ہے اور مسلمانی اسی سے عبارت ہے۔

اس سے پیشتر چند سال ہوئے چنگیز خاں نے خروج کیا اور اپنے بعض فرزندوں کو مختلف ولایتوں اور ملکوں کی طرف بھیجا۔ چنانچہ جوچی خاں کو سرائے، کریمیہ اور دشت قپچاق کی جانب روانہ کیا۔ وہاں بھی بعض بادشاہ مثل اوزبک، جانی خاں اور ارس خاں اسلام پر قائم تھے اور حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر عمل کرتے تھے ہلاکو خاں کو خراسان عراق اور ان کے قریبی ملکوں پر مقرر کیا۔ اس کے بعد اس کے فرزندان ملکوں پر حکمران رہے آخر کار شریعتِ محمدی کے آفتاب نے ان کے دلوں پر طلوع کیا اور وہ سعادتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور دار آخرت کو سدھار گئے، مثلاً پادشاہ راست گو غازان خاں، اولجایتو سلطان اور ابوسعید بہادر۔ آخر کار جب حکومت، فرماں روائی، سلطنت اور کامرانی میرے باپ مخدومی امیر تیمور گورگان (طاب ثراہ) تک پہنچی تو انھوں نے بھی تمام ملکوں میں شریعت محمدی پر عمل کیا اور ان کے عہد حکومت میں اسلام اور اہل اسلام نے خوب رونق پائی۔ ان ایام میں جب کہ خدا کے لطف و کرم سے خراسان، ماوراء النہر اور عراق وغیرہ ملکوں کی حکومت ہمارے ہاتھ میں آئی ہے، ہم ان تمام ملکوں میں شریعت نبویہ کے مطابق فرماں روائی کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور چنگیز خاں کے آئین متروک ہو چکے ہیں۔ جب یہ بات یقین کو پہنچ چکی ہے کہ قیامت کے روز ہماری نجات و سرخروئی اور اس دنیا میں بھی سلطنت و دولت کی کامیابی اسلام، ایمان اور عنایت خداوندی کے سبب سے ہے، تو ہم پر واجب ہے کہ ہم رعیت کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کریں۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے امید ہے کہ آپ بھی اپنے ممالک محروسہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے، مسلمانوں کو قوت دیں گے اور اس دنیا کی چندروزہ بادشاہی کو آخرت کی کامرانی کے ساتھ متصل کر دیں گے۔"(۵)

Marfat.com

غالباً اسی قسم کے مراسلوں سے بعدازاں یہ قصہ مشہور ہوا کہ چین کا ایک شہنشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ دیگر مصنفوں کے علاوہ ایک مسلمان تاجر سید علی اکبر نے اس قصے کا ذکر کیا ہے جس نے پندرھویں صدی کے اواخر میں پیکنگ میں چند سال گزارے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ چین میں بہت سے مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ چنانچہ کنجا نفو کے شہر میں مسلمانوں کے پچاس ہزار خاندان موجود تھے۔ ان پر ٹیکس معاف تھے، شہنشاہ ان پر مہربان تھا اور اس نے ان کو زمینیں عطا کر رکھی تھیں۔ وہ اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد تھے۔ چینی لوگ اسلام کے ساتھ رواداری برتتے تھے اور لوگوں کو مسلمان ہونے کی پوری اجازت تھی۔ خود دارالحکومت میں چار بڑی مسجدیں تھیں اور سلطنت کے باقی حصوں میں نوے مسجدیں اور تھیں، یہ تمام مساجد شہنشاہ کے صرفے سے تعمیر ہوئی تھیں۔

مانچو خاندان کا عہد:

مانچو خاندان چین میں ۱۶۴۴ء میں قائم ہوا۔ اس وقت تک ہمیں مسلمانوں کی کسی بغاوت کا ذکر نہیں ملتا، کیونکہ وہ اس مذہبی آزادی سے پوری طرح مطمئن نظر آتے ہیں جو ان کو حاصل تھی۔ لیکن نئے خاندان کے برسر حکومت آنے کے بعد مشکلات کا آغاز ہوا اور ۱۶۴۸ء میں کانسو کے صوبے میں بغاوت برپا ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے چینی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔ اس قسم کی جو بغاوت انیسویں صدی میں برپا ہوئی، اس سے بڑے پر مصائب نتائج پیدا ہوئے، ورنہ اس وقت تک چینی مسلمانوں اور انکے حکمرانوں کے درمیان ابتداء سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے۔

فغفورِ چین کا فرمان:

چینی حکومت اور اس کی مسلمان رعیت کے باہمی تعلقات کے بارے میں جو سرکاری رائے تھی، اس کا اظہار اس فرمان سے ہوتا ہے جو شہنشاہ یونگ چن نے ۱۷۳۱ء میں جاری کیا تھا۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا:

''ہماری سلطنت کے ہر صوبے میں صدہا سال سے بہت سے مسلمان موجود ہیں۔ وہ ہماری رعایا کا ایک حصہ ہیں اور ہم دیگر رعایا کی طرح ان کو بھی مثل اولاد کے سمجھتے ہیں۔ ہم ان مسلمانوں میں اور ان لوگوں میں، جو ان کے مذہب پر نہیں ہیں، کچھ فرق و امتیاز نہیں کرتے۔ ہمیں بعض حکام کی طرف سے ان مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی شکایات پہنچی ہیں کہ ان کا مذہب دوسرے چینیوں کے مذہب سے مختلف ہے۔ مسلمان وہ زبان نہیں بولتے جو اور چینی بولتے ہیں اور ان کا لباس بھی دوسرے لوگوں کے لباس سے مختلف وضع قطع کا ہے۔ ان پر نافرمانی، گستاخی اور باغیانہ خیالات کا الزام لگایا گیا ہے اور ہم سے درخواست کی گئی ہے کہ ان کے خلاف سخت اقدامات کیے جائیں۔ لیکن ان شکایات اور الزامات کی تحقیق کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں۔ مسلمان جس مذہب کے پیروی کرتے ہیں، وہ درحقیقت ان کے آباواجداد کا دین ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ان کی زبان

Marfat.com

دیگر چینیوں کی زبان کی مثل نہیں ہے، لیکن چین کی مملکت میں بہت سی مختلف زبانیں رائج ہیں۔ باقی رہیں ان کی عبادت گاہیں، ان کا لباس اور ان کا رسم الخط جو دوسرے چینیوں سے الگ ہے، سو یہ معاملات اہمیت نہیں رکھتے، کیونکہ یہ محض رسم و رواج کی باتیں ہیں۔ ان کا چال چلن ایسا ہی اچھا ہے جیسے ہماری دیگر رعایا کا ہے، اور کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔ لہٰذا ہماری یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے مذہب کی پیروی میں آزاد رہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیک زندگی بسر کرنے اور اپنے معاشرتی اور ملکی فرائض ادا کرنے کی تلقین کی جائے۔ یہ مذہب ہماری حکومت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرتا ہے، اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے۔ اگر مسلمان اپنے تئیں نیک اور وفادار رعایا ثابت کرتے رہیں تو ان پر ہمارا لطف و کرم ایسے ہی جاری رہے گا جیسے ہماری دوسری اولاد پر ہے۔ مسلمانوں میں بہت سے دیوانی اور فوجی عہدے دار پیدا ہوئے ہیں جو اعلیٰ منصبوں تک پہنچے ہیں۔ یہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ انہوں نے ہمارے رسوم و عادات کو اختیار کر لیا ہے اور ہماری مقدس کتابوں کی تعلیم کے ساتھ موافقت کرتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح ادب کے امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں اور قانون کی مقررہ قربانیاں دیتے ہیں۔ غرض کہ وہ ہمارے عظیم چینی کنبے کے سچے ارکان ہیں جو اپنے مذہبی، ملکی اور سیاسی فرائض ادا کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ جب حکام کے سامنے کوئی دیوانی مقدمہ پیش ہو تو ان کو فریقین کے مذہب و ملت سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ میری تمام رعایا کے لیے صرف ایک ہی قانون ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ نیکی کریں گے، اس کا ان کو اجر ملے گا اور جو لوگ برائی کریں گے وہ اس کی سزا پائیں گے۔

کین لنگ کا عہد حکومت:

اس بادشاہ کے تیس سال بعد اس کے جانشین شہنشاہ کین لنگ نے مسلمانوں کو اپنے خاص لطف و کرم سے نوازا۔ چنانچہ اس نے دو ترک سرداروں کو، جنہوں نے کاشغر میں اور مملکت کے شمال مغربی حصے میں بغاوت فرو کرنے میں مدد دی تھی، امیر کے منصب پر فائز کیا اور ان کے لیے پیکنگ میں محلات تعمیر کیے۔ شہنشاہ نے دارالحکومت میں ایک مسجد بھی بنائی۔ یہ مسجد ان ترک امراء کے لیے تھی جو وقتاً فوقتاً دربار میں آیا کرتے تھے۔ اس میں وہ جنگی قیدی بھی نماز ادا کر سکتے تھے جو کاشغر سے پکڑے آئے تھے۔ ان قیدیوں میں ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی جو شہنشاہ کی چہیتی بیگم بن گئی۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس خاطر سے شہنشاہ نے اپنے محل کے عین مقابل مسجد بنائی تھی اور محل کے باغات میں ایک کوشک بھی تیار کرایا تھا جس میں بیٹھ کر وہ کاشغری حسینہ اپنے ہم وطنوں کو نماز ادا کرتے دیکھ سکتی تھی، بلکہ ان کی عبادت میں بھی شریک ہو سکتی تھی۔ یہ مسجد ۱۷۶۳ء اور ۱۷۶۴ء میں تعمیر ہوئی۔ اس میں ایک کتبہ نصب ہے جو چار زبانوں میں ہے۔ اس کی چینی عبارت خود شہنشاہ نے لکھی تھی۔

زنگاریہ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد شہنشاہ کین لنگ نے ۱۷۷۰ء میں چین کے دوسرے حصوں سے دس ہزار سپاہی پیشہ لوگ مع ان کے کنبوں کے زنگاریہ میں منتقل کر دیے تھے تاکہ وہ برباد شدہ ملک کو دوبارہ آباد

Marfat.com

کریں۔ زنگاریہ میں مسلمان ہر طرف موجود تھے اس لیے یہ لوگ بھی سب مسلمان ہو گئے۔ آیا سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی لوگ اسی طرح جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے؟ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں بتلا سکتے۔ لیکن چین کے ہر صوبے میں مسلمان آبادی موجود ہے اور اس کی توجیہ محض غیر ملکیوں کی آمد اور آبادی کی قدرتی آفزائش سے نہیں کی جاسکتی (٦)۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد ان صوبوں میں زیادہ ہے جہاں غیر ملکی مسلمان آکر آباد ہوئے ہیں۔ یہ بات خلاف قیاس ہے کہ چین کے مسلمان، جن کو مذہبی آزادی کے علاوہ متعدد شہنشاہوں کی سرپرستی حاصل رہی ہے، اس تبلیغی جوش سے خالی رہے ہوں جو ان کے موجودہ جانشینوں میں پایا جاتا ہے۔ چین کے جو یہودی مسلمان ہوئے تھے، ان کا قبول اسلام بھی غالباً تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہودی چین میں بہت قدیم زمانے سے آباد تھے اور حکومت کے عہدوں پر فائز تھے، بڑی بڑی جائدادوں کے مالک تھے، لیکن سترھویں صدی کے اخیر میں ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

اسلام کی خفیہ تبلیغ:

چین میں اسلام کی اشاعت بالکل خاموش اور چپ چاپ طریقے سے ہوئی ہوگی، کیونکہ علانیہ تبلیغ سے ارباب حکومت کے دلوں میں شک وشبہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس کی تصدیق اس دلچسپ رپورٹ سے ہوتی ہے جو صوبہ خوانگ سی کے گورنر نے ۱۷۸۳ء میں شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ اس رپورٹ کا مضمون یہ تھا: ''میں جہاں پناہ کی خدمت میں مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ صوبہ خوانگ سی کا ایک اوباش، جس کا نام ہانفویون ہے، آوارہ گردی کے الزام میں گرفتار ہوا ہے۔ جب اس شخص سے اس کا پیشہ پوچھا گیا تو اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ گزشتہ دس سال کے عرصے سے سلطنت کے ہر ایک حصے میں سفر کرتا رہا ہے تاکہ اپنے مذہب کے متعلق اطلاع حاصل کرے۔ اس کے ایک صندوق سے تیس کتابیں نکلی ہیں۔ ان میں سے بعض خود اس کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض ایسی زبان میں تحریر ہیں جس کو یہاں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ کتابیں ایک مبالغہ آمیز اور مضحکہ خیز طریقے پر ایک مغربی بادشاہ کی ستائش کرتی ہیں جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ جب مذکورہ بالا ہانفویون کو (اقبال جرم کے لیے) اذیت دی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ اس کی سیر وسیاحت کا حقیقی مقصد اس مذہب کی اشاعت ہے جس کا ان کتابوں میں بیان ہے اور وہ دیگر مقامات کی بہ نسبت صوبہ شانسی میں سب سے زیادہ عرصہ ٹھہرا ہے۔ میں نے ان کتابوں کو بذات خود دیکھا ہے۔ ان میں سے بعض یقیناً کسی غیر زبان میں لکھی ہوئی ہیں، کیونکہ میں ان کو سمجھ نہیں سکا، لیکن جو کتابیں چینی زبان میں تحریر ہیں، وہ بہت خراب ہیں بلکہ مضحکہ خیز ہیں، کیونکہ ان میں ایسے لوگوں کی مبالغہ آمیز پیرایے میں تعریف وتوصیف کی گئی ہے جو اس تعریف کے یقیناً مستحق نہیں ہیں، کیونکہ میں نے کبھی ان کا ذکر نہیں سنا۔ شاید ہانفویون صوبہ کانسو کا کوئی باغی ہے۔ اس کا چال چلن یقیناً مشکوک ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مختلف صوبجات میں دس برس تک سفر کرنے سے اس کا حقیقی مقصد کیا تھا۔ میں اس

Marfat.com

معاملے کی اچھی طرح تحقیق کرنا چاہتا ہوں، لیکن اس اثنا میں حضور والا سے میری درخواست یہ ہے کہ ہانفویون کے عزیزوں کے پاس چھاپنے کی جو تختیاں ہیں، وہ جہاں پناہ کے حکم سے جلادی جائیں۔ جن لوگوں نے ان پر عبارت کندہ کی ہے، انکو گرفتار کرلیا جائے اور جو کتابیں میں نے بادشاہ سلامت کے خدمت میں روانہ کی ہیں، ان کے مصنف بھی پکڑے جائیں۔ ان کے بارے میں حضور عالی کا جو حکم ہو اس سے مجھ کو اطلاع بخشی جائے۔"

اس رپورٹ سے اٹھارویں صدی کے کم از کم ایک مسلم مبلغ کی کارگزاری کی شہادت ملتی ہے۔ یسوعی مشنریوں نے اٹھارویں صدی میں چین میں اسلام کی جس ترقی کا ذکر کیا ہے، وہ غالباً براہ راست تبلیغ سے اس قدر بے تعلق نہیں ہے، جس قدر ان مشنریوں نے فرض کیا ہے۔ فرانسیسی مصنف دوہالد نے اپنی شاندار تصنیف میں جو چند جملے مسلمانان چین کے متعلق لکھے ہیں، ان میں وہ رقم طراز ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے، اس کی بیشتر وجہ یہ ہے کہ وہ قحط سالی کی زمانے میں مفلس لوگوں کے بچوں کو خرید لیتے ہیں۔ مسلمان چین کے مختلف صوبجات میں چھ سو سال سے زیادہ عرصے سے آباد ہیں اور وہاں خاموشی سے زندگی بسر کررہے ہیں، کیونکہ وہ اپنے عقائد پھیلانے اور لوگوں کو مسلمان کرنے میں زیادہ کوشش صرف نہیں کرتے۔ گزشتہ زمانے میں ان کی تعداد محض (چینی عورتوں سے) شادیاں کرنے سے بڑھی ہے۔ لیکن چند سالوں سے انہوں اپنے مال و دولت کے ذریعے سے بھی بڑی ترقی پائی ہے۔ وہ ہر جگہ غیر مسلموں کے بچوں کو خرید لیتے ہیں اور چونکہ ان بچوں کے والدین ان کے لیے خوراک مہیا نہیں کرسکتے، اس لیے وہ ان کو فروخت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ ایک قحط کے زمانے میں، جس نے صوبہ چان تونگ کو تباہ کردیا تھا، انہوں نے دس ہزار سے زیادہ بچے خرید لیے۔ مسلمان ان کی شادیاں کردیتے ہیں اور پھر ان کے لیے شہر میں الگ مکانات خرید لیتے ہیں یا تعمیر کردیتے ہیں۔ بلکہ اس طریقے سے پورے گاؤں آباد کردیتے ہیں۔ بعض مقامات میں وہ رفتہ رفتہ اتنا اثر ورسوخ حاصل کرلیتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں نہ جاتا ہو اسے اپنے محلوں میں رہنے نہیں دیتے۔ چنانچہ ان طریقوں سے انہوں نے گزشتہ صدی میں اپنی تعداد کو بہت بڑھالیا ہے (۷)۔

کہا جاتا ہے کہ اسی طرح اس قحط کے زمانے میں، جس نے ۱۷۹۰ء میں کوان تونگ کے صوبے کو ویران کردیا تھا، مسلمانوں نے دس ہزار بچے خرید لیے اور چونکہ ان کے والدین ان کی پرورش سے قاصر تھے، اس لیے انہوں نے ان کو فاقہ کشی سے بچانے کے لیے ان کی مفارقت گوارا کرلی۔ پھر ان تمام بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر ہوئی۔ صوبہ یونان کا ایک چینی مسلمان، جس کا نام سید سلیمان تھا، ۱۸۹۴ء میں قاہرہ میں وارد ہوا، جہاں ایک عربی اخبار "ثمرات الفنون" کے ایک نمائندے نے اس سے ملاقات کی۔ سید سلیمان کا بیان ہے کہ اس طریقے سے مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ شمار سے باہر ہے۔ موسیو دولون نے بھی اسی طرح کی شہادت دی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ چین کے تمام مسلمانوں کے ہاں قحط میں بچوں کو خرید لینے کا دستور آج تک

Marfat.com

موجود ہے۔ چنانچہ اس دستور کے مطابق انہوں نے ان عیسائیوں کے بچوں کو خرید لیا تھا جن کو باغیوں نے ۱۹۰۰ء میں مار ڈالا تھا اور پھر ان کو مسلمانوں کی طرح پالا تھا۔

چینی مسلمانوں کا طرزِ زندگی:

چین کے مسلمانوں کا یہ عام رجحان ہے کہ وہ الگ گاؤں یا شہروں میں رہتے ہیں یا شہروں میں اپنے محلے علیحدہ کر لیتے ہیں اور جو شخص مسجد میں حاضر نہ ہوتا ہو اسے اپنے درمیان آباد نہیں ہونے دیتے، اگرچہ وہ اسی طرح سے اپنے تئیں عوام سے ایک حد تک الگ رکھتے ہیں، لیکن وہ محتاط رہتے ہیں اور اپنے دینی شعائر کی امتیازی خصوصیات کے علانیہ اظہار سے پرہیز کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنے ہمسایوں کے لیے باعث آزار نہ ہوں۔ چنانچہ وہ احتیاط سے کام لے کر اپنے چینی ہم وطنوں کے توہمات اور تعصبات کی بھی رعایت کرتے ہیں اور اپنی معمولی زندگی میں اپنے ماحول کے مروجہ رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ مثلاً وہ چوٹی رکھتے ہیں اور چینیوں کا عام لباس پہنتے ہیں عام طور پر وہ عمامہ صرف مسجد میں پہنتے ہیں۔ ایک خاص چینی توہم کی رعایت سے وہ بلند منارے بنانے سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ان کی مسجدیں بہت حد تک چینی طرزِ تعمیر کے موافق ہوتی ہیں اور بسا اوقات ان میں اور معمولی مندروں اور گھروں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔ از روئے قانون ہر ایک مسجد میں شہنشاہ کے اعزاز میں ایک تختی کا ہونا ضروری ہے جس پر یہ الفاظ مکتوب ہوتے ہیں: ''شہنشاہ لایزال زندہ باد'' اور عام چینی دستور کے مطابق مسلمان بھی اس تختی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے ضمیر کی تسلی و تسکین کے لیے اور بت پرستی کی تہمت سے بچنے کے لیے مختلف ترکیبیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔ ملک تاتار کے چینی علاقے میں بھی، جہاں مسلمان فوجیوں کو الگ رہنے اور علیحدہ جماعت بنانے کی اجازت ہے، اعلیٰ مسلمان عہدے دار وہی لباس پہنتے ہیں جو ان کے عہدے کے لئے مقرر ہے: وہ لمبی مونچھیں اور سر پر چوٹیاں رکھتے ہیں، تہواروں کے موقع پر شہنشاہ کی تصویر کے سامنے حسبِ معمول بندگی بجالاتے ہیں اور اپنی پیشانی زمین پر تین بار رکھتے ہیں۔ یہ بندگی تمام سرکاری عہدے داروں کے لئے لازمی ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان حکام اور صوبہ جات کے دیگر افسر تہواروں کے ایام میں کنفیوشس کے مندروں میں وہ تمام رسومات ادا کرتے ہیں جو سرکاری ملازمین کے لئے مقرر ہیں۔ غرض کہ مسلمان اس بات کی ہر ممکن احتیاط کرتے ہیں کہ ان کا مذہب سرکاری مذہب سے الگ نظر نہ آئے اور اسی طرح سے وہ اس نفرت سے بچ گئے ہیں، جس نفرت سے چینی لوگ غیر ملکی مذاہب کے پیروؤں، مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے ہیں۔ چینی مسلمان اپنے ہموطنوں کے سامنے اپنے مذہب کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں گویا وہ کنفیوشس کی تعلیم کے مطابق ہے۔ صرف اتنا فرق جتلاتے ہیں کہ وہ شادی بیاہ اور غمی کے موقع پر لحم خنزیر، شراب خوری، قمار بازی اور تمباکو نوشی کی ممانعت میں اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے معاملے میں اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح چینی مسلمان مصنف کنفیوشس کی تالیفات اور دیگر چینی ادبی کتابوں

Marfat.com

کا احترام کرتے ہیں اور حتی الامکان کنفیوشس کی تعلیم اور اسلامی عقائد کی باہمی موافقت کی نشاندہی کرتے ہیں(۸)۔

مسلمانوں سے چینی حکومت کا سلوک:

دوسری طرف چینی حکومت نے بھی اپنی مسلمان رعایا کو ہمیشہ سے وہی حقوق اور مراعات دے رکھی ہیں جو رعایا کے دیگر طبقوں کو حاصل ہیں۔ حکومت کا کوئی عہدہ ان کے لیے بند نہیں ہے اور مسلمان گورنروں، سپہ سالاروں، عدالت کے منصفوں اور سلطنت کے مسلمان وزیروں کو چینی حکومت اور چینی عوام دونوں کا اعتماد و احترام حاصل ہے۔ چین کی تاریخ میں ہمیں نہ صرف فوجی اور دیوانی محکموں کے عہدے داروں میں مسلمانوں کے نام ملتے ہیں، بلکہ چینی مسلمانوں نے صنعت و حرفت اور علوم و فنون، مثلاً ریاضی اور علم ہیئت میں بھی بڑا نام پیدا کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چینی مسلمان بہت کامیاب تاجر اور ہوشیار بیوپاری ثابت ہوئے ہیں۔ گائے کے گوشت کی تجارت پر ان کا پورا قبضہ ہے اور وہ کاروبار کے دوسرے شعبوں میں بھی بڑے کامیاب ہیں۔ اس طریقے سے چینی قوم کے ہر طبقے کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہے اور ان کو اپنے مذہب کی اشاعت کا ہر موقع حاصل ہے۔ لیکن عیسائی مشنریوں کی رائے ہے کہ ان میں تبلیغ کا کوئی خاص ولولہ یا جوش نہیں پایا جاتا۔ تاہم گزشتہ سالوں میں بہت سے نومسلم دیکھنے میں آئے ہیں۔ چونکہ بہت سے چینی مسلمان اپنے اس مورث اعلیٰ کا نام بتا سکتے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوا تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کا سلسلہ جاری ہے۔ بظاہر مسلمانوں کو پروٹسٹنٹ مشنریوں کی طرح سڑکوں پر وعظ کہنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن اگر انہیں اپنی ملت کو بڑھانے کا موقع ملے تو اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کی ایک مذہبی کتاب میں جس کا نام "ہدایہ الی شرائع دین الحق" ہے اور جو کانٹن میں ۱۶۶۸ء میں چھپی تھی، تبلیغ دین کو کار ثواب کہا گیا ہے اور اس میں ان لوگوں کا حوالہ آیا ہے جو غیر مسلم حلقوں کو چھوڑ کر مسلمان ہو چکے تھے۔ نومسلموں کو اسلام کے بنیادی عقائد منظوم کتابوں کے ذریعے سے سکھائے جاتے ہیں۔ سید سلیمان کا بیان ہے کہ گزشتہ سالوں میں بہت سے لوگ چینی مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کو پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صوبہ کانسو میں ہوچو کے اسلامی مدرسے میں مسلمان طلبا مذہبی تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے اپنے صوبوں میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دس سے زیادہ صوبوں میں اس طرح کے مرکز قائم کیے گئے ہیں جہاں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے ملا تیار کیے جائیں گے۔ مسلمان فوجی افسر اپنے بہت سے ماتحت فوجیوں کو مسلمان کر لیتے ہیں۔ اور اسی طرح مسلمان سول حکام بھی اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اکثر تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس لیے مسلمان فوجی افسروں کے مقابلے میں ان کا اثر و رسوخ کم ہے۔

Marfat.com

قبول اسلام کے بعض ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو براہ راست تبلیغ کا نتیجہ نہ تھے۔ ایک ترکی سیاح، جو ۱۸۹۵ء میں پیکنگ گیا تھا، بیان کرتا ہے کہ اس نے وہاں تیس مسجدیں دیکھیں۔ ان میں سے ایک مسجد پہلے ایک متمول چینی کی خاندانی عبادت گاہ تھی۔ بوکسر کی بغاوت میں مفتی عبدالرحمٰن نے اس چینی کی جان بچائی اور اس کے شکریے میں اس نے اپنے بچانے والے مفتی کا دین اختیار کرلیا۔ (۹)

پچھلے برسوں میں ترکی اور دوسرے مسلمان مبلغ چین میں گئے ہیں اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ چینیوں کے علم دین کو زیادہ مکمل اور راسخ بنائیں اور ان میں مذہبی ولولہ بیدار کریں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں ان کی کوششیں کچھ زیادہ بارآور ثابت نہیں ہوئیں۔

ایک روسی مصنف واسلیف نے ۱۸۶۷ء میں مسلمانان چین کے متعلق ایک لائق توجہ کتاب شائع کی تھی اور اس میں اس نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اسلام سلطنت چین کا قومی مذہب بننے والا ہے، جس سے مشرقی ملکوں کے سیاسی حالات یکسر بدل جائیں گے۔ اس خطرے کی پیش گوئی پر تقریباً نصف صدی گزر چکی ہے، لیکن اس عرصے میں کوئی ایسا امر واقع نہیں ہوا جس سے اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو سکے۔ بلکہ اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گزشتہ ایک سو سال میں اسلام کو چین میں ترقی پانے کی بجائے تنزل ہوا ہے، کیونکہ صوبہ یونان میں پینتھے کی بغاوت (۱۸۵۵ء تا ۱۸۷۳ء) اور صوبہ شانسی اور کانسو میں تنگان کی بغاوت (۱۸۶۴ء تا ۱۸۷۷ء اور ۱۸۹۵ء تا ۱۸۹۶ء) کو فرو کرنے کے دوران میں جو قتل عام ہوئے ہیں، ان سے مسلمانان چین کی تعداد کئی لاکھ کم ہوگئی ہے۔

چین میں نئی جمہوریت کے قائم ہونے سے مسلمانوں کو ایسی آزادی حاصل ہوئی ہے جو ان کو گزشتہ حکومتوں میں کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ اس سیاسی تبدیلی سے ان کو ترقی کا جو موقع ملا ہے، اس سے وہ کس حد تک فائدہ اٹھا سکیں گے۔ تبلیغ کا کام ابھی تک جاری ہے اور اگرچہ اس کا دائرہ عمل بہت محدود ہے لیکن اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مسلمان ابھی تک اسلام کی ترقی و توسیع کی امید لگائے بیٹھے ہیں، چار سو سال کی بات ہے جب چین کے ایک مسلمان سیاح (سید علی اکبر) نے فغفور چین اور اس کی رعایا کے مسلمان ہونے کے امکان پر بحث کی تھی (۱۰) اور آج بھی موجودہ نسل کے ایک چینی مسلمان سید سلیمان کا بیان ہے کہ اس کے ملک کے مسلمان بڑے اعتماد کے ساتھ اس دن کے منتظر ہیں جب سلطنت چین کے تمام طول و عرض میں ہر طرف اسلام کا بول بالا ہوگا (۱۱)۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ کنز العمال تالیف علی متقی، مطبوعہ حیدر آباد، جلد ۵، ص ۲۰۲۔

۲۔ مسلمانانِ چین کے متعلق ہماری معلومات غیر یقینی ہیں۔ اس بارے میں ایک فرانسیسی مصنف دالون نے ان الفاظ میں تنبیہ کی ہے:

"چینی مسلمانوں کے متعلق ہمیں صحیح طور پر کچھ معلوم نہیں کہ اسلام چینی سلطنت میں کب اور کیسے پھیلا اور اس نے وہاں کتنے پیرو جمع کئے۔ وہاں کے مسلمان صحیح العقیدہ ہیں یا نہیں۔ ان کی تنظیم کیسی ہے اور کیا باقی عالم اسلام کے ساتھ ان کے تعلقات قائم ہیں یا نہیں۔"

عربی اور فارسی کتابوں میں چین کے متعلق جو حوالے پائے جاتے ہیں، پروفیسر شیفیر نے ان کو ایک تالیف میں جمع کر دیا ہے۔

۳۔ ختن (مشرقی ترکستان) کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے ملک میں سب سے پہلے حضرت جعفرؓ اسلام کا پیغام لائے تھے جو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچازاد بھائی تھے۔

۴۔ بعض چینی بھی نقل مکانی کر کے اسلامی ملکوں میں آباد ہو گئے تھے اور اسلامی اثرات سے متاثر ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک چینی بھکشو جس نے ۱۲۲۱ء سے ۱۲۲۴ء تک وسطی ایشیا میں ایران تک سیاحت کی تھی، اپنے روزنامچے میں سمرقند کے متعلق لکھتا ہے کہ "چینی کاریگر ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔"

۵۔ مندرجہ بالا مراسلات کے متن کے لئے دیکھیے مطلع السعدین، مصنفہ عبدالرزاق سمرقندی، مرتبہ مولوی محمد شفیع، جلد ۲، جزء اول، ص ۲۲۲ تا ۲۲۶ (مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۰ھ)

۶۔ کہا جاتا ہے کہ چینی مسلمان عام چینیوں کے مقابلے میں کثیر الاولاد ہیں اور چینی مردم شماری کے مطابق، جس میں خاندانوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے، ہر چینی کنبے میں پانچ افراد اور مسلمان کنبے میں چھ افراد ہوتے ہیں۔

۷۔ منقول از فرانسیسی تصنیف موسومہ "سلطنت چین کا جغرافیائی، تاریخی اور سیاسی بیان، جلد ۳، مطبوعہ پیرس ۱۷۳۵ء۔

۸۔ کنفیوشس، جس کا صحیح چینی نام کنگ فوشی ہے، ایک معلم اخلاق تھا جس کا زمانہ (۵۵۱۔۴۷۹ قبل مسیح) حضرت مسیح سے تقریباً پانچ سو سال پہلے کا ہے۔ وہ ایک سرکاری افسر تھا اور چونکہ اس کے زمانے میں ہر طرف جنگ و جدال، فتنہ و فساد اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، اس لئے اس نے امن و امان اور عدل و انصاف کی بحالی کے لئے اخلاق حسنہ کی تلقین و تعلیم شروع کی، جو اس کے ملفوظات میں مرقوم اور محفوظ ہے۔ اس نے تمام معاشرتی تعلقات میں ہمدردی کا اصول اختیار کرنے پر زور دیا اور اعتدال پسندی اور والدین کی فرمانبرداری کی تعلیم دی، چنانچہ اس کی تعلیم چینی سلطنت کے اصول سیاست کی بنیاد قرار پائی۔ (مترجم)

۹۔ بوکسر، وہ چینی انتہا پسند قوم پرست تھے جنہوں نے غیر ملکیوں کو بے دخل کرنے کے لئے ان کے خلاف ۱۹۰۰ء میں ایک ہولناک ہنگامہ برپا کیا اور اس شورش میں بیسیوں مشنریوں کے علاوہ ہزاروں چینی عیسائیوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ آخرکار یورپی سلطنتوں کی فوجی مداخلت سے یہ شورش ختم ہوئی اور ۱۹۰۱ء میں دوبارہ امن قائم ہوا۔ (مترجم)۔

۱۰۔ سید علی اکبر "ختائے نامہ" میں لکھتا ہے کہ "اگر چین کا شہنشاہ اسلام قبول کر لے تو اس کی رعایا بھی لامحالہ مسلمان ہو جائے گی، کیونکہ اس کی رعیت کے تمام لوگ اس کا اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے، اسے قبول کر لیتے ہیں۔ جب مغرب سے آنے والا نور زور پکڑے گا تو مشرق کے کفار جوق در جوق اسلام کی طرف چلے آئیں گے اور کسی طرح کا جھگڑا نہیں کریں گے، کیونکہ مذہبی معاملات میں وہ تعصب سے بالکل پاک ہیں۔"

۱۱۔ ثمرات الفنون (بیروت) مورخہ ۲۶ شوال ۱۳۱۱ھ۔

Marfat.com

باب یازدہم

افریقہ میں اسلام کی اشاعت

افریقہ میں اسلام کی تاریخ تقریباً تیرہ سو برس پر پھیلی ہوئی ہے اور اس لق ودق براعظم کے دوتہائی حصے کو احاطہ کیے ہوئے ہے، جس میں بہت سی مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں، اس لیے اس کے ترتیب وار بیان میں بڑی مشکلات حائل ہیں، اور افریقہ کے تمام مختلف حصوں میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ کو بیک وقت تاریخی ترتیب کے ساتھ قلمبند کرنا ناممکن ہے۔ مصر، شمالی افریقہ، نوبہ اور حبشہ کے عیسائیوں کے ساتھ اسلام کے جو تعلقات رہ چکے ہیں، ان کا ذکر گزشتہ باب میں آچکا ہے۔ موجودہ باب میں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شمالی افریقہ کے غیر مسلم باشندوں میں اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی، اور پھر بلادالسودان (۱) اور افریقہ کے مغربی سواحل میں اسلام کیسے پھیلا۔ سب سے اخیر میں ہم یہ بتائیں گے کہ مشرقی افریقہ اور کیپ کالونی میں اسلام کیسے شائع ہوا۔

شمالی افریقہ میں اسلام کی اشاعت:

افریقہ میں اسلام کی آمد سے عیسائی مذہب کے ناپید ہونے کے متعلق ہم نے صفحات بالا میں صرف چند واقعات لکھے ہیں۔ شمالی افریقہ کے غیر مسلم باشندوں کے ہاں اسلام کی اشاعت کے بارے میں بھی ہماری معلومات ویسی ہی قلیل ہیں۔ بربروں نے عربی فوجوں کی پرزور مزاحمت کی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قبول اسلام میں ترغیب کی بہ نسبت ترہیب کو زیادہ دخل تھا۔ چنانچہ عرب مورخوں نے لکھا ہے کہ بربر لوگ بارہ مرتبہ مرتد ہوئے تھے۔ عربوں اور بربروں کی طویل آویزش کے دوران میں ہمیں اشاعت اسلام کے متعلق صرف چند مختصر حوالے ملتے ہیں۔ قبول اسلام کے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بربروں نے عربوں سے شکست کھانے کے بعد اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ عربی فوجوں کا مزید مقابلہ بے سود ہے اور اسلام قبول کرنا ہی قرین مصلحت ہے۔ چنانچہ سنہ ۷۰۳ء میں جب بربر آخری مرتبہ عربوں کے مقابل صف آرا ہوئے اور ان کی دلیر اور بے خوف ملکہ کاہنہ نے دیکھا کہ جنگ کا پانسا ان کے خلاف پڑنے والا ہے تو اس نے دونوں بیٹوں کو عرب سپہ سالار کی لشکرگاہ میں بھیج دیا اور ان کو ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر اسلام اختیار کرلیں اور عربوں کے ساتھ متحد ہو جائیں، لیکن خود ملکہ نے اپنے حق میں یہی بہتر سمجھا کہ اپنے ہم وطن بہادروں کے ہمرکاب لڑتی ہوئی میدان جنگ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردے۔ چنانچہ وہ اس معرکہ عظیم میں ماری گئی جس میں بربروں کی سیاسی قوت کا قطعی طور پر خاتمہ

Marfat.com

ہو گیا اور شمالی افریقہ عربوں کے قبضے میں چلا گیا۔ پھر بربروں کے ساتھ عربوں کی اس شرط پر صلح ہو گئی کہ وہ عربی فوج کے لیے بارہ ہزار آدمی مہیا کریں گے۔ بارہ ہزار کی اس نفری سے عربوں نے دو فوجی دستے تیار کیے اور ہر دستے پر کاہنہ کے ایک ایک بیٹے کو بطور سپہ سالار مقرر کیا۔ عربی سپہ سالاروں کی امید تھی کہ وہ اس طرح سے بربروں کو اپنی فوج میں بھرتی کر کے ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیں گے۔

بربروں میں اسلام کی اشاعت:

۷۱۱ء میں سات ہزار بربروں کا جو لشکر طارق کی سرکردگی میں سپین کی فتح کے لیے افریقہ کے ساحل سے روانہ ہوا، اس میں بیشتر وہ بربر شامل تھے جو ابھی تھوڑی مدت ہوئی مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں خاص طور پر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ المقری کا بیان ہے کہ ''عرب عالم اور فقیہ مقرر تھے جو بربروں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور اس کی تشریح کرتے تھے۔ ان پر اسلام کی طرف سے جو فرائض اور احکام عائد تھے، ان کی تلقین کرتے تھے''۔ افریقہ کا فاتح اعظم یعنی موسیٰ ابن نصیر اسلام کی ترقی کے لیے بڑی سرگرمی کا اظہار کرتا تھا خلیفہ عبدالملک کی طرف سے جو بھاری رقمیں وصول ہوتی تھیں، ان کو ایسے بربری غلام خریدنے میں صرف کرتا تھا جن کے متعلق اس کو یہ امید ہوتی تھی کہ وہ اسلام کے لائق فرزند ثابت ہوں گے۔ چنانچہ اس کے بارے میں المقری لکھتا ہے کہ ''فتح کے بعد جب کبھی بربری قیدی بطور غلام فروخت کیے جاتے تھے تو موسیٰ ایسے تمام لوگوں کو خرید لیتا تھا جو شریف النسب ہوتے تھے اور شکل وصورت سے بھی چست و چالاک نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ جن کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ خوشی سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے، وہ ایسے نوجوانوں کو پہلے اسلام کی دعوت دیتا تھا اور اگر وہ ذہن اور عقل کی جلا پا کر دین برحق کے حقائق کو قبول کرنے کے لائق ہو جاتے تو ان کو مسلمان کر لیا جاتا تھا۔ اگر وہ اچھے مزاج اور عمدہ قابلیت کا ثبوت دیتے تھے تو ان کو فوراً آزاد کر دیتا تھا اور فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مامور کر دیتا تھا اور ان کی قابلیت کے مطابق ان کو ترقی دیتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ لوگ اپنے عہدوں کے اہل ثابت نہیں ہوتے تھے تو موسیٰ ان کو قیدیوں کے کیمپ میں واپس بھیج دیتا تھا اور مال غنیمت کے طور پر دوبارہ لوگوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔''

بربروں کا قبول اسلام سطحی نوعیت کا تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۰ھ (۷۱۸ء) میں اسمٰعیل بن عبداللہ کو افریقہ کا والی مقرر کیا تو اس کے ہمراہ دس علماء بھی روانہ کیے، تاکہ وہ نومسلم بربروں کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیں، کیونکہ انہوں نے اس وقت تک اس بات کو نہیں سمجھا تھا کہ اسلام میں شراب خوری ممنوع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نئے والی نے بربروں کو اسلام کی دعوت دینے میں بڑی سرگرمی

Marfat.com

دکھلائی اور اس کی کوششیں ایسی بار آور ہوئیں کہ بربر قوم کا کوئی آدمی ایسا نہ رہا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ بربروں کو مسلمان کرنا صدہا برس کا کام تھا، اور ان کے ہاں آج تک بہت سے ایسے قدیم دستور پائے جاتے ہیں جو شریعت اسلام کے منافی ہیں۔ ان کے ہاں اسلام کی جڑ اس وقت تک مضبوط نہیں ہوئی، جب تک کہ اس نے ایک قومی تحریک کی صورت اختیار نہیں کی اور وہ مقامی حکمران خاندانوں کے قیام کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا۔ بہت سے بربر ان ہی خاندانوں کے زمانے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، کیونکہ وہ اس سے پہلے قبول اسلام کو اپنی سیاسی شکست کی علامت سمجھتے تھے۔ ان مختلف سیاسی انقلابات کو ہم اس موقع پر بیان نہیں کر سکتے، لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ میں مرابطین کے ظہور کا خاص طور پر ذکر کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہی وہ قومی تحریک تھی جس کی وجہ سے بہت سے بربری قبیلے ملت اسلام میں شامل ہوئے۔

مرابطین کا ظہور:

گیارھویں صدی کے اوائل میں بربری قبیلہ صنہاجہ کا ایک سردار یحیٰی بن ابراہیم جب حج کے بعد مکہ مکرمہ سے واپس آیا تو اس کو شمالی افریقہ کے اسلامی شہروں میں ایسے عالم اور دیندار معلم کی تلاش ہوئی جو اس کے ہمراہ چل کر اس کی جاہل اور گمراہ قوم میں اسلام کی تبلیغ کرے۔ اول اس کو کوئی ایسا آدمی نہ ملا جو علم کے گوشۂ عافیت کو چھوڑ کر صحراؤں کے خطرے جھیلنے پر آمادہ ہوتا، لیکن آخر کار عبداللہ بن یاسین سے اس کی ملاقات ہوئی جو اس کام کے لیے موزوں تھا۔ وہ الٰہیات، فقہ اور دیگر علوم میں کامل دستگاہ رکھتا تھا اور تبلیغ دین جیسے دشوار کام کا بیڑا اٹھانے کے لیے تیار تھا۔ اگرچہ نویں صدی ہی میں مبلغین اسلام صحرا کے بربری قبیلوں میں پہنچ چکے تھے، اور ان کے ہاں اسلام پھیلا چکے تھے، لیکن اسے بہت کم قبولیت حاصل ہوئی تھی، چنانچہ عبداللہ بن یاسین نے دیکھا کہ جو لوگ اسلام کا اقرار کرتے تھے وہ بھی اس کے احکام کی پابندی میں بہت سست تھے اور ہر قسم کی بری عادات میں گرفتار تھے۔ چنانچہ اس نے ان کو راہ راست پر لانے اور دینی فرائض کی تلقین کرنے میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا، لیکن اس نے ان کی زجر و توبیخ کرنے اور ان کے چال چلن کی اصلاح کرنے میں میں جس سختی اور درشتی سے کام لیا، اس نے بربروں کو اس سے برگشتہ کر دیا، اور عبداللہ نے اپنی مہم کی کامیابی سے مایوس ہو کر اس سرکش قوم کو چھوڑنے اور سوڈان کے باشندوں کو مسلمان کرنے کا قصد کیا۔ لیکن لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ جو کام تم نے شروع کیا ہے، اس کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اپنے مریدوں کے ساتھ دریائے سینگال کے ایک جزیرے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے ایک خانقاہ بنائی جہاں پیر اور مرید ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔

Marfat.com

دیندار بربروں کو اس خیال سے بڑی پشیمانی ہوئی کہ ان کی بدکرداری کی وجہ سے ان کا ایک خدا رسیدہ آدمی ان سے الگ ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے جزیرے میں گئے اور بڑی عاجزی سے معافی کے طلب گار ہوئے اور حقائق دین کی تلقین پانے کے ملتجی ہوئے۔ غرض کہ اس طریقے سے اس کے مریدوں کی جمعیت روز بروز بڑھنے لگی، خصوصاً قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ لمطونہ کے بہت سے لوگ اس کے پاس آئے، یہاں تک کہ اس کے مریدوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ اب عبداللہ بن یاسین کو یہ خیال آیا کہ اس تبلیغی مہم کو ایک وسیع تر پیمانے پر جاری کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مریدوں سے کہا کہ خداوند کریم نے ان پر جو ہدایت منکشف کی ہے اس کے شکریے کے اظہار کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ وہ اس ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں۔ ''اپنے اپنے قبیلے والوں کے پاس جاؤ، ان کو شریعت الٰہی کی تعلیم دو اور اس کے عذاب سے ان کو ڈراؤ۔ اگر وہ توبہ کریں اور اپنے برے طریقوں کی اصلاح کریں اور سچائی کو قبول کریں تو ان کو امن و امان سے رہنے دو، لیکن اگر وہ انکار کریں اور اپنی گمراہی اور بدکرداری پر اصرار کریں تو ان کے خلاف خدا کی مدد طلب کرو اور ان کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ خدا ان کے اور ہمارے درمیان اپنا فیصلہ صادر کر دے''۔

عبداللہ بن یاسین کا حکم سن کر اس کا ہر مرید اپنے قبیلے میں گیا اور ان کو توبہ کرنے اور خدا پر ایمان لانے کی فہمائش کی، لیکن ان میں سے کوئی شخص کامیاب نہ ہو سکا، حتیٰ کہ خود عبداللہ بن یاسین کی کوششیں بھی بار آور نہ ہو سکیں، جس نے اپنے جزیرے کو اس امید پر خیر باد کہا تھا کہ بربری سردار اس کے وعظ اور نصیحت پر زیادہ توجہ سے کان دھریں گے۔ آخر کار اس نے ۱۰۴۲ء میں اپنے مریدوں کو جمع کیا اور قرب و جوار کے قبیلوں پر حملہ کر کے ان کو بہ جبر مسلمان کر لیا۔ اس نے اپنے پیرووں کا نام مرابطین رکھا۔ یہ نام اسی مادہ (ربط) سے مشتق ہے جس سے رباط (یعنی خانقاہ) کا لفظ ماخوذ ہے، جو اس نے سینگال کے جزیرے میں بنائی تھی۔ عبداللہ بن یاسین کو اس جنگ و جدال میں جو فتح و ظفر نصیب ہوئی، وہ صحرائی قبائل کی نگاہ میں اس کے وعظ و تذکیر کے مقابلے میں اس کی صداقت کی ایک قوی تر دلیل تھی۔ چنانچہ وہ اپنی رضا اور رغبت سے جلد ہی ایسا دین اختیار کرنے کے لیے چلے آئے جس نے اپنے معتقدین کو ایسی شاندار فتوحات ارزانی کی تھیں۔ عبداللہ بن یاسین ۱۰۵۹ء میں انتقال کر گیا لیکن جو اسلامی تحریک اس نے شروع کی تھی، وہ اس کی وفات کے بعد بھی زندہ رہی اور بہت سے بربری قبیلوں نے مسلمان ہو کر اسلام کی تعداد کو بڑھایا، انہوں نے مذہب کے علاوہ دیگر مقاصد میں بھی ان کی ہمنوائی اختیار کی اور اپنے صحرا سے نکل کر تمام شمالی افریقہ پر چھا گئے۔ اور بعد ازاں اندلس پر بھی قابض ہو گئے۔

موحدین کا ظہور:

یہ بات قرین قیاس ہے کہ بارھویں صدی کے آغاز میں جب بربروں کی دوسری بڑی قومی تحریک شروع

Marfat.com

ہوئی اور موحدین کے فرقے نے ظہور کیا تو اس تحریک سے بھی بعض بربری قبیلے، جو ابھی تک اسلام سے الگ تھلگ رہے تھے، مسلمان ہو گئے۔ موحدین کا بانی ابن تومرت تھا، جس نے عقیدہ توحید کی تائید میں بربروں کی زبان میں کتابیں لکھیں اور ان میں اسلام کی بنیادی اصول کے انداز میں تشریح کی اور اس طریقے سے اپنے فرقے کے موحدانہ عقائد کو بربری عوام تک پہنچایا۔ اس نے بربروں کے قومی جذبے کے ساتھ ایک رعایت یہ روا رکھی کہ ان کو اپنی بربری زبان میں اذان کہنے کی اجازت دے دی۔

لیو افریقی کا بیان ہے کہ بعض بربری قبیلے پندرھویں صدی تک دائرۂ اسلام سے باہر رہے، لیکن بربروں کا عام میلان اسی طرف تھا کہ چھوٹے چھوٹے قبیلے مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں شامل ہو جائیں۔

مرابط کی تبلیغی تحریک:

سولھویں صدی میں مغرب (یعنی مراکو) میں ایک سرگرم تبلیغی تحریک پیدا ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں کو سپین اور شمالی افریقہ میں جو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں، یہ تحریک اسی کا ردعمل تھی۔ اس سے بہرحال مرابطین کو بڑی ترغیب و تحریص ہوئی اور انہوں نے جنوبی مراکو کی خانقاہوں سے نکل کر تمام مغرب میں ایک پرامن تبلیغی مہم شروع کر دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ ضعیف الاعتقاد ہیں، ان کے مذہب میں ایک نئی روح پھونکی جائے، اور ان کے قرب و جوار میں جو قبیلے ابھی تک غیر مسلم ہیں، ان کو مسلمان کیا جائے۔ جیسا کہ ہم باب چہارم میں بیان کر چکے ہیں، اندلس کے مسلمان پناہ گزینوں نے بھی اس تبلیغی تحریک میں حصہ لیا اور شرفاء یعنی ادریس بن عبداللہ کے جانشینوں کی تائید کی، جس نے ہارون الرشید کے عتاب سے بھاگ کر مغرب میں پناہ لی تھی۔

سوڈان میں اسلام کی اشاعت:

سوڈان کی نیگرو یعنی سیاہ فام قوموں میں اسلام کی اشاعت پہلے پہل صحرا ہی کی جانب سے شروع ہوئی تھی۔ اس تبلیغی تحریک کی ابتدائی تاریخ تاریکی کے پردے میں مستور ہے، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ بربر ہی تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے دریائے سینگال اور نائجر کے علاقوں میں اسلام کو پھیلایا۔ یہاں بربروں کو کفار کی مملکتوں سے سابقہ پڑا، جن میں سے بعض حکومتیں مثلاً غانہ اور سنگامی کی ریاستیں بہت قدیم تھیں۔ دو بربری قبیلوں یعنی لمطونہ اور جدالہ نے (جو صنہاجہ قبیلے کی شاخیں تھیں) اس تبلیغی کام میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیا اور انہی کے ذریعے سے مرابطین کی تبلیغی تحریک سوڈان کے بت پرست قبیلوں پر اثر انداز ہوئی۔ یوسف بن تاشفین کا عہد حکومت (جس نے ۱۰۶۲ء میں شہر مراکش کی بنیاد ڈالی اور جو مرابطین کے خاندان کا دوسرا فرمانروا تھا) اشاعت اسلام کے لحاظ سے بہت بارآور ثابت ہوا۔ اس کے زمانے میں بہت سے سوڈانی اسلامی عقائد سے آشنا ہوئے۔

Marfat.com

۱۰۷۶ء میں ان بربروں نے، جو کچھ مدت سے غانہ کی مملکت میں اسلام پھیلا رہے تھے، وہاں کے حکمران خاندان کو بے دخل کر دیا جو غالباً قلبے نسل سے تھا۔ بہرحال اس قدیم مملکت کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں منڈنگو قوم کے لوگوں نے غانہ کی سلطنت کو فتح کر لیا۔

سونگھای کی مملکت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۷۰۰ء میں بھی موجود تھی۔ اس قدیم مملکت میں اسلام کی اشاعت کے ضمن میں سب سے پہلے جس مسلمان فرماں روا کا نام آتا ہے، وہ زاکاسی ہے جو زا خاندان کا پندرھواں حکمران تھا۔ وہ ۴۰۰ھ (۱۰۱۰ء) میں مسلمان ہوا تھا اور سونگھای زبان میں اس کا لقب ''مسلم دم'' تھا، جس سے یہ مراد تھی کہ اس نے جبراً نہیں بلکہ اپنی رضا و رغبت سے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن جن اثرات سے اس نے اسلام اختیار کیا تھا ان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔

پانچویں صدی ہجری میں دریائے نائجر کے بالائی حصے پر دو شہر آباد ہوئے، جنہوں نے بعد کی صدیوں میں مغربی سوڈان میں اسلام کی اشاعت پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ ان میں سے پہلا شہر جنّہ ہے جو ۴۳۵ھ (۱۰۴۳ء) میں آباد ہوا اور آخر کار ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ دوسرا تمبکتو ہے جس کی بنیاد ۱۱۰۰ء کے قریب ڈالی گئی اور جہاں شمالی ملکوں کے تجارتی قافلوں کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی۔

چھٹی صدی ہجری کے اختتام یعنی ۱۲۰۰ء کے قریب جنّہ کا بادشاہ، جس کا نام کنبورو تھا، مسلمان ہو گیا اور شہر کے دوسرے باشندوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی۔ روایت ہے کہ جب اس نے اسلام قبول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو اس نے اپنی مملکت کے تمام علماء کو جمع کیا جن کی تعداد ۴۲۰۰ بیان کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ تعداد مبالغہ آمیز ہے لیکن اس قصے سے کم از کم اتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ اسلام اس وقت تک اس کی مملکت میں کافی ترقی کر چکا تھا۔ بہرحال بادشاہ نے ان علماء کی موجودگی میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کے شہر کی خوش حالی کے لیے دعا کریں۔ اس کے بعد اس نے اپنے محل کو گرا دیا اور اس کی جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کی۔

تمبکتو کا اسلامی شہر:

جنّہ کے برعکس تمبکتو ابتدا ہی سے ایک اسلامی شہر تھا ''جو بت پرستی سے کبھی آلودہ نہیں ہوا تھا اور جہاں کوئی شخص خداوند رحیم کے سوائے اور کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوا تھا''۔ بعد کے زمانے میں تمبکتو اسلامی علوم و فنون کا ایک زبردست مرکز بن گیا اور حکومت کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی وجہ سے علماء اور طلبا کی ایک بڑی تعداد وہاں جمع ہو گئی۔ ابن بطوطہ نے چودھویں صدی کے وسط میں اس ملک کی سیاحت کی تھی۔ چنانچہ وہ

Marfat.com

سوڈانی مسلمانوں کی دینداری کی تعریف کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں نمازیوں کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص وقت سے پہلے مسجد میں نہ پہنچے تو اسے جگہ ملنی محال ہوتی ہے۔ اس کے زمانے میں مغربی سوڈان میں میں سب سے طاقت ور مملکت مالی کی تھی۔ اس سے تقریباً ایک صدی پہلے منڈنگو قوم کے لوگوں نے غانہ کو فتح کر کے اس مملکت کو بڑی اہمیت دے دی تھی۔ منڈنگو افریقہ کی بہترین قوموں میں سے تھے۔ چنانچہ لیو افریقی ان کے متعلق لکھتا ہے کہ تمام سوڈانی قوموں میں منڈنگو سب سے زیادہ شائستہ اور سب سے زیادہ عقل مند اور معزز لوگ ہیں۔ زمانہ حال کے سیاحوں نے بھی ان کی محنت کشی، ہوشیاری اور دیانتداری کی تعریف کی ہے۔ یہ منڈنگو اسلام کے بڑے سرگرم مبلغ ثابت ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمسایہ قوموں میں اسلام کی اشاعت کی ہے۔ (۲)

ھوسا قوم کا قبولِ اسلام:

کانو کی تاریخ کے مطابق یہ منڈنگو قوم ہی کے لوگ تھے جنہوں نے ہوسا قوم کو دینِ اسلام سے آشنا کیا (۳)۔ اس واقعے کی تاریخ غیر یقینی ہے، جس طرح ہوسا حکومتوں کی دیگر تاریخیں غیر یقینی ہیں۔ کیونکہ جب اُنیسویں صدی کے اوائل میں فلبے قوم نے ان پر فتح پائی تھی تو اُن کے اکثر تاریخی دفتر برباد کر دیے تھے۔ بہرحال ہوسا قوم کے قبولِ اسلام کو بلا مبالغہ بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ لوگ بڑے باہمت اور ہوشمند ہیں اور اپنی کاروباری لیاقت کی وجہ سے ان کو ان تمام قوموں میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہے، جن کے ساتھ ان کو سابقہ رہتا ہے۔ ان کی زبان تمام مغربی سوڈان کی تجارتی زبان بن گئی ہے، جہاں کہیں ہوسا قوم کے تاجر جاتے ہیں، دین اسلام کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے تبلیغی کام کا ذکر ذیل کے صفحات میں آئے گا، لیکن جہاں تک اُن کے اپنے قبول اسلام اور ان کی سات ریاستوں کے قیام کا تعلق ہے، اس بارے میں تاریخی شہادت تقریباً کلیتاً مفقود ہے (۴)۔ اسلام کے جن مبلّغوں نے کانو اور کت سینا میں اسلام پھیلایا، ان میں تلمسان کا ایک دین دار عالم محمد بن عبدالکریم مجیلی بھی تھا، جس کا زمانہ ۱۵۰۰ء کے قریب ہے ممکن ہے کہ ہوسا قوم کے لوگ اُن اسلامی اثرات سے بھی متاثر ہوئے ہوں جو بارھویں صدی میں مصر کے ملک سے نمودار ہوئے تھے۔ کردوفان کے تاجر اور مشرقی سوڈان کے لوگ بالعموم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ اُن عربوں کی اولاد ہیں جو ۱۱۷۱ء میں فاطمیۂ مصر کے زوال کے بعد ان ملکوں میں آ نکلے تھے۔

وسطی سوڈان میں اسلام کی اشاعت:

لیکن وسطی افریقہ میں اسلامی اثرات مصر کی جانب سے غالباً اس سے بھی پہلے پہنچ چکے تھے۔ مثلاً کانم کی

Marfat.com

مملکت میں، جو بحیرۂ چاد کے شمال اور شمال مشرق میں واقع تھی، اسلام مصر ہی کی طرف سے آیا تھا۔ کانم کی مملکت نے قبولِ اسلام کے بعد خاصی اہمیت حاصل کر لی اور مصر اور نوبہ کی سرحدوں تک مشرقی سوڈان کے تمام قبیلوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ روایت ہے کہ کانم کی سلطنت کا پہلا مسلمان فرماں روا گیارھویں صدی کے اختتام کے قریب یا بارھویں صدی کے نصف اول میں حکمران تھا، لیکن شمال مشرق کی طرف سے اسلام کی اشاعت کے متعلق ہمارے پاس جو معلومات ہیں، وہ اُن معلومات کے مقابلے بہت قلیل ہیں۔ جو مغربی سوڈان کی سلطنتوں کے بارے میں ہم صفحات بالا میں درج کر چکے ہیں۔ مسلمان فرماں رواؤں کے قبولِ اسلام اور حکمران خاندانوں کے قیام کی محض تاریخیں مندرج کرنے سے اشاعتِ اسلام کی حقیقت واضح نہیں ہوتی، لیکن اس مختصر روئداد سے کم از کم یہ بات نمایاں اور واضح نظر آتی ہے کہ اسلام کی اشاعت بہت آہستگی سے ہوئی تھی۔ ان ملکوں میں بھی، جو صدیوں سے اسلامی حکومت کے زیرِ نگین چلے آتے ہیں، بت پرستوں کے متفرق گروہ بدستور موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اثر مدت تک شہروں تک محدود رہا تھا اور اس نے بت پرست قوموں میں اپنا راستہ بتدریج بنایا تھا، اور اُس کو اس بارے میں سخت مزاحمت پیش آئی تھی۔ مثلاً بمبارا قوم کے لوگ، جو دریائے سینگال اور دریائے نائجر کے درمیانی علاقے میں رہتے ہیں، ابھی تک بت پرست ہیں۔ حالانکہ اُن کے اردگرد صدیوں سے مسلمان قومیں آباد چلی آ رہی ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ایک مرابط نے، جس کا نام عمرو کا با تھا، بمبارا قوم کو مسلمان کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے ایک نئی مذہبی برادری کی بنا ڈالی تھی جو سلسلۂ قادریہ کے ساتھ منسلک تھی۔ جب وہ اپنے ہم مذہب مسلمانوں کو اپنا مرید بنانے میں ناکام رہا تو اس نے بمبارا قوم کی طرف توجہ کی اور ان کو مسلمان کر کے اپنے طریقے میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب وہ سنسانڈنگ کے صوبے میں ایک گاؤں کے بت پرست باشندوں کو مسلمان کر چکا تو اچانک ایک صوبے کے حاکم نے اس کو اپنی سرحد سے باہر نکال دیا اور بمبارا قوم کے جو افراد مسلمان ہو چکے تھے، ان کو اپنے قدیم مذہب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔

ان علاقوں میں جہاں عربوں اور بربروں کے درمیان کثرت سے شادی بیاہ ہوا ہے، اسلام ثابت قدمی سے برابر سرایت کرتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ فلبے، ہوسا اور منڈنگو اقوام نے بھی اسلامی حمیت اور گرم جوشی کے لحاظ سے بڑا امتیاز پیدا کیا ہے۔ اگر باہمی جنگوں میں مسلمان سلطنتیں ایک دوسرے کو تباہ و برباد نہ کرتیں، تو ان قوموں کی تبلیغی کوششوں سے مسلمانوں کی آبادی میں بڑا اضافہ ہوتا۔ تیرھویں صدی میں مالی کی سلطنت غانہ کے کھنڈروں پر قائم ہوئی، لیکن سولھویں صدی کی ابتداء میں سونگھای قوم کے لوگوں نے اس کو برباد کر دیا اور اس کے ایک صدی بعد مراکو کے لوگوں نے سونگھای کی مملکت کو ویران کر دیا۔ ان لڑائیوں میں لوگوں کا قتلِ عام ہوا، جو سوڈانیوں کے

Marfat.com

جنگ و جدال کا لازمہ اور خاصہ ہے۔ جب ان اسلامی حکومتوں کو زوال آیا تو بت پرستی نے اپنا کھویا ہوا مقام بہت حد تک واپس لے لیا۔ مسیحی ملت کی طرح عالمِ اسلام پر بھی ایسے دور آئے ہیں جب تبلیغی سرگرمی اور جوش سرد پڑ گیا تھا۔ چنانچہ سوڈان کے بعض حصوں میں مسلمانوں نے اپنے گرد وپیش کے بت پرستوں کو اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے اور وہ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

دارفور میں اسلام کی اشاعت:

چودھویں صدی عیسوی میں تنجر قبیلے کے عرب تونس سے نکل کر جنوب کی سمت چلے اور بورنو اور ودای کے علاقوں سے گزرتے ہوئے دارفور میں جا پہنچے۔ بعد ازاں دیگر عربی قبیلے مشرق کی طرف سے وارد ہوئے۔ ان میں سے ایک عرب کا نام احمد تھا۔ دارفور کے بت پرست حاکم نے اس کا خوشی سے استقبال کیا اور مہربان ہو کر اس کو اپنے محل کا منتظم مقرر کر دیا اور ہر معاملے میں اس سے مشورہ لینے لگا۔ چونکہ احمد کو متمدن ملکوں کے اصولِ سیاست کا تجربہ تھا اس لیے اس نے شاہی محل کے بندوبست اور سلطنت کے انتظام میں چند ایک اصلاحات کا اجرا کیا۔ روایت ہے کہ اس نے اپنے حسنِ انتظام سے سرکش امیروں کو بادشاہ کا مطیع بنایا اور سرکاری اراضی مفلس باشندوں میں تقسیم کر دی، آئے دن کی لوٹ مار کا خاتمہ کر دیا اور ان اصلاحات سے رعایا کو ایسا امن وامان میسر ہوا جو اس سے پہلے ان کو کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ بادشاہ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لیے اس نے احمد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور اس کو اپنا وارث اور جانشین مقرر کر دیا۔ رعایا نے بھی اس تقرر کو بڑی خوشی سے قبول کیا۔ غرض کہ جو مسلمان خاندان دارفور میں اس طرح قائم ہوا، وہ اب تک موجود ہے، احمد اور اس کے جانشینوں نے دارفور کے باشندوں کی تہذیب وثقافت کے لیے جو کام کیے، ان میں بلاشبہ اسلام کی تبلیغ بھی شامل تھی، لیکن ان عرب مہاجرین نے اپنے ہمسایہ بت پرستوں کو مسلمان کرنے کی بہت کم کوشش کی، بلکہ دارفور کے باشندے قطعی طور پر اپنے ایک بادشاہ سلیمان نامی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے، جس کا عہد حکومت ۱۵۹٦ء سے شروع ہوا تھا۔ سولھویں صدی سے پہلے دیگر سلطنتوں مثلاً ودای اور باگرمی کی ریاستوں میں، جو کوردوفان اور بحیرۂ چاد کے درمیان واقع تھیں، اسلام کی اشاعت نہ ہو سکی۔ باگرمی کا پہلا مسلمان فرماں روا سلطان عبداللہ تھا، جس نے ۱۵٦۸ء سے لے کر ۱٦۰۸ء تک حکومت کی، لیکن اس زمانے میں اسلام کا سب سے بڑا مرکز ودای کی سلطنت تھی، جس کی بنیاد عبدالکریم نے ۱٦۱۲ء کے قریب رکھی تھی۔ تاہم باگرمی کی مملکت کے باشندے اٹھارویں صدی کے نصف ثانی سے پہلے مسلمان نہ ہو سکے۔

اُنیسویں صدی میں افریقہ میں تبلیغ اسلام کے کام میں جو حیرت انگیز سرگرمی از سرِ نو پیدا ہوئی، اس کے

Marfat.com

مقابلے میں سترھویں اور اٹھارویں صدی میں اشاعت اسلام کے واقعات کا بہت کم ذکر آیا ہے اور وہ نسبتہً بہت کم اہمیت رکھتے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں افریقہ کے مسلمان اپنے مذہب کے بارے میں غافل اور بے پرواہ ہو چکے تھے لہذا ان کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرنے کے لیے ایک قوی محرک کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں وہابی اصلاحی تحریک کے اثر سے ان میں روحانی بیداری آئی، اور یہ اسی بیداری کا نتیجہ ہے کہ عہد حاضر میں سوڈانی اقوام کے ہاں بعض تبلیغی تحریکوں کا تذکرہ سننے میں آتا ہے اور ان کی تبلیغی کوششوں کی تفصیلات ہمارے علم میں آئی ہیں۔

شیخ عثمان دانفودیو:

اٹھارویں صدی کے اواخر میں فلبے قوم میں ایک مذہبی مصلح اور مبلغ و مجاہد پیدا ہوا جس کا نام شیخ عثمان دانفودیو تھا۔ وہ سوڈان سے حج کعبہ کے لئے مکہ مکرمہ گیا۔ جب وہ واپس وطن آیا تو اس کے دل میں مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کا جوش بھرا ہوا تھا۔ جس زمانے میں عثمان مکہ میں تھا، وہابی فرقے کے لوگ زور پکڑ رہے تھے۔ چنانچہ عثمان بھی اُن کے عقائد سے متاثر ہوا اور اس نے بھی ان کی طرح پیر پرستی اور مُردوں کو ایصالِ ثواب کی مذمت کی، بلکہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بھی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کرنے کی ممانعت کی۔ اس کے علاوہ اس نے دو سماجی برائیوں یعنی شراب خوری اور بدکاری کی سخت مخالفت کی جو سوڈان میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

اُس وقت تک فلبے قوم کے لوگ چند ایک متفرق قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور مویشی پال کر گزارا کرتے تھے (۵)۔ وہ ایک مدت سے مسلمان ہو چکے تھے اور سوڈان کے مختلف حصوں میں گڈریوں اور کاشت کاروں کی بستیاں بسا کر قناعت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں ان کے جو حالات معرضِ تحریر میں آئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک امن پسند اور محنتی قوم تھی۔ چنانچہ ایک سیاح (فرانس مُور) نے، جس نے اُن کی بستیوں کو ۱۷۳۱ء میں دریائے گامبیا کے کنارے دیکھا تھا، اُن کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ "دریا کے دونوں طرف ہر ایک ملک اور مملکت میں گندمی رنگ کی ایک قوم آباد ہے جس کو لوگ فولے (یعنی فلبے) کہتے ہیں۔ وہ عربوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور انہی کی زبان بولتے ہیں، کیونکہ عربی زبان اُن کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور قرآن جو اُن کی شریعت ہے، وہ بھی اسی زبان میں ہے، یہ لوگ عربی زبان میں اس سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں جس قدر یورپ کے لوگ لاطینی میں درک رکھتے ہیں، کیونکہ اکثر فولے عربی بول سکتے ہیں۔ یہ لوگ قبیلوں میں رہتے ہیں، شہر آباد کرتے ہیں اور ملک کے کسی بادشاہ کے محکوم نہیں ہیں، اگرچہ وہ ان

Marfat.com

مملکت میں رہتے ہیں۔ اگر کسی قوم کی طرف سے ان کے ساتھ بدسلوکی ہو تو وہ اپنی بستیاں توڑ کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو جاتے ہیں۔ ان کے اپنے سردار ہیں جو ان پر اس اعتدال اور نرمی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں کہ ان کا ہر حکم کسی فردِ واحد کی بجائے کل قوم کا حکم معلوم ہوتا ہے، اُن کا طرزِ حکومت ایسا ہے جس سے ان کی حکومت آسانی سے چل سکتی ہے۔ کیونکہ تمام لوگ نیک مزاج اور عافیت پسند ہیں۔ عدل وانصاف کے اعتبار سے ان کی تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو شخص کوئی بری حرکت کرتا ہے، تمام قوم اس سے نفرت کرتی ہے۔ سب لوگ جفاکش اور سادہ مزاج ہیں اور اپنی ضرورت سے زیادہ اناج اور کپاس پیدا کر لیتے ہیں اور وافر مقدار کو واجبی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔ ان کی مہمان نوازی کا ایسا شہرہ ہے کہ اگر ان کا کوئی قصبہ دیگر قوموں کے پڑوس میں ہو تو وہ ان کی ہمسائیگی کو اپنے لیے نعمت تصور کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے چال چلن کی بدولت ایسے نیک نام ہیں کہ اگر کوئی شخص اُن کے ساتھ بدسلوکی یا بے مروتی سے پیش آئے تو اُسے بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ سب لوگوں کے ساتھ انسانیت اور مہربانی کا سلوک کرتے ہیں، لیکن اپنی قوم والوں کے ساتھ اُن کی ہمدردی مضاعف ہے۔ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی قوم کا کوئی آدمی غلام بنا لیا گیا ہے تو تمام قوم مل کر اس کو آزاد کرا لیتی ہے۔ چونکہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بکثرت ہوتا ہے، وہ اپنی قوم کے کسی آدمی کو بھوکا نہیں رہنے دیتے۔ وہ قوم کے دیگر لوگوں کی طرح بوڑھوں، اندھوں اور اپاہجوں کی بھی خدمت کرتے ہیں۔ وہ شاذ و نادر ہی غضب میں آتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ ان میں سے کسی نے دوسرے کو گالی دی ہو۔ لیکن ان کی نرم مزاجی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں دلیری نہیں ہے، بلکہ وہ ایسے ہی بہادر اور دلیر ہیں جیسے کہ افریقہ کے اور لوگ ہیں۔ وہ ہتھیاروں کے استعمال میں بڑے مشاق ہیں اور ان کے ہتھیاروں میں نیزے، تلواریں، تیر و کمان اور بعض اوقات بندوقیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ وہ بڑے پکے مسلمان ہیں اور سوائے پانی کے اور کوئی چیز از قسم شراب مثلاً برانڈی وغیرہ نہیں پیتے۔

ہوسا قوم کی مختلف ریاستوں میں فلبے نسل کے جو قبیلے منتشر تھے، عثمان دانفودیو نے ان کو متحد کر کے ایک طاقتور قوم بنا دیا۔ ان کی پہلی شورش ۱۸۰۲ء میں گوبر کی سلطنت میں برپا ہوئی۔ یہ سلطنت ابھی تک بت پرست تھی اور اس نے ہوسا قوم کی شمالی ریاستوں پر اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ جب گوبر کے بادشاہ نے فلبے کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دبانے کی کوشش کی تو عثمان نے علم بغاوت بلند کر دیا اور اس کے جھنڈے تلے جلد ہی ایک طاقتور لشکر جمع ہو گیا، جس کے ساتھ اس نے نہ صرف بت پرست قبیلوں پر حملہ کیا اور ان کو مسلمان بنایا بلکہ ہوسا قوم کی مسلمان ریاستوں کو بھی تسخیر کر لیا۔ ان تمام ریاستوں نے یکے بعد دیگرے شکست کھائی، یہاں تک کہ عثمان کی وفات (۱۸۱۶ء) سے پہلے ہوسا قوم کا تمام ملک اس کے قبضے میں آ چکا تھا۔ سوکوٹو میں عثمان کے مرقد کا لوگ اب تک بہت احترام کرتے ہیں اور بہت سے زائرین اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ عثمان نے اپنی سلطنت کو اپنے دو

Marfat.com

Marfat.com

ممد ومعاون ثابت ہوئی ہے، کیونکہ بت پرست فوجی ہنسی ٹھٹھے سے بچنے اور عزت و وقار حاصل کرنے کے لیے مسلمان ہو جاتے ہیں۔ جنوبی نائجیریا کے ایجبو علاقے میں بھی ایک تبلیغی تحریک دیکھنے میں آئی ہے۔ اس علاقے میں اسلام سب سے پہلے ۱۸۹۳ء میں داخل ہوا تھا، لیکن ۱۹۰۸ء میں ایک شہر میں بیس اور ایک دوسرے شہر میں بارہ مسجدیں تعمیر ہو چکی تھیں۔ دین اسلام کی سریع اشاعت دریائے نائجر کے جنوبی حصے میں خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی مشنری اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ ''جب میں ۱۸۹۸ء میں نائجیریا میں گیا تو اڈہ کی زیریں جانب بہت کم مسلمان دیکھنے میں آتے تھے، لیکن اب وہ ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر وہ اسی رفتار سے ترقی کرتے رہے تو ۱۹۱۰ء تک دریائے نائجر کے کناروں پر بت پرستوں کا ایک گاؤں بھی باقی نہیں رہے گا۔''

اسلامی طریقے:

افریقہ کے اس حصے میں اسلام کی اشاعت کے لئے ایسے لوگوں نے بھی بہت کچھ کام سرانجام دیا ہے جنہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے، یعنی بت پرستوں کو مسلمان کرنے کے لیے، کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ لوگ ان اسلامی طریقوں اور سلسلوں کے ارکان تھے جن کو شمالی افریقہ کی مذہبی زندگی میں ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ ان کی کوششوں میں انیسویں صدی میں بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے ہیں اور اگرچہ ان کے تبلیغی کام کی کیفیت بہت حد تک بلاشبہ قلم بند نہیں ہوئی، تاہم ان کی پیدا کردہ بعض تحریکوں کے حالات ہمارے پاس موجود ہیں۔

ان تحریکوں میں سے ایک تحریک کی ابتدا سیدی احمد بن ادریس نے کی تھی جو خضریہ طریقے کا پیشوا تھا اور جسے مکہ مکرمہ میں ۱۷۹۷ء سے ۱۸۳۳ء تک اپنے علم وفضل کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل رہی تھی۔ اپنی وفات (۱۸۳۵ء) سے پہلے اس نے اپنے ایک مرید کو، جس کا نام محمد عثمان الامیر غنی تھا، اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے افریقہ روانہ کیا۔ بحیرہ احمر عبور کر کے وہ قصیر پہنچا اور وہاں سے اس نے وادی نیل کا راستہ لیا۔ یہاں اس کی صرف یہ کوشش رہی کہ وہاں کے مسلمانوں کو اپنے طریقے خضریہ میں داخل کرے۔ اس کے بعد اس نے دریائے نیل کے کنارے جنوب کی طرف سفر شروع کیا لیکن جب تک وہ اصوان تک نہ پہنچا، اس کو تبلیغ میں بخوبی کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ اصوان سے دنقلہ تک اس کا سفر بہت کامیاب رہا، کیونکہ نوبہ کے لوگ اس کے سلسلے میں داخل ہونے کے لیے جوق در جوق دوڑے آئے۔ محمد عثمان کو جو شاہانہ جاہ وجلال حاصل ہو گیا تھا، اس سے اہل نوبہ کے دل بہت متاثر ہوئے اور اس کی کرامات کی شہرت سے بہت سے لوگ اس کے مرید بن گئے۔ دنقلہ چھوڑ کر محمد عثمان نے کوردوفان کا رخ کیا، جہاں اس نے عرصہ دراز تک قیام کیا اور بت پرستوں کو مسلمان کرنے کا کام اس نے یہیں سے شروع

Marfat.com

کیا۔ کوردوفان اور سنار میں بہت سے قبیلے ابھی تک بت پرست تھے، جن کے ہاں محمد عثمان کی تبلیغ و تلقین بڑی کامیاب رہی۔ اپنے اثر و رسوخ کو پائیدار بنانے کے لیے محمد عثمان نے مقامی قبیلوں میں کئی شادیاں کیں اور جب اس نے ۱۸۵۳ء میں وفات پائی تو اس کی اولاد نے اس کے بعد اس کے سلسلے کے کام کو جاری رکھا جو اس کے نام پر امیر غنیہ کہلایا۔

محمد عثمان کے تبلیغی سفر سے چند سال پہلے محمد علی والی مصر نے مشرقی سوڈان میں اپنی فتوحات کا آغاز کر دیا تھا۔ مصری حکومت نے مصر کے مختلف مذہبی طریقوں کے مریدوں کو ان مفتوحہ ملکوں میں جانے کی اس خیال سے حوصلہ افزائی کی کہ ان کی کوششوں سے ملک میں امن و امان قائم ہو جائے گا۔ ان کو اپنے کام میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ سوڈان میں مہدی کی جو شورش اٹھی تھی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اسی مذہبی جوش کا نتیجہ تھی جو ان کی تبلیغی کوششوں سے پیدا ہوا تھا۔

مغربی افریقہ میں اسلام کی اشاعت:

مغربی افریقہ میں اسلام بالخصوص دو اسلامی طریقوں یعنی قادریہ اور تجانیہ کے ذریعے سے پھیلا ہے۔ طریقہ قادریہ کو، جس کا سلسلہ تمام اسلامی طریقوں سے سب سے زیادہ وسیع ہے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بارہویں صدی عیسوی میں قائم کیا تھا جو تمام اولیائے اسلام میں سب سے زیادہ ہردلعزیز بزرگ گزرے ہیں اور جن کا تمام عالم اسلام میں بڑا احترام ہوتا ہے۔ قادری طریقے کو مغربی افریقہ میں ان مہاجروں نے رواج دیا تھا جو پندرھویں صدی میں توات کے مقام سے اٹھ کر آئے تھے، جو مغربی سوڈان کا ایک نخلستان ہے۔ انہوں نے پہلے ولاتا کو اپنے سلسلے کا مرکز بنایا، لیکن کچھ عرصے کے بعد ان کے جانشینوں کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور انہوں نے ٹمبکٹو میں پناہ لی جو ولاتا سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں (وھابیوں کی) مذہبی تحریک نے، جس سے تمام اسلامی دنیا متاثر ہو رہی تھی، مغربی صحرا اور مغربی سوڈان کے قادریہ میں بھی ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جید علماء اور سلسلہ قادریہ کے چھوٹے چھوٹے گروہ تمام مغربی سوڈان میں سینیگال سے لے کر نائجر کے دہانے تک جا بجا نظر آنے لگے۔ ان کی تبلیغی تنظیم کے بڑے بڑے مرکز، کنکا، تمبو اور (منڈنگو کے ملک میں) مسار دو میں تھے۔ چنانچہ قادری سلسلے کے ارادت مندوں نے بت پرستوں کے درمیان اپنے مرکز بنا لئے اور ان لوگوں نے ان کو منشیوں فقیہوں، گنڈے تعویذ لکھنے والوں اور معلموں کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے نئے ماحول میں اثر و رسوخ پیدا کر لیتے تھے اور نو مسلموں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں وجود میں آ جاتی تھیں۔ ان میں سے جو اشخاص ہونہار ہوتے تھے ان کی تعلیم کی تکمیل کے لئے سلسلے کے مرکزوں

Marfat.com

قیروان اور طرابلس کے مدرسوں یا فاس اور ازہر (قاہرہ) کے دار العلوموں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ وہ ان درس گاہوں میں کئی کئی برس گزارتے تھے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن کو واپس آتے تھے۔ وہ اپنے ابنائے وطن میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنے کے لیے بخوبی تیار ہوتے تھے۔

طریقہ قادریہ کی تبلیغ:

غرض کہ سوڈان کے بت پرست لوگوں میں اس طریقے سے ایک ایسا خمیر ملا دیا گیا جس کی وجہ سے اسلام آہستہ آہستہ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ پھیلتا گیا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط تک سوڈان میں جتنے مدارس قائم ہوئے ان میں سے اکثر مدرسے ایسے معلموں نے جاری کیے تھے جنہوں نے قادریہ طریقہ پر تربیت پائی تھی۔ اس طرح سے قادریہ کی تنظیم نے بت پرست قوموں کے درمیان اسلام کی تبلیغ کا ایک باقاعدہ اور مسلسل انتظام کر دیا۔ ان کا تبلیغی کام بالکل پرامن طریقے سے انجام پایا ہے اور انہوں نے ذاتی مثال اور پند و نصیحت پر اعتماد کیا ہے۔ تعلیم کی اشاعت کے علاوہ اس اثر سے بھی کام لیا ہے جو استاد اپنے شاگردوں پر ڈال سکتا ہے۔ اس طرح سے سوڈان کے قادری مبلغین اپنے سلسلے کے بانی کے اصولوں پر پورے اترے ہیں۔ کیونکہ شیخ عبدالقادرؒ کی زندگی کے اصول یہ تھے کہ اپنے ہمسایے سے محبت کرو اور ہر ایک سے رواداری کا سلوک کرو۔ اگرچہ بادشاہ اور امراء شیخ عبدالقادر کی خدمت میں اکثر نذرانے بھیجتے رہتے تھے لیکن ان کی سخاوت اور دریا دلی ہمیشہ ان کو مفلس رکھتی تھی۔ ان کی تالیفات اور ملفوظات میں کوئی قول ایسا نہیں ملتا جس میں عیسائیوں کے خلاف بدخواہی یا دشمنی پائی جاتی ہو۔ انہوں نے جب کبھی اہل کتاب کا ذکر کیا ہے، ان کی گمراہیوں پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور خدا سے دعا کی ہے کہ ان کے دلوں کو نور ایمان سے منور کرے۔ رواداری اور بردباری کے یہ اصول انہوں نے اپنے مریدوں کو ورثے میں دیے ہیں اور یہی وہ اصول ہیں جو ہمیشہ سے ان کے پیروؤں کی امتیازی خصوصیات رہی ہیں۔

تجانیہ طریقہ:

تجانیہ طریقے کی بنیاد انیسویں صدی کے اواخر میں الجزائر میں پڑی تھی۔ جب سے یہ سلسلہ سوڈان میں قائم ہوا ہے، انہوں نے قادریہ جیسے تبلیغی طریقے اختیار کر رکھے ہیں اور ان کے جاری کردہ مدارس سے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد ملی ہے۔ لیکن قادریہ کے برعکس انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول میں تلوار کے استعمال سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ ان کے جہاد کی شہرت نے ان مبلغوں کی کامیابی پر پردہ ڈال دیا ہے جنہوں نے مغربی افریقہ میں پرامن طریقوں سے کام لیا ہے۔ حالانکہ پرامن مبلغین کی کوششیں اسلام کی اشاعت کے لئے ان مجاہدین کے مقابلے میں زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہیں جنہوں نے چھوٹی چھوٹی عارضی ریاستیں قائم کی ہیں۔

Marfat.com

اہل یورپ نے طبعی طور پر مسلمان واعظوں اور معلموں کی مساعی کی بہ نسبت ان فوجی مہموں اور جنگوں کی طرف زیادہ توجہ کی ہے، جن سے ان کے تجارتی کاروبار یا ان کے ملک گیری کے منصوبوں میں خلل پڑا ہے، لیکن ان مجاہدانہ تحریکوں کی تاریخ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ملکی فتوحات سے اشاعت دین کے لیے نئے راستے کھل گئے ہیں اور یہ صورت حال مسیحی تبلیغ کے سلسلے میں بھی پیش آئی ہے۔ بہر کیف ان جنگوں نے مومنین کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ ابھی بہت سے ایسے وسیع علاقے موجود ہیں جہاں کے باشندوں کو راہ حق پر لانا باقی ہے۔

تجانیہ طریقے کے مریدوں کی پہلی مجاہدانہ تبلیغی تحریک کو حاجی عمر نے جاری کیا تھا۔ وہ اس طریقے میں ایک بزرگ کے ذریعے سے داخل ہوا تھا، جس سے اس کی مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ۱۷۹۷ء میں پودور کے قریب، جو زیریں سینیگال میں واقع ہے، پیدا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ اوصاف کا مالک تھا اور ذاتی اثر و رسوخ رکھتا تھا اور بڑا بارعب شخص تھا۔ وہ ایک مرابط کا بیٹا تھا اور اس کی مذہبی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی تھی۔ جب وہ ۱۸۲۷ء میں حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوا تو اس زمانے میں اس کے علم و فضل اور تقوے کا شہرہ ہو چکا تھا۔ جب وہ ۱۸۳۳ء میں اپنے وطن میں واپس آیا تو اس نے تجانیہ طریقے کے عقائد کی اشاعت شروع کر دی اور اپنے ہم مذہب لوگوں کی جہالت اور ضعیف الاعتقادی کی سخت مذمت کی اور خصوصاً قادریہ سلسلے کی رواداری اور مسامحت پر اس نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس نے وسطی سوڈان کا سفر کر کے بہت سے مرید بنائے اور لوگوں نے اس انداز سے اس کی تعظیم و تکریم کی گویا ایک نئے نبی نے ظہور کیا ہے۔ جب وہ ۱۸۴۱ء میں فوتہ جلون میں پہنچا تو اس نے اپنے پیروؤں کو مسلح کیا اور ان بت پرست قبیلوں کے خلاف، جو بالائی نائجر اور سینیگال کے درمیان آباد تھے، تبلیغی مہموں کا سلسلہ شروع کر دیا، لیکن ۱۸۶۵ء میں وہ ایک چڑھائی میں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا احمد شیخو اپنے باپ کی مملکت کے مختلف صوبوں کو صرف چند سال تک متحد رکھ سکا اور آخر کار اندرونی جھگڑوں اور اہل فرانس کی آمد سے تجانی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کے تمام علاقے فرانسیسیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

مغربی سوڈان میں اسلام کی ترویج کا کسی قدر حال اس سے پیشتر لکھا جا چکا ہے۔ عبداللہ بن یاسین اور اس کے ساتھیوں نے یہاں جو شجر لگایا تھا وہ مسلمان تاجروں، معلموں اور نخلستان الحوض کے عربوں کی مسلسل آمد و رفت سے خوب بار آور ہوا۔ پندرہویں صدی کے ایک سیاح نے لکھا ہے کہ عربوں نے نیگرو یعنی سوڈانی سرداروں کو شریعت محمدی سکھانے کی کوشش کی اور ان کو سمجھایا کہ ان کے لیے یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ سردار ہوتے ہوئے بھی خدا کی شریعت کے بغیر زندگی بسر کریں اور سفلے لوگوں کی طرح زندگی گزاریں جو کسی دین و آئین کے پابند نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم مسلمان مبلغین ان غیر مہذب وحشیوں کے دلوں پر اسلام کے شان دار نظام کا رعب ڈالتے تھے۔

Marfat.com

صمدو کا تبلیغی جہاد:

عہد حاضر کی ایک اور تبلیغی تحریک کے متعلق ہمیں زیادہ مفصل حالات معلوم ہیں۔ اس تحریک کو جنوبی سی گیمبا میں منڈنگو قوم کے ایک شخص نے جاری کیا تھا جس کا نام صمدو تھا' لیکن وہ عام طور پر سامری کے نام سے مشہور تھا۔ وہ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوا۔ اگرچہ پہلے وہ بت پرست تھا لیکن اپنی فوجی ملازمت کے دوران میں مسلمان ہو گیا اور اس نے سنی گیمبا کے جنوبی علاقے میں ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کو دریائے نائجر اور اس کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ ایک مقامی تاریخ نگار نے اس کے حالات زندگی عربی میں قلمبند کیے ہیں اور اس کے کارناموں کے متعلق چند ایک دلچسپ تفصیلات بیان کی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''یہ منڈنگو قوم کے ایک شخص امام احمد صمدو کے جہاد کا بیان ہے۔ جب سے اس نے بت پرست قوموں کے ہاں جانا شروع کیا ہے، جو سمندر اور وسولو کے علاقے کے درمیان رہتی ہیں، اور جب سے اس نے ان کو خدا کے دین یعنی اسلام کی پیروی کی دعوت دی ہے، خدا کی توفیق اس کے شامل حال رہی ہے۔ امام صمدو نے سب سے پہلے شہر فولندیہ کا قصد کیا اور کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہوئے اس نے اپنے قاصد اس شہر کے بادشاہ کی طرف روانہ کیے جس کا نام سندیدو تھا۔ اس سے کہا کہ وہ اس کی حکومت کی اطاعت قبول کرے اور بتوں کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے جو بزرگ و برتر ہے اور جس کی اطاعت کرنا اس کے بندوں کے لیے اس دنیا میں اور آخرت میں دونوں جگہ مفید ہے۔ لیکن فولندیہ کے بت پرستوں نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس پر صمدو نے قرآن کے حکم کے مطابق ان پر جزیہ مقرر کیا، لیکن بت پرستوں نے اپنی جہالت اور نادانی پر اصرار کیا۔ اس پر امام نے پانچ سو بہادر اور دلیر آدمیوں کا مختصر سا لشکر جہاد کے لیے جمع کیا اور شہر پر چڑھائی کر دی۔ خدا نے بت پرستوں کے خلاف اس کی مدد کی اور اس کو فتح دی۔ امام نے اپنے سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ وہ آخرکار مطیع ہو گئے۔ اب وہ بت پرستی کی طرف واپس نہیں جائیں گے، کیونکہ ان کے تمام بچے اب مکتبوں میں قرآن پڑھتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں۔ والحمد لله علیٰ ذلك۔''

صمدو کی فتوحات کے دوران میں لوگوں کا قتل عام ہوا اور بڑی تباہی پھیلی، لیکن ان فتوحات کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں ہے۔ ۱۸۸۱ء کے قریب اس کی صولت وسطوت اپنے بام عروج پر پہنچ چکی تھی، لیکن اس کے بعد جلد ہی فرانسیسیوں کے ساتھ اس کا تصادم ہو گیا اور اہل فرانس نے اس کے خلاف مسلسل لشکر کشی کر کے اس کو بہت نقصان پہنچایا۔ آخرکار اسے ۱۸۹۸ء میں گرفتار کر لیا گیا اور وہ ۱۹۰۰ء میں انتقال کر گیا۔ اگرچہ اس کی فتوحات کے دوران میں اس کی بے رحم فوج کے ہاتھوں بہت سے بت پرستوں کا قتل عام ہوا اور باقی لوگوں نے خوف کے مارے برائے نام اسلام قبول کر لیا، تاہم حاجی عمر کی طرح اس کے مقاصد مذہبی نہ تھے اور تبلیغ کا کام قادریہ سلسلے

Marfat.com

کے پاس رہا۔ کہا جاتا ہے کہ قادریہ نے اپنی قدیمی رواداری اور بردباری سے کام لے کر اس کے وحشیانہ طرز عمل کے اثرات بد کو بہت حد تک دور کیا۔ انہوں نے مفتوحہ شہروں میں مدرسے اور مکتب جاری کیے اور وہاں اپنے طریقے کے نظام کو قائم کیا اور نومسلموں کی تعلیم وتلقین کے علاوہ دیگر لوگوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی۔

اسلامی تبلیغ کی ان مجاہدانہ تحریکوں کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان ملکوں میں اسلام نے جو ترقی کی ہے اس میں فوجی مہموں اور ملکی فتوحات کو بہت کم دخل رہا ہے۔ کیونکہ حاجی عمر کی سلطنت کی حدود سے باہر جبری تبلیغ کے واقعات لوگوں کے ذہنوں سے فراموش ہو چکے ہیں، اور اس کی فتوحات کی عارضی شان و شوکت اور اس کی فوجوں کے جوش وخروش کے باوجود اس کی جبری تبلیغ کے بہت کم آثار باقی ہیں۔ مغربی افریقہ کی اسلامی تاریخ میں ان تحریکوں کی حقیقی اہمیت اس بناء پر ہے کہ ان سے لوگوں میں وہ مذہبی جوش وجذبہ پیدا ہوا جو بعد ازاں بت پرست قوموں میں پرامن تبلیغ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسلام کی موجودہ بیداری میں یہ جہاد محض اتفاقی اور ناگہانی حیثیت رکھتے ہیں اور جن ذرائع ووسائل سے افریقہ میں اسلام پھیلا ہے، ان کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں۔ اگر ان کے بعد مسلمان مبلغوں کی پرامن کوششیں جاری نہ رہتیں تو افریقہ کی سرزمین میں سچے مسلمانوں کی جماعت کبھی وجود میں نہ آسکتی۔ درحقیقت ان تباہ کن جنگوں اور حاجی عمر اور سامری جیسے فاتحین کی سختی اور بے رحمی سے اور خصوصاً تجانیہ طریقے کے مبلغوں کی وجہ سے دریائے سینگال اور نائجر کے علاقوں کی بت پرست قوموں میں اسلام کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ اس نے ان کے ہاں ایک قومی تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے، لیکن اس کے باوجود اسلامی تبلیغ سے گنی اور سنی گیمبا کے بہت سے حصوں میں اسلام پھیل چکا ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں فلبے اور ہوسا قوموں کے مسلمان تاجر بکثرت جاتے ہیں (۶) اور لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ بہت سے لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں قادریہ سلسلے کے مبلغوں اور مسلمان تاجروں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب سے ملک میں فرانسیسی تسلط کے بعد امن وامان قائم ہوا ہے، انہوں نے بہت سے نئے لوگوں کو مسلمان کیا ہے۔ فرانسیسی سوڈان میں اس پرامن تبلیغ کے لیے اس وجہ سے بھی آسانی پیدا ہوئی ہے کہ فرانسیسی حکام تعلیم یافتہ سوڈانیوں کی قدر کرتے ہیں اور یہ تمام لوگ مسلمان ہیں۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ بت پرست لوگوں کو ان کی توہمات اور ان کی رذیل عادات کے سبب سے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

سنوسی طریقہ:

اب ہم جس طریقے یا سلسلے کے تبلیغی کام کا ذکر کرتے ہیں، اس کو سینہ زوری یا جنگ وپیکار سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہا، بلکہ مذہب کی خدمت کے لیے اس نے صرف ترغیب اور پرامن ذرائع سے کام لیا ہے۔ ۱۸۳۷ء

Marfat.com

میں الجزائر کے ایک فقیہ نے، جس کا نام محمد بن علی السنوسی تھا' ایک مذہبی انجمن یا جماعت کی بنا ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ شیخ سنوسی اپنے انتقال (۱۸۵۹ء) سے پہلے محض اپنی لیاقت سے اور بغیر کسی خونریزی کے ایک دینی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے پیرو اس سلطنت کے مخلص وفادار ہیں اور اس کے جانشین اس سلطنت کی حدود کو روز بروز وسیع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کے مرید قواعد کے سخت پابند ہیں اور ان پر فرض ہے کہ وہ قرآن کے احکام کی توحید کے اصولوں کے مطابق پیروی کریں۔ اصول توحید کا اقتضا یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ چنانچہ سنوسیہ کے ہاں اولیاء سے دعائیں مانگنا اور ان کے مزاروں پر حاضری دینا قطعاً ممنوع ہے۔ ان کو حکم ہے کہ قہوہ اور تمباکو سے پرہیز کریں اور یہودیوں اور عیسائیوں سے کسی طرح کی رسم وراہ پیدا نہ کریں۔ اگر وہ اپنے آپ کو طریقے کی خدمت کے لیے کلی طور پر وقف نہ کر سکیں تو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ طریقے کو دیں۔ ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی تمام قوت اور ہمت کو اسلام کی ترقی کے لیے صرف کریں اور ہر حالت میں یورپی اثرات کی مزاحمت کریں۔ یہ فرقہ تمام شمالی افریقہ میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے زاویے یعنی خانقاہیں ہر جگہ مصر سے لے کر مراکش تک بلکہ اندرون ملک میں صحرا اور سوڈان کے نخلستانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

جغبوب کا سنوسی مرکز:

اس سنوسی تنظیم کا مرکز جغبوب کے نخلستان میں ہے (۷) جو صحرائے لیبیا میں مصر اور طرابلس کے درمیان واقع ہے۔ یہاں ہر سال سینکڑوں مبلغوں کی تربیت کی جاتی ہے اور پھر ان کو شمالی افریقہ کے تمام حصوں میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ سنوسیہ کی تمام شاخیں، جن کی تعداد ایک سو اکیس بیان کی جاتی ہے، جغبوب کے مرکزی زاویے سے اپنے طریقے کے انتظام اور اس کی توسیع کے بارے میں ہدایات حاصل کرتی ہیں۔ سنوسیوں کی اس حیرت انگیز تنظیم میں مختلف قوموں اور نسلوں کے ہزاروں افراد شریک ہیں، جن کے وطن اور دنیوی مشاغل ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ اس سلسلے کے مبلغوں نے بے اندازہ کامیابی حاصل کی ہے، چنانچہ ان کے زاویے نہ صرف تمام شمالی افریقہ میں مصر سے لے کر مراکو تک اور سوڈان' سنی گیمبیا اور سومالیہ (سومالی لینڈ) میں پائے جاتے ہیں بلکہ اس طریقے کے ارادت مند بلاد عرب، الجزیرہ اور ملایا کے جزائر میں بھی موجود ہیں۔

سنوسیہ کی تبلیغی کوششیں:

اگرچہ سنوسی طریقہ دراصل ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصد اولین مسلمانوں کی اصلاح تھی، لیکن یہ

Marfat.com

لوگ عملی طور پر اسلام کی اشاعت میں بھی مصروف ہیں۔ چنانچہ افریقہ کے کئی قبیلے، جو پہلے بت پرست یا برائے نام مسلمان تھے، سنوسی مبلغین کی آمد کے بعد اسلام کے پرجوش حلقہ بگوش بن گئے ہیں۔ مثلاً ان مبلغوں نے کوشش کی ہے کہ بائلی قوم کے اس حصے کو مسلمان کر لیں جو ابھی تک بتوں کو پوجتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس قبیلے کے باقی ماندہ افراد میں بھی اپنے جیسا مذہبی جوش و خروش پیدا کر دیا ہے، حالانکہ اس سے پیشتر یہ لوگ برائے نام مسلمان تھے اور دین اسلام کا محض سطحی علم رکھتے تھے۔ (بائلی ایک قبیلہ ہے جو بورکو کے مشرق میں اینڈی کے پہاڑی علاقے میں رہتا ہے)۔ اسی طرح صحرا میں فزان کے جنوب میں تبیستی کی رہنے والی تیدا قوم کے لوگ، جو سنوسی مبلغوں کے آنے سے پہلے برائے نام مسلمان تھے، پکے اور متشرع مسلمان بن گئے ہیں اور سنوسی مبلغوں کی کامیاب تبلیغ کا ثبوت ہیں۔ اس فرقے کے مبلغ گالا کے ملک میں بھی زور و شور سے تبلیغ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہر سال ہرر سے تازہ واعظ روانہ کیے جاتے ہیں۔ ہرر میں سنوسیوں کو بڑا اثر و رسوخ حاصل ہے۔ امیر کے دربار میں جتنے سردار ہیں، وہ سب سنوسی کے ارادت مند ہیں۔ اپنی تبلیغ کو کامیاب بنانے کے لیے سنوسی مبلغ مدرسے کھولتے ہیں، صحرا کے نخلستانوں میں بستیاں بساتے ہیں اور خاص کر ودائی کے علاقے میں انہوں نے غلام خرید کر اپنی تعداد میں خاصا اضافہ کر لیا ہے۔ وہ جغبوب کے زاویے میں ان کی تربیت کرتے ہیں اور جب وہ سنوسی عقائد میں خوب پختہ ہو جاتے ہیں تو ان کو آزاد کر کے اپنے وطن میں واپس بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے ابنائے وطن کو بھی مسلمان کریں۔

نیگرو مسلمانوں کی اخلاقی برتری:

سوڈان کی بت پرست قوموں میں تبلیغ اسلام کے مذکورہ بالا حالات و واقعات اگرچہ قلیل ہیں تاہم وہ اس لحاظ سے اہم ہیں کہ افریقہ کے اس حصے میں اشاعت اسلام کے بارے میں معلومات کا قحط ہے۔ اگرچہ تاریخی شہادت مفقود ہے لیکن بت پرستوں کے درمیان مسلمانوں کی جو جماعتیں بستی ہیں وہ ایک اعلیٰ مذہب اور ارفع تہذیب کی نمائندہ ہیں اور مسلمان مبلغوں کی کوششوں کا زندہ ثبوت ہیں۔ وہ ان بت پرست قبیلوں سے نمایاں طور پر مختلف اور متفاوت نظر آتے ہیں جن کے اخلاق کو یورپی قوموں کی شراب فروشی نے تباہ کر دیا ہے۔ زمانۂ حال کے ایک سیاح (جوزف ٹامسن) نے اس تفاوت کی خوب وضاحت کی ہے، چنانچہ وہ زیریں نائجر کے قبیلوں کی رذالت اور پستی کا یوں ذکر کرتا ہے: ''دریائے نائجر میں جب ہمارا دخانی جہاز چڑھاؤ پر جا رہا تھا، تو پہلے دو سو میل تک مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے میرے خیالات میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا ہو، کیونکہ اس علاقے میں بت پرستی کے ساتھ ساتھ مردم خواری اور شراب فروشی خوب رونق پر تھی۔ لیکن جب ساحل کا نشیبی علاقہ پیچھے رہ

Marfat.com

گیا اور میں وسطی سوڈان کی جنوبی سرحد کے قریب پہنچا تو مجھے دیسی باشندوں کے اخلاق اور شکل وصورت میں روز افزوں بہتری نظر آئی۔ مردم خواری کے ساتھ بت پرستی بھی رخصت ہوگئی اور شراب فروشی بھی بہت حد تک موقوف ہوگئی۔ اس کے علاوہ لوگوں کے بدن پر شائستہ لباس نظر آنے لگا، صفائی اور پاکیزگی ان کا معمول تھا اور ان کی رفتار و گفتار کی متانت بھی ان کی روحانی بیداری کا پتا دیتی تھی۔ غرض کہ ہر ایک چیز سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی اعلیٰ عنصر نے ان میں تاثیر کی ہے، ایک ایسا عنصر جس نے نیگرو قوم کے دل و دماغ پر زبردست گرفت کی ہے اور اس کی قلبِ ماہیت کر کے اس کو ایک نئی قوم بنا دیا ہے۔ آپ کو شاید یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ عنصر اسلام ہے۔ جب میں وسطی سوڈان میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کی سلطنت کا انتظام نسبتاً بہتر ہے۔ ملک خوب آباد ہے اور وہاں کے تاجر بہت ہوشیار ہیں۔ ان کے ہنرمند کاریگر عمدہ کپڑا بنتے ہیں اور پیتل اور چمڑے کی اعلیٰ چیزیں بناتے ہیں۔ غرض کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو تہذیب اور شائستگی کے میدان میں بہت ترقی کر چکی ہے۔''

بلاد السودان میں مسلمان مبلغوں کی کارگزاری کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے اس بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ افریقہ کے ساحل پر اور سوڈان کے اسلامی علاقے کی جنوبی سرحد کے ساتھ ساتھ اگرچہ مسلمان مبلغ اپنے مذہب کی اشاعت کر رہا ہے، لیکن اس کی پشت کی جانب اندرون ملک میں ایک بڑا وسیع علاقہ ایسا موجود ہے جہاں ابھی تک تبلیغ اسلام کی ضرورت باقی ہے۔ مثلاً فونج قوم، جو سنار کے سیاہ فام لوگوں کی ایک سرکردہ قوم ہے، اس کے بعض طبقے ایسے ہیں کہ ان کے بعض لوگ مسلمان ہیں اور بعض بت پرست اور نوبہ کے مسلمان تاجران کو مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسی طرح جلکم کا قبیلہ بھی ابھی تک بت پرست ہے۔ کسی زمانے میں ان لوگوں کی ایک زبردست سلطنت تھی جو فلبے قوم کے عروج سے ملیامیٹ ہوگئی، لیکن انہوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا مقابلہ کیا ہے۔ اگرچہ ان کے بادشاہ کا وزیر امور خارجہ ہمیشہ سے مسلمان رہا ہے اور ہوسا اور دیگر اقوام کے مسلمان ان کے درمیان آباد ہیں، لیکن یہ مسلمان آباد کار جلکم قوم کو مسلمان کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے، کیونکہ اس قوم کے لوگ اپنی گذشتہ عظمت کی بناء پر اپنے قومی مذہب کے ساتھ وابستہ ہیں، اور اپنے بادشاہ کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں۔

اسی طرح سوڈان اور سنی گیمبیا کی آبادی کے بعض حصے ایسے ہیں جو ابھی تک بت پرستوں کی عادات و عقائد کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، یا ان پر اسلامی دستور کی محض ایک ہلکی سی تہ چڑھی ہوئی ہے، اگرچہ ان کے چاروں طرف صدیوں سے مسلمان آباد چلے آ رہے ہیں۔ کنوہ قوم کے لوگ جو قبیلہ منڈنگو کی ایک شاخ سے ہیں، ابھی تک اکثر بت پرست ہیں اور ابھی چند سال کی بات ہے کہ ان کے ہاں اسلام رواج پذیر ہوا ہے۔ اس وجہ

Marfat.com

سے انیسویں صدی میں ان ملکوں میں اسلام کے پر جوش مبلغوں کو اپنی تبلیغ کے لیے کہیں دور کے علاقے میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، کیونکہ ان کے لیے اپنے ہی ملک میں تبلیغ کے لیے کافی وسیع میدان موجود تھا۔ لہذا افریقہ میں اشاعت اسلام کی تاریخ کے سلسلے میں ایسی اسلامی تحریکوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جن سے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی بیداری مقصود تھی۔ اسی لیے ہم نے صفحات بالا میں ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔

افریقہ کا مغربی ساحل:

افریقہ کے مغربی ساحل پر مسلمان مبلغین کے لیے ایک اور میدانِ عمل کھلا ہے۔ اگر چہ یہاں اسلام گنی، سیر الیون اور لائبیریا کے علاقوں میں قدرے ترقی کر چکا ہے، لیکن اسے ایک ایسی کثیر آبادی کا سامنا ہے جو ابھی تک بت پرست ہے۔

سیر الیون کے قرب وجوار میں تبلیغ اسلام کی ایک ابتدائی کوشش کا ذکر ایک عرضداشت میں آیا ہے جو سیر الیون کمپنی کو توڑنے کے لیے پیش کی گئی تھی اور جس کی طباعت کا حکم برطانیہ کے دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) نے ۲۵ مئی ۱۸۰۲ء کو صادر کیا تھا۔ اس درخواست کا مضمون حسب ذیل تھا: ''ستر سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا کہ سیر الیون کے شمال میں تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر ایک علاقے میں چند مسلمانوں کی ایک جماعت قائم ہوئی تھی۔ یہ علاقہ ان کے نام پر منڈنگو کا ملک کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اہل اسلام کا دستور ہے، انہوں نے یہاں مدرسے جاری کیے جن میں عربی زبان اور اسلامی عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے رسوم وعادات اختیار کیے، جن میں سے ایک خاص دستور یہ تھا کہ اپنے ہم مذہب لوگوں میں سے کسی شخص کو بطور غلام فروخت نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ایسے قوانین کو نافذ کیا گیا ہے جن کی بنیاد قرآن پر ہے۔ چنانچہ اُن تمام دستوروں کا قلع قمع کر دیا گیا ہے جن سے ملک ویران اور غیر آباد ہو رہا تھا۔ بہت سے اندرونی ہنگاموں کے باوجود ملک میں پہلے زمانے کی بہ نسبت شائستگی، اتفاق واتحاد اور امن وامان کی فضا پیدا ہوگئی ہے، لہذا وہاں کی آبادی بہت جلد بڑھی ہے۔ جس علاقے میں وہ آباد ہیں، وہاں کا سارا اقتدار بتدریج ان کے ہاتھ میں مستقل ہو چکا ہے۔ جن اشخاص نے ان کے مدرسوں میں تعلیم پائی ہے وہ ہمسایہ ملکوں میں ثروت اور اقتدار حاصل کر رہے ہیں اور وہاں اپنے دین اور قوانین کو رواج دے رہے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے سردار بھی مسلمانوں کے سے نام اختیار کر رہے ہیں، کیونکہ یہ نام باوقار سمجھے جاتے ہیں۔ گمانِ غالب ہے کہ اسلام پر امن طریقے سے اس تمام علاقے میں پھیل جائے گا جہاں ان لوگوں کی نوآبادی قائم ہے۔ اس کی اشاعت کے ساتھ نومسلموں کو وہ تمام فوائد حاصل ہوں گے جو نیگرو قوم کے توہمات پر غالب آنے سے ہمیشہ مترتب ہوتے ہیں۔''

Marfat.com

اسلام مینڈی کے علاقے میں، جو سیرالیون کی جنوبی سمت میں تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر واقع ہے، صرف انیسویں صدی میں رواج پذیر ہوا تھا اور اب برابر ترقی کر رہا ہے۔ ''تبلیغ کا کام مبلغوں یا معلموں کی کوئی خاص جماعت انجام نہیں دے رہی ہے بلکہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا ایک مستعد مبلغ ہے۔ جب کبھی پانچ چھ مسلمان کسی شہر میں جمع ہوتے ہیں اور کچھ عرصے کے لیے وہاں سکونت کا ارادہ کرتے ہیں، تو وہاں فوراً ایک مسجد تیار کر لیتے ہیں اور تبلیغ کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ حاکمِ شہر کے پاس پہنچتے ہیں اور اس سے اپنی مجوزہ تبلیغ کے لیے اجازت حاصل کرتے ہیں۔ شاید اس سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ وہ ان کا پیرو بن جائے گا۔ وہ اسے عربی میں نماز سکھاتے ہیں یا اس کا جس قدر حصہ وہ ازبر کر سکتا ہے، اس کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ اس کو رکوع و سجود یعنی نماز ادا کرنے کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں اور مسکرات کے استعمال سے روکتے ہیں، اگرچہ وہ اس ممانعت کی کبھی پابندی کرتا ہے اور کبھی اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ ان چند باتوں کی تلقین کے بعد وہ شخص مسلمان سمجھا جاتا ہے۔''

گنی کے ساحل پر اسلام کی اشاعت زیادہ تر ہوسا قوم کے تاجروں کے ذریعے سے انجام پائی ہے جو اس ساحل کے تمام تجارتی شہروں میں پائے جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ کوئی بستی بساتے ہیں تو فوراً وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کر لیتے ہیں اور بت پرستوں کے دلوں پر اپنی پرہیزگاری اور ارفع تہذیب کا نقش بٹھا دیتے ہیں۔ چنانچہ بت پرستوں کے قبیلے مسلمان ہو رہے ہیں، کیونکہ وہ اسلامی تہذیب کو اپنی طرزِ زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ و ارفع سمجھتے ہیں، اس لیے اُن کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اشانتی میں اسلام کی اشاعت:

اشانتی میں ۱۷۵۰ء میں ہی سے مسلمانوں کی ایک جماعت کا وجود پایا گیا ہے اور اسی زمانے سے مسلمان مبلغ وہاں آہستگی لیکن ثابت قدمی کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ وہاں کے لوگ ان کا خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اُن کو حاکم کے دربار میں بھی خاصا اثر و رسوخ حاصل ہے۔ اسلامی مدارس کے ذریعے سے بت پرستوں کی نئی نسل کے دل و دماغ مسلمان مبلغوں کی گرفت میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس بات کی صریح علامات موجود ہیں کہ اسلام اشانتی میں غالب آ جائے گا، کیونکہ وہاں کے بہت سے سردار اسے قبول کر چکے ہیں۔

ڈاھومی:

ڈاھومی (۸) اور گولڈ کوسٹ میں اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اگر وہاں کے سردار خود اسلام قبول نہ

Marfat.com

بھی کریں، پھر بھی وہ اکثر اوقات مسلمان مبلغوں کے اثر میں آ جاتے ہیں۔ وہ مبلغ اس اثر سے عوام میں تبلیغ کرنے میں خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاہومی اور اشانتی افریقہ کے اس حصے کی بڑی اہم سلطنتیں ہیں، جو ابھی تک بت پرست حکام کے زیر نگین ہیں، لیکن ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا مسلمان ہونا صرف چند دن کی بات ہے۔

لاگوس (۹) کے شہر میں دس ہزار کے قریب مسلمان ہیں اور مغربی ساحل کے تجارتی شہروں میں متعدد مسلمان پائے جاتے ہیں جو فلبے، منڈنگو اور ہوسا کی اعلیٰ نیگرو قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب یہ لوگ ساحلی شہروں میں تجارت کے لیے آتے ہیں یا یورپی سلطنتوں کی سپاہ میں فوجیوں کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنی دلیری اور جوانمردی سے ساحل کے نیگرو لوگوں کو مرعوب کیے بغیر نہیں رہتے۔ بت پرست نیگرو دیکھتا ہے کہ گورنر، افسر اور تاجر سب لوگ ہر جگہ مسلمانوں کی عزت کرتے ہیں اور مسلمان لوگ نسل، لباس، عادات اور ظاہری شکل وصورت میں اُس سے اس قدر مختلف نہیں ہیں کہ وہ اُن کی برادری میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر وہ ان کا مذہب اختیار کر لے تو وہ بھی ان کے حقوق اور مراعات میں شریک ہو سکتا ہے۔ ایک بت پرست نیگرو، خواہ وہ کتنا ہی گمنام یا رذیل کیوں نہ ہو، جوں ہی اسلام قبول کرنے پر رضا مند ہوتا ہے تو مسلمان اس کو فوراً اپنی برادری میں شامل کر لیتے ہیں اور اس کو برابر کا درجہ دیتے ہیں۔ اسلامی برادری میں شریک ہونے کا جو حق ہے اس کے دینے میں کسی کو دریغ نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے پر جوش اور سرگرم مبلغ نومسلم کو یہ حق بخوشی پیش کرتے ہیں۔ دریائے سینگال کے دہانے سے لے کر لاگوس تک دو ہزار میل کی مسافت میں کوئی بڑا شہر ایسا نہیں ہے جس میں کم از کم ایک مسجد نہ ہو اور جہاں عیسائی مشنریوں کے دوش بدوش مسلمان مبلغین مصروفِ عمل نہ ہوں۔

مشرقی افریقہ میں اسلام کی اشاعت:

اب ہم مشرقی افریقہ میں اسلام کی اشاعت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کے باشندے اسلام کے مولد ومنشا (یعنی بلادِ عرب) کے زیادہ قریب ہیں۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر عربوں نے جو آبادیاں پہلے پہل قائم کی تھیں، ان کے متعلق ہمیں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ جب ۱۵۰۵ء میں (پرتگالی امیر البحر) دون فرانسسکو دا المائدہ نے کلوا کے شہر کو برباد کیا تو پرتگالیوں کو وہاں ایک عربی تاریخ ملی، جس میں لکھا تھا کہ اس ساحل پر سب سے پہلے عربوں کی ایک جماعت آباد ہوئی تھی جن کو اپنے وطن سے اس بناء پر جلاوطن کر دیا گیا تھا، کہ انہوں نے ایک شخص زید نامی کے ملحدانہ عقائد کی پیروی کی تھی۔ یہ شخص رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد میں سے تھا اور اس کے پیرو اُمت زیدیہ کہلاتے تھے۔ جس زید کا اس روایت میں ذکر آیا ہے وہ غالباً زید بن علی ہیں جو حضرت حسینؓ بن علیؓ کے پوتے تھے۔ خلیفہ ہشام اموی کے عہد میں انہوں نے امام مہدیؑ

Marfat.com

ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ جب انہوں نے اپنے طرف داروں کے ساتھ مل کر خروج کیا تو انہوں نے اموی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی اور ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں مارے گئے۔

شہر مقدشو کی تعمیر:

افریقہ کے مشرقی ساحل پر جو عرب پہلے پہل آباد ہوئے، وہ وہاں کے اصلی بت پرست باشندوں سے خائف رہتے تھے۔ تاہم وہ اپنی آبادیوں کو ساحل کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ عرب مہاجرین کی ایک اور جماعت خلیج فارس کے ایک مقام سے وارد ہوئی جو جزیرۂ بحرین کے قریب واقع تھا۔ یہ لوگ سات بھائیوں کی سرکردگی میں تین جہازوں میں سوار ہو کر آئے تھے، کیونکہ وہ الاحساء کے حاکم کے ظلم وستم سے بچنا چاہتے تھے، جس کی مملکت ان کے وطن سے متصل تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے مقدشو کا شہر تعمیر کیا جس کو بعد ازاں اتنا عروج حاصل ہوا کہ ساحل کے تمام عربوں پر اس کی حکومت قائم ہوگئی۔ جو عرب اس ساحل پر سب سے پہلے آباد ہوئے وہ شیعہ تھے، لیکن جو لوگ بعد میں وارد ہوئے وہ سنی تھے اور مقدشو کی حکومت میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے وہ ملک کے اندرونی حصوں میں چلے گئے۔ انہوں نے دیسی باشندوں کے ہاں شادیاں کرلیں اور اُن کے اوضاع واطوار اختیار کر لیے اور انھی میں بتدریج مدغم ہوگئے۔

شیرازیوں کی آمد:

مقدشو کا شہر، جو دسویں صدی عیسوی کے وسط میں آباد ہوا تھا، ستر برس تک بڑے عروج پر رہا، یہاں تک کہ خلیج فارس سے ایک اور جماعت وارد ہوئی اور اس نے مقدشو کے جنوب کی سمت میں ایک اور شہر بسا لیا جو مقدشو کا حریف ثابت ہوا۔ اس جماعت کا سردار علی تھا جو شیراز کے سلطان حسن کا بیٹا تھا۔ اس کے چھ بھائی اور تھے، لیکن چونکہ علی کی ماں حبشن تھی اس لیے اس کے بھائی اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب سلطان حسن کا انتقال ہو گیا اور علی کے بھائیوں نے اس سے بے رحمی کا سلوک کیا تو اس نے اپنا وطن چھوڑ کر کہیں اور آباد ہونے قصد کیا۔ چنانچہ وہ اپنے اہل وعیال اور چند مصاحبوں کے ساتھ جزیرۂ ہرمز سے روانہ ہوا اور مقدشو کو ایک طرف چھوڑ کر، جہاں کے باشندے مختلف مذہب رکھتے تھے، وہ جنوب کی طرف بڑھتا گیا، کیونکہ اس نے سنا تھا کہ زنجبار کے ساحل پر سونا دستیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اُس نے کلوا کا شہر آباد کیا تا کہ وہ ایک خود مختار حاکم کی حیثیت سے رہ سکے اور شمال کی عربوں کی دست اندازی سے بھی بچا رہے۔

غرض کہ اس طرح افریقہ کے مشرقی ساحل پر خلیج عدن سے لے کر خطِ جدی تک عربوں کے کئی شہر آباد ہو گئے۔ یہ شہر اس ملک کی سرحد پر واقع تھے جس کو قرونِ وسطیٰ کے عرب جغرافیہ نگاروں نے بلاد الزنج کہا ہے۔ ان

Marfat.com

زنگیوں کو مسلمان کرنے کے لیے عرب آبادکاروں نے جس قدر کوششیں کی ہوں گی، اُن کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ کتاب ''عجائب الہند'' میں، جو غالباً دسویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی تھی، ایک عجیب وغریب حکایت ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زنگی قبیلے کے بادشاہ نے خود اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ۹۲۲ء میں عربوں کا ایک تجارتی جہاز ایک طوفان میں راستے سے بھٹک گیا، اور وہ لوگ مردم خور زنگیوں کے ملک میں جا پہنچے، جہاں ان کو یقین ہو گیا کہ اب ہم کوئی دم میں لقمۂ اجل بننے والے ہیں۔ لیکن اس اندیشے کے برعکس وہاں کا بادشاہ ان سے بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اس نے ان کو کئی ماہ تک اپنا مہمان رکھا۔ ان تاجروں نے اپنا مال خوب نفع پر فروخت کیا لیکن انہوں نے بادشاہ کی مہربانی کے عوض بڑی دغابازی سے کام لیا۔ چنانچہ جب بادشاہ اُن کو رخصت کرنے کے لیے اپنے ملازموں اور مصاحبوں کے ساتھ ان کے جہاز میں آیا تو انہوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور عمان میں پہنچ کر ان کو غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ چند سال کے بعد یہی تاجر پھر طوفان میں گھر گئے اور اسی بندرگاہ میں پہنچ گئے۔ زنگیوں نے ان عرب تاجروں کو پہچان لیا اور کشتیوں میں سوار ہو کر ان کے جہاز کو گھیر لیا۔ عربوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہمارا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ وہ توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے۔ زنگی اُن کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے سامنے لے گئے، عربوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی اور پریشانی ہوئی کہ بادشاہ وہی شخص ہے جس کے ساتھ چند سال پہلے انہوں نے شرمناک دغابازی کی تھی۔ ان کی غداری کا انتقام لینے کی بجائے بادشاہ نے ان کی جان بخش دی اور ان کو اپنا مال فروخت کرنے کی اجازت دے دی، لیکن ان کے قیمتی تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رخصت ہونے سے پہلے ایک عرب تاجر نے جرأت سے کام لے کر بادشاہ سے پوچھا کہ وہ غلامی سے کیوں کر آزاد ہوا۔ اس کے جواب میں بادشاہ نے بیان کیا کہ لوگ اس کو غلام بنا کر بصرہ لے گئے تھے اور اس کے بعد بغداد، جہاں اس کو مسلمان کر لیا گیا اور اسلام کی تلقین کی گئی۔ بغداد میں اپنے آقا سے بھاگ کر وہ حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ ہو گیا جو مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ حج کے مناسک سے فارغ ہونے کے بعد وہ قاہرہ میں آیا اور وہاں سے دریائے نیل کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے اپنے وطن کا قصد کیا۔ اس سفر میں اس کو بہت سے خطرات اور مصائب کا سامنا ہوا اور کئی دفعہ اس کو غلام بنایا گیا، لیکن آخر کار وہ اپنے وطن میں آ پہنچا۔ جب اس کو اپنی مملکت دوبارہ مل گئی تو اس نے اپنی رعایا کو دینِ اسلام کی تلقین کی اور کہا کہ ''اب مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ خدا نے مجھ کو اور میری قوم کو اسلام کا علم بخشا ہے جو دین برحق ہے۔ زنج کے ملک میں کسی اور کو یہ نعمت نہیں ملی۔ چونکہ تم لوگ میرے قبولِ اسلام کا باعث ہوئے ہو اس لیے میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ جاؤ اور مسلمانوں کو بتلاؤ کہ وہ ہمارے ملک میں آ سکتے ہیں اور ہم، جو ان کی مثل مسلمان ہیں، ان سے بھائیوں کی طرح ملیں گے۔''

اسی کتاب 'عجائب الہند' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں بھی بہت سے عرب تاجر ساحلی

Marfat.com

علاقوں میں آمد و رفت رکھتے تھے (۱۰)۔ لیکن باوجود اس صدہا سال کی آمد و رفت کے ساحل کی دیسی قوموں پر، سوائے سومالی قوم کے، اسلام کا بہت کم اثر ہوا ہے۔ سولھویں صدی کی پرتگالی فتوحات سے پہلے جو چند زنگی لوگ مسلمان ہوئے، وہ ساحل تک محدود تھے۔ ان علاقوں میں پرتگالی حکومت کے زوال کے بعد جب ساداتِ عمان کے عہد میں عربوں کا تسلط دوبارہ قائم ہوا تو گالا اور سومالی قوموں کے سوائے اندرونِ ملک کی دیگر اقوام میں اشاعت اسلام کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ چنانچہ زمانہ حال کے ایک سیاح نے لکھا ہے کہ ''وسطی افریقہ کے مشرقی حصے میں مجھے تین مرتبہ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے، لیکن اس دوران میں مجھے کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ اسلام تہذیب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اسلام میں جو کچھ قوتیں اور قابلیتیں ہوں، مشرقی افریقہ میں وہ مخفی اور مستور ہیں، اور ان علاقوں میں عربوں نے یا ان کے اخلاف نے اسلام کی اشاعت نہیں کی۔ چنانچہ اسلام کی تلقین کے لیے کوئی مبلغ موجود نہ تھا اور مسقط کے عرب اسی بات کو غنیمت سمجھتے تھے کہ اُن کے غلام ایک حد تک احکامِ اسلام کے پابند رہیں۔ عربوں نے مشرقی افریقہ کی بت پرست قوموں سے کچھ سروکار نہ رکھا، اور یہ قومیں اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے گمراہی میں بدستور مبتلا رہیں۔ اُن میں تہذیب و ثقافت سے مستفید ہونے کی مطلق صلاحیت نہ تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ پانچ سو سال تک مسلمانوں کی نیم شائستہ قوموں کے ساتھ ان کا میل ملاپ رہا، لیکن اس کے باوجود ان میں ان اعلیٰ صفات کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیدا نہ ہو سکی جو ان کے ہمسایوں میں موجود تھیں۔ ان صدہا سالوں میں نیکی کا ایک تخم بھی ایسا نہ پھوٹا جو بڑا ہو کر پروان چڑھتا۔'' مشرقی افریقہ کے عربوں کو سوداگری اور غلاموں کی تجارت میں ایسا گہرا انہماک رہا ہے کہ اُنھوں نے اپنے مذہب کی ترقی کے لیے کسی شوق کا اظہار نہیں کیا۔ اُن کی یہ سرد مہری اُس جوش و خروش کے بالکل برعکس ہے جو ان کے ہم مذہبوں نے افریقہ کے دوسرے حصوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے دکھایا۔

یوگنڈا میں اسلام کی اشاعت:

لیکن اس سے وہ عرب تاجر مستثنیٰ ہیں جو اُنیسویں صدی کے نصف اول میں یوگنڈا کے ملک میں پہنچے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بگنڈا قوم کے لوگ بڑے جواں مرد اور آزاد طبع ہیں اور ان کو پکڑ کر غلام بنانا ناممکن ہے۔ اس لیے عربوں نے یہ کوشش کی کہ ان کو مسلمان کر کے ان کا اعتماد حاصل کریں۔ چنانچہ شاہ موتیسا کے عہد میں بگنڈا قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، لیکن جب سٹینلے نے ۱۸۷۵ء میں اس بادشاہ سے ملاقات کی اور اگلے سال عیسائی مشنری بھی اس کے ملک میں جا پہنچے، تو اس سے مسلمانوں کی طاقت میں انحطاط آ گیا۔ عیسائیوں کی تعداد جلد جلد بڑھنے لگی اور یوگنڈا کا ملک برطانیہ کے ممالکِ محروسہ میں شامل کر لیا گیا (۱۱)۔ لیکن چند مسلمان ابھی

Marfat.com

تک یوگنڈا کے اہم عہدوں پر فائز ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے مشرقی علاقے کے مسلمان ہونے کا امکان موجود ہے۔ یوگنڈا کے شمال میں بوسوگا کا خوش حال خطہ اس کا باج گزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں وہاں کے بہت سے حکام مسلمان تھے، لیکن اُنیسویں صدی کے نصف ثانی تک اسلام وسطی افریقہ کے مشرقی حصے میں یوگنڈا کو چھوڑ کر صرف ساحلی علاقوں اور اُن کے متصلہ خطوں تک محدود رہا ہے۔ اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بت پرست قبیلوں میں اسلام کی اشاعت اُن عربوں کے مفاد کے منافی تھی جو غلاموں کی تجارت کرتے تھے، کیونکہ جب بت پرست قبیلے اسلام قبول کر کے ایک مرتبہ اسلامی برادری میں شامل ہو جاتے تو عرب تاجر اُن پر غارت گری نہیں کر سکتے تھے اور ان کو غلام نہیں بنا سکتے تھے۔

جب وسطی افریقہ میں یورپی سلطنتوں نے اپنے دائرۂ حکومت کو وسیع کیا اور غلاموں کی تجارت کو بند کر دیا تو اس سے مسلمان مبلغوں کے کام میں حیرت انگیز وسعت آ گئی۔ اندرون ملک میں امن وامان قائم ہوا اور ریل کی پٹڑیاں اور شاہراہیں تعمیر ہوئیں۔ چنانچہ مسلمان تاجر اب امن وامان کے ساتھ ایسے اندرونی علاقوں میں جانے لگے جن کے دروازے اُن کے لیے آج تک مسدود تھے۔ حکام اپنے اہل کار اور ملازم آبادی کے تعلیم یافتہ اور شائستہ طبقے سے انتخاب کرتے تھے۔ چنانچہ مشرقی افریقہ کی جرمن حکومت نے مسلمان افسروں کو ہزاروں عہدے دیے، جن کے اثر ورسوخ سے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح سرکاری مدارس کے استاد بھی مسلمان تھے۔ چنانچہ سواحلی قوم کے مسلمان مدرس بندوئی اور وادیگو کے باشندوں میں کامیابی سے تبلیغ کرتے رہے، جو ساحل سے قدرے فاصلے پر اندرون ملک میں آباد تھے۔ لیکن یہ جدید تبلیغی تحریک بیسویں صدی کے اوائل میں خصوصاً جرمن مشرقی افریقہ کی ۱۹۰۵ء والی بغاوت کے بعد خاص طور پر نمایاں ہوئی ہے۔ یہ تحریک خاص طور پر ریل کی پٹڑیوں اور تجارتی شاہراہوں کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے اور جرمن مشرقی افریقہ کے تمام علاقے کو طے کرتی ہوئی اس کی مغربی سرحد پر جھیل ٹانگانیکا کے کناروں تک جا پہنچی ہے۔ شمال کی سمت میں کلیمن جارو کے ضلع تک اور جنوب میں جھیل نیاسا تک پھیل چکی ہے۔ اس تحریک کے چلانے والے بیشتر تاجر ہیں، خصوصاً سواحلی قوم کے سوداگر جو ساحلی علاقوں سے آتے ہیں۔ ان کے علاوہ فوج کے سپاہی اور سرکاری اہل کار بھی اس تبلیغ میں حصہ لے رہے ہیں۔

جب کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو یہ قبولِ اسلام گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس نے ایک اعلیٰ تہذیب اور بلند تر معاشرتی درجے پر ترقی پائی ہے۔ چونکہ مسلمان لوگ بت پرستوں کی ہنسی اڑاتے ہیں، اس سے بھی اُن کو اسلام اختیار کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ اس کی ایک مثال ہمیں مغربی اوسمبارا میں ملتی ہے جس کے دروازے ۱۸۹۱ء تک اسلام کے لیے بند تھے۔ وہاں کے سردار اور عوام دونوں مسلمانوں کے مخالف تھے، کیونکہ

Marfat.com

غلاموں کی تجارت کی وجہ سے وہ اُن سے نفرت کرتے تھے اور ان سے خوف بھی کھاتے تھے۔ لیکن جب اس تجارت کے دن بیت گئے اور ملک میں ایک با قاعدہ حکومت کا نظام قائم ہو گیا تو سب سے پہلے جو دیسی افسر اور اہلِ کار مقرر ہوئے، وہ تقریباً سب مسلمان تھے۔ انہوں نے سرداروں اور دوسرے سرکردہ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ جو لوگ سرکاری حلقوں میں آمد و رفت رکھتے ہیں، اُن کے لیے مسلمان ہونا مناسب ہے۔ اس طریقے سے انہوں نے بہت سے سرداروں کو مسلمان کر لیا۔ پھر ان نو مسلم سرداروں نے اپنے سے کم تر درجے کے سرداروں کو بھی اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔

پیشہ ور مبلّغوں، مذہبی طریقوں اور سلسلوں کی کارگزاری کا بہت کم پتا چلتا ہے، لیکن اس کے ساتھ با قاعدہ تبلیغ کی شہادت بھی موجود ہے۔ مثلاً ایک مسلمان واعظ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ کلمین جارو کے ایک ضلع میں پانچ مہینے تک ہر ہفتے با قاعدگی کے ساتھ جاتا رہا اور اسلام کا وعظ کہتا رہا۔ وہاں کے لوگ اس کے پند و نصیحت کا خیر مقدم کرتے تھے اور وہ بھی چاول وغیرہ سے اُن کی ضیافت کرتا تھا۔ اس پر جوش تبلیغ کے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ مبلّغین اسلام اپنی توجہ صرف بت پرستوں تک محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ دیسی عیسائیوں کو بھی مسلمان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

نیا سالینڈ میں اسلام کی اشاعت:

نیا سالینڈ میں بھی اسلام کی اشاعت مشرقی ساحل ہی کی جانب سے ہوئی تھی۔ اس کی اشاعت اُن عربوں کے ذریعے سے ہوئی تھی جو غلام پکڑنے کے لیے اس ملک میں غارت گری کیا کرتے تھے۔ اس اشاعت میں ان کے ہمراہ ان کے حلیف یاؤ قوم کے لوگ بھی شریک تھے، جن کے اسلاف مشرقی ساحل سے آئے تھے اور جو مدت دراز سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ اب نیا سالینڈ میں مشکل ہی سے کوئی عرب نظر آتا ہے، لیکن یاؤ قوم کا نیا سالینڈ کے نہایت طاقت ور قبائل میں شمار ہوتا ہے اور وہ اسلام کو اپنا قومی مذہب سمجھتے ہیں۔ اگرچہ تبلیغ اسلام کا کوئی با قاعدہ انتظام نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بیسویں صدی کے پہلے دس سالوں میں اسلام اس خطے میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلا ہے۔ یہاں کے چند نہایت ہوشیار اور ذی شعور قبائل نے اسے قبول کر لیا ہے۔

گالا قوم میں اسلام کی اشاعت:

گالا اور سومالی قوموں میں بھی اسلام نے اسی قسم کی کامیابی حاصل کی ہے۔ گالا قوم کے لوگوں نے حبشہ کے ملک میں جو بستیاں بسائی تھیں، اُن کا ذکر اس سے پہلے باب چہارم میں آ چکا ہے۔ یہ لوگ جو سات بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں اور والو گالا کہلاتے ہیں، حبشہ میں داخل ہوتے وقت غالباً سب کے سب بت پرست تھے،

Marfat.com

جیسا کہ اُس قوم کا ایک بڑا حصہ اب بھی بت پرست ہے۔ حبشہ میں آباد ہونے کے بعد وہ گویا اسی ملک کے باشندے ہو گئے۔ اکثر لوگوں نے وہاں کی زبان کے علاوہ وہاں کے اصلی باشندوں کے عادات واطوار بھی اختیار کر لئے۔

گالا قوم نے اسلام کیسے قبول کیا؟ اس کی کیفیت تاریکی کے پردے میں مستور ہے۔ ان کے بعض قبیلوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو عیسائیت کے دائرے میں زبردستی داخل کیا گیا تھا، لیکن چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ سیاسی اقتدار سے خالی تھے اس لیے مسلمان قبیلوں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جبراً مسلمان کیے گئے تھے۔ اٹھارویں صدی میں ان کے جو قبیلے جنوب میں آباد تھے، وہ بیشتر مسلمان تھے اور جو قبیلے مشرق اور مغرب کے اطراف میں رہتے تھے وہ اکثر بت پرست تھے۔ اُن کے بارے میں جو معلومات ہمیں حال ہی میں حاصل ہوئی ہیں، اُن سے پتا چلتا ہے کہ اہل اسلام کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں منسنگر نے پیش گوئی کی تھی کہ تھوڑے ہی عرصے میں گالا کے تمام قبیلے مسلمان ہو جائیں گے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ''بہت متعصب تھے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ مذہب کی پابندی میں سست اور بے پروا نہیں تھے (۱۲)۔

گالا قوم کے ایک آزاد شدہ غلام سے خیبر کے مقام میں ڈاوٹی کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقع پر اس نے جس مذہبی جوش و جذبہ کا اظہار کیا، وہ یقیناً حیرت انگیز ہے۔ جب وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ لوگ اس کو اپنے وطن سے پکڑ کر لے آئے تھے اور اسے جدّہ میں لا کر بطورِ غلام فروخت کر ڈالا تھا۔ ڈاوٹی نے اس سے پوچھا کہ جن لوگوں نے تمہیں اپنے وطن سے چرا کر دیارِ غیر میں غلام بنا کر بیچ ڈالا تھا، کیا تم دل میں ان کے خلاف غیض وغضب محسوس نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا کہ ''ایک بات ہے جس نے میرے لیے ان سب باتوں کی تلافی کر دی ہے، وہ یہ ہے کہ میں دوسرے بت پرستوں کی طرح جہالت کی ظلمت میں مبتلا نہیں رہا۔ اللہ کی توفیق کس قدر حیرت افزا ہے جس کی بدولت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیار میں پہنچا اور مجھے دینِ برحق سے آگاہی ہوئی۔ آہا! ایمان میں کس قدر حلاوت ہے!! اے میرے عزیز دوست! یقین کرو کہ یہ وہ چیز ہے جو بیان سے باہر ہے۔ خدا کرے کہ تم کو بھی اس کی معرفت نصیب ہو۔ خداوند کریم یقیناً تمہاری نگہبانی کرے گا اور تم سچے دین کو پہچانے بغیر اس دنیا سے رخصت نہیں ہو گے۔ کتنی خوشی کی بات ہو اگر میں تمہیں مسلمان دیکھ سکوں اور تم ہمارے ساتھ یک جان ہو جاؤ۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ وقت خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔''

گالا قوم کے حقیقی وطن میں آبادی کا کچھ حصہ مسلمان ہے (جس کے بعض قبیلے ۱۵۰۰ء کے قریب مسلمان ہوئے تھے) اور کچھ حصہ ابھی تک بت پرست ہے۔ اس سے وہ قبیلے مستثنیٰ ہیں جو حبشہ کی سرحد پر رہتے ہیں اور جن کو

Marfat.com

اس ملک کے بادشاہ نے اُنیسویں صدی کے اواخر میں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔ پہاڑی علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، لیکن میدانوں میں مبلّغینِ اسلام نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور ان کی تعلیم و تلقین نے وہاں بڑی مقبولیت پائی ہے۔ انتونیو چیکی (اطالوی مؤلف) نے، جس نے ۱۸۷۸ء میں لمّو کی چھوٹی سی ریاست کی سیاحت کی تھی، ابابا غیبو کے مسلمان ہونے کا حال لکھا ہے (۱۳)۔ وہ حکمرانِ وقت کا باپ تھا اور اس کو اُن تاجروں نے مسلمان کیا تھا جو اس کے دیس میں سوداگروں کے بھیس میں آئے تھے اور اسلام کی اشاعت کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ دیگر گالا ریاستوں کے حکمرانوں اور ان کے درباریوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی اور بعض عوام بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام ان کے ہاں برابر ترقی کرتا رہا، لیکن اس قوم کے اکثر لوگ ابھی تک اپنے آبائی مذہب کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

گالا قوم کے حکمران اور سردار مسلمان تاجروں کا خوشی سے استقبال کرتے تھے، کیونکہ وہ ان کے پاس اپنے ملک کی تجارتی پیداوار بیچتے اور اس کے عوض میں غیر ملکوں کی مصنوعات حاصل کرتے تھے۔ چونکہ یہ تاجر ساحل پر سال یا دو سال میں صرف ایک مرتبہ جاتے تھے اور باقی تمام وقت گالا کے ملک میں گزراتے تھے، اس لیے ان کو اسلام کی اشاعت کے لیے کافی موقع مل جاتا تھا اور وہ اس سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ غرض کہ وہ جہاں کہیں قدم رکھتے تھے اُن کو اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ وہ تھوڑے سے عرصے میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کر لیں گے۔ گالا کے ملک میں اسلام کو عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو یورپ سے آئے تھے۔ ان مشنریوں کی کوشش سے گالا قوم کے بعض لوگ عیسائی ہوئے ہیں، لیکن اُن کو بحیثیت مجموعی بہت کم کامیابی نصیب ہوئی ہے (۱۴)۔ چنانچہ جب کارڈینل ماسایا کو (جو رومن کیتھولک تھا) ملک سے نکال دیا گیا تو جن لوگوں کو اس نے عیسائی کیا تھا، وہ یا تو مسلمان ہو گئے یا کافر۔ ان کو نہ خدا پر اعتقاد رہا اور نہ مسیح علیہ السلام پر۔ اس کے برعکس مسلمان مبلغوں کو مسلسل کامیابی حاصل ہوتی رہی اور انہوں نے جنوب کی طرف بڑھتے بڑھتے دریائے وابی کو عبور کر لیا۔ گالا قوم کے اکثر قبیلے، جو ملک کے مغربی حصے میں رہتے ہیں۔ اُنیسویں صدی کے خاتمے تک بت پرست تھے لیکن جو قبیلے بالکل مغربی سرحد میں آباد ہیں، مثلاً لیگا، ان کے ہاں قدیم صنم پرستی زوال پذیر معلوم ہوتی تھی۔ گمان غالب تھا کہ مبلغوں کے اثر سے چند برس کے عرصے میں لیگا قبیلے کے تمام لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

سومالی قوم میں اسلام کی اشاعت:

آج کل افریقہ کے شمال مشرقی حصے میں مسلمان مبلغ بڑے جوش و خروش سے مصروفِ عمل ہیں۔ چنانچہ کئی سو مبلغ یہاں ہر سال بلادِ عرب سے آتے ہیں۔ وہ گالا قوم کی بہ نسبت سومالی قوم کو مسلمان کرنے میں زیادہ

Marfat.com

کامیاب رہے ہیں۔ سومالی قوم کا ملک دیارِ عرب سے بہت قریب ہے اس لیے اشاعتِ اسلام کا کام یہاں بہت ابتدائی زمانے میں شروع ہو چکا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے متعلق ہمیں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ عرب جغرافیہ نگار ابن حوقل کا بیان ہے کہ نویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں زیلع کے باشندے عیسائی تھے، لیکن چودھویں صدی کے نصف اول میں ابوالفداء اُن کو مسلمان بتاتا ہے۔ یہ نیا دین اس ملک میں سمندر پار سے غالباً عرب تاجروں یا پناہ گزینوں ہی کے ذریعے سے پہنچا تھا۔ شمالی علاقے کے سومالیوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک شریف النسب عرب اپنے ملک سے بھاگ کر اور سمندر عبور کر کے ادل کے شہر میں آیا تھا اور اس نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ پندرھویں صدی میں چوالیس عرب مبلغوں کی ایک جماعت حضرموت سے آئی۔ یہ لوگ بحر احمر کی بندرگاہ بربرہ میں اُترے اور پھر وہاں سے اسلام کی اشاعت کے لیے تمام سومالیہ میں منتشر ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص، جس کا نام شیخ ابراہیم ابوزربی تھا، ۱۴۳۰ء کے قریب سفر کرتے کرتے (حبشہ میں) ہرر کے شہر میں جا پہنچا اور اس نے وہاں بہت سے لوگوں کو مسلمان کر لیا، چنانچہ اس شہر میں ابھی تک اس کا مزار موجود ہے اور لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔ بربرہ کے نزدیک ایک پہاڑی ہے جس کو لوگ ان مبلغوں کی یاد میں جبلِ اولیاء کہتے ہیں۔ اس کے متعلق لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ اشاعتِ اسلام کے لیے ملک میں منتشر ہونے سے پہلے ان مبلغوں نے جمع ہو کر اس پہاڑی پر ایک جلسہ کیا تھا۔ اسلام نے آہستہ آہستہ تمام شمال مشرقی افریقہ میں غلبہ حاصل کر لیا، لیکن جب حبشہ کے شہنشاہ منی لک نے زور پکڑا اور اس نے ۱۸۸۶ء میں ہرر پر قبضہ کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے چند لوگ عیسائی ہو گئے (۱۵)۔

جنوبی افریقہ میں اسلام کی اشاعت:

افریقہ میں اسلام کی اشاعت کے تاریخی جائزے کو مکمل کرنے کے لیے اب صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا باقی ہے کہ اسلام اس براعظم کے انتہائی جنوبی حصے یعنی کیپ کالونی میں بھی داخل ہو چکا ہے۔ کیپ کالونی کے مسلمان ملایا قوم کے اُن لوگوں کی اولاد ہیں (۱۶) جن کو سترھویں یا اٹھارویں صدی میں ولندیزی (ڈچ) قوم کے لوگ یہاں لائے تھے۔ (۱۷) یہ لوگ بوئر زبان کی ایک بگڑی ہوئی بولی بولتے ہیں جس میں عربی الفاظ بکثرت موجود ہیں اور انگریزی اور ملایا کی زبان کے چند الفاظ بھی ملے ہوئے ہیں۔ ۱۸۷۷ء میں ترکی کے وزیر تعلیم نے اس زبان کی ایک عجیب وغریب کتاب عربی حروف میں چھپوا کر قسطنطنیہ سے شائع کی تھی، جس میں اسلام کے احکام وارکان مندرج تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ کیپ کالونی کے مسلمانوں کے لیے دستور العمل کا کام دے گی۔ ان میں سے بعض لوگوں کے نام خالص ڈچ ہیں اور اکثر لوگوں کے چہروں کی وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

کسی زمانے میں ڈچ نسل کے لوگ اُن کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے یا کم از کم ان کی رگوں میں ڈچ خون کی آمیزش ہے۔ ہاٹن ٹاٹ نسل کے بعض لوگ بھی مسلمان ہو کر ان میں شامل ہو چکے ہیں۔

کیپ کالونی کے مسلمانوں کی طرف یورپ کے سیاحوں بلکہ خود ان کے ہم مذہب لوگوں نے بھی بہت کم توجہ کی ہے۔ ۱۸۱۹ء میں کول بروک نے کیپ کالونی کے متعلق چند دلچسپ یادداشتیں قلم بند کی تھیں جن میں اس نے اسلام کی ترقی کا بھی ذکر کیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''کہا جاتا ہے کہ اسلام کیپ کالونی کے غلاموں اور سیاہ فام آزاد لوگوں میں ترقی کر رہا ہے، یعنی نیگرو اور ہر قسم کی دیگر سیاہ فام نسلوں میں سے بیشتر لوگ عیسائی بننے کی بجائے مسلمان ہو رہے ہیں۔ حالانکہ مشنری عیسائیت کی اشاعت کے لیے سرگرم کوشش کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کج روی کا ایک سبب یہ ہے کہ غلاموں کے مالک اُن کو بپتسمہ لینے کی اجازت دینے پر رضا مند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ غلطی سے یہ سمجھتے تھے کہ جو غلام بپتسمہ لے لیتا ہے اس کو خاص حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ غلاموں کے ذہن میں بھی یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ اُن کے آقا، اُن کے عیسائی ہونے پر رضا مند نہیں ہیں۔ چنانچہ جب کسی غلام سے اُس کے مسلمان ہونے کا سبب پوچھا جاتا ہے تو وہ اکثر اوقات یہ جواب دیتا ہے کہ ''میرے لیے کسی نہ کسی مذہب پر ہونا ضروری ہے، لیکن مجھے عیسائی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔'' اس سلسلے میں لوگوں کے توہمات دور ہو رہے ہیں اور اب تبدیلِ مذہب کے معاملے میں غلاموں کی حوصلہ فرسائی نہیں کی جاتی، کیونکہ اُن کے مالکوں نے دیکھ لیا ہے کہ اگر کوئی غلام مذہبی فرائض واحکام کی تعلیم پائے تو اس سے اس کی خدمت گزاری میں کوئی کمی نہیں آتی۔ جو مشنری خاص طور پر غلاموں کی تلقین کے لیے وقف ہیں (اور ہر ایک بڑے شہر میں اس قسم کا ایک مشنری مقرر ہے) ان کے سامعین کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ان کو اُمید ہے کہ ان کی محنت اور کوشش رائگاں نہیں جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس ایک مسلمان مبلغ کے عقیدت مندوں کا حلقہ زیادہ وسیع ہوتا ہے، حالانکہ وہ مشنریوں کے مقابلے میں بہت کم کوشش صرف کرتا ہے۔''

گزشتہ پچاس برس میں کیپ کالونی کے مسلمانوں کے ہاں دیگر ملکوں سے بعض پُر جوش مسلمان پہنچے ہیں۔ چنانچہ اب تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کی جارہی ہے اور ان کی زندگی میں مذہب کا زیادہ چرچا ہو رہا ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ وہ سرگرمی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور ایک حد تک کامیاب ہیں۔ یہ تبلیغ خاص طور پر اُن سیاہ فام اقوام میں کی جاتی ہے جو کیپ میں آباد ہیں اور یہ تبلیغی تحریک خصوصاً کیپ کالونی کے مغربی حصے میں زوروں پر ہے۔ ایک تجویز یہ ہے کہ کیپ ٹاؤن کے قرب وجوار میں کلیرمونٹ کے مقام پر ایک کالج یعنی مدرسہ قائم کیا جائے اور اسے تبلیغ اسلام کا مرکز بنایا جائے۔ اسلام کی ترقی کے لیے آج کل جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جن بچوں کو ان کے والدین چھوڑ دیتے ہیں یا ان کی خبر گیری نہیں کرتے، ان کو مسلمان

Marfat.com

لے لیتے ہیں اور اسلامی طریقے پر ان کی پرورش کرتے ہیں۔ ہر سال کیپ کالونی کے بعض مسلمان حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں، جہاں ان کے معاملات کی نگرانی کے لیے ایک خاص شیخ مقرر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی قلی بھی، جو جنوبی افریقہ ہیں ہیرے کی کانوں میں کام کرتے ہیں، اسلام کی اشاعت کرتے ہیں (۱۸)۔

جزیرۂ میڈاغاسکر:

میڈاغاسکر کا جزیرہ افریقہ سے ۲۲۰۔۵۴۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چونکہ یہ جزیرہ براعظم سے الگ تھلگ ہے اس لیے اس کا علیحدہ ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔ یہاں کے صرف ایک قبیلے انتامورونا نے اسلام قبول کیا ہے، جو جنوب مشرقی ساحل پر رہتا ہے۔ وہ بلاشبہ ان مبلغوں کے ذریعے سے مسلمان ہوئے تھے جو بلادِ عرب سے آئے تھے، لیکن ہمیں یہ بات بالکل معلوم نہیں کہ وہ کس زمانے میں اسلام لائے تھے۔ ان کی روایت کے مطابق انہوں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہدِ مبارک میں اسلام اختیار کیا تھا، لیکن اُن کے بارے میں سب سے پہلا قابلِ اعتماد تذکرہ ہمیں اطالوی اور پرتگالی جغرافیہ نگاروں کی کتابوں میں ملتا ہے جو سولھویں صدی میں لکھی گئی تھیں (۱۹)۔

افریقہ میں اشاعتِ اسلام کے طریقے:

مذکورہ بالا تاریخی واقعات سے یہ امر واضح ہوگیا ہوگا کہ افریقہ میں مسلمان مبلغوں نے اسلام کی اشاعت کے لیے پُرامن وسائل اختیار کیے ہیں۔ اگرچہ اسلام نے بسا اوقات اپنی روحانی فتوحات کے لیے تلوار اٹھائی ہے، لیکن اس سے پہلے مبلغینِ اسلام نے دین کی اشاعت کے لیے پُرامن کوششیں کی ہیں اور ملکی فتوحات کے بعد واعظینِ اسلام نے تبلیغ کے ادھورے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ افریقہ کے بہت سے حصوں میں اسلام کی کامیابی میں اس وجہ سے آسانی پیدا ہوئی ہے کہ مسلمان فاتحین کو فتح وظفر حاصل ہوئی اور بت پرستوں کی ریاستوں کی جگہ اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ بت پرستی کی بیخ کنی کے لیے جو جہاد کیے گئے تھے، اُن میں بہت سا کشت وخون بھی ہوا۔ چنانچہ افریقہ کے بہت سے مسلمانوں کی دلی آرزو کا اظہار اُن الفاظ سے ہوتا ہے جو بورنو کے ایک نوجوان عرب نے ابوکوتا کے محل میں کپتان برٹن سے کہے تھے: ''یہ بندوقیں اور بارود ہم کو دے دو تو ان کتوں کو ہم ابھی مسلمان کیے لیتے ہیں۔'' ان ہی الفاظ کی صدائے بازگشت ہمیں اُس پیغام میں سنائی دیتی ہے جو منگو پارک کے بیان کے مطابق فوتہ تورو کے مسلمان بادشاہ نے اپنے ایک کافر ہمسائے کو بھیجا تھا۔ وہ پیغام یہ تھا کہ ''اگر دامیل مسلمان ہو جائے تو اس اُسترے سے عبدالقادر دامیل کا سر مونڈے گا اور اگر دامیل مسلمان نہ ہوا تو اس

Marfat.com

دوسرے اُسترے سے عبدالقادر دامیل کا گلا کاٹے گا۔ اب ان دونوں باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کر لو۔''

اشاعتِ اسلام بذریعۂ تبلیغ:

اس قسم کے متعصب لوگوں کی جنگجوئی سے اسلام نے خواہ کیسی ہی ترقی پائی ہو لیکن سیاحوں اور دیگر لوگوں نے پرامن تبلیغ کی زبردست شہادت فراہم کی ہے اور مسلمان مبلغوں کی پرامن کوششوں کی گواہی دی ہے، جنھوں نے عہد حاضر میں افریقہ میں اسلام کی سریع اشاعت کے لیے جبر وتشدد کی بہ نسبت بہتر خدمت سرانجام دی ہے۔ تشدد اور سختی نے اسلام کے مخالفوں کو نیست ونابود کر دیا ہوگا۔ لیکن افریقہ کے اکثر لوگ مبلغین ہی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے ہیں اور ساحلی اور اندرونی علاقوں میں تبلیغ کا یہ کام برابر جاری ہے۔ اسلام نے جہاں کہیں دخل پایا ہے، وہاں مسلمان مبلغ دیکھا گیا ہے جو اسلامی عقائد کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ مبلغ بالعموم کوئی تاجر ہوتا ہے خواہ عرب نسل سے ہو یا فلبے یا منڈنگو قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ اپنے مال تجارت کی فروخت کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ بھی کرتا ہے اس کے کاروبار کی نوعیت ہی ایسی ہے جس سے لوگوں کے ساتھ اس کا گہرا میل ملاپ رہتا ہے اور کسی شخص کو اس کی طرف سے کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہوتی۔ اس قسم کا مسلمان جب بت پرستوں کے کسی گاؤں میں داخل ہوتا ہے اور بار بار وضو کر کے عبادت کے مقررہ اوقات پر رکوع وسجود کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، تو گاؤں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ نماز میں کسی غیبی ذات کے ساتھ ہم کلام ہے۔ چنانچہ بت پرست اس کی عقلی اور اخلاقی برتری کی وجہ سے اس کی تعظیم کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ شخص اس بات کے لیے رضامند اور تیار ہوتا ہے کہ جو عملی اور اخلاقی محاسن خود اس میں موجود ہیں، وہی دوسروں میں پیدا کرے۔

اسی طرح جب کوئی حاجی مکہ سے واپس آتا ہے تو اس کا دل تبلیغ اسلام کے جوش سے لبریز ہوتا ہے، اور وہ اس مقصد کے لیے اپنی تمام قوتیں وقف کر دیتا ہے۔ وہ قریہ بہ قریہ سفر کرتا ہے اور مسلمان صدقہ وخیرات سے اس کی خدمت کرتے ہیں اور بت پرستوں کی بستیوں میں دینِ برحق کی صداقت کی شہادت دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان طالب علم، جس نے اسلامی شریعت اور فقہ کی تحصیل کی ہے، ایک عالم دین کی حیثیت سے بڑی عزت پاتا ہے۔ بعض اوقات وہ طبابت بھی کرتا ہے، یا کم از کم تعویذ گنڈوں کے لیے اس کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ وہ قرآنی آیات لکھتا ہے اور لوگ ان کو چمڑے یا کپڑے میں منڈھ کر بازو پر باندھ لیتے ہیں یا گلے میں لٹکا لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں اس طریقے سے بھی اضافہ ہوتا ہے کہ عورتیں، جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی یا کم سنی میں مر جاتی ہے، ان تعویذ گنڈوں کے لیے آتی ہیں تو یہ چیزیں ان کو اس شرط پر دی جاتی ہیں کہ آئندہ جو اولاد ان کے

Marfat.com

ہاں پیدا ہو، اس کی اسلامی طریقے پر پرورش کی جائے۔

مسلمان مبلغ اور معلم:

دین اسلام کے یہ معلم اور مبلغ مرابط یا الوف کہلاتے ہیں اور لوگوں کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ مغربی افریقہ کے بعض قبیلوں کے ہر گاؤں میں ان کے قیام کے لیے ایک مکان مخصوص ہوتا ہے اور لوگ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ دارفور کے ملک میں ارباب حکومت کے بعد ان کا درجہ سب سے بلند ہے، اور منڈنگو قوم میں ان کا مرتبہ اس سے بھی بلند تر ہے، کیونکہ بادشاہ کے بعد ان ہی کا درجہ سمجھا جاتا ہے اور امیر اور سردار عزت و وقار میں ان سے کمتر تصور کیے جاتے ہیں۔ جن ریاستوں میں لوگوں کے تمام دیوانی معاملات قرآنی احکام کے مطابق طے پاتے ہیں وہاں علمائے دین کی بہت مانگ رہتی ہے، کیونکہ یہی لوگ ہیں جو لوگوں کو قرآن کے مطالب سمجھاتے ہیں۔ ان کی ذات کا اس درجہ احترام کیا جاتا ہے کہ وہ بلا کسی مزاحمت کے ان سرداروں کی عملداری میں سفر کرتے ہیں جو نہ صرف آپس میں مخالفت رکھتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار ہوتے ہیں۔ صرف اسلامی ملکوں ہی میں ان کا احترام نہیں ہوتا بلکہ وہ بت پرستوں کی بستیوں میں بھی مدرسے جاری کرتے ہیں اور وہاں کے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے بچوں کے معلم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان کو اپنے اور خدا کے درمیان ایک ایسا واسطہ تصور کرتے ہیں جس سے ان کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی ہیں یا ان کی آفات و مصائب دور ہوتی ہیں۔

ان معلموں میں اکثر قیروان، فاس اور طرابلس (۲۰) کی مسجدوں یا دوسرے اسلامی علمی مرکزوں خصوصاً جامع الازہر کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اسلامی دنیا کے تمام ملکوں کے طالب علم جامع الازہر میں بکثرت آتے ہیں۔ ان میں بلا دالسودان کی بھی ایک جماعت ہوتی ہے جس میں دارفور، ودائی اور بورنو کے طلبہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض مغربی ساحل کے دور افتادہ علاقوں سے پیدل سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ جب یہ طلبہ دینیات اور فقہ کی تحصیل سے فارغ ہو جاتے ہیں تو اپنے وطن کے بت پرستوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ جن شہروں میں یہ مبلغ پہنچتے ہیں وہاں مدرسے جاری کرتے ہیں، جن میں مسلمان بچوں کے علاوہ بت پرستوں کے بچے بھی پڑھتے ہیں۔ ان کو قرآن پڑھایا جاتا ہے اور دین کے احکام اور ارکان سکھائے جاتے ہیں جب مسلمان مبلغ اس طرح اپنے قدم مضبوط کر لیتا ہے تو اسے جلد ہی اپنے علم و فضل کی بدولت ان لوگوں کے ہاں اثر و رسوخ حاصل ہو جاتا ہے جن کے درمیان سکونت پذیر ہوا ہو۔ اس کو اپنے کام میں اس وجہ سے بھی سہولت ہوتی ہے کہ اپنے عادات و اطوار کے لحاظ سے اسے دیگر لوگوں کے ساتھ بہت حد تک مشابہت ہوتی ہے۔ لوگ اس سے بدگمانی نہیں

Marfat.com

کرتے کیونکہ مسلمان تاجر اپنی دیانت داری سے اپنے لیے پہلے ہی سے راستہ ہموار کر چکا ہوتا ہے۔ جب وہ دیسی باشندوں کے ہاں شادی بیاہ کر کے ان کے معاشرے میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کا اثر و رسوخ اور بھی زیادہ مضبوط اور پائدار ہو جاتا ہے۔ وہ اس طبعی طریقے سے آہستہ آہستہ لوگوں کے درمیان اسلام کا علم پھیلاتا ہے۔

مسلمان معلم کی تبلیغی مساعی میں اس بات سے بھی سہولت پیدا ہوتی ہے کہ بہت سے بت پرستوں کے مذہبی شعور میں خدا پرستی کا جو تصور ہے، وہ آسانی سے اسلامی توحید میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ نیز زندگی کے متعلق ان کا عام انداز فکر ہے ان کے دیگر متعدد مذہبی دستور اس نوعیت کے ہیں کہ وہ اسلامی رنگ اختیار کر سکتے ہیں اور بغیر زیادہ تبدیلی کے نئے مذہب کے نظام میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

اسلامی اخوت اور مساوات:

جب مسلمان، بت پرستوں کے کسی ملک میں وارد ہوتے ہیں تو ان کی آمد سے ان کی تجارت میں ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے تجارتی مرکزوں مثلاً جنّہ، سیگو اور کانو کے ساتھ ان کا رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی تمدن کے فوائد سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ چنانچہ سر بارٹل فریر لکھتے ہیں کہ ''مسلمان مبلغ کو ہمیشہ یقین ہوتا ہے کہ غیر شائستہ نیگرو قبیلے اس کی بات کو توجہ سے سنیں گے۔ وہ نہ صرف ان کو خدا اور انسان کے متعلق بہت سے حقائق سے آگاہ کرتا ہے، جو ان کے دلوں میں اتر جاتے اور ان کی عقل و فکر کو بلند کرتے ہیں، بلکہ اس کے علاوہ وہ ان کو فوراً ایک ایسی سند عطا کرتا ہے، جس کی بدولت وہ اسلام کے سیاسی معاشرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کے لیے پروانہ راہداری کا کام دیتی ہے جس کے ذریعے سے وہ تمام عالم اسلام میں بحر اوقیانوس سے لے کر دیوارِ چین تک ابنائے ملت سے حفاظت اور امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں کہیں کسی مسلمان کا گھر موجود ہو گا، وہاں نیگرو نو مسلم کو، جو اپنے اسلامی کلمہ کے چند الفاظ دُہرا سکتا ہے، ٹھہرنے کی جگہ، کھانا اور صلاح و مشورہ یقیناً مل سکتا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ہی وطن میں ایک ایسی ملت و قوم کا رکن بن گیا ہے جو اگرچہ حکمران نہیں ہے لیکن کم از کم بااثر ضرور ہے۔ مغربی افریقہ میں مسلمان مبلغ کی کامیابی کا حقیقی راز بظاہر اسی بات میں پوشیدہ ہے۔ تعداد کے لحاظ سے اسلام بہت جلد ترقی کر رہا ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ جب سے نو مسلم کلمۂ شہادت پڑھتا ہے، مسلمان مبلغ مومنین کی باہمی مساوات اور اخوت کے اصولوں پر عملی طور پر کاربند ہو جاتا ہے جو اسلام اور عیسائی مذہب میں مشترک ہیں۔ اور عام طور پر وہ عیسائی مشنری کی بہ نسبت ان اصولوں کی پابندی مصمم طور پر بلا درنگ کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عیسائی مشنری اپنا فرض سمجھتا ہے کہ دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے پہلے وہ اس بات کی اچھی طرح تحقیق و

Marfat.com

تصدیق کرلے کہ عیسائیت کا اقرار کرنے والا شخص صدقِ دل سے عیسائی ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ اس کو نسلی منافرت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، جو ایک ہی نسل میں اس وجہ سے دور نہیں ہو سکتی کہ وہاں کئی نسلوں سے سفید فام عیسائی کو آقا اور سیاہ فام بت پرست کو غلام سمجھا گیا ہے۔''

اسلام میں نسلی امتیاز نہیں:

اس ضمن میں یہ بات لکھنی بھی ضروری ہے کہ افریقہ کے مسلمان کسی نو مسلم سے اس کی قوم یا رنگت کی بناء پر نفرت نہیں کرتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ افریقہ کی نیگرو یعنی سیاہ فام قوموں میں اسلام کو اس وجہ سے بڑی ترقی ہوئی ہے کہ نیگرو کے خلاف وہاں کوئی نسلی منافرت موجود نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے نیگرو کو کبھی حقیر نہیں سمجھا، مگر افسوس ہے کہ عیسائی ملکوں میں یہ صورت حال نہیں ہے (۲۱)۔

نیگرو اقوام میں عیسائی مشنریوں کے مقابلے میں مسلمان مبلغوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی ایک حد تک یہی وجہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ اس بات کی طرف اکثر اشارہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی نیگرو عیسائی ہوتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے یورپی ہم مذہب ایک ایسے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے اوضاع و اطوار اس کی اپنی طرزِ زندگی سے مختلف ہیں۔ اس کے برعکس جب کوئی نیگرو مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسلامی معاشرے کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ اس نکتے کو حال کے ایک مصنف ای۔ ڈی۔ موریل نے نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''اسلام اپنی کوتاہیوں کے باوجود نائجیریا کے لوگوں سے قبولِ اسلام کے ساتھ نسلی خودکشی کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ ان کی معاشرت میں انقلابی تبدیلیوں کو ضروری قرار نہیں دیتا جو اُن کے ارتقاء کی موجودہ منزل میں ناممکن ہیں۔ خاندان اور جماعت کو جو اختیارات حاصل ہیں، ان کو بھی کمزور نہیں کرتا۔ مسلمان مبلغ اور نو مسلم کے درمیان کوئی خلیج حائل نہیں ہے۔ خدا کے حضور میں دونوں برابر ہیں اور نہ صرف فطری طور پر بلکہ عملی طور پر بھی مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ دونوں افریقی ہیں اور ابنائے وطن ہیں۔ انسانی اخوت کے اصول کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ جب نیگرو اسلام قبول کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا اپنے مشاغل، اپنے خاندان اور اپنے معاشرے سے قطع تعلق ہو جاتا ہے یا حکام کے اختیارات کا احترام باقی نہیں رہتا۔ نائجیریا اور مغربی افریقہ کے مسلمان کی باوقار رفتار و گفتار سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی ساری چال ڈھال سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسے اپنی شہریت کا احساس ہے اور اپنی نسل پر فخر ہے۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ ''میں اور تم ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن ہم دونوں آخر کار انسان ہیں'' جنوبی نائجیریا میں آج کل اسلام کی جو اشاعت ہو رہی ہے، وہ اپنے اثر و عمل کے لحاظ سے بیشتر معاشرتی نوعیت کی ہے۔ اسلام نو مسلموں کو معاشرے میں

Marfat.com

ایک بلند تر مرتبہ عطا کرتا ہے اور کائنات میں انسان کا جو درجہ ہے اس کا اعلیٰ و ارفع تصور دیتا ہے۔ان کو ہزاروں وہمی اور خیالی خطروں کی غلامی سے آزاد کرتا ہے''۔

اسلامی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سیاہ فام تھے، جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے: وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ (سورہ طہ۔ ۲۲)۔(اے موسیٰ اپنے ہاتھ کو اپنے پہلو کی طرف لے جاؤ تو وہ سفید ہو کر بے عیب نکل آئے گا، اور یہ دوسرا معجزہ ہے جو تم کو عطا ہوتا ہے) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ (سورۃ الاعراف۔ ۱۰۸، ۱۰۹)۔اور اس نے (موسیٰ نے) اپنا ہاتھ گریبان سے نکالا تو وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آیا۔اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو کوئی ماہر جادوگر ہے(۲۲)۔''

اس ضمن میں عباسی خلفاء کے عہد کا مندرجہ ذیل واقعہ بھی اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا حبشیوں کے متعلق کیا خیال تھا۔خلیفہ ہارون الرشید کے بھائی ابراہیم نے، جو ایک حبشن کنیز کے بطن سے تھا، بغداد میں خلافت کا دعویٰ کیا لیکن اس نے شکست کھائی اور المامون نے، جو اس وقت (۸۱۹ء) سریرِ خلافت پر فائز تھا، اس کا قصور معاف کر دیا۔اس کے بعد خلیفہ مامون سے ابراہیم کی جو ملاقات ہوئی، اس کا حال اس نے یوں بیان کیا ہے: ''جب المامون مجھ کو معاف کر چکا اور میں اس کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے مجھ سے کہا کہ ''کیا کالے خلیفہ تم ہی ہو؟'' اس کے جواب میں میں نے کہا کہ امیر المومنین! ہاں، میں وہی ہوں، جسکو آپ معاف کر کے رہینِ منت کر چکے ہیں اور بنوحسحاس کے غلام کے یہ اشعار میرے حسبِ حال ہیں:۔

اشعار عبد بنی الحسحاس فمن له　　عند الفخار مقام الاصل والورق
ان کنت عبدا فنفسی حرة کرماً　　لو اسود الخلق انی ابیض الخلق

(ترجمہ) مفاخرت کے وقت بنوحسحاس کے غلام کے اشعار جڑ اور پتوں کا کام دیتے ہیں۔اگرچہ میں غلام ہوں لیکن شرافت کے لحاظ سے میرا نفس آزاد ہے۔اور اگرچہ میرے جسم کا رنگ تاریک ہے، لیکن میرا اخلاق روشن ہے۔

اس پر مامون بولا ''چچا! میں نے تو ہنسی میں بات کی تھی اور آپ اتنے سنجیدہ ہو گئے۔'' اور پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

لیس یزری السواد بالرجل الشهم　　ولا بالفتی الادیب الاریب
ان یکن للسواد فیک نصیب　　فبیاض الاخلاق منک نصیبی

Marfat.com

(ترجمہ) رنگت کی سیاہی شریف آدمی کو عیب نہیں لگاتی، اور نہ ہی ادیب دانش مند کو۔ اگر رنگت کی سیاہی تمہارے حصے میں آئی ہے تو تمہارے اخلاق کی روشنی (اور نورانیت) میرے حصے میں آئی ہے۔ (۲۳)

مسلم حبشیوں کی تمدنی ترقی:

جب کوئی نیگرو مسلمان ہوتا ہے تو اسے اسلامی برادری میں فوراً برابر کا درجہ مل جاتا ہے اور اس کا رنگ یا اس کی نسل یا گزشتہ تعلقات اس کے راستے میں حائل نہیں ہوتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس آسانی سے بت پرستوں کو اسلامی معاشرے میں جگہ مل جاتی ہے، اس کی وجہ سے وہ بڑی خوشی سے ایک ایسی ملت میں داخل ہونے پر رضامند ہو جاتے ہیں جس کی بلند تر تہذیب ان سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بہت سے پرانے وحشیانہ رسوم و عادات کو ترک کر دیں۔ اسلام کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کے قبول کرنے سے نیگرو قبیلے تمدنی لحاظ سے فروغ پاتے ہیں اور ذہنی، اخلاقی اور مادی ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ اسلام کے حق و حمایت میں جو طاقتیں صف آرا ہیں وہ اتنی زبردست ہیں کہ جس وحشت، جہالت اور توہم پرستی کو اسلام مٹانا چاہتا ہے، وہ اس کے مقابلے میں دیر تک نہیں ٹھہر سکتیں۔

بوزورتھ سمتھ کی شہادت:

مسلمانانِ افریقہ کی تہذیب ایک نو مسلم نیگرو پر جس طرح اثر انداز ہوتی ہے، اسے ذیل کے اقتباس میں بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ ریورنڈ بوزورتھ سمتھ صاحب لکھتے ہیں کہ ''وہ انتہا درجے کی قبیح رسمیں اور خرابیاں مثلاً مردم خوری، انسانی قربانی اور بچوں کو زندہ دفن کرنا، جو ایک زمانے میں تمام افریقہ میں پھیلی ہوئی تھیں، اور اب بھی افریقہ کے بعض حصوں میں گولڈ کوسٹ اور انگریزی نو آبادیوں کے قریب پائی جاتی ہیں، اشاعتِ اسلام کے بعد ہمیشہ کے لیے فوراً موقوف ہو جاتی ہیں۔ وہ لوگ جو اب تک برہنگی یا نیم برہنگی کی حالت میں رہتے تھے، صاف ستھرے کپڑے پہننے شروع کر دیتے ہیں، اور وہ دیسی باشندے جو پہلے کبھی نہانا نہیں جانتے تھے، اب بار بار نہاتے ہیں اور ہاتھ منہ دھوتے ہیں، کیونکہ اسلامی شریعت نے وضو اور غسل کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ حکم ایسا ہے جس کی پابندی سے ان کی طبیعت پر زیادہ زور نہیں پڑتا۔ اُن کے قبائلی نظام کی جگہ ایک ایسی ملی تنظیم لے لیتی ہے جو وسیع تر بنیادوں پر قائم ہے۔ بالفاظ دیگر قبیلوں کے باہم ملنے سے قومیں بن جاتی ہیں اور جب ان کی قوت اور سمجھ بڑھتی ہے تو وہ سلطنتیں قائم کر لیتی ہیں۔ چنانچہ سوڈان اور اس کے ملحقہ ملکوں کی گذشتہ ایک سو برس کی تاریخ سے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ جنگ جوئی کو اس سے تحریک ملتی ہے لیکن وہ مرکز جہاں سے معرکہ

Marfat.com

آرائی شروع ہوتی ہے، تعداد میں کم ہو جاتے ہیں، لڑائی کا طریقہ بہتر ہو جاتا ہے اور اس میں قدرے روک رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ لڑائی جھگڑے خواہ مخواہ برپا نہیں ہوتے۔ اندھا دھند لوٹ مار میں کمی آ جاتی ہے اور لوگوں کا جان و مال زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ ملک میں مکتب جاری ہو جاتے ہیں۔ (۲۴) اس قسم کے مکتبوں کی کیفیت ایک سو برس ہوئے منگو پارک بیان کر چکا ہے۔ اگرچہ ان مکتبوں میں صرف قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے، تاہم وہ فائدے سے خالی نہیں ہیں اور ان کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ گاؤں کی خوبصورت اور صاف ستھری مسجد، جہاں سے دن بھر میں پانچ وقت اذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور جس کی محراب مکہ کے رخ بنی ہوتی ہے اور جس میں وہاں کا امام ہر جمعہ کے روز نماز با جماعت پڑھاتا ہے، اب گاؤں کے مسلمانوں کا مرکز بن جاتی ہے۔ وہ بت پرستوں کے بھیانک بت خانے کی جگہ لے لیتی ہے جس کو جُوجُو گھر کہتے ہیں۔ افریقہ کے بت پرست آج تک جن چیزوں کو پوجتے آئے ہیں، ان کے مقابلے میں ایک خدائے واحد کی عبادت، جو قادرِ مطلق اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور علیم و رحیم ہے، ان کی بے انتہا روحانی ترقی کی علامت ہے۔ عربی زبان، جس میں اہل اسلام کی مذہبی کتابیں لکھی جاتی ہیں، غیر معمولی طور پر وسیع اور دلآویز ہے۔ نصف افریقہ کے قبیلوں کی لنگوا فرینکا یعنی عام فہم اور مشترک زبان ہے، جب کوئی شخص عربی سیکھ لیتا ہے تو وہ اس کے لیے ادب کا دیباچہ بن جاتی ہے بلکہ وہ خود علم ادب ہے۔ افریقی سرداروں کی مطلق العنانی اور بے قاعدگی کی بجائے ایک تحریری ضابطۂ قانون اور دستور العمل جاری ہو جاتا ہے اور یہ تبدیلی ایسی ہے جو بذات خود تمدنی ترقی کے راستے میں ایک اہم قدم ہے۔ دستکاری اور تجارت شروع ہو جاتی ہے۔ اب کاروبار خاموش تجارت پر موقوف نہیں رہتا کہ گونگوں کی طرح آئے اور خام پیداوار کا باہمی تبادلہ کر لیا، جیسا کہ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق افریقہ میں نہایت قدیم زمانے سے دستور چلا آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ کوڑیوں، بارود، تمباکو اور شراب کا رواج بھی موقوف ہو جاتا ہے اور یہ وہ اشیاء ہیں جو اب تک ساحلی علاقوں میں تجارتی تبادلے کا ذریعہ ہیں۔ ان کی بجائے اب ایسی مصنوعات کی تجارت ہوتی ہے جن کی تیاری کے لیے ہنرمندی اور صنعتی مہارت درکار ہے اور کاروبار کے چلانے میں بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ غرض کہ تجارت اور صنعت و حرفت کے اثر سے اور منظم حکومت کی بدولت، جو اسلام کے رواج کے بعد قائم ہوتی ہے، بلاد السودان میں بڑے بڑے شہر آباد ہو گئے ہیں۔ جب پہلے پہل یورپی سیاحوں نے ان کی خوش حالی اور رونق کا ذکر کیا تو لوگوں کو ان کے بیان پر پورا یقین نہ آیا۔ میرا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس خوش حالی کا واحد سبب ہے، بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام اس ترقی کی موافقت کرتا ہے اور اس کی تائید اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ موسمی حالات اور دیگر مختلف اثرات بھی اس میں معاونت کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ افریقہ کے ان ملکوں

Marfat.com

کو، جہاں بت پرست آباد ہیں اور جہاں کے موسمی اور دیگر حالات بھی یکساں ہیں، ان مسلمان شہروں سے کیا نسبت ہے؟ جہاں تک افراد کا تعلق ہے، سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ اسلام نومسلم سوڈانیوں کو ایسا وقار اور ایسی ہمت، خود اعتمادی اور خودداری عطا کرتا ہے، جو ان کے بت پرست بلکہ عیسائی ہم وطنوں میں بھی شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔"(۲۵)

مندرجہ بالا الفاظ اُس زمانے میں لکھے گئے تھے جب یورپ کی عیسائی حکومتوں یعنی انگلستان، فرانس اور جرمنی نے ابھی تک افریقہ کے اکثر حصے کو آپس میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ لیکن مغربی تسلط کے بعد بھی اسلامی تہذیب نیگرو لوگوں کے دلوں پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھاتی رہی ہے اور افریقہ کے بت پرستوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتی رہی ہے۔ جب ان کا یورپی تمدن سے اچانک اتصال ہوا تو اس سے ان کو تہذیب کے راستے پر گامزن ہونے کی تحریک ہوئی، لیکن جو خلیج ان کو غیر ملکی حکمرانوں سے جدا کرتی تھی اس کو وہ عبور نہ کر سکے۔ لہذا انہوں نے اسلام کا رخ کیا اور دیکھا کہ اسلامی تہذیب ان کی ضروریات کے مطابق ہے اور ان کی حاجتوں اور آرزوؤں کو بخوبی سمجھتی ہے۔ اس لیے یورپی حکومت کی توسیع سے مسلمان مبلغین کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اس سے اسلام کو بہت حد تک ترقی ہوئی ہے۔ مغربی حکومتوں نے ان ملکوں میں امن و امان قائم کیا، جہاں اس سے پہلے جنگ و جدال نے ہلاکت اور تباہی پھیلا رکھی تھی اور جہاں غیر ملکوں کے لوگ غلام پکڑنے کے لیے غارت گری کیا کرتے تھے۔ ان حکومتوں نے وہاں باقاعدہ نظام سیاست قائم کیا اور ریلوں اور شاہراہوں کی تعمیر سے آمد و رفت میں آسانیاں پیدا کیں۔ ان اسباب سے تجارت نے خوب فروغ پایا۔ مسلم مبلغ یعنی مسلمان تاجر اب ایسے علاقوں میں اپنا اثر پھیلا رہا ہے جہاں اس سے پہلے اس کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ وہ اب زیادہ اطمینان کے ساتھ ملک میں سفر کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ غلاموں کی تجارت کے موقوف ہونے سے افریقہ میں اشاعتِ اسلام کے راستے کی ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے عرب اور دوسرے تاجر، بت پرستوں کو اسلامی برادری میں داخل کر کے اپنی شکار گاہ کو محدود نہیں کرنا چاہتے تھے(۲۶)۔ اب ایسے بت پرست قبیلوں کے لوگ بھی مسلمان ہونے لگے جن کو اس سے پہلے کبھی اسلام کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اس بات میں یورپی حکومتوں نے بھی (بلا ارادہ) معاونت کی ہے، کیونکہ انہوں نے انتظامی عہدوں پر مسلمانوں کو مقرر کیا ہے کیونکہ تعلیم یافتہ لوگ صرف مسلمانوں ہی میں پائے جاتے تھے اور ان کو بت پرست علاقے کے متفرق مقامات میں متعین کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سرکاری مدارس میں مسلمان استادوں کو مقرر کیا۔ اس طرح سے انہوں نے بت پرستوں کی نگاہ

Marfat.com

میں اسلام کا عزو وقار بڑھا دیا ہے۔اس صورت حال سے مسلمانوں نے اپنے مذہب کے حق میں خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

اس بیان میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے ترقی کر سکتا ہے، کیونکہ واقعات اس کے برعکس ہیں (۲۷)۔ جب یورپی حکومتوں نے افریقہ کو آپس میں تقسیم کر لیا اور مسلمان حکمرانوں کے ہاتھ سے تلوار چھین لی تو اس کے بعد اسلام کی جو اشاعت شروع ہوئی ہے، اس کے متعلق ہمارا قیاس ہے کہ وہ اس سرزمین میں آخر کار کامیاب رہے گی جہاں صدیوں کی اسلامی حکومت لوگوں کو مسلمان کرنے میں ناکام رہی ہے۔

Marfat.com

حواشی

ا۔عربی زبان میں سیاہ فام آدمی کو اسود کہتے ہیں جس کی جمع سودان ہے، لہذا عربوں نے افریقہ کے اس بڑے خطے کو، جس میں نیگرو یعنی سیاہ فام لوگ رہتے ہیں، بلاد السودان (یعنی نیگرو لینڈ) کہا ہے اور سوڈان اس کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ (مترجم)

۲۔ونو ڈریڈ (Reade) نے لکھا ہے کہ "منڈنگو بلند قامت، خوبصورت اور گندمی رنگت کے لوگ ہیں جو از روئے مذہب مسلمان ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے اور مویشیوں کے بڑے بڑے گلے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ وہ کپاس، مونگ پھلی اور کئی قسم کے اناج کی بھی کاشت کرتے ہیں۔ میں ان کی مہربانی اور مہمان نوازی سے بہت محظوظ ہوا اور ان کی عورتوں کی متانت، خوش اطواری اور ان کے گاؤں کی صفائی اور خاموشی دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔

۳۔پامر لکھتا ہے کہ اسلام کانو میں ۱۳۴۹ء اور ۱۳۸۵ء کے درمیان پھیلا تھا۔ ہوسا کی ایک اور تاریخ میں لکھا ہے کہ زوزو کے پہلے مسلمان فرمانروا کا عہد حکومت ۱۴۵۶ء کے قریب شروع ہوتا ہے۔

۴۔عالم اسلام کے دیگر حصوں کی طرح سوڈان میں بھی اسلام کے داخلے کو عہد رسالت کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ الفزاری نے، جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے، ہوسا قوم میں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔

۵۔یہ لوگ اپنے تئیں فلبے کہتے ہیں، لیکن ان کی ہمسایہ اقوام ان کو بہت سے مختلف ناموں سے پکارتی ہیں۔ ان میں سے فلاح یا فلانی سب سے زیادہ عام ہیں۔

۶۔فلبے کے متعلق ہے وڈ صاحب لکھتے ہیں کہ "فلانی قوم کے لوگ تمام پر جوش مسلمان ہیں۔ جہاں کہیں فلانی لوگ آباد ہیں وہاں ایک مسجد بھی پائی جاتی ہے"۔

۷۔۱۸۹۵ء میں سیدی محمد السنوسی کا بیٹا اور جانشین المہدی کفرہ کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ وہ جغبوب کی بہ نسبت زیادہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد ازاں وہ اس سے بھی جنوب کی طرف بورکو تبستی کے علاقے میں چلا گیا جہاں اس نے ۱۹۰۲ء میں وفات پائی۔ ۱۹۰۸ء میں اس طریقے کا شیخ، سیدی احمد تھا جو اس کے بانی کا ایک قرابت دار تھا۔

۸۔آج کل ڈاہومی کی ایک مستقل جمہوری حکومت ہے جس کی آبادی سولہ لاکھ سے قدرے زیادہ ہے، بعض لوگ مسلمان ہیں۔ ۱۳۸۹ھ (۱۹۷۰ء) میں ڈاہومی کے ۳۵۶ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مترجم)

۹۔آج کل لاگوس کا شہر نائجیریا کے وفاق یعنی فیڈریشن کا دارالحکومت ہے اور اس کی آبادی تین لاکھ سے زائد ہے۔ نائجیریا کے اکثر لوگ مسلمان ہیں۔ ۱۳۸۹ء (۱۹۷۰ء) میں نائجیریا سے ۲۴۱۸۵ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مترجم)

۱۰۔کتاب عجائب الہند، مطبوعہ لائڈن ۱۸۸۳ء، ص ۵۱۔

۱۱۔یوگنڈا آج کل ایک مستقل حکومت کی حیثیت رکھتا ہے اور برٹش کامن ویلتھ میں شامل ہے۔ اس کی آبادی پانچ لاکھ اڑسٹھ ہزار کے قریب ہے جس میں سے بعض لوگ مسلمان ہیں۔ ۱۳۸۹ھ (۱۹۷۰ء) میں یوگنڈا کے ۴۰۸ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مترجم)

۱۲۔اس زمانے کے ایک معاصر حبشی راہب نے گالا قبائل کا جو بیان لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے۔ اگرچہ اس نے ان کے مذہب کے متعلق تفصیلی حالات نہیں لکھے، لیکن ریکلہ کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے جب حبشہ پر چڑھائی کی تو

Marfat.com

اس وقت یہ لوگ مسلمان تھے۔

۱۳۔۱۸۴۶ء میں جب رومن کیتھولک فرقے کے عیسائیوں نے گالا قوم کے ہاں اپنا مشن یعنی تبلیغی مرکز کھولا تو ابا باغیبو نے ان سے کہا کہ "اگر تم تیس برس پہلے آتے تو نہ صرف میں بلکہ میرے تمام ہم وطن تمہارا مذہب قبول کر لیتے، لیکن اب یہ بات ناممکن ہے"۔

۱۴۔عیسائی مبلغین کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے چیکی نے لکھا ہے کہ "اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ سالہائے گزشتہ میں ان ملکوں میں اسلام کی بکثرت اشاعت ہوئی ہے۔ یہ اشاعت صدہا مسلمان مبلغوں اور تاجروں کے ذریعے سے ہوئی ہے، جن کو اس کام کے لئے ضروری وسائل میسر ہیں، یعنی وہ ہوشیار ہیں اور ملک کی زبان خوب جانتے ہیں۔"

۱۵۔سومالیہ (یعنی سومالی لینڈ) آج کل ایک آزاد اور خود مختار جمہوریت ہے جس کا دارالحکومت مقدشو ہے۔ اس کی کل آبادی تقریباً بیس لاکھ ہے اور یہاں کے تمام باشندے مسلمان ہیں۔ ۱۳۸۹ھ (۱۹۷۰ء) میں سومالیہ کے ۱۴۵۷ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مترجم)

۱۶۔کیپ آف گڈ ہوپ ۱۶۵۲ء سے لے کر ۱۷۹۵ء تک ڈچ حکومت کے قبضے میں رہا۔ ۱۸۰۲ء میں امینز کے صلح نامے کی رو سے ان کو واپس دے دیا گیا، لیکن جب لڑائی دوبارہ شروع ہوئی تو انگریزوں نے اس پر فوراً قبضہ کر لیا۔

۱۷۔ان لوگوں میں سے ایک شخص شیخ یوسف تھا جو جاوا کا ایک بڑا بااثر مذہبی پیشوا تھا اور بانتم کی آزادی کا سب سے آخری حامی تھا۔ ۱۶۹۴ء میں ولندیزی (ڈچ) حکومت نے اس کو شاہی قیدی بنا کر کیپ کالونی میں جلاوطن کر دیا۔ اس کے اہل وعیال اور متعدد ملازمین بھی اس کے ہمراہ تھے۔ لوگ اب تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں۔

۱۸۔جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے۔ ان میں سے ستانوے ہزار مسلمان وہ ہیں جو ہندوستان سے جا کر وہاں آباد ہوئے تھے۔ ترانوے ہزار ملائی قوم کے مسلمان ہیں۔ یہ لوگ تاجر ہیں یا کانوں میں مزدوری کرتے ہیں۔ پانچ ہزار مسلمان مقامی افریقی نسل سے ہیں۔ ۱۳۸۹ھ (۱۹۷۰ء) میں جنوبی افریقہ سے ۱۴۲۶ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مترجم)

۱۹۔آج کل (۱۹۷۰ء) میڈاغاسکر کے مسلمانوں کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار کے قریب ہے اور وہ کل آبادی کا تقریباً بیس فی صد ہیں۔ (مترجم)

۲۰۔کہتے ہیں کہ طرابلس سے ہر سال ایک ہزار سے زیادہ مبلغ سوڈان میں تبلیغ کرنے کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔

۲۱۔لندن کی انتھروپولوجیکل سوسائٹی کے ایک جلسے میں ایک مرتبہ اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی کہ عیسائی مشنریوں نے وحشی قوموں میں کیا کوششیں کی ہیں۔ اس میں ایک مشنری کا ذکر آیا جس نے ایک کالی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس سے وہاں کے عیسائی اس قدر ناراض ہوئے کہ مشنری نو آبادی کو چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ لیکن مسلمان مبلغ کو اس قسم کی مشکلات پیش نہیں آتیں۔

افریقہ کے لوگوں کے سامنے عیسائیت اور اسلام کو جن مختلف طریقوں سے پیش کیا جاتا ہے، ان کے تفاوت کو خود ایک نیگرو نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "مشنریوں کو دیسی عیسائیوں کی جماعت قائم کرنے اور ان کے مذہبی پیشوا مقرر کرنے کے لئے ایک مدت مدید درکار ہوتی، لیکن اس کے برعکس مسلمان مبلغین افریقہ کے اندرونی حصوں میں دور تک گھس جاتے ہیں اور بت پرستوں تک باسانی رسائی حاصل کر کے ان کو مسلمان کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آج کل نیگرو یعنی سوڈانی، اسلام کو سیاہ فام قوموں کا دین سمجھتے ہیں اور عیسائیت کو سفید فام لوگوں کا مذہب تصور کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عیسائی مذہب نیگرو کو نجات کی طرف بلاتا ہے، لیکن اس کو اس قدر ذلیل درجہ دیتا ہے کہ وہ شکستہ خاطر ہو کر اپنے دل میں کہتا ہے کہ اس ملت میں میرے لئے نہ کوئی حصہ ہے اور نہ کوئی نصیبا۔ اسلام

Marfat.com

بھی نیگرو کو نجات کی طرف بلاتا ہے، لیکن اس سے کہتا ہے کہ "اب یہ بات تم پر موقوف ہے کہ اپنی سعی وکوشش سے جس قدر بلندی پر پہنچنا ممکن ہو پہنچ جاؤ"۔ یہ سن کر نیگرو میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ دل و جان سے اسلام کا خدمت گزار بن جاتا ہے"۔

۲۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا کا جو معجزہ عطا ہوا تھا، اس سے مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ سیاہ فام تھے، لیکن یہ بات درست نہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ نسل کے لحاظ سے اسود یا نیگرو نہ تھے۔ وہ تو بنی اسرائیل میں سے تھے جو حضرت یوسف کے زمانے سے مصر میں آباد چلے آرہے تھے۔ (مترجم)

۲۳۔ وفیات الاعیان، از ابن خلکان، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ، جلد ا، ص ۸۔

۲۴۔ "مکتبوں کے طالب علم اپنا درس قرآن کی آیات سے شروع کرتے ہیں اور اعلیٰ جماعتوں میں قرآن کی تفسیریں اور اسی قسم کی دوسری کتابیں پڑھتے ہیں جو قرآن سے متعلق ہیں۔ بلاد السودان کے اندرونی حصوں میں مختلف درجوں کے مدارس کئی صدیوں سے جاری ہیں اور ان میں از روئے قانون نادار طالب علم بھی عوام کے صرفے سے تعلیم پاتے ہیں۔ مستحق طالب علموں کے درس کا یہ سلسلہ کئی برسوں تک جاری رہتا ہے۔ ان مدارس کی تعلیم صرف عربی زبان میں اور عربی مصنفین کی کتابوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ چند دیسی زبانیں بھی مدون ہوگئی ہیں۔ ان میں عربی زبان کی کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں اور بعض طبع زاد کتابیں بھی لکھی گئی ہیں ایسے مدرسے بھی موجود ہیں جن میں دیسی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔ (منقول از میتھوڈسٹ کوارٹرلی ریویو، بابت جنوری ۱۸۶۹ء) ڈاکٹر بلائڈن لکھتے ہیں کہ مغربی افریقہ کے مسلمان حسب ذیل کتابیں پڑھتے ہیں: مقامات حریری، ارسطو اور افلاطون کی بعض تالیفات کے عربی تراجم، بقراط کا عربی ترجمہ اور انجیل اور زبور کے عربی تراجم، جن کو امریکن بائیبل سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔

۲۵۔ منقول از رسالہ نائن ٹینتھ سنچری، بابت دسمبر ۱۸۸۷ء۔

۲۶۔ اشاعت دین کی بہ نسبت افریقہ کے دیسی باشندوں کو تسخیر کرنے میں اسلام کے نمائندے زیادہ فائدے میں رہتے ہیں۔ جب وہ افریقہ کے لوگوں کو روحانی وسائل کے زور سے مسلمان کر لیتے ہیں تو نومسلم ان کے بھائی بن جاتے ہیں اور ان کو ویسے ہی برابر کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، اور ان کو غلام بنانے کے لئے وہ ان پر غارت گری نہیں کر سکتے۔"

۲۷۔ صدیوں کی حکومت کے بعد بھی اہل اسلام ابھی تک افریقہ کو مسلمان کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس ناکامی سے بحث کرتے ہوئے میرنسکی لکھتا ہے کہ "ہماری رائے میں اس قابل غور واقعے کا سبب اس امر میں تلاش کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کے ہاں حکومت وقت نے اسلام اور اشاعت اسلام کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں یعنی حکومت اسلام اور اشاعت اسلام آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک برسر ترقی ہو تو دوسری بھی فروغ پاتی ہے اور اگر ایک کو زوال آئے تو دوسری بھی زوال پذیر ہو جاتی ہے"۔

لیکن مصنف علام نے میرنسکی کے اس قول کو قبول نہیں کیا، بلکہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کی تردید کردی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

باب دوازدہم

ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت

مجمع الجزائر ملایا کی گزشتہ چھ سو برس کی تاریخ اسلام کی پر امن تبلیغ کی داستان کا ایک نہایت دلچسپ باب ہے۔ اس تمام دور میں ممالک ہند چینی کے کسی نہ کسی جزیرے میں مسلم مبلغین کی متواتر کوششوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ہر ایک جگہ ابتدا میں ان کا تبلیغی کام بغیر والیان ملک کی سرپرستی یا امداد کے جاری ہوا اور محض ترغیب سے کام لیا گیا۔ بعض مقامات میں ان کو بالخصوص سپین والوں کی سخت مخالفت کا سامنا ہوا، لیکن باوجود ان تمام مشکلات کے انہوں نے اپنی کوششوں کو ان تھک محنت اور ہمت کے ساتھ جاری رکھا اور جہاں کہیں گزشتہ کام کو ادھورا یا ناکافی پایا، اس کو خصوصاً زمانہ حال میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

عربوں کے تجارتی تعلقات:

مجمع الجزائر ملایا میں اسلام سب سے پہلے کب داخل ہوا؟ اس واقعے کی ٹھیک تاریخ متعین کرنا ناممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سنہ ہجری کی ابتدائی صدیوں میں عرب تاجروں نے اس کا وہاں آغاز کیا ہو، لیکن یہ وہ زمانہ ہے جس کے متعلق ہمارے پاس اس بارے میں کوئی تاریخی بیان موجود نہیں۔ یہ خیال اس وجہ سے اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ عرب لوگ بہت قدیم زمانے سے مشرقی ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے چلے آئے تھے۔ چنانچہ دوسری صدی قبل مسیح میں لنکا کی بیرونی تجارت کلیتہً عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ چین کے ساتھ ان کی جو تجارت لنکا کے راستے سے ہوتی تھی، اس نے ساتویں صدی کی ابتدا میں اس قدر فروغ پایا کہ چین کے شہر کانٹن میں عرب تاجر بکثرت نظر آنے لگے۔ دسویں صدی سے پندرھویں صدی تک یعنی پرتگالیوں کی آمد سے پہلے مشرقی ملکوں کی تجارت پر عربوں کا پورا قبضہ تھا۔ اس لئے ہم قدرے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے دیگر مقامات کی طرح جزائر ملایا میں بھی قدیم زمانے ہی میں تجارتی بستیاں آباد کر لی تھیں۔ اگرچہ عرب تاریخ نگاروں کی تالیفات میں ان کا ذکر نویں صدی عیسوی سے پہلے نہیں ملتا، تاہم چینی تواریخ میں ۶۷۴ء کے ذیل میں ایک عربی امیر کا ذکر آیا ہے جس کے بارے میں زمانہ مابعد میں قیاس کیا گیا ہے کہ وہ سماٹرا کے مغربی ساحل پر عربوں کی کسی نو آبادی کا حاکم تھا۔

مسلمانان ملایا کے مذہبی عقائد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جزائر میں مسلمان مبلغ جنوبی ہند سے آئے تھے۔ ملایا کے اکثر باشندے شافعی مذہب رکھتے ہیں اور ساحل کورومنڈل اور مالابار میں بھی یہی مذہب غالب ہے۔ چودھویں صدی کے وسط میں بھی یہی صورت حال تھی جب ابن بطوطہ نے ان ملکوں کا سفر کیا تھا، لہذا

Marfat.com

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمسایہ ملکوں کے مسلمان حنفی المذہب ہیں، تو جزائر ملایا میں شافعی مذہب کے رواج کی وجہ یہی فرض کرنی پڑتی ہے کہ ملایا میں اسلام مالا بار کے ساحل سے آیا تھا، جہاں کی بندرگاہوں میں جاوا، چین، یمن اور ایران کے تاجر آمدورفت رکھتے تھے۔ جاوا اور سماٹرا میں شیعی عقائد کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ عقائد بھی ہندوستان یا ایران ہی سے آئے ہوں گے۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ سمدرا کے مسلمان سلطان نے شاہان دہلی سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے اور اس دین دار فرماں روا کے دربار کے جو فقہاء اس کی سرپرستی سے خاص طور پر فیض یاب ہوتے تھے ان میں دو ایرانی عالم بھی تھے۔ ان میں سے ایک شیراز کا اور دوسرا اصفہان کا باشندہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ کے زمانے سے بہت پہلے ملک دکن کے مسلمان تاجر، جن کے ذریعے سے ہندوستان کی اسلامی حکومتوں اور جزائر ملایا کے درمیان تجارت ہوتی تھی، مجمع الجزائر ملایا کی بندرگاہوں میں کثرت سے آباد ہو گئے تھے اور وہاں انہوں نے اپنے مذہب کا بیج بو دیا تھا۔

تاجروں نے اسلام پھیلایا:

غرض کہ ان ہی عربی اور ہندی تاجروں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ جزائر ملایا میں دیسی مسلمانوں کی ایسی آبادیاں نظر آنے لگیں جن کا ذکر وہاں کی قدیم تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔ جب یہ مسلمان تاجر ملایا کے تجارتی شہروں میں آباد ہو گئے تو انہوں نے دیسی عورتوں کے ساتھ شادیاں کر لیں اور ان بت پرست عورتوں اور ان کے گھرانوں کے غلاموں نے مسلمان ہو کر اہل اسلام کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کے افراد نے اپنی تعداد بڑھانے میں حتی المقدور اپنی پوری کوشش صرف کی۔ ان مسلمان تاجروں نے جزائر فلپائن میں اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جو مذکورہ ذیل طریقے اختیار کئے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان تاجروں کی بہت سی گزشتہ نسلوں نے بھی انہی طریقوں پر عمل کیا ہوگا: ''مسلمانوں نے ملک میں اپنے مذہب کو بخوبی پھیلانے کے لئے دیسی زبان سیکھی اور دیسی لوگوں کے رسم ورواج اختیار کئے۔ ان کی عورتوں سے شادیاں کیں اور اپنی ذاتی حیثیت کو بڑھانے کے لئے غلام خریدے، یہاں تک کہ وہ مملکت کے صف اول کے امراء میں شمار ہونے لگے۔ چونکہ دیسیوں کے مقابلے میں یہ لوگ زیادہ لیاقت اور اتفاق کے ساتھ باہم مل کر کام کرتے تھے، اس لئے ان کی قوت رفتہ رفتہ بڑھتی گئی، اور چونکہ ان کے پاس غلام بکثرت تھے اس لئے انہوں نے باہم اتفاق کر کے ایک قسم کی وفاقی حکومت بنالی اور ایک طرح کی مملکت قائم کر لی جس کی بادشاہت ایک ہی خاندان میں موروثی تھی۔ اگرچہ اس قسم کی وفاقی حکومت سے وہ بہت طاقت ور ہو گئے تھے، لیکن اس حال میں بھی انہوں نے قدیم طبقہ امراء کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کو ضروری سمجھا' اور ان طبقوں کی آزادی کی محافظت کی جس کی مدد کے بغیر ان کا کام نہیں

Marfat.com

چل سکتا تھا۔"

غرض کہ اسی قسم کے طریقے ہوں گے جن سے ملایا کے مختلف مسلمان آبادکاروں نے اپنی تبلیغی مساعی کے لئے ایک مضبوط سیاسی اور معاشرتی بنیاد قائم کی۔ وہ ان جزیروں میں فاتحین کی حیثیت سے نہیں آئے تھے، جیسے کہ سولہویں صدی میں سپین کے عیسائی یہاں داخل ہوئے تھے، نہ ہی انہوں نے تلوار کو اشاعت دین کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمیں ایک اعلیٰ اور زبردست قوم کے حقوق حاصل ہیں۔ نہ ہی انہوں نے دیسی باشندوں کو حقیر سمجھ کر دبایا ہے، بلکہ مسلمان یہاں محض تاجروں کے لباس میں آئے اور انہوں نے اپنی اعلیٰ ذہانت اور تہذیب سے اپنے مذہب کی خدمت کے لئے کام کیا۔ ذاتی سرفرازی حاصل کرنا اور دولت جمع کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔ یہ وہ ضمنی اسباب ہیں جن سے اسلام کی اشاعت میں مدد ملی۔ ان کے اجمالی بیان کے بعد اب ہم ان جزیروں کا یکے بعد دیگرے ذکر کرتے ہیں جہاں مسلمانوں نے اشاعت اسلام کے لئے کوشش کی۔

سماٹرا میں اسلام کی اشاعت:

عام روایت یہ ہے کہ جزیرہ سماٹرا میں اسلام بلاد عرب سے آیا تھا، لیکن اس کی کوئی مضبوط تاریخی سند نہیں ہے، بلکہ تمام شہادت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سماٹرا نے اس نئے دین کا علم ہندوستان سے حاصل کیا تھا۔ ہندوستان اور جزائر ملایا کے درمیان تجارتی تعلقات کئی صدیوں سے چلے آ رہے تھے اور سماٹرا کے سب سے پہلے مسلمان مبلغ غالباً ہندی تاجر تھے۔ لیکن ان کی تبلیغی کوششوں کی کوئی تاریخی روئداد موجود نہیں اور ملایا کی تواریخ کے مطابق آتجہ کے علاقے میں، جو سماٹرا کے شمال مغرب میں واقع ہے، سب سے پہلے ایک عرب بزرگ عبداللہ عارف نے اسلام کی تبلیغ کی تھی جو بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں اس جزیرے میں وارد ہوا تھا۔ اس کا ایک مرید برہان الدین سماٹرا کے مغربی ساحل پر اسلام کا پیغام پریمان کے مقام تک لے گیا تھا۔ اگرچہ یہ بیان قابل اعتماد نہیں ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں یہاں اسلام کی اشاعت کے لئے قدرے کوشش ہوئی تھی۔ کیونکہ آتجہ کی تاریخ میں لکھا ہے کہ مسلمان خاندان کا بانی شاہ جہان ۱۲۰۵ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک اجنبی شخص تھا جو کسی مغربی ملک سے ان سواحل میں اسلام کی تبلیغ کے لئے آیا تھا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا اور ایک دیسی عورت سے شادی کی۔ لوگوں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور وہ سری پادوکہ سلطان کے نام سے مشہور ہوا جو آدھا عربی اور آدھا سنسکرت ہے۔ کچھ مدت تک اسلام بندرگاہوں تک محدود رہا، جہاں مسلمان تاجر آمد و رفت رکھتے تھے۔ اندرون ملک میں اس کی ترقی کی رفتار سست رہی، کیونکہ یہاں اس کو زبردست ہندو اثرات کا سامنا ہوا جن کا مرکز منگ کباو کی مملکت تھی۔

Marfat.com

مارکو پولو، جس نے ۱۲۹۲ء میں ساٹرا کے شمالی ساحل پر پانچ مہینے تک قیام کیا تھا، لکھتا ہے کہ یہاں کے سب باشندے بت پرست ہیں، لیکن پرلاک کی ریاست میں، جو ساٹرا کے شمال مشرقی گوشے میں واقع ہے، صرف شہروں کے لوگ مسلمان تھے۔ مارکو پولو نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ''اس ریاست میں مسلمان سوداگروں کی آمدورفت اس کثرت سے ہے کہ انہوں نے اس دیس کے لوگوں کو مسلمان کرلیا ہے۔'' لیکن یہ پہاڑی لوگ سب بت پرست اور آدم خور تھے۔

اس کے علاوہ ملایا کی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان علی مغیث شاہ، جو آتجہ پر ۱۵۰۷ء سے ۱۵۲۲ء تک حکمران رہا، سب سے پہلا شخص ہے جس نے اسلام قبول کیا اور پھر اس کی رعایا نے اس کی تقلید کی۔ لیکن گمان غالب ہے کہ اس کو مملکت کا پہلا مسلمان تاج دار ہونے کا جو شرف دیا گیا ہے، اس سے اس کی عزت افزائی مقصود ہے، کیونکہ اس نے آتجہ کی عظمت کی بنیاد رکھی تھی اور قرب وجوار کے علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کر دیا تھا، اپنی رعایا کی مذہبی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ لیکن وہ پہلا شخص نہیں ہے جس نے ان میں دین اسلام کا علم پھیلایا ہو کیونکہ اس کے زمانے سے بہت پہلے ساٹرا میں اسلام اپنے قدم راسخ کر چکا تھا۔

شہر سمدرا کے متعلق روایت ہے کہ شریف مکہ نے چند لوگوں کو اہل ساٹرا کو مسلمان کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس جماعت کا سردار شیخ اسماعیل تھا اور مالابار سے روانہ ہونے کے بعد جزیرہ ساٹرا کا سب سے پہلا شہر، جہاں یہ لوگ وارد ہوئے، پاسوری تھا۔ یہ شہر غالباً ساٹرا کے مغربی ساحل پر کسی قدر جنوب میں واقع تھا۔ وہاں کے باشندوں نے اس جماعت کے وعظ ونصیحت سے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد وہ شمال کی سمت میں لمبری گئے اور پھر وہاں سے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے جزیرے کی دوسری طرف جا پہنچے۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر آرو میں وارد ہوئے جو جزیرے کے مشرقی ساحل پر ملاکا کے مقابل واقع تھا۔ ان دونوں شہروں میں ان کو یکساں کامیابی حاصل ہوئی۔ آرو میں پہنچ کر انہوں نے سمدرا کا پتا پوچھا جو شمالی ساحل کا ایک شہر تھا، اور ان کی خاص منزل مقصود تھا۔ لیکن ان کو معلوم ہوا کہ وہ سمدرا کے پاس سے گزر چکے ہیں، لہذا یہ لوگ پرلاک کی طرف واپس آئے جہاں چند سال پہلے مارکو پولو نے مسلمانوں کی ایک آبادی کو دیکھا تھا۔ انہوں نے یہاں چند اور لوگوں کو مسلمان کیا اور پھر سمدرا کے شہر میں پہنچ گئے۔ سمدرا کے شہر اور سمدرا کی ریاست کو ایک شخص مارا سیلو نے قائم کیا تھا۔ اب مارا سیلو شیخ اسماعیل کی ترغیب وتبلیغ سے مسلمان ہو گیا اور اس نے الملک الصالح کا نام اختیار کیا۔ پرلاک کے راجہ کی بیٹی سے شادی کی جس کے بطن سے دولڑکے پیدا ہوئے۔ اس خیال سے کہ ہر ایک لڑکے کے لئے ایک ایک ریاست ہونی چاہیے، اس نے ساٹرا کے شمالی ساحل پر پاسے کا اسلامی شہر آباد کیا۔

Marfat.com

ابن بطوطہ کا بیان:

جب ابن بطوطہ نے ۱۳۴۵ء میں سماٹرا کی سیاحت کی تو اس نے الملک الظاہر کو برسر حکومت پایا۔ وہ غالباً الملک الصالح کا بڑا لڑکا تھا اور اس کے دربار میں مسلمان بادشاہوں کی تمام شان وشوکت پائی جاتی تھی۔ اس کی سلطنت ساحل کے ساتھ ساتھ کئی دن کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک دین دار اور صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور علماء وفقہاء کے ساتھ مذاکرے کرنے کا بہت شوق رکھتا تھا۔ شعراء اور فضلاء اس کے دربار میں بکثرت آمدورفت رکھتے تھے۔ ابن بطوطہ نے دو فقیہوں کا نام لیا ہے جو ایران سے آئے تھے اور ایک امیر کا بھی ذکر کیا ہے جو بادشاہ کی طرف سے دہلی کے دربار میں سفیر بن کر گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمدرا کی مملکت عالم اسلام کے متعدد حصوں سے تعلقات رکھتی تھی۔ الملک الظاہر ایک بڑا سپہ سالار تھا۔ چنانچہ اس نے قرب وجوار کے بت پرستوں پر لشکر کشی کی اور ان کو اپنا مطیع بنایا اور خراج دینے پر مجبور کیا۔

وسطی سماٹرا میں اسلام کی اشاعت:

اس وقت تک اسلام سماٹرا میں بلاشبہ بہت ترقی کر چکا تھا اور ساحل پر اپنے قدم مضبوط کرنے کے بعد اب اندرون ملک میں پھیل رہا تھا۔ شیخ اسماعیل اور اس کے رفیقوں کی تبلیغی کوششیں اس قدر بارآور ہوئیں کہ ایک چینی سیاح، جس نے جزیرہ سماٹرا کی ۱۴۱۳ء میں سیاحت کی تھی، لمبری کے متعلق لکھتا ہے کہ اس میں ایک ہزار خاندان آباد تھے اور سب کے سب مسلمان تھے، وہ بہت اچھے لوگ تھے۔ مملکت آرو کا بادشاہ اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان تھے۔ چودہویں صدی کے اخیر اور پندرہویں صدی کے آغاز میں مینانگ کابو کی عظیم الشان سلطنت میں بعض لوگ مسلمان ہو گئے۔ جس کی حدود ایک زمانے میں جزیرے کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک جزیرے کے ایک بہت بڑے حصے پر خط استواء کے شمال اور جنوب میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ اس کی قوت میں اب بہت حد تک انحطاط آ چکا تھا، لیکن وہ ابھی تک ہندومت کی قدیم حامی اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے اسلام کے راستے میں بڑی مشکلات پیدا کر رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسلام نے اندرون ملک کے مقابلے میں اس مملکت کے باشندوں میں آخرکار اپنی جڑیں زیادہ مضبوط کر لیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وسطی سماٹرا میں اسلام کی اشاعت کو وہ وسعت حاصل ہوئی جو اس کو دوسرے اضلاع میں نصیب نہیں ہوئی تھی، حالانکہ یہ اضلاع اسلامی اثرات سے نزدیک تر تھے۔ چنانچہ بٹک کے علاقے کے اکثر لوگ، ابھی تک بت پرست ہیں، لیکن اسلام ان کے درمیان بھی داخل ہو چکا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جو آتجہ کی حدود پر رہتے ہیں' اپنے مسلمان ہمسایوں کے اثر سے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اسی طرح دیگر لوگ بھی، جو راؤ کے پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں، مسلمان ہو چکے

Marfat.com

ہیں۔ مشرقی ساحل پر بھی بٹک قوم کے بعض لوگ، جو ملایا کے مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں، مسلمان ہو رہے ہیں۔

پادری قوم کے متعصب لوگوں نے بٹک قوم کو بہ زور شمشیر مسلمان کرنے کی بہت کوشش کی۔ ان کے ملک کو ویران کر دیا اور بہت سے لوگوں کو مار ڈالا لیکن وہ ان کو ان متشددانہ طریقوں سے مسلمان نہ کر سکے۔ لیکن جب ولندیزی حکومت نے پادرس کی بغاوت کو فرو کر دیا اور بٹک قوم کے جنوبی علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا تو اسلام پر امن طریقوں سے پھیلنا شروع ہوا۔ اس کی اشاعت میں نئی حکومت کے ادنیٰ اہل کاروں نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا جو سب کے سب ملایا کے مسلمان تھے۔ ان کے علاوہ اسلام کے حق میں وہ تاجر بھی اثر انداز ہوئے، جو تمام ملکوں میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان کے تبلیغی کام کی تکمیل حاجیوں اور دیگر مسلمہ مذہبی پیشواؤں نے کی۔ یہ ایک قابل غور بات ہے کہ بٹک قوم کے لوگوں نے صدیوں تک اسلام کے داخلے کی سختی سے مزاحمت کی تھی اور دو طرفوں سے متعصب مسلمان قوموں سے گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے شمال میں آچین اور جنوب میں ملایا قوم کے لوگ آباد تھے، لیکن انہوں نے بھی آخر کار تبلیغ کے پر امن طریقوں کا شوق اور سرگرمی سے خیر مقدم کیا ہے۔ اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ولندیزیوں نے ان کے ملک کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو اس سے ان کے قومی خصائص کمزور پڑ گئے اور ان کے ملک میں خارجی اثرات کے لئے راستہ کھل گیا۔ ان کے ثقافتی ارتقاء میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اسی طرح اسلام کے مبلغوں نے بھی اپنی ہوشیاری سے نئے طریقے اختیار کئے۔ اپنی تعلیم کو پیش کرتے وقت بٹک قوم کے قدیم عقائد اور توہمات کا خاص خیال رکھا۔ جب ۱۸۹۲ء میں بٹک قوم کے درمیان عیسائی مشن قائم ہوئے تو اس سے بھی اسلامی تبلیغ کو خاصی تحریک ملی اور اس کی کامیابی کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بٹک کے دو گاؤں کے تمام باشندوں نے اصطباغ لیا تھا، لیکن اس کے تھوڑے عرصے بعد وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

وسطی سماٹرا میں ابھی تک بت پرستوں کی خاصی آبادی موجود ہے۔ اگرچہ وہاں کے اکثر باشندے مسلمان ہیں لیکن سوائے چند حاجیوں اور مولویوں کے یہ لوگ اپنے مذہب سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ کورنجی کے باشندوں کے درمیان بھی، جو بالعموم اسلام کے سرگرم معتقد ہیں، بعض ایسے طبقے پائے جاتے ہیں جو اب تک اپنے آبائی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں، لیکن اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ ان لوگوں میں مذہب کو زندہ کیا جائے۔ چنانچہ اسلام کے مبلغین خصوصاً مغربی ساحل کے بت پرستوں کو مسلمان کرنے میں مصروف ہیں۔ شہر سپروک میں ایک مسجد کے ایک ملا تھے، جس نے پچیس سال کے عرصے میں ضلع سپروک کے تمام باشندوں کو مسلمان کر لیا، سوائے عیسائیوں کے جن میں سے اکثر غلاموں کی نسل سے ہیں۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ایک تبلیغی

Marfat.com

تحریک کے ذریعے سے اس ضلع کے بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے، حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی جو عیسائی مشن کے دائرہ اثر کے مرکز میں رہتے تھے۔

روایت ہے کہ پالم بنگ میں اسلام کی ترویج ۱۴۴۰ء کے قریب رادن رحمت کے ذریعے سے ہوئی تھی جس کی تبلیغی کوششوں کا ذکر ذیل کے صفحات میں آئے گا۔ لیکن یہاں ہندومت کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی تھیں کہ اسلام کی رفتار سست رہی۔ چنانچہ انیسویں صدی تک پالم بنگ کے مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بہت کم واقفیت تھی اور ان کا اسلام محض چند ظاہری رسوم کی پابندی تک محدود تھا۔ لیکن اس سے دارالحکومت کے باشندے مستثنیٰ تھے جن کو عربوں سے روزانہ سابقہ پڑتا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ان کی مذہبی زندگی میں ایک نئی تازگی آئی اور مذہبی تبلیغ کو بھی روز افزوں ترقی ہوئی۔ چنانچہ ڈچ حکومت کی سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پالم بنگ کے مختلف اضلاع کے بت پرستوں میں اسلام برابر پھیل رہا ہے۔

لمپونگ کے اضلاع میں، جو سماٹرا کے جنوب میں واقع ہیں، اسلام سب سے پہلے جاوا ہی کی جانب سے داخل ہوا تھا اور اس کی ترویج ان ہی اضلاع کے ایک سردار نے کی تھی جس کا نام منک کملا بومی تھا۔ پندرھویں صدی کے اختتام کے قریب وہ آبنائے سندا کو عبور کر کے بانٹم کی مملکت میں داخل ہوا جو جاوا کے مغربی ساحل پر واقع تھی۔ اس کی آمد سے چند سال پہلے وہاں کے لوگ مسلمان مبلغوں کی تعلیم کو قبول کر چکے تھے۔ چنانچہ اس نے بھی اسلام اختیار کر لیا اور مکہ کا حج کرنے کے بعد اپنے وطن کے لوگوں میں اپنے نئے دین کا پرچار کیا۔ لمپونگ کے باشندوں میں اسلام خاصی ترقی کر چکا ہے اور بہت سے دیہات میں مساجد موجود ہیں، لیکن اندرونی حصوں میں پرانے توہمات ابھی تک باقی ہیں۔

وھابی تحریک کا اثر:

انیسویں صدی کی ابتدا میں سماٹرا میں مذہبی احیاء کی ایک تحریک جاری ہوئی جس سے اسلام کی مزید اشاعت کو مدد ملی۔ ۱۸۰۳ء میں سماٹرا کے تین حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن کو واپس آئے۔ جن دنوں میں یہ لوگ مکہ مکرمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو وہ وہابی تحریک سے بہت متاثر ہوئے، جس کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح تھی۔ ان کو شوق ہوا کہ وہ بھی اسی قسم کی اصلاح اپنے وطن کے لوگوں میں جاری کریں جس سے ان کی مذہبی زندگی زیادہ پاکیزہ اور زیادہ سرگرم بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہابیوں کے طریق پر خالص توحید کا وعظ کہنا شروع کیا اور اولیاء کو نذر و نیاز دینے کی ممانعت کی۔ لوگوں کو شراب نوشی، قمار بازی اور اسی طرح کی دوسری خلاف شرع باتوں سے روکا۔ انہوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں اور بت پرستوں میں سے بہت سے اشخاص کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ بعدازاں انہوں نے بتک کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا، لیکن یہ تحریک بددیانت اور طامع لوگوں کے ہاتھوں میں

Marfat.com

چلی گئی اور اس کا اصلی مقصد فوت ہو گیا، اور اس نے ایک وحشیانہ اور خون ریز جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۸۲۱ء میں یہ لوگ جن کو پادری کہا گیا ہے، ڈچ حکومت سے جا لڑے۔ لیکن ۱۸۳۸ء میں ان کا آخری قلعہ مسخر ہو گیا اور ان کی قوت ٹوٹ گئی۔

ملایا میں اسلام کی اشاعت:

ملایا قوم کے تمام مہذب باشندے اپنی اصل ان لوگوں سے ملاتے ہیں جو سماٹرا سے وقتاً فوقتاً جزیرہ نمائے ملایا میں سے اٹھ کر آئے تھے۔ یہ لوگ خصوصاً مِنانگ کابو کی مشہور سلطنت سے آئے تھے، جس کا صفحات بالا میں ذکر آ چکا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سماٹرا میں سب سے زیادہ زبردست سلطنت تھی اور جنوبی ملایا کی اندرونی ریاستوں کے بعض فرماں روا اپنی سند حکومت ابھی تک اسی مقام سے حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے سماٹرا سے آ کر کس زمانے میں ملایا کے اندرونی حصے میں آبادیاں قائم کیں؟ اس کا بتانا محض قیاس اور تخمینے پر موقوف ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سماٹرا سے آ کر سنگاپور اور جنوبی ملایا میں بارہویں صدی کے وسط میں آباد ہوئے تھے۔ ان ہی کی اولاد نے یہاں ایک سو سال کے بعد ملاکا کا شہر بسایا تھا۔ چونکہ ملاکا مشرقی تجارت کی شاہراہ پر واقع تھا اس لئے اپنے عمدہ محل وقوع کی وجہ سے یہ ایک بڑا پر رونق شہر بن گیا۔ اس بات میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ ملاکا میں اسلام کو ان تاجروں نے رواج دیا تھا جو یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ملاکا کی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس مملکت کے لوگ سلطان محمد شاہ کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے، جو ۱۲۷۶ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ روایت ہے کہ اس بادشاہ کی حکومت کو ابھی چند سال گزرے تھے کہ جدہ سے ایک جہاز ملاکا میں وارد ہوا جس کا کپتان سیدی عبدالعزیز تھا۔ ان نو وارد لوگوں نے بادشاہ کو اپنا مذہب تبدیل کرنے اور اپنا نام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام پر رکھنے کی ترغیب دی۔ اگرچہ ملاکا کی یہ تاریخ قابل اعتماد نہیں، تاہم یہ بات قرین قیاس ہے کہ مجمع الجزائر کے دیگر مقامات کی طرح ملاکا کے لوگوں نے بھی ایسے اہم واقعے کی تاریخ کو صحت کے ساتھ ضبط کیا ہو گا، کیونکہ ان کو اس یادگار واقعے پر فخر تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک پرتگالی مورخ نے اس واقعے کی ایک متاخر تاریخ، یعنی ۱۳۸۴ء بتائی ہے اور لکھا ہے کہ اس سال میں بلاد عرب سے ایک قاضی آیا تھا جس نے بادشاہ کو مسلمان کیا اور پیغمبر اسلام کے نام پر اس کا نام محمد رکھا اور اس پر لفظ شاہ کا اضافہ کر دیا۔

ریاست کیدا میں اسلام کی اشاعت:

کیدا ملایا کی ایک شمالی ریاست ہے۔ اس کی تاریخ میں ایک عجیب وغریب قصہ لکھا ہے کہ اس ریاست میں ۱۵۰۱ء کے قریب اسلام کیسے رائج ہوا۔ اگر اس میں سے چند ایک کرامات کو الگ کر دیا جائے تو اس کی کیفیت

Marfat.com

حسب ذیل ہے: ایک عرب عالم، جس کا نام شیخ عبداللہ تھا، کیدا میں وارد ہوا اور اس نے راجہ سے ملاقات کی۔ اس سے پوچھا کہ تمہارے ملک والوں کا کیا مذہب ہے؟ راجہ نے جواب دیا کہ ''میرا اور میری رعایا کا مذہب وہی ہے جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے، یعنی ہم سب لوگ بتوں کو پوجتے ہیں۔'' شیخ نے کہا ''تو کیا اعلیٰ حضرت نے اسلام کا نام نہیں سنا اور قرآن کا ذکر نہیں سنا، جو خدا کی طرف سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا ہے، جس نے تمام دیگر مذاہب کو منسوخ کر دیا ہے۔'' راجہ نے کہا کہ ''اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے اس نئے دین کی تلقین کرو۔'' یہ درخواست سن کر شیخ عبداللہ بہت خوش ہوا اور جوش مسرت میں آ کر راجہ سے بغل گیر ہو گیا اور اسے دین اسلام کی تعلیم دی۔ راجہ کو شراب نوشی کی عادت تھی، لیکن شیخ کی تلقین سے متاثر ہو کر جس قدر شراب کے خم موجود تھے راجہ نے اپنے سامنے منگوائے اور اپنے ہاتھ سے ان کی شراب زمین پر بہا دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے محل کے تمام بت منگوائے اور اس کے سامنے سونے اور چاندی کے بتوں، مٹی اور لکڑی کی مورتیوں کا ایک انبار لگا دیا گیا۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ نے سب بتوں کو تلوار اور کلہاڑی سے توڑ کر پاش پاش کر دیا اور ان کے ٹکڑوں کو آگ میں جلوا دیا۔

اس کے بعد شیخ نے راجہ سے درخواست کی کہ قلعے اور محل کی تمام مستورات کو جمع کیا جائے۔ جب وہ راجہ کے سامنے آئیں تو شیخ نے ان کو اسلام کے عقائد سے آگاہ کیا۔ شیخ اپنے رویے میں حلیم الطبع اور خوش خلق تھا اور اس کی گفتگو میں نرمی اور تاثیر تھی۔ چنانچہ اس نے محل کی مستورات کے دلوں کو موہ لیا۔ اس کے بعد راجہ نے اپنے چار سن رسیدہ وزیروں کو بلایا۔ جب وہ دربار میں داخل ہوئے تو وہ یہ دیکھ کر بڑے حیرت زدہ ہوئے کہ راجہ کے پاس ایک شیخ بیٹھا ہے۔ جب راجہ نے اپنے وزیروں سے شیخ کی آمد کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے بھی راجہ کی پیروی کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور کہا کہ ہمیں امید ہے کہ شیخ ہم کو بھی اسلام کی تعلیم دے گا۔ جب شیخ نے یہ الفاظ سنے تو وہ چاروں وزیروں سے بغل گیر ہوا اور ان سے کہا کہ اسلام کے ساتھ اپنا اخلاص اس طرح ظاہر کرو کہ سب لوگوں کو دربار میں طلب کیا جائے اور ان کو حکم ہو کہ جن مورتیوں کو وہ پوجتے ہیں، جن بتوں کو ان کے باپ دادا ان کے پاس چھوڑ گئے ہیں، ان سب کو اپنے ساتھ لائیں۔ شیخ کی یہ درخواست منظور ہوئی اور تمام بت جو رعایا کے پاس اس وقت موجود تھے، لائے گئے اور ان کو توڑ کر اور جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ کوئی شخص ان جھوٹے بتوں کے تباہ و برباد ہونے پر مغموم نہ ہوا، بلکہ سب لوگ اپنی خوشی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ نے چاروں وزیروں سے پوچھا کہ تمہارے راجہ کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے راجہ کا نام پرا اونگ مہاونگسا ہے۔ شیخ نے کہا کہ آؤ اب ہم ان کے نام کو اسلامی زبان میں تبدیل کر دیں۔ کسی قدر مشورے کے بعد اور راجہ کے منشاء کے مطابق راجہ کا نام مزلف شاہ رکھا گیا۔ شیخ نے کہا کہ

Marfat.com

یہ نام مشہور ہے اور قرآن مجید میں آیا ہے۔(۱)

شیخ عبداللہ کی تبلیغ:

اب کیدا کے راجہ نے ایسے مقامات میں، جہاں آبادی کی کثرت تھی، مسجدیں بنوائیں اور ہر مسجد کے لیے کم ازکم چوالیس آدمیوں کی جماعت مقرر ہوئی، کیونکہ اس سے کم تعداد مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے کافی نہ تھی۔غرض مسجدیں تعمیر ہوئیں اور ہر ایک مسجد میں ایک ایک بڑا نقارہ رکھا گیا جو جمعہ کے روز لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے بجایا جاتا تھا۔شیخ عبداللہ کچھ عرصے تک کیدا کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔تمام ساحلی علاقوں، کیدا کے ضلعوں اور قرب وجوار کی بستیوں سے صدہا لوگ جوق در جوق ان کے پاس آتے تھے اور شیخ سے اسلام کے ارکان اور شعائر سیکھتے تھے۔

جب آتجہ کے ملک میں یہ خبر پہنچی کہ شیخ عبداللہ نے کیدا کے لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے،تو اس ملک کے سلطان اور ایک عرب مبلّغ شیخ نورالدین نے جو مکہ سے آیا تھا، چند کتابیں اور ایک خط کیدا کے راجہ کے نام ارسال کیا۔اس خط کا مضمون یہ تھا کہ ''یہ خط سلطان آتجہ اور نورالدین کی طرف سے ہمارے بھائی سلطان کیدا اور شیخ عبداللہ یمنی کے نام ہے جو فی الحال کیدا میں مقیم ہے۔ہم نے دو کتابیں بھیجی ہیں تاکہ دین اسلام کو لوگوں میں استحکام حاصل ہو اور ان کو فرائض اسلام اور احکام دین کی بخوبی تعلیم ہو'' اس کے جواب میں سلطان کیدا اور شیخ عبد اللہ نے ایک خط روانہ کیا اور کتابوں کا شکریہ ادا کیا۔اب شیخ نے تبلیغ میں دوگنی کوشش شروع کر دی اور تمام مختلف گاؤں اور قریوں میں لوگوں کی سہولت کے لیے چھوٹی چھوٹی مسجدیں بھی بنوا دیں اور لوگوں کو دین کے قواعد اور فرائض کی تعلیم دی۔

کیدا کا راجہ اور اس کی رانی اکثر شیخ عبداللہ کی صحبت میں رہتے تھے اور اس سے قرآن شریف پڑھتے تھے۔راجہ اور رانی نے چاہا کہ راجاؤں کے خاندان کی کوئی شریف زادی ایسی ملے جس سے شیخ کا نکاح کر دیا جائے،لیکن کوئی اسے اپنی بیٹی دینے پر رضامند نہ ہوا، کیونکہ شیخ بغداد کو واپس جانے والا تھا اور صرف اس بات کا منتظر تھا کہ کسی شخص کو دین کی اس قدر تعلیم دی جائے جو اس کے بعد اس کا قائم مقام بن سکے۔

کیدا کے حکمران کے تین لڑکے تھے،یعنی راجہ معظم شاہ، راجہ محمد شاہ اور راجہ سلیمان شاہ۔شیخ عبداللہ نے یہ نام قرآن مجید سے اخذ کیے تھے اور ان شہزادوں کو دیئے تھے۔شیخ نے ان کو نصیحت کی تھی کہ غلاموں اور ادنیٰ طبقے کے لوگوں سے برتاؤ کرنے میں بردباری اور تحمل سے کام لیں،غیظ وغضب سے دور رہیں اور تمام بندگان خدا پر، جو مسکین اور حاجت مند ہوں، رحم کریں۔

Marfat.com

مذکورہ بالا بیان سے یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ شیخ عبداللہ کو اپنی کوششوں میں پوری کامیابی ہوئی، کیونکہ آتجہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے سلطان نے جب ۱۶۴۹ء میں کیدا فتح کیا تو ''اس نے اسلام کو اور زیادہ مستحکم بنایا اور وہاں کے مندوروں اور بتوں کو توڑ ڈالا۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو سال گزرنے سے پہلے کیدا سے بت پرستی کی پوری طرح بیخ کنی نہ ہو سکی تھی۔

ملایا کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت کے متعلق ہمیں اور تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔ لیکن بہت سے مقامات میں ان عرب مبلّغوں کی قبریں موجود ہیں جنھوں نے سب سے پہلے وہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی اور لوگ آج تک ان کی قبروں کا احترام کرتے ہیں۔ چونکہ ملایا کے مسلمانوں کو ایک مدت سے عربوں اور مشرقی ساحلِ ہند کے مسلمانوں سے واسطہ رہا ہے، اس لیے وہ مذہبی فرائض کے بہت پابند ہیں اور وہاں کے مسلمانوں میں اپنی مثالی پرہیزگاری کے لیے مشہور ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے ہندوؤں، بدھ مت والوں، عیسائیوں اور بت پرستوں کے ساتھ روزانہ میل جول نے ان کو وسیع الخیال اور صلح کل بنا دیا ہے۔ وہ ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور مکہ مکرمہ کا حج کرنے کے سخت پابند ہیں۔ (۲) ان کی دنیاوی بہبودی کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی امور کا بھی ہمیشہ خیال رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی گاؤں میں چالیس گھروں سے زیادہ آباد ہو جاتے ہیں اور اس کی تنظیم اور باقاعدہ اہل کاروں کی تقرری کی ضرورت پیش آتی ہے تو ان میں ایک واعظ کو بھی ہمیشہ شامل کیا جاتا ہے اور باقاعدہ طور پر ایک مسجد بھی تعمیر کر دی جاتی ہے۔

ملایا کے شمال میں، جہاں ملایا کی ریاستوں کی سرحدیں سیام (۳) سے ملتی ہیں، اسلام نے بدھ مت کے سیامیوں پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اہل سیام میں سے جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں وہ سمسم کہلاتے ہیں اور ایک ایسی زبان بولتے ہیں جو ملائی اور سیامی زبانوں سے مرکّب ہے۔ ملایا کے وحشی قبائل میں بھی بعض لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔

ممالکِ ہند چینی میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن گمانِ غالب ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے بعد عربی اور ایرانی تاجروں نے یہاں کی بندرگاہوں میں اسلام کو رائج کر دیا تھا۔ لیکن اس کا زیادہ رواج چودھویں صدی کے اخیر میں ہوا، جب ملایا کے لوگ اپنا وطن چھوڑ کر ہند چینی کے ساحلی شہروں میں جا کر آباد ہوئے تھے۔

جاوا میں اسلام کی اشاعت:

جاوا میں اشاعتِ اسلام کے تاریخی حالات لکھنے کے لیے ہم کو کئی سو برس پیچھے ہٹ کر جانا پڑے گا۔ جاوا میں اسلامی عقائد کی تبلیغ و اشاعت مدتِ دراز تک بلاشبہ تاجروں یا چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے سربراہوں کے

Marfat.com

ذریعے سے ہوتی رہی، کیونکہ اس جزیرے میں کوئی ایسی مرکزی حکومت نہ تھی جو اپنے اثر ورسوخ کو اس نئے مذہب کے حق میں استعمال کرتی یا جنگ وجدال کے ذریعے سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتی۔اس کے برعکس مسلمان مبلغوں کو یہاں ہندو تہذیب سے مقابلہ کرنا پڑا، جس نے اہل ملک کی زندگی میں اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی تھیں اور اہل جاوا کو تمدن اور ترقی کے ایک اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا تھا۔لیکن اس کے قوانین اور دستور اسلام کے آئین اور آداب سے بالکل مختلف تھے لہذا جاوا کے مسلمانوں میں اسلامی شریعت اب تک پورے طور پر نافذ نہ ہو سکی، حتی کہ ان علاقوں میں بھی جہاں اسلام کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہے۔شریعت کی پوری پابندی نہیں ہوتی اور ملایا کے قدیم رسم ورواج کے حامیوں اور ان حاجیوں کے درمیان مسلسل کشمکش جاری ہے جو مکہ مکرمہ کے حج سے واپس آتے ہیں اور اپنے مذہبی جوش کی بناء پر تمام مسلمانوں کو مذہب کا پابند دیکھنا چاہتے ہیں۔ان وجوہات سے اسلام کی رفتار بہت سست رہی ہوگی۔اور ہم خاصے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ اس تبلیغی تحریک کی تاریخ سے قصوں اور افسانوں کو الگ کیا جاسکتا ہے، لیکن پھر بھی بہت سی ایسی باتیں رہ جاتی ہیں جن کا کچھ حال نہیں کھلتا۔ ملایا کی ایک تاریخ نے ، جس میں ملایا کے قدیم مبلغین اسلام کا حال مذکور ہے، ان کے تبلیغی کام کو چند سالوں میں منحصر کر دیا ہے۔حالانکہ وہ کام بلاشبہ کئی نسلوں نے تکمیل کو پہنچایا تھا اور کئی صدیوں تک جاری رہا تھا جیسا کہ عام پسند تواریخ میں دیکھا گیا ہے، چند مشہور اشخاص کی طرف وہ نیک نامی منسوب کر دی جاتی ہے جو درحقیقت ان کے غیر معروف پیش رو لوگوں کا حق ہوتا ہے اس کے علاوہ ان میں سے بہت سے مبلّغوں نے تبلیغ کا کام ایسی خاموشی اور سلامت روی سے انجام دیا کہ تاریخ نگاروں کو ان کی خبر تک نہ ہوئی۔ان کی توجہ قدرتی طور پر بادشاہوں اور حکمرانوں کے کارناموں پر مبذول رہی یا ان لوگوں کے حالات پر مرکوز رہی جو ان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ ان مبلّغوں کے مفصّل حالات معلوم نہیں ہیں۔لہذا ہمیں ان واقعات پر اکتفا کرنا چاہیے جو ہمارے علم میں آئے ہیں۔

ان وجوہات سے ہماری یہ تجویز ہے کہ آئندہ صفحات میں جاوا میں اشاعتِ اسلام کے حالات کو اختصار کے ساتھ وہاں کی ملکی تاریخ کے مطابق بیان کر دیا جائے۔اگرچہ اس تاریخ میں بہت سے افسانے اور متناقض حالات مندرج ہیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی بنیاد تاریخی واقعات پر ہے۔کیونکہ قدیم شہروں کے آثار اور مشاہیر مذکور کی قبروں کے کتبات سے اس کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔چونکہ معلومات کے دیگر مستند ذرائع موجود نہیں اس لیے ذیل کے بیان کو صحیح تصور کرنا چاہیے۔لیکن اس بات کا ضرور لحاظ رہے کہ اشخاص کی انفرادی کوششوں اور ان کے بیانات پر زیادہ اعتماد نہ کیا جائے۔

Marfat.com

جاوا میں اسلام کی ابتدا:

جاوا میں اسلام کی ترویج کی سب سے پہلی کوشش وہاں کے ایک شخص نے بارھویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب کی تھی۔ جاوا کے مغربی حصے میں پجاجرن کی ریاست تھی۔ وہاں کے پہلے بادشاہ نے اپنے بعد دو لڑکے چھوڑے۔ بڑے لڑکے نے تجارت کا پیشہ پسند کیا۔ وہ مال تجارت لے کر ہندوستان کو روانہ ہوا اور سلطنت اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کر دی، جو ۱۱۹۰ء میں پربومنڈنگ سری کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ بڑا بھائی مختلف ملکوں کی سیر وسیاحت کرتا ہوا چند عرب تاجروں سے ملا اور ان کی ترغیب سے مسلمان ہو کر اپنا نام حاجی پُروا رکھا۔

جب حاجی پُروا وطن کو واپس ہوا تو اس نے ایک عرب مبلّغ کی مدد سے اپنے بھائی اور شاہی خاندان کو مسلمان کرنا چاہا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ راجہ اور اس کی کافر رعایا کے خوف سے جنگل میں بھاگ گیا اور پھر کسی نے اس کا کچھ حال نہ سنا۔

چودھویں صدی کے نصف ثانی میں جاوا میں ایک تبلیغی تحریک جاری ہوئی، جو زیادہ کامیاب رہی۔ اس تحریک کا بانی ملک ابراہیم تھا جو جزیرۂ جاوا کے مشرقی ساحل پر چند اور مسلمانوں کے ساتھ وارد ہوا اور جزیرۂ مدورا کے مقابل گریسک کے شہر کے قریب آباد ہو گیا۔ روایت ہے کہ وہ اپنا نسب حضرت زین العابدین علی سے ملاتا تھا اور اپنے تئیں راجہ چرمن کا پھوپھی کا بیٹا بتاتا تھا۔ ملک ابراہیم نے یہاں تبلیغ کا کام کامیابی سے شروع کر دیا اور جلد ہی نومسلموں کی ایک جماعت پیدا کر لی۔ اس کے بعد اس کا بھائی، یعنی چرمن کا راجہ اس کے پاس اس ارادے سے آیا کہ مجاپاہٹ کے ہندو راجہ کو مسلمان کرے اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر کے اس سے قرابت اور اتحاد پیدا کرے۔ چنانچہ جاوا پہنچنے کے بعد اس نے اپنے بیٹے صادق محمد کو مجاپاہٹ کے راجہ کے پاس اس غرض سے بھیجا تاکہ وہ ان کی باہمی ملاقات کا انتظام کرے، وہ خود ایک مسجد بنانے اور وہاں کے باشندوں کو مسلمان کرنے میں مصروف ہو گیا۔ آخر کار دونوں راجاؤں میں ملاقات ہوئی لیکن اس سے کوئی مفید نتیجہ اس لیے برآمد نہ ہو سکا کہ راجہ چرمن کی رعایا میں وبا پھیل گئی۔ راجہ کی بیٹی اور تین بھتیجے اور اس کے بہت سے مصاحب، جو اس کے ساتھ آئے تھے، وبا سے مر گئے اور راجہ اپنی ریاست کو واپس چلا گیا۔ ان ناگہانی آفتوں نے مجاپاہٹ کے راجہ کو نئے دین سے بدگمان کر دیا اور اس نے کہا کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو اپنے معتقدوں کو اس بلا سے محفوظ رکھتا۔ غرض کہ یہ تبلیغی کوشش ناکام رہی۔ لیکن مولانا ابراہیم اپنے عزیزوں اور دیگر مسلمانوں کی قبروں کی نگرانی کے لیے وہاں آباد ہو گیا۔ اس واقعے کے اکیس برس بعد یعنی ۱۴۱۹ء میں وہ انتقال کر گیا اور گریسک میں دفن ہوا جہاں مسلمان آج تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں، کیونکہ وہ جاوا میں اسلام کا سب سے پہلا مبلّغ تھا۔

ابراہیم کی وفات سے چھ برس پہلے، یعنی ۱۴۱۳ء میں فغفورِ چین نے ایک سفارت جاوا کو روانہ کی اور ایک

Marfat.com

چینی مسلمان ترجمان کی حیثیت سے اس سفارت کے ساتھ گیا۔ اس شخص نے ''سواحلِ بحر کا عمومی بیان'' کے نام سے جو کتاب لکھی، اس میں وہ جاوا کے مسلمانوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے ''اس ملک میں تین قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایک تو وہ مسلمان ہیں جو مغرب سے آئے ہیں اور یہاں آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کا لباس صاف ستھرا اور ان کی غذا عمدہ ہے۔ دوسرے چینی لوگ ہیں جو اپنے ملک سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ یہ لوگ بھی اچھا کھانا کھاتے ہیں اور عمدہ چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس کی تعلیم کی پیروی کرتے ہیں۔ تیسری قسم اصلی باشندوں کی ہے جو بہت بدصورت اور بدشکل ہیں۔ وہ سر میں کنگھی تک نہیں کرتے اور ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ وہ شیاطین کی پرستش کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ملک کو بدھ مت والوں کی کتابوں میں شیاطین کے ممالک میں شمار کیا گیا ہے"۔

اب ہم اس زمانے کی قریب آ پہنچے ہیں جس میں مسلمان جاوا میں دوسروں پر غالب آ گئے تھے اور جب اسلام کی ترویج پر تقریباً ایک سو سال گزر چکے تھے۔ لیکن اس موقع پر تاریخ کے چند ایک واقعات کو تفصیلاً بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جاوا میں اسلام کی اشاعت عربوں کی کسی متعصبانہ تحریک کے ذریعے سے نہیں ہوئی بلکہ خود ملک کے باشندوں نے اس تحریک کو جاری رکھا تھا۔ اگرچہ ایک مشترکہ مذہب ان کی تقویت کا باعث ہوا لیکن ان کو باہمی اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی ترغیب بیشتر اس غرض سے ہوئی کہ وہ اپنے ہم وطن بت پرستوں کے ہاتھ سے ملک کی حکومت چھیننا چاہتے تھے، لیکن اس غرض سے انھوں نے جہاد کا اعلان نہیں کیا بلکہ تخت شاہی کے ایک دعویدار کے وعظ ونصیحت سے کام لیا جو ایک بے انصافی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

اس زمانے میں جاوا کی سیاسی حالت یہ تھی کہ اس کے مرکزی اور مشرقی صوبہ جات جو ثروت، آبادی اور تہذیب کے لحاظ سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے، مجاپہت کی ہندو ریاست کے زیرِ نگیں تھے۔ اس کے مغربی حصے میں چربون کی سلطنت تھی اور چند اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں تھیں۔ جزیرے کا باقی جتنا ملک تھا اور جس میں مغربی گوشے کے تمام اضلاع شامل تھے، پجاجرن کے راجا کی حکومت میں تھا۔

مجاپہت کے راجا نے چمپا کے راجا کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ چمپا کی ریاست کمبودیا کے ملک میں خلیج سیام کے مشرق میں واقع تھی۔ اس رانی کو راجا کی ایک دوسری حرم سے، جو اس کی منظورِ نظر تھی، حسد پیدا ہوا اور راجا نے اس حرم کو اپنے بیٹے آریا دامر کے پاس بھجوا دیا جو سماٹرا میں پالم بنگ کا حاکم تھا یہاں پہنچ کر اس حرم کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رادن پتہ رکھا گیا اور اس کو گورنر نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، اس لڑکے نے اپنی ماں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا راجا سے سخت انتقام لیا۔ چمپا کے راجہ کی دوسری بیٹی نے ایک عرب سے شادی کر لی تھی جو چمپا میں اسلام کی تبلیغ کے لیے گیا تھا (۴)۔ اس کے ہاں ایک لڑکا

Marfat.com

پیدا ہوا جس کا نام رادن رحمت رکھا گیا۔ اس کے باپ نے بڑے اہتمام سے اسلامی طریقے پر اس کی پرورش کی اور جاوا کے لوگ آج تک اس کا بڑا احترام کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس کو جاوا کا سب سے بڑا مبلّغ اسلام سمجھتے ہیں (۵)۔

جب رادن رحمت کی عمر بیس برس کی ہوئی تو اس کے والدین نے اسے چند خطوط اور تحائف دے کر اپنے خالو یعنی مجاپہت کے راجا کی طرف روانہ کیا۔ وہ راستے میں دو ماہ تک پالم بنگ میں ٹھہرا اور آریا دامر کا مہمان رہا۔ قریب تھا کہ وہ راجا کو مسلمان کر لیتا، لیکن راجا اپنی رعایا کے خوف سے، جو اپنے قدیم توہمات پر سختی سے قائم تھی، علانیہ مسلمان نہ ہو سکا۔ رادن رحمت اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے گریسک کے شہر میں جا پہنچا جہاں ایک عرب مبلّغ اسلام شیخ جمادی الکبری نے اس کا استقبال کیا اور اس سے کہا کہ مشرقی جاوا میں جس مبلّغ اسلام کے آنے کا وعدہ ہو چکا ہے، وہ تم ہی ہو۔ اس نے پیشگوئی کی کہ بت پرستی کا زوال قریب آن پہنچا ہے اس سے کہا کہ بہت سے لوگوں کو مشرف باسلام کرنے کا سہرا تمھارے ہی سر رہے گا۔ مجاپہت کا راجہ اور رانی اس سے بہت مہربانی سے پیش آئے۔ راجہ اگرچہ خود مسلمان ہونے پر راضی نہ ہوا لیکن اس کو رادن رحمت سے ایسا اُنس پیدا ہوا کہ اس نے اس کو شہر امپل کے تین ہزار خاندانوں کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہ شہر جاوا کے مشرقی ساحل پر گریسک کے شہر سے کسی قدر جنوب میں واقع تھا۔ راجا نے اسے نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے بلکہ دوسروں کو مسلمان کرنے کی بھی اجازت دے دی، چنانچہ رادن رحمت نے کچھ عرصے کے بعد اپنی رعایا کے اکثر لوگوں کو مسلمان کر لیا۔

اب امپل کا شہر جاوا میں اسلام کا سب سے بڑا مرکز بن گیا اور وہاں کے حکمران کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، کیونکہ وہ اسلام کی اشاعت میں بڑے جوش وخروش سے کام لے رہا تھا۔ اس کی شہرت سن کر ایک شخص مولانا اسحاق امپل میں آیا تاکہ تبلیغ دین میں رادن رحمت کی مدد کرے۔ چنانچہ رادن رحمت نے مولانا اسحاق کو بالم بنگن کی ریاست میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مقرر کیا۔ یہ ریاست جاوا کے انتہائی مشرقی گوشے میں تھی۔ مولانا اسحاق نے یہاں پہنچ کر راجا کی بیٹی کا علاج کیا جو کسی موذی مرض میں مبتلا تھی۔ جب اس لڑکی کو شفا ہوئی تو راجا نے اس کے شکریے میں اس کی شادی مولانا اسحاق سے کر دی۔ شہزادی نے بڑی گرم جوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ راجا نے اسلام کی تعلیم پائی تھی اور مولانا اسحاق سے وعدہ کیا تھا کہ اگر شہزادی شفایاب ہوگئی تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ لیکن جب مولانا اسحاق نے اسے اپنا وعدہ یاد دلایا اور اصرار کیا کہ راجہ حسب وعدہ اسلام کا اعلان کرے تو راجہ نے مولانا اسحاق کو ملک میں سے نکلوا دیا، اور حکم دیا کہ اس کی بیٹی کے ہاں جو بچہ پیدا ہونے والا ہے، اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہوا تو شہزادی نے اسے گریسک کے شہر میں ایک دولت مند بیوہ کے پاس خفیہ طور پر روانہ کر دیا۔ اس بیوہ نے بچے کو ماں کی طرح پرورش کیا اور بارہ برس کی عمر تک اس کی تعلیم وتربیت کی۔ اس کے بعد اس نے

Marfat.com

لڑکے کو رادن رحمت کے سپرد کر دیا۔ جب رادن رحمت نے اس لڑکے کا قصہ سنا تو اس کا نام رادن پا کو رکھا اور کچھ عرصے کے بعد اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔ اس کے بعد رادن پا کو نے گری کے شہر میں، جو گریسک کے جنوب مغرب میں واقع ہے، ایک مسجد تعمیر کی اور ہزاروں لوگوں کو مسلمان کیا۔ اب رادن پا کو کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھا کہ رادن رحمت کے انتقال کے بعد مجاپہت کے راجا نے اس کو امپل اور گریسک کا حاکم مقرر کر دیا اس اثنا میں چند اور مسلمان گریسک سے تبلیغِ اسلام کے لیے روانہ ہوئے۔ رادن رحمت کے دو لڑکوں نے جاوا کے شمال مشرقی ساحل کے مختلف مقامات میں سکونت اختیار کی اور اپنی مذہبی سرگرمی کی وجہ سے بڑی شہرت پائی اور وہاں کے بہت سے باشندوں کو مسلمان کر کے بڑی نیک نامی حاصل کی۔ رادن رحمت نے شیخ خلیفہ حسین کو اشاعتِ اسلام کے لیے سمندر پار جزیرۂ مدورا کی طرف روانہ کیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر ایک مسجد بنائی اور بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔

اب ہم آریا دامر کا دوبارہ ذکر کرتے ہیں جو پالم بنگ کا حاکم تھا۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو علانیہ مسلمان نہیں کہتا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بچوں کی اسلامی طریقے پر تربیت کی تھی۔ چنانچہ جب رادن پتہ بیس برس کی عمر کو پہنچا تو اس نے اس کو اپنے رضاعی بھائی رادن حسین کے ساتھ، جو اس سے دو برس چھوٹا تھا، جاوا کی طرف روانہ کیا۔ یہ دونوں گریسک کے شہر میں وارد ہوئے۔ رادن پتہ اپنے حسب ونسب سے خوب واقف تھا۔ اس کی ماں کے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی تھی، اس کی وجہ سے اس کا دل غیظ وغضب سے بھرا ہوا تھا، اس لیے اس نے رادن حسین کے ساتھ مجاپہت جانے سے انکار کر دیا اور امپل میں رادن رحمت کے پاس ٹھہر گیا۔ رادن حسین دارالحکومت کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجا اس سے بہت مہربانی سے پیش آیا اور اس نے اسے ایک ضلع کا حاکم مقرر کر دیا اور پھر سپہ سالار بنا دیا۔

اس اثنا میں رادن پتہ نے رادن رحمت کی پوتی سے شادی کر لی اور بنترا کے مقام میں سکونت اختیار کر لی۔ بنترا گریسک کے مغرب میں ایک محفوظ جگہ پر واقع تھا اور چاروں طرف سے دلدلی زمین سے گھرا ہوا تھا۔ مجاپہت کے راجا نے جوں ہی بنترا کی نئی آبادی کا حال سنا تو اس نے رادن حسین کو رادن پتہ کے پاس بھیجا تاکہ اسے دارالحکومت میں حاضر ہو کر اظہارِ اطاعت کی ترغیب دے۔ رادن حسین اسے ترغیب دینے میں کامیاب رہا۔ چنانچہ رادن پتہ دربار میں حاضر ہوا، اور سب لوگوں نے اس کی شکل وصورت میں راجا کی مشابہت دیکھی۔ راجا رادن پتہ سے بہت مہربانی سے پیش آیا۔ اس نے اسے اپنی جانب سے بنترا کا حاکم مقرر کر دیا۔ لیکن رادن پتہ کے دل میں انتقام کی آگ برابر سلگ رہی تھی۔ وہ اپنے باپ کی سلطنت کو تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ امپل

Marfat.com

میں واپس آیا تو اس نے رادن رحمت سے اپنے تمام منصوبے بیان کر دیے۔ رادن رحمت نے اس کے غیظ و غضب کو فرو کرنے کی کوشش کی اور اسے یہ بات یاد دلائی کہ اس کے باپ نے اس سے ہمیشہ مہربانی کا سلوک کیا ہے، اس لیے اس کو اس کی مخالفت کرنی زیبا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ راجا بہت عادل اور ہر دلعزیز ہے اور رادن پتہ کو ایک مسلمان ہو کر اس کے ساتھ جنگ کرنا یا اس کو کسی طرح سے نقصان پہنچانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن رادن پتہ پر اس پند و نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بنترا کو واپس چلا گیا۔

بنترا کی آبادی اور اہمیت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور قرب و جوار کے بہت سے لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ رادن پتہ نے ایک بڑی مسجد بنانے کا ارادہ کیا، لیکن اس اثنا میں اسے خبر ملی کہ رادن رحمت سخت بیمار ہے چنانچہ وہ فوراً امپل کو روانہ ہوا اور اس نے وہاں دیکھا کہ جاوا کے تمام مشہور و معروف مبلّغین اسلام رادن رحمت کے بستر کے گرد جمع ہیں، جس کو وہ پیشوا تسلیم کرتے رہے تھے، ان میں رادن رحمت کے دو بیٹے بھی شامل تھے جن کا صفحات بالا میں ذکر آ چکا ہے۔ ان کے علاوہ رادن پاکو تھا جو گری کے شہر میں آباد ہو چکا تھا، اور پانچ اشخاص اور تھے۔ چند روز کے بعد رادن رحمت انتقال کر گیا اور رادن پتہ کے انتقامی منصوبوں میں جو شخص حائل ہو سکتا تھا، وہ باقی نہ رہا۔ مذکورہ بالا آٹھ اشخاص رادن پتہ کے ساتھ بنترا میں واپس آئے اور انھوں نے مسجد کی تکمیل میں مدد کی اور اس بات کا حلف لیا کہ وہ مجاپہت کی سلطنت کے خلاف اس کی مدد کریں گے۔ جاوا کے تمام مسلمان سردار اس سازش میں شریک ہو گئے لیکن رادن حسین اپنی رعایا سمیت راجا کا خیر خواہ رہا اور اس نے باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد ایک لمبی لڑائی شروع ہوئی جس کی تفصیل کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے۔ فقط اتنا لکھنا کافی ہے کہ ۱۴۷۸ء میں سات دن کی سخت جنگ کے بعد مجاپہت کے راجا کو شکست ہوئی اور جاوا کے مشرقی حصے میں ہندو راج کی جگہ ایک اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد رادن حسین اپنے ساتھیوں سمیت ایک قلعے میں محصور ہو گیا اور رادن پتہ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ پھر وہ امپل کے شہر میں لایا گیا جہاں اس کا بھائی اس سے بہت مہربانی سے پیش آیا۔ اس واقعے کے بعد جاوا کے بہت سے ہندو لوگ، جو اپنے مذہب پر قائم رہے تھے، ۱۴۸۱ء میں بھاگ کر بالی کے جزیرے میں آباد ہو گئے، جہاں اکثر لوگ آج تک شیو دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔(۲)

معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں نے مجاپہت کے شہزادوں کی سرکردگی میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں جو مجاپہت کے دارالحکومت کی فتح کے بعد بھی کچھ عرصے تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہیں۔

Marfat.com

وسطی جاوا میں اسلام کی اشاعت:

مسلمان حکمرانوں کے عہد میں بھی وسطی جاوا کے لوگ مدت دراز تک بت پرستی پر قائم رہے۔ شمالی ساحل کے قدیم تبلیغی مرکزوں سے اسلام نے جنوب کی طرف جو ترقی کی، اس میں کئی سو سال صرف ہوئے۔ چنانچہ وسطی جاوا کے مسلمانوں کے مذہبی تصورات میں ان کے قدیم ہندو مذہب کا اثر آج تک نمایاں ہے۔ جاوا کے اس حصے میں ہندومت نے اپنی جڑیں جس قدر مضبوط کر رکھی تھیں، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ کہیں ۱۷۶۸ء میں جا کر منوسمرتی اور ہندوؤں کی دیگر قانونی کتابیں منسوخ ہوئیں اور ان کی جگہ ایسے قوانین نے لی جو اسلامی شریعت کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتے تھے۔

مشرقی جاوا میں اسلام کی اشاعت:

غالباً سولہویں صدی کی ابتدا میں شیخ نورالدین ابراہیم کی تبلیغ سے، جو چربون کا رہنے والا تھا، جاوا کے مشرقی حصے میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ شیخ مذکور نے ایک جذامی عورت کو شفا بخشی تھی جس سے اس کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ ہزاروں آدمی اس کے پاس اسلام کی تعلیم پانے کے لئے آنے لگے۔ ابتدا میں قرب وجوار کے راجاؤں نے اس تحریک کی مخالفت کی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی مزاحمت بیکار اور عبث ہے تو وہ بھی اسلام کی رو میں بہہ نکلے اور ان میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ شیخ نورالدین ابراہیم نے اپنے بیٹے مولانا حسن الدین کو اسلام کی تبلیغ کے لئے بانٹم بھیجا جو کہ جاوا کا سب سے مغربی حصہ تھا اور پجاجرن کے ہندو راجہ کے زیر نگیں تھا۔ یہاں اس کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ان لوگوں میں، جو اس کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے' آٹھ سو تارک الدنیا زاہد بھی شامل تھے۔ اس ملک کی تاریخ میں یہ بات خاص طور پر مذکور ہے کہ نوجوان شہزادے نے لوگوں کو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ ترغیب کے ذریعے سے مسلمان کیا تھا۔ بعدازاں وہ اپنے باپ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے حج کے لئے گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے سماٹرا کے ساحل کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اسے کبھی تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ اس نے لوگوں کو محض پرامن طریقوں سے مسلمان کیا۔

مغربی جاوا میں اسلام کی اشاعت:

لیکن جاوا کے مشرقی حصے کی بہ نسبت اس کے مغربی حصے میں اسلام کی رفتار بہت سست رہی، کیونکہ شیو کے پجاریوں اور پیغمبر اسلام کے پیروؤں کے درمیان ایک مدت دراز تک کشمکش جاری رہی۔ غالباً سولہویں صدی کے وسط سے پہلے پجاجرن کی ہندو سلطنت کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطنت جاوا کی مغربی ریاستوں پر

Marfat.com

بھی حکمران تھی۔اس کے علاوہ بت پرستوں کی اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں ایسی تھیں جو ایک مدت تک سلامت رہیں اور ان میں سے چند ابھی تک باقی ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت کے حالات، جو بادوی کہلاتے ہیں، بہت دلچسپ ہیں۔ یہ لوگ ان باشندوں کی نسل سے ہیں جو اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے۔ وہ پجاجرن کی سلطنت کے زوال کے بعد جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ گئے تاکہ بغیر کسی قسم کی روک رکاوٹ کے اپنے آبائی مذہب پر کاربند رہ سکیں۔ کچھ عرصے کے بعد جب ان لوگوں نے سلطان ہاشم کی اطاعت اختیار کی تو ان کو اپنے قدیم مذہب پر قائم رہنے کی اس شرط پر اجازت ملی کہ جو لوگ بت پرست رہنا چاہیں، ان کی تعداد ایک خاص حد سے تجاوز نہ کرے۔ بہت تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اب تک اس شرط کے پابند چلے آرہے ہیں۔ حالانکہ ڈچ حکومت ایک مدت سے جاوا میں قائم ہے اور اس نے ان کو اس قدیم شرط کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے لیکن وہ اب تک اپنی تعداد کو چالیس گھرانوں تک محدود رکھتے ہیں۔ جب ان کی جماعت اس حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو ان کے ایک یا دو گھرانے مرکزی جماعت سے الگ ہو جاتے ہیں اور کسی قریب کے گاؤں میں وہاں کے مسلمان باشندوں کے درمیان آباد ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ مغربی جاوا میں اشاعت اسلام کی رفتار ملک کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں سست رہی، لیکن وہاں کے لوگوں میں وسطی جاوا کی طرح ہندو مذہب کو بخوبی استحکام حاصل نہ تھا (۷) اس لئے اسلام کو یہاں بت پرستی پر زیادہ مکمل فتح نصیب ہوئی، بمقابلہ ان علاقوں کے جو مجاپہت کے راجاؤں کی حکومت میں تھے۔ آج کل مغربی جاوا میں اسلامی شریعت ایک زندہ قوت ہے۔ جو تہذیب یہاں بلاد عرب سے آئی تھی وہ اہل جاوا کی زندگی اور طرز حکومت میں شیر وشکر ہوگئی ہے۔ آج کل مغربی جاوا کے وہ مسلمان، جنہوں نے دین کی تعلیم پائی ہے یا مکہ معظمہ کا حج کیا ہے، تمام اہل جاوا میں سب سے زیادہ ہوشیار اور خوشحال ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، جاوا میں اسلامی حکومتیں قائم ہونے کے بعد بھی وہاں کے بہت سے باشندے صدیوں تک بت پرستی پر قائم رہے۔ لیکن آج کل سوائے چند لوگوں کے جاوا کے کل باشندے مسلمان ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت سے توہمات اور دستور ان کے بت پرست اسلاف کے زمانے سے چلے آتے ہیں لیکن لوگوں کا عام میلان اس طرف ہے کہ ان کا انداز فکر اور ان کا طرز معاش اسلام کی تعلیم کے مطابق ہو۔ غرض کہ اسلام کی اشاعت عرصہ دراز تک پرامن طریقوں سے بتدریج جاری رہی۔ جاوا میں اسلامی حکومتوں کا قیام وہاں کی مذہبی تاریخ کی بہ نسبت ملک کی سیاسی تاریخ کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتا ہے، کیونکہ اسلام کی ترقی حکمرانوں کی رہین منت نہیں ہے بلکہ مبلغوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

جزائر مولکا میں اسلام کی اشاعت:

جس زمانے میں جاوا کے مسلمان ہندو سلطنت کے خلاف سازش کر رہے تھے، اور ملک کی حکومت کو جبراً چھین کر اپنے قبضے میں لانا چاہتے تھے، اسی زمانے میں مسلمان مبلغین اپنے وعظ و نصیحت کے ذریعے سے ملایا کے دوسرے جزیروں میں ایک پرامن انقلاب لا رہے تھے۔ اگرچہ ان کے تبلیغی کام کی رفتار تیز نہ تھی، لیکن ان کی کامیابی یقینی تھی۔ اب ہم سب سے پہلے جزائر مولکا کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ وہاں اسلام کی اشاعت کب اور کیسے ہوئی۔

لونگ کی تجارت کے سبب سے اہل مولکا کو مجمع الجزائر کے مغربی حصوں کے باشندوں کے ساتھ بہت قدیم زمانے سے تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ جاوا اور ملایا کے نومسلم لوگوں نے، جو جزائر مولکا میں تجارت کے لئے آیا کرتے تھے، ساحل کے باشندوں میں اپنے مذہب کو پھیلایا۔ جب مگیلن (۸) کے ساتھی اپنے وطن کو واپس آئے تو انہوں نے اس بارے میں ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا کہ اہل ملایا نے جزائر مولکا میں اپنے مذہبی عقائد کو کیسے پھیلایا تھا۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ''اہل سپین کی آمد سے چند سال پہلے ان جزیروں (۹) کے حکمران بقائے روح کے عقیدے کو اختیار کر چکے تھے۔ اس عقیدے کو تسلیم کرنے کے لئے ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ تھی کہ انہوں نے ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ دیکھا تھا، جو کبھی زمین پر یا زمین کی کسی چیز پر نہیں بیٹھتا تھا۔ مسلمانوں نے، جو ان جزیروں میں تجارت کے لئے آیا کرتے تھے، ان کو بتایا کہ یہ چھوٹا سا پرندہ بہشت میں پیدا ہوا تھا، اور بہشت وہ جگہ ہے جہاں مرنے کے بعد لوگوں کی روحیں آرام کرتی ہیں۔ اس سبب سے یہ حکمران امت محمدی میں شامل ہو گئے۔ کیونکہ اسلام عالم ارواح کے متعلق بہت سی حیرت انگیز باتوں کی بشارت دیتا ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ جزائر مولکا میں اسلام کی ترقی کی ابتدا پندرہویں صدی میں ہوئی۔ جزیرہ تیدور کے ایک بت پرست حکمران نے ایک عرب کی ترغیب و ہدایت سے جس کا نام شیخ منصور تھا، اسلام قبول کیا اور اس کی رعایا میں سے بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس بت پرست راجہ کا نام تجریلی لجاتو تھا لیکن اسے تبدیل کر کے اس کا اسلامی نام جمال الدین رکھ دیا گیا اور اس کے بڑے بیٹے کا نام شیخ منصور کے نام پر منصور رکھا گیا۔ مگیلن کی ہلاکت کے بعد جب سپین کی مہم ۱۵۲۱ء میں تیدور میں پہنچی تو اسی منصور نے سپین کے لوگوں کی خاطر و مدارت کی تھی۔ اس مہم کا مؤرخ یعنی پگافیتا اس کا نام راجا سلطان منصور بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس کی عمر پچپن سال سے قدرے زیادہ تھی۔ ان جزیروں میں مسلمانوں کو آباد ہوئے نصف صدی سے زیادہ نہیں گزرا تھا۔

ترناتے کے جزیرے میں، جو تیدور سے قریب ہے، اسلام کا قدم کسی قدر پہلے پہنچ چکا تھا۔ اہل سپین جس سال تیدور میں پہنچے، اسی سال میں پرتگالی ترناتے میں وارد ہوئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے ان کو بتایا

Marfat.com

کہ ان کے جزیرے میں اسلام کی اشاعت پر اسی برس سے کچھ زیادہ زمانہ گزر چکا ہے(۱۰)۔

پرتگالیوں کے بیان کے مطابق ترناتے کا سلطان مولکا کے حکمرانوں میں سے پہلا فرمانروا تھا جو مسلمان ہوا۔ اس جزیرے میں اسلام کی اشاعت کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک سوداگر، جس کا نام داتو ملا حسین تھا، بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا، جس سے لوگوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے بھی قرآن کے رسم الخط کو نقل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ اس خط کو پڑھ نہ سکے۔ اس پر انہوں نے سوداگر سے سوال کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ تو قرآن کے حروف کو پڑھ سکتا ہے لیکن وہ ان کو پڑھنے سے قاصر ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ تم کو پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا چاہیئے۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی تعلیم کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور دین اسلام اختیار کر لیا۔ ان جزیروں کے خودمختار حکمرانوں میں سلطان ترناتے سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ۱۴۹۵ء میں شہر گریسک (جاوا) کا سفر کیا تھا تاکہ وہاں جا کر دین اسلام قبول کرے۔ اس کی تبلیغی مساعی میں پتی پوتر اس کا معاون و مددگار تھا جو ہیتو (امبونا) کے مقام سے سفر کر کے جاوا میں اس غرض سے آیا تھا تاکہ نئے دین کے عقائد سیکھے اور پھر واپس جا کر امبونا کے لوگوں کو اسلام کی تلقین کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اسلام کی ترقی کی رفتار سست رہی اور اس کو ان لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو اپنے قدیم توہمات اور دیومالا کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی مشرکانہ رسوم کچھ عرصے تک قرآنی تعلیمات کے ساتھ خلط ملط رہیں جس کی وجہ سے لوگوں کے دل و دماغ ہمیشہ شک و شبہ میں مبتلا رہے۔

پرتگالیوں کی فتح سے اسلام کی ترقی کی رفتار اور بھی سست پڑ گئی، چنانچہ انھوں نے ایک قاضی کو ملک سے نکال دیا جو لوگوں کو اسلامی عقائد کی تعلیم دے رہا تھا۔ بت پرستوں میں عیسائیت کو پھیلایا اور عیسائیت کی اشاعت میں ان کو خاصی کامیابی ہوئی۔ لیکن ان کی یہ کامیابی چند روزہ ثابت ہوئی، کیونکہ جب سولھویں صدی کے نصف ثانی میں پرتگالی اپنی گھریلو مشکلات میں گرفتار ہو گئے تو اہل ملاکا نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور پرتگالی حکومت کا جوا اتار کر پھینکنے کی کوشش کی۔ عیسائیوں کے خلاف ایک سخت مہم شروع کر دی جس میں بہت سے عیسائی مارے گئے، باقی لوگوں نے عیسائی عقائد سے توبہ کر لی اور عیسائیت نے جو کچھ جیتا تھا، وہ سب ہار دیا۔ ملاکا کے لوگوں کو عیسائیوں کی حکومت سے جو مخالفت تھی، اس کی وجہ سے مغربی ملکوں سے جو مسلمان مبلغ بکثرت آتے تھے، اسی زمانے سے ان کی خوب پذیرائی ہونے لگی۔(۱۱) جب ہالینڈ والوں نے سترھویں صدی میں سپین اور پرتگال کے عیسائیوں کو جزائر ملاکا سے نکال دیا تو انھوں نے گویا عیسائی مذہب کا رہا سہا کام بھی تمام کر دیا۔ یسوعی فرقے کے پادری ترناتے کے باقی ماندہ دیسی عیسائیوں کو ساتھ لے کر جزائر فلپائن میں چلے گئے۔

ان جزیروں سے اسلام ملاکا کے دیگر حصوں میں پھیلا، اگرچہ کچھ عرصے تک اسلام کی اشاعت صرف

Marfat.com

ساحل کے باشندوں تک محدود رہی۔ اکثر نو مسلم ملایا قوم سے تعلق رکھتے تھے جن پر چھوٹے جزیروں کی تمام آبادی مشتمل تھی، لیکن وہ بیشتر بڑے جزیروں کے صرف ساحلی علاقوں میں رہتے تھے اور اندرونی حصوں میں الفور آباد تھے۔ تاہم بعد کے زمانے میں اس قوم کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ ۱۵۲۱ء میں گیلولو کی مملکت کا بادشاہ مسلمان تھا جو جزیرۂ ہلماہیرا کے شمالی حصے کے مغربی ساحل پر واقع تھی۔ زمانہ حال کے بعض ایسے قواعد وضوابط ہیں جو سرکاری مذہب کے فائدے کے لیے بنائے گئے تھے، لیکن ان کی وجہ سے الفور کے درمیان اسلام کی اشاعت کے لیے آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً اگر معلوم ہو جائے کہ الفور کے کسی شخص نے کسی مسلمان لڑکی سے آشنائی کر رکھی ہے تو اس کے لیے اس سے نکاح کرنا اور مسلمان ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ یا اگر الفور قوم کی کوئی عورت کسی مسلمان سے شادی کر لے تو اس کے لیے اپنے خاوند کا مذہب اختیار کرنا ضروری ہے۔ کئی جرم ایسے ہیں جن کا کفارہ قبول اسلام سے ہو سکتا ہے اور اگر ارکان دولت میں سے کسی کا منصب خالی ہو جائے تو اس کو پُر کرنے کے لیے امیدواروں کے حقوق پر اس قدر نظر نہیں ہوتی جس قدر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے کی طرف کس درجہ رغبت ہے۔

بورنیو میں اسلام کی اشاعت:

اسی طرح جزیرۂ بورنیو میں اسلام بیشتر ساحل تک محدود ہے، تاہم اسلام کے قدم وہاں سولھویں صدی کی ابتدا میں پہنچ چکے تھے۔ اسی زمانے میں بنجر ماسین کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ ریاست بورنیو کے جنوب میں واقع تھی اور مجاپہت کی ہندو سلطنت کی باج گزار تھی اور ۱۴۷۸ء تک یعنی مجاپہت کے زوال تک اس کے زیر نگیں رہی۔ بنجر ماسین کے لوگوں نے ریاست دامک کے وسیلے سے اسلام اختیار کیا تھا جو جاوا کے شمالی ساحل پر جنوبی بورنیو کے مقابل واقع تھی اور مجاپہت کی سلطنت کے زوال کے بعد قائم ہوئی تھی۔ ان کے مسلمان ہونے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک بغاوت کو فرو کرنے کے لیے دامک کی ریاست سے کمک چاہی اور ان کو اس شرط پر امداد دی گئی کہ وہ دین اسلام قبول کر لیں گے۔ چنانچہ جاوا سے مسلمانوں کی ایک جماعت آئی جس نے بغاوت کو فرو کیا اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ ۱۵۲۱ء میں جب اہل سپین بُرونی کے شہر میں پہنچے، جو بورنیو کے شمال مغربی ساحل پر واقع تھا، تو معلوم ہوا کہ وہاں کا حکمران مسلمان ہے۔

کچھ مدت کے بعد، یعنی ۱۵۵۰ء میں عربوں نے، جو پالم بنگ (سماٹرا) سے آئے تھے، سکدانا کی ریاست میں اسلام کو رواج دیا جو جزیرے کے مغربی حصے میں واقع تھی۔ وہاں کے راجہ نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے سے انکار کیا، لیکن اس کی موت سے پہلے ۱۵۹۰ء تک جو چالیس برس کا زمانہ گزرا، اس میں اسلام نے

Marfat.com

خاصی ترقی کی۔ اس راجے کے جانشین نے اسلام قبول کرلیا اور قریب کے ایک جزیرے کے حکمران کی بیٹی سے شادی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جزیرے میں اسلام ایک مدت سے مروج ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک فرانسیسی سیاح نے، جو ۱۶۰۰ء میں بورنیو میں آیا تھا، لکھا ہے کہ ساحلی علاقوں میں اسلام کو رواج عام حاصل ہے۔ اندرون ملک کے تمام باشندے بت پرست ہیں اور وہاں کے اکثر لوگ آج تک بدستور بت پرست چلے آ رہے ہیں۔ جب سکدانا کی ریاست میں اسلام نے فروغ پایا تو عالم اسلام کے مرکز نے اس دور دراز جزیرے کی طرف توجہ کی۔ اگلے فرماں روا کے عہد میں ایک عرب شیخ شمس الدین مکہ سے وارد ہوا اور اپنے ہمراہ قرآن مجید کا ایک نسخہ اور ایک مرصّع انگوٹھی بطور ہدیہ لایا۔ وہ سکدانا کے حکمران کے نام ایک خط بھی لایا تھا جس میں اس حکمران کو، جو دین اسلام کا بڑا حامی تھا، سلطان محمد صفی الدین کا معزز لقب دیا گیا تھا۔ (۱۲)

اٹھارویں صدی کے آخری سالوں میں شمالی بورنیو کے اندرونی حصے میں ایک قبیلہ رہتا تھا جس کو ایدان کہتے تھے۔ وہ ساحل کے مسلمانوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، کیونکہ مسلمانوں کے پاس ایک مذہب تھا جس سے وہ ابھی تک محروم تھے۔ ڈل رمپل نے، جو سولو میں ۱۷۶۱ء سے ۱۷۶۴ء تک مقیم رہا، ایدان کے متعلق کچھ معلومات فراہم کی تھیں۔ چنانچہ وہ ان کے متعلق لکھتا ہے کہ ''ان کو اپنی جہالت پر بجا طور پر افسوس ہے اور اسی لیے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ مسلمانوں کے گھروں یا کشتیوں میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمانوں کی بے حد تعظیم کرتے ہیں اور ان کو اس اعتبار سے بہت دانش مند سمجھتے ہیں۔ کہ ان کو اپنے خالق کا علم حاصل ہے۔ وہ مسلمانوں کی خواب گاہوں میں نہیں بیٹھتے اور نہ ہی ان کے پان دان میں انگلیاں ڈالتے ہیں، بلکہ مسلمان جب خود ان کو پان یا چونا دیتے ہیں تو وہ بہت ادب سے لے لیتے ہیں۔ غرض کہ وہ ہر بات میں کمال انکساری اور عاجزی کے ساتھ اس خدا کا احترام کرتے ہیں جس کو وہ خود نہیں جانتے، لیکن وہ ان لوگوں کی بہت عزت کرتے ہیں جن کو خدا کا علم حاصل ہے۔'' معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور ان کا قبول اسلام اس امر کی مثال ہے کہ اسلام ان قوموں پر کس قدر زبردست اثر ڈالتا ہے جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے پست درجہ رکھتی ہیں۔

بورنیو میں عرب، بوگی اور ملایا قوموں کے لوگ بھی وقتاً فوقتاً آ کر آباد ہوتے رہتے ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی کے بعد اہل چین نے بھی وہاں اپنی بستیاں بسالی ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف ملکوں کے غلام بھی یہاں لائے گئے ہیں۔ ان وجوہات سے آج کل بورنیو کے مسلمان بالکل مخلوط نسل کے لوگ ہیں۔ جب یہ غیر ملکی باشندے پہلے پہل بورنیو میں آئے تھے تو اس وقت ان میں سے اکثر بت پرست تھے اور بورنیو کے اصل باشندوں یعنی دیاک سے زیادہ مہذب تھے۔ غیر ملکی لوگوں نے دیاک کو مغلوب کر کے جزیرے کے وسط میں دھکیل دیا جہاں ان کے اکثر لوگ ابھی تک بت پرست ہیں، سوائے مغربی حصے کے جہاں دیاک قوم کے چھوٹے چھوٹے گروہ وقتاً

Marfat.com

فوقتاً مسلمان ہوتے رہتے ہیں۔ جب دیاک قوم کے بت پرست اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں تو وہ اکثر اوقات عیسائی مشنریوں کی بجائے مسلمان مبلّغوں کے وعظ ونصیحت کو قبول کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ پہلے عیسائی مذہب اختیار کرتے ہیں، لیکن بعدازاں مسلمان ہوجاتے ہیں۔ اس وقت بورنیو کے مسلمان دیاک قوم کے بت پرستوں اور عیسائیوں کو مسلمان کرنے کی سرگرم کوشش کررہے ہیں۔ (۱۳)

جزیرۂ سیلبیز میں اسلام کی اشاعت:

سیلبیز کے جزیرے میں بھی اسلام نے بہت آہستگی سے ترقی کی۔ اس نے سب سے پہلے ساحل کے لوگوں میں ظہور کیا اور پھر آہستہ آہستہ اندرونِ ملک میں اپنا قدم بڑھایا، لیکن یہاں کے باشندوں میں سے صرف ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مہذب تھے۔ یہاں کے مسلمان دو قبیلوں میں منقسم ہیں اول مکسّر اور دوسرے بوگی۔ بوگی جزیرے کے جنوب مغربی حصے میں آباد ہیں اگرچہ ساحلی آبادی میں بھی اس قوم کے لوگوں کی کثرت ہے۔ جنوب مغربی جزیرہ نما کے تمام باشندے مسلمان ہیں، لیکن اندرون ملک کے لوگ ابھی تک بت پرست ہیں اور وہاں بیشتر الفور قوم کے لوگ رہتے ہیں جو تہذیب میں ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں اور شمال، مشرقی اور جنوب مشرقی جزیرہ نماؤں میں بکثرت آباد ہیں۔ اس قوم کے جو لوگ جزیرے کے شمالی گوشے میں رہتے ہیں، ان میں سے بہت سے آدمیوں کو عیسائی کرلیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کا گزر صرف اس وقت ہوا جب پرتگالی لوگ وہاں اپنے قدم اچھی طرح سے جما چکے تھے اور الفور قوم کو کیتھولک مذہب میں شامل کرچکے تھے۔ لیکن بعدازاں جب ولندیزی آئے تو ان کے مشنریوں کو منہاسہ میں خاصی کامیابی ہوئی اور انھوں نے رومن کیتھولک لوگوں کو پروٹسٹنٹ بنالیا۔ لیکن اب اسلام الفور قوم کے بت پرستوں میں، خواہ وہ ولندیزی عملداری میں رہتے ہوں یا دیسی سرداروں کی حکومت میں آباد ہوں، آہستہ آہستہ اپنا راستہ بنا رہا ہے۔

جب پرتگالی پہلی مرتبہ ۱۵۴۰ء میں سیلبیز میں وارد ہوئے تو ان کو ریاست مکسّر کے دارالحکومت گووا میں صرف چند مسلمان نظر آئے جو غیر ملکوں سے آئے تھے، وہاں کے دیسی باشندے ابھی تک بت پرست تھے۔ ان کے ہاں اسلام کی اشاعت سترھویں صدی کی ابتدا سے شروع ہوئی۔ اس اشاعت کی تاریخ خاص طور پر دلچسپ ہے، کیونکہ ہمیں اس جزیرے میں اس امر کی شاذ ونادر مثال ملتی ہے کہ اسلام اور عیسائی مذہب دونوں بت پرستوں کو اپنا پیرو بنانے کے لیے مقابلے پر اترے ہوں۔ لیکن ایک قدیم عیسائی مصنّف نے اس کشمکش کے ایک واقعے کو یوں بیان کیا ہے کہ ”جب پرتگالیوں نے اتنے بڑے ملک کو دریافت کرلیا تو انھوں نے اسے ایک بڑا نتیجہ خیز واقعہ سمجھا چونکہ دیسی باشندوں کو مغلوب کرنا آسان نہ تھا، اس لیے انھوں نے ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے

Marfat.com

ان کی دوستی حاصل کی جا سکے۔ کیونکہ ان میں اس بات کی صلاحیت موجود تھی کہ حسن سلوک سے پرتگالیوں کے حلیف بن سکیں اور ان کے لیے مفید ثابت ہو سکیں ان جزیروں کے دیگر باشندوں کے مقابلے میں یہ لوگ زیادہ دلاور تھے اور عقل مند بھی زیادہ تھے۔ اس لیے اہل یورپ سے آشنا ہونے کے بعد ان میں بالعموم یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا اپنا مذہب مہمل اور بے معنی ہے۔ ملاکا کے حاکم دون انتونیو گلوانو کی کوشش سے ان میں سے جو چند لوگ عیسائی ہو گئے تھے، ان میں اتنی قابلیت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ دوسروں کو نئے دین کی تعلیم دے سکیں۔ تاہم مکسّر کی تمام قوم نے اپنے پرانے توہمات کو خیر باد کہا اور فوراً خدا پرست بن گئی، لیکن ان کو اس بات سے اطمینان نہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ارادہ کیا کہ ملاکا اور آچین کو بیک وقت قاصد روانہ کئے جائیں اور ایک جگہ سے عیسائی مشنری اور دوسری جگہ سے اسلامی شریعت کے عالم طلب کیے جائیں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ ان دونوں میں جو کوئی معلّم ان کے پاس پہلے پہنچے گا وہ اسی کا دین اختیار کر لیں گے۔ اس سے پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ پرتگالی اپنے مذہب کے بہت حامی ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دون روئیس پریرا، جو اس وقت ملاکا کا حاکم تھا، مذہب کی طرف سے کسی قدر بے پروا تھا۔ کیونکہ اس نے مطلوبہ مشنری ارسال کرنے میں بلا وجہ بہت تاخیر کی۔ اس کے برعکس آچین کی ملکہ بڑی پرجوش مسلمان تھی۔ اسے جوں ہی سیلبیز کے لوگوں کے میلان کا حال معلوم ہوا تو اس نے فوراً ایک جہاز علمائے دین سے بھر کر روانہ کر دیا اور ان لوگوں نے یہاں پہنچتے ہی وہاں کے باشندوں میں اپنا مذہب پھیلا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد عیسائی پادری بھی یہاں آئے اور انہوں نے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بڑی تلخ کلامی کی اور سخت سست کہا۔ لیکن اس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا، کیونکہ سیلبیز کے لوگ اب اسلام اختیار کر چکے تھے اور اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کریں گے۔ جزیرے کا ایک راجہ، جو عیسائی ہو چکا تھا، اپنے دین پر قائم رہا اور اس کی رعایا میں سے بھی اکثر لوگ عیسائی کر لیے گئے۔ لیکن سیلبیز کے اکثر باشندے بدستور مسلمان رہے اور آج کے دن تک مسلمان ہیں۔ ان جزائر کے دوسرے باشندوں کے مقابلے میں ان کو اپنے مذہب میں سب سے زیادہ غلو ہے۔''

کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۶۰۳ء میں پیش آیا تھا۔ جو کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں، ان میں اس واقعے کا اس کثرت سے ذکر آیا ہے کہ اس کی صحت میں شک کرنا ناممکن ہے۔ تالو کی ریاست میں، جو گووا کے شمال میں واقع ہے اور جس سے اس کا ہمیشہ اتحاد رہا ہے، مکسّر کے ایک مشہور و معروف مبلغ خطیب تنگل کا مزار ہے۔ اس ریاست کا حکمران مسلمان ہونے کے بعد اسلام کا بڑا سرگرم حامی ثابت ہوا اور یہ اسی کے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ مکسر زبان بولنے والے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے۔

لیکن اس تبلیغی تحریک کا انجام اس کے آغاز کی طرح پُرامن ثابت نہ ہوا، کیونکہ مکسر قوم کے دلوں میں

Marfat.com

نئے مذہب نے ایسا جوش مارا کہ انھوں نے بوگی کی ہمسایہ قوم پر اپنا مذہب زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی۔ گووا کے حکمران نے بونی کے راجہ کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ خدا واحد پر ایمان لے آئے تو وہ اسے ہر بات میں اپنے برابر سمجھے گا۔ بونی کے راجہ نے اس بارے میں اپنی رعایا سے مشورہ کیا۔ چنانچہ اس کی رعایا نے جواب دیا کہ ''ابھی تک ہم نے جنگ آزمائی نہیں کی اور نہ ہی ہم ابھی تک کسی سے مغلوب ہوئے ہیں'' غرض کہ انھوں نے میدان جنگ میں قسمت آزمائی کی، لیکن شکست کھائی۔ لہذا بونی کا راجہ مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنی رعایا کو اور قرب وجوار کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جبراً مسلمان کرنا چاہا۔ تعجب کی بات ہے کہ اس کی رعایا نے مکسر کے مسلمان حکمران سے امداد طلب کی جس نے اپنے سفیر بونی کے راجہ کے پاس بھیجے اور اس سے حسب ذیل سوالات کے جوابات طلب کیے: کیا اپنی رعایا پر جبر کرنے کے لیے اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کوئی خاص الہام ہوا ہے؟ یا وہ اس بارے میں کسی قدیم دستور کی پابندی کر رہا ہے؟ یا وہ اپنی ذاتی خواہش کی پیروی کر رہا ہے؟ اگر پہلی وجہ ہے تو گووا کا حکمران اسکی اطلاع چاہتا ہے اور اگر دوسری وجہ ہے تو وہ اس کے ساتھ دلی تعاون کرے گا اور اگر تیسری بات ہے تو اس کو جبر وتعدی سے باز آنا چاہیے، کیونکہ جن لوگوں پر وہ ظلم کر رہا ہے وہ گووا والوں کے دوست ہیں۔ جب بونی کے حکمران نے ان سوالوں کا کچھ جواب نہ دیا تو مکسر قوم کے لوگوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے اس کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ تین لڑائیوں میں اسے یکے بعد دیگرے شکست دی اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا اور بونی کی ریاست کو اپنی سلطنت کا صوبہ بنالیا۔

تیس سال کی محکومی کے بعد بوگی قوم نے ولندیزیوں کی مدد سے مکسر کے خلاف بغاوت کر دی اور ان کی بجائے سیلبیز کے قبیلوں کے سرخیل بن گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بوگی قوم میں اسلام کی اشاعت بتدریج اور آہستگی سے ہوئی تھی، (۱۴) لیکن جب وہ ایک بار نیا دین اختیار کر چکے تو اس نے ان میں عربوں کی طرح ایک نیا جوش عمل پیدا کر دیا، اگرچہ اس جوش وخروش نے بوگی اور عرب قوموں کے ہاں مختلف صورتیں اختیار کیں۔ بوگی قوم کے لوگ اب مجمع الجزائر کے سب سے زیادہ دلیر آدمی اور سب سے زیادہ باہمت تاجر اور جہاز ران بن گئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے تجارتی جہازوں میں سوار ہو کر نیوگنی کے ساحل سے لے کر سنگاپور تک مجمع الجزائر کے ہر حصے میں پہنچتے ہیں، جہاں انہوں نے بہت سی بستیاں آباد کر لی ہیں اور ان کے ذریعے سے انہوں نے بت پرستوں کے بہت سے جزیروں میں اسلام پھیلایا ہے۔ مثلاً ان کی ایک نو آبادی ایک ریاست میں پائی جاتی ہے جو جزیرہ فلوریز کے جنوبی ساحل کے اکثر حصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ انہوں نے یہاں کے اصلی باشندوں سے، جن میں سے کچھ لوگ رومن کیتھولک تھے، میل جول پیدا کر کے اس ریاست کے تمام لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے۔

اپنے اصلی وطن یعنی سیلبیز میں بھی بوگی قوم کے لوگوں نے شغل تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغی کوششوں کو

Marfat.com

بھی جاری رکھا ہے۔ چنانچہ بولانگ مونگندو کی ریاست میں، جو شمالی جزیرہ نما میں واقع ہے، موجودہ صدی میں وہ ان دیسی عیسائیوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب رہے ہیں جنہوں نے سترہویں صدی کے اخیر میں عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ اس ریاست کا پہلا عیسائی بادشاہ جیکب منو پو تھا (۱۶۸۹ء تا ۱۷۰۹ء) جس کے عہد حکومت میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ڈچ قوم کے پادریوں کی وجہ سے عیسائی مذہب نے بڑی جلد ترقی کی تھی۔ ۱۸۴۴ء تک اس کے تمام جانشین عیسائی رہے، لیکن اس سنہ میں اس وقت کے والیٔ ریاست، یعنی راجہ جیکب مانویل منو پو نے عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرلیا اور انیسویں صدی کی ابتدا سے اسلام کی تبلیغ کے لئے جو کوششیں جاری تھیں، وہ راجہ مذکور کے قبول اسلام سے کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔

اسی زمانے میں چند مسلمان تاجروں کی کوششوں سے، جن میں بوگی قوم کے لوگ بھی شامل تھے، جنوبی ریاست یعنی مونگندو کے ایک ساحلی شہر میں کچھ لوگوں کو مسلمان کرلیا گیا اور پھر اس شہر سے دو مسلمان سوداگر یعنی حکیم باگس اور امام تو ویکو ریاست کے باقی حصے میں اسلام کی اشاعت کے لئے نکلے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے چند غلاموں کے علاوہ بعض دیسی عورتوں کو بھی مسلمان کیا اور ان کو اپنے حبالہ نکاح میں لے لیا۔ پھر ان لوگوں نے مسلمان ہو کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ پھر مونگندو سے بولانگ کی شمالی ریاست میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ۱۸۳۰ء میں یہاں کی تمام آبادی سوائے دو تین مسلمان آبادکاروں کے یا تو عیسائی تھی یا بت پرست، لیکن اسلام کے سرگرم مبلغوں یعنی بوگی قوم نے اپنے دین کی اشاعت میں وسیع پیمانے پر کامیابی حاصل کی اور عربوں نے بھی ان کی تبلیغی کوششوں میں ان کی اعانت کی۔ دیسی عیسائیوں کو اپنے مذہبی عقائد کی بہت کم واقفیت تھی اور ان کا ایمان بھی ضعیف تھا، اس لئے ان میں اتنی استعداد نہ تھی کہ وہ مذہبی مباحثے میں دلیل و برہان کے ذریعے سے اپنے حریف مذہب کے حملوں کا مقابلہ کرسکیں۔ ولندیزی حکومت ان کو حقیر و ذلیل سمجھتی تھی اور ارباب کلیسا بھی ان سے غافل ہو چکے تھے بلکہ ان کو تقریباً بالکل چھوڑ چکے تھے، اس لئے ان عیسائیوں نے ان غیر ملکی مسلمانوں کو اپنا دوست تصور کیا، جن میں سے بعض نے ان کے ہاں شادیاں کرلی تھیں اور ان کے درمیان آباد ہو چکے تھے۔ بوگی اور عرب لوگ جزیرے میں پہلے کبھی کبھی آتے تھے، لیکن جب اسلام کی اشاعت بڑھی تو ان کی آمد و رفت بھی زیادہ ہوگئی اور ملک میں ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا، یہاں تک کہ ۱۸۳۲ء میں ایک عرب نے والیٔ ریاست کارنیلیس منو پو کی بیٹی سے شادی کرلی، حالانکہ وہ والی خود عیسائی تھا۔ اسی زمانے میں بہت سے امرائے سلطنت نے، جن میں سے بعض بہت طاقتور تھے، عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ جب ۱۸۴۴ء میں راجہ جیکب مانویل منو پو مسلمان ہوا تو اس سے پہلے اسلام اس کی مملکت میں اپنے قدم مضبوط کر چکا تھا، اس سے قبل اس راجہ نے ولندیزی حکام سے، جن کا صدر مقام منادو تھا، کئی بار

Marfat.com

درخواست کی تھی کہ سکول ماسٹر جیکب باستیان کی جگہ' جس کی وفات سے عیسائیوں کو بہت نقصان پہنچا تھا، اس کا کوئی جانشین مقرر کیا جائے ۔لیکن یہ درخواست رائگاں گئی اور جب راجہ نے منادو کے ولندیزی ریزیڈنٹ سے سنا کہ جب تک اس کی رعایا ولندیزی حکومت کی وفادار ہے اس وقت تک حکومت کو اس بات کی پروانہیں کہ وہ عیسائی مذہب رکھتی ہے یا مسلمان ہے' تو اس نے یہ سنتے ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنی رعایا کو بھی مسلمان کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی ۔ اگلے سال ملک میں ایک خوف ناک زلزلہ آیا اور ایک عرب مبلغ نے اس حادثے سے فائدے اٹھاتے ہوئے یہ پیشین گوئی کی کہ اگر بولانگ مونگندو کے لوگ فوراً اسلام قبول نہیں کریں گے تو ان کا ملک تباہ ہو جائے گا ۔ چنانچہ بہت سے لوگ خوف کے مارے مسلمان ہو گئے ۔ راجہ اور اس کے درباریوں نے بھی مسلمان مبلغوں اور تاجروں کی مدد کی ، جوست اور کاہل لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے ۔ بہر حال اس ریاست کی نصف آبادی ابھی تک بت پرست ہے اور ان کے ہاں اسلام کی ترقی کی رفتار اگرچہ فی الحال سست ہے لیکن مسلسل اور یقینی ہے۔

جزیرہ سمباوا میں اشاعت اسلام:

سمباوا کے نزدیکی جزیرے میں بھی اسلام کی اشاعت غالباً سیلبیز ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی ۔ مکسر کے مبلغ یہاں ۱۵۴۰ء سے لے ۱۵۵۰ء تک اسلام کی تلقین کرتے رہے ۔ چنانچہ اس جزیرے کے تمام مہذب باشندے اب سچے مومن ہیں اور دیگر ہمسایہ مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ متشرع اور دین دار ہیں ۔ اس کی بیشتر وجہ ایک مذہبی تحریک ہے ۔ جس کو ایک شخص حاجی علی نے ۱۸۱۵ء میں تمبورا پہاڑ کی تباہ کن آتش فشانی کے بعد شروع کیا تھا ۔ اس ہولناک حادثے کے بعد اہل جزیرہ پر جو مصیبتیں آئیں ان سے لوگوں کے مذہبی شعور کو بیدار کرنے میں کام لیا گیا اور ان کو اس بات کی تاکید کی گئی کہ وہ اپنے مذہبی فرائض کی زیادہ پابندی کریں اور زیادہ دیانت داری کی زندگی بسر کریں ۔ چنانچہ آج کل بھی اس جزیرے کے لوگ اسلام قبول کرتے رہتے ہیں ۔

جزیرہ لمبوک:

جزیرہ لمبوک کے لوگ بھی' جو ساسک کہلاتے ہیں ، بوگی قوم ہی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے ۔ بوگی قوم کے مسلمانوں کی یہاں ایک بڑی آبادی ہے ۔ یہ لوگ یہاں جزیرہ سمباوا سے آئے تھے یا سیلبیز سے براہ راست یہاں پہنچے تھے ۔ بہر حال لمبوک کے باشندے پر امن طریقے سے مسلمان ہوئے ہیں ۔ یہ لوگ دو مختلف قوموں میں منقسم ہیں ، اول ساسک اور دوسرے اہل بالی ۔ ساسک جو بیشتر مسلمان ہیں ، یہاں کے اصلی باشندے ہیں اور دوسرے فریق سے تعداد میں بہت زیادہ ہیں ۔ لیکن اٹھارویں صدی کے وسط میں وہ اہل بالی کے محکوم بن گئے اور

Marfat.com

جزیرہ بالی کے ہندو لوگ ٹڈی دل کی طرح لمبوک کے جزیرے پر چھا گئے (۱۵)۔ اہل جزیرہ کے لئے بالی والوں کی ظالمانہ حکومت بہت تکلیف دہ ثابت ہوئی، کیونکہ انہوں نے اپنی مسلمان رعایا کو ہندو دھرم میں لانے کی کوشش کی، لیکن ان کو بہت کم کامیابی ہوئی۔ ساسک قوم نے ان کی جابرانہ حکومت کا جوا اتارنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخرکار انہوں نے ولندیزی حکومت سے امداد طلب کی اور ولندیزی حکومت نے ۱۸۹۴ء میں ایک فوجی مہم بھیج کر جزیرے میں امن قائم کیا اور وہاں کا نظام حکومت درست کیا۔ نئی حکومت کے ساتھ بہت سے مسلمان اہل کار آئے، جنہوں نے اپنے اثر و رسوخ کو اپنے مذہب کے حق میں استعمال کیا۔ اس سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ لمبوک میں ولندیزی حکومت قائم ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں اسلام کی اشاعت کو زبردست تحریک ملے گی (۱۶)۔

جزائر فلپائن میں اسلام کی اشاعت:

سیلبیز کی طرح جزائر فلپائن میں بھی اسلام اور عیسوی مذہب میں لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لئے جدوجہد جاری رہی ہے، لیکن یہ کشمکش سیلبیز کی بہ نسبت زیادہ سخت اور مسلسل تھی جس کی وجہ سے سپین والوں اور مسلمانوں میں انیسویں صدی تک کشت و خون ہوتا رہا ہے۔ یہ بات صحیح طور معلوم نہیں کہ فلپائن میں اسلام کی ابتدا کب ہوئی (۱۷)۔

مندناؤ کی تواریخ کی روائیت یہ ہے کہ ایک شخص نے، جس کا نام شریف کابونگ سوان تھا، سب سے پہلے یہاں اسلام کو رواج دیا تھا۔ یہ شخص جوہور سے آیا تھا جو جزیرہ نمائے ملایا میں واقع ہے۔ وہ اپنے چند پیرووٴں کے ساتھ اس جزیرے میں آباد ہو گیا، اور اس نے یہاں کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ روایت ہے کہ اس نے ساحل پر اترنے سے پہلے اہل جزیرہ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے ان قدیم تواریخ سے یہی پتا چلتا ہے کہ کابونگ سوان کی آمد اور اہل مندناؤ کا قبول اسلام پہلے پہل پُر امن طریقے سے عمل میں آیا تھا، لیکن جب اس کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے آس پاس کے سرداروں اور قبیلوں کو مغلوب کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا مذہب بھی قبول کر لیا۔

جب سپین والوں نے ۱۵۲۱ء میں فلپائن کو دریافت کیا تو انھوں نے دیکھا کہ شمالی جزیروں کے باشندے سادہ لوح اور ناتراشیدہ بت پرست تھے۔ مندناؤ اور سولو کے جزیروں میں مسلمان قبیلے آباد تھے جو ان کی بہ نسبت زیادہ مہذب تھے۔ ان مسلمانوں کو مغلوب کرنے اور عیسائی بنانے کے لیے عیسائیوں نے انیسویں صدی تک جس قدر کوششیں کیں، وہ سب ناکام رہیں۔ چنانچہ عیسائی مشنری ان کو کبھی بھی عیسائی کرنے سے بالکل مایوس

Marfat.com

ہو گئے ہیں (۱۸)۔عیسوی مذہب کے مقابلے میں اسلام کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے،اس کی وجہ یہ کہ ان دونوں مذہبوں کو دیسی باشندوں کے سامنے مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ان کے لیے عیسائیت قبول کرنے کا یہ مطلب تھا کہ وہ سیاسی آزادی اور قومی خود مختاری سے بالکل محروم ہو جائیں،اس لیے عیسوی دین ان کے لیے غلامی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔علاوہ اس کے سپین کے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے تھے جن سے لوگوں کے دلوں میں روزِ اول ہی سے عیسائیت کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔عیسائیوں کی سینہ زوری اور زبردستی مسلمان مبلّغوں کی رواداری اور صلح پسندی کے بالکل برعکس تھی۔مسلمان مبلغ ملک والوں کی زبان سیکھتے تھے،ان کے رسم و رواج اختیار کرتے تھے اور دیسی عورتوں سے شادی بیاہ کر کے عوام کے ساتھ گھل مل جاتے تھے۔وہ نہ تو اپنے لیے خاص حقوق کا دعویٰ کرتے تھے اور نہ ہی ملکی باشندوں کو ادنیٰ تصور کر کے بہ نظر حقارت دیکھتے تھے۔ان کے برعکس سپین والے دیسی باشندوں کی زبان اور ان کے اوضاع واطوار سے بالکل ناآشنا تھے۔ان کی شراب نوشی اور خصوصاً ان کی حرص وآز اور ان کی لوٹ کھسوٹ نے ان کے مذہب کو بدنام کر دیا تھا۔وہ عیسائیت کی اشاعت کو اپنی ملکی فتوحات کے لیے محض ایک آلۂ کار سمجھتے تھے۔لہذا یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دیسی لوگوں نے عیسائیت کی ترویج کی کیوں مخالفت کی۔عیسوی مذہب صرف ان ہی علاقوں میں رواج پا سکا جہاں کے لوگ کمزور تھے یا ان کا جزیرہ اتنا چھوٹا تھا کہ سپین والے اس پر پوری طرح سے مسلط ہو گئے۔یہ لوگ عیسائی ہونے کے بعد سزا کے خوف سے مذہبی احکام کی پابندی کرتے تھے اور ان سے مکتب کے بچوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا (۱۹)۔فلپائن پر امریکی قبضے کے زمانے تک مندناؤ کی خود مختار اسلامی ریاست ان لوگوں کا ملجاء و ماویٰ تھی،جو عیسائی حکومت سے بیزار ہو کر وہاں سے بھاگتے تھے۔اسی طرح سُولو کا جزیرہ بھی،جو ۱۸۷۸ء سے برائے نام سپین والوں کے قبضے میں ہے،دوسرا مقام تھا جہاں سے اہل اسلام عیسائیت کی مخالفت کرتے تھے۔اس جزیرے میں ایسے نومسلم اب بھی موجود ہیں جو سپین کی زبان بولتے ہیں۔(۲۰)

جزائرسولو میں اشاعتِ اسلام:

اس امر کی کوئی یقینی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے کہ اہلِ سپین کی آمد سے کس قدر پہلے جزائر سُولو کے باشندے مسلمان ہو چکے تھے۔سُولو کی تواریخ کے بیان کے مطابق شریف کریم المخدوم اسلام کا پہلا مبلّغ تھا جو ان جزائر میں وارد ہوا۔اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ ایک عرب تھا جو چودھویں صدی کے وسط میں ملاکا گیا اور سلطان محمد شاہ کے علاوہ اس نے ملاکا کے عوام کو بھی مسلمان کیا۔اس نے مشرق کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔جب وہ ۱۳۸۰ء کے قریب سُولو میں پہنچا تو بوانسا کے مقام پر آباد ہو گیا جو وہاں کا پرانا دارالحکومت تھا۔یہاں سے

Marfat.com

لوگوں نے اس کے لیے ایک مسجد تعمیر کی اور بہت سے سرداروں نے اس کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ کہتے ہیں کہ وہ مجمع الجزائر کے ہر ایک جزیرے میں پہنچا اور اس نے بہت سے مقامات میں لوگوں کو مسلمان کیا۔ اس کی قبر سبوتو کے جزیرے میں بتائی جاتی ہے۔

اس کے بعد ایک اور مبلغ آیا، جس کا نام ابوبکر تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک عرب تھا جس نے اپنا تبلیغی کام ملاکا سے شروع کیا اور پالم بنگ اور برونی ہوتا ہوا آخر کار ۱۴۵۰ء میں جزائر سُولو میں وارد ہوا۔ اس نے کئی مسجدیں تعمیر کیں اور اپنی تبلیغ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔ بوانسا کے مسلمان حکمران راجہ بجندا نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی اور اس کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے سُولو کے قوانین اور نظامِ حکومت کو، جہاں تک مقامی رسم و رواج اجازت دے سکتے تھے، خالص اسلامی اصول کے مطابق ترتیب دیا۔ سُولو کے باشندے اگرچہ مدت دراز سے مسلمان ہو چکے ہیں، لیکن وہ اسلامی احکام کی سختی سے پابندی نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے فلپائن پر غارت گری کر کے بہت سے عیسائیوں کو غلام بنا لیا تھا اور ان عیسائی غلاموں کا مسلمانوں پر اس قدر اثر تھا کہ جے۔ ایم۔ مور نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ''سُولو کے باشندے کبھی کے عیسائی ہو چکے ہوتے لیکن ان کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان کے تبدیل مذہب سے پادریوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور ان کے اپنے اختیارات کو لامحالہ نقصان پہنچے گا۔ پھر ملک میں سپین کی حکومت میں قیام کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا اور یہ ایسی بات تھی جس کا آس پاس کی تمام اقوام کو تلخ تجربہ ہو چکا تھا جنھوں نے نادانی سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ سپین کے جتنے پادریوں نے سُولو میں اپنا مشن قائم کیا، ان کے جابرانہ رویے سے بھی لوگوں کے دلوں میں غیر ملکی مذہب کے خلاف سخت نفرت پیدا ہوگئی تھی۔

جب سے امریکہ والوں نے جزائر فلپائن پر قبضہ کیا ہے، اسلام کے غلبے میں بہت حد تک کمی آ چکی ہے اور اس کا حلقۂ اثر اب صرف جزیرہ پلاوان، مِندناؤ کے جنوبی ساحل اور جزائر سُولو تک محدود ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ مسلمان فلپائن کے شمالی جزیروں میں اپنی تبلیغ کو وسعت دے رہے ہیں اور انھوں نے دارالحکومت منیلا میں بھی اپنے تبلیغی کام کی ابتدا کر دی ہے۔ بعض حالات ایسے ہیں جو اس کی کامیابی کے لیے سازگار ہیں۔ اس ضمن میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ فلپائن کے لوگ عیسائیت کے ساتھ ان خرابیوں کی وجہ سے بھی بدگمانی رکھتے ہیں جن کی بناء پر انھوں نے سپین کے پادریوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے (۲۱)۔

نیوگنی میں اسلام کی کیفیت:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، مجمع الجزائر ملایا کی زیادہ مہذب قوموں نے اسلام کو بخوشی قبول کیا

Marfat.com

ہے، لیکن وہاں کی ادنیٰ قوموں میں اسے استحکام حاصل نہیں ہو سکا۔ ان ادنیٰ قوموں میں نیوگنی کے پاپوان لوگ اور جزائر ویکیو، مسول، ویگا ما اور سلاوتیؔ کے باشندے شامل ہیں۔ یہ جزیرے نیوگنی کے شمال مغرب کی جانب واقع ہیں۔ سولھویں صدی میں نیوگنی کے شمال مغربی جزیرہ نما اونین سمیت سلطان باتجن کے زیرنگیں تھے جو جزائر ملاکا کے حکمرانوں میں سے تھا (۲۲)۔ باتجن کے مسلمان حکمرانوں کے اثر سے ان جزیروں کے سرداروں نے، جو پاپوان قوم سے ہیں، اسلام قبول کر لیا ہے لیکن اندرونِ ملک کے اکثر لوگ ابھی تک بت پرست ہیں۔ صرف ساحل کے باشندے مسلمان ہیں۔ اس کی بیشتر وجہ یہ ہے کہ ملاکا کے لوگ آ کر ان کے درمیان آباد ہو چکے ہیں (۲۳)۔ خود نیوگنی میں پاپوان قوم کے بہت کم لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ مسلمان تاجروں نے غالباً ۱۶۰۶ء میں نیوگنی کے مغربی ساحل یعنی جزیرہ نمائے اونین میں اسلام کو رواج دیا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک جتنی صدیاں گزری ہیں، اس عرصے میں اسلام نے بہت کم ترقی کی ہے۔ پاپوان قوم نے اسلام اختیار کرنے سے بھی ایسی ہی بے اعتنائی برتی ہے جیسی کہ عیسائی مشنریوں کی تعلیم قبول کرنے سے پہلوتہی کی ہے۔ عیسائی مشنری ان کے ہاں ۱۸۵۵ء سے تبلیغ کر رہے ہیں لیکن ان کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

قریبی جزیروں کے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا گیا ہے۔ کہ وہ پاپوان قوم کو ایسا حقیر سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ان کے ہاں اسلام پھیلانے کی کوشش نہیں کی (۲۴)۔ تاہم ہمیں ایک شخص امام ذکر کا حال معلوم ہے جو ۱۸۵۶ء کے قریب ایک جزیرے سے آیا تھا جو سیرام کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ اس نے اسلام کو آدی کے جزیرے میں رواج دیا جو جزیرہ نمائے اونین کے جنوب میں ہے۔ اپنا مشن پورا کرنے کے بعد وہ اپنے وطن کو واپس چلا گیا، اگرچہ لوگوں نے اس بات پر اصرار کیا تھا کہ وہ ان کے درمیان سکونت اختیار کر لے۔ کہتے ہیں کہ سیرام اور گورام کے مسلمان تاجروں نے بھی بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں یہاں کے بعض بت پرستوں کو مسلمان کیا تھا۔

کائی کے قریبی جزیروں کے پاپوان لوگوں کو بھی مسلمان کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں جزائر باندا کے مہاجرین کی اولاد کے سوائے ان جزیروں میں مشکل ہی سے کوئی مسلمان دکھائی دیتا تھا، لیکن اس سے کچھ پہلے سیرام کے مبلغوں نے کائی کے بعض لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ لیکن قرآن کے احکام کی بہت کم پابندی ہوتی تھی۔ چنانچہ لوگ حرام جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور نشہ آور شرابیں پیتے تھے۔ لیکن ان کی عورتیں، مردوں کی بہ نسبت مذہب کی زیادہ پابند تھیں۔ چنانچہ جب ان کے خاوند سؤر کا گوشت کھانا چاہتے تھے تو ان کو خفیہ طور پر کھانا پڑتا تھا، کیونکہ ان کی بیویاں ایسی ناپاک چیز کو گھر میں نہیں آنے دیتی تھیں۔ لیکن ۱۸۸۷ء میں کائی کے باشندوں کی مذہبی زندگی میں ایک نئی حرکت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ مدورا، جاوا اور بالی کے عرب تاجر اسلام کے بڑے سرگرم مبلغ ثابت ہوئے اور انہوں

Marfat.com

نے لوگوں کو مسلمان کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اپنے دلائل کی تائید میں وہ بعض اوقات دھمکی اور زبردستی سے بھی کام لیتے تھے۔ عام طور پر ہر ایک نومسلم کو دو سو فلورن کی مالیت کے تحائف دیئے جاتے تھے اور سرداروں کو ایک ہزار فلورن ملتے تھے۔ کہتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اخیر میں جزائر کائی کے باشندوں کی کل تعداد تیس ہزار تھی اور ان میں سے آٹھ ہزار لوگ مسلمان تھے۔

مجمع الجزائر ملایا میں اسلام نے مغرب سے مشرق کی طرف جو ترقی کی ہے صفحات بالا میں اس کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا ہے، لیکن یہ خاکہ ان جزائر میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ کا ایک قلیل حصہ ہے، کیونکہ اس تاریخ کے اکثر واقعات ایسے ہیں جو کبھی معرض تحریر میں نہیں آئے۔ مقامی تاریخوں، یورپ کے سیاحوں، سرکاری اہل کاروں اور عیسائی مشنریوں کی تحریروں سے جو حالات اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ لامحالہ نامکمل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ گزشتہ چھ سو برس کے عرصے میں اسلام کی اشاعت کے لئے جو کوششیں کی گئی ہیں وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پرامن تھیں۔ بعض اوقات مذہب کی تائید میں تلوار اٹھائی گئی ہے لیکن اس تبلیغی تحریک میں جبر واکراہ کی بجائے بیشتر وعظ وتذکیر سے کام لیا گیا ہے۔ اس تبلیغ کو جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے، وہ زیادہ تر مسلمان تاجروں کی محنت کا ثمرہ ہے۔ ان لوگوں نے اہل ملک کی زبان سیکھ کر اور ان کے رسم ورواج اختیار کر کے ان کے دلوں کو تسخیر کیا۔ پھر خاموشی اور آہستگی کے ساتھ ان کے درمیان اسلام کی تعلیم کو پھیلانا شروع کیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان عورتوں کو مسلمان کیا جن کو وہ اپنے حبالہ نکاح میں لا چکے تھے۔ اسی طرح انہوں نے ان لوگوں کو بھی مسلمان بنایا جن کے ساتھ وہ تجارتی تعلقات رکھتے تھے، اور بجائے اس کے کہ وہ از راہ تکبر عوام سے الگ تھلگ رہتے، وہ ان کے ساتھ رفتہ رفتہ شیر وشکر ہو گئے اور اپنی اعلیٰ ذہانت اور تہذیب سے اسلام کی اشاعت میں کام لیا۔ اپنے مذہبی عقائد اور اعمال میں حسب ضرورت ایسی ترمیمیں کیں جن سے ان کا مذہب لوگوں کے لئے قابل قبول ہو گیا۔ چنانچہ انگریز مؤرخ بکل کا قول ہے کہ ''مسلمان مبلغین بہت مدبر اور دانش مند ہیں۔''

تبلیغ کے کام میں تاجروں کے علاوہ ایسے لوگ بھی مصروف عمل رہے رہیں جن کو پیشہ ور مبلغ کہا جا سکتا ہے، یعنی علمائے دین' واعظ' فقہاء اور حاجی لوگ، گزشتہ سالوں میں حاجی لوگ خصوصاً تبلیغ دین میں بڑے سرگرم رہے ہیں اور انہوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اپنے ابنائے وطن کی مذہبی زندگی کو مضبوط اور بااصول بنائیں اور ان میں بت پرستی کی جو عادتیں اور رسمیں چلی آتی ہیں، ان کو دور کریں۔ مجمع الجزائر کے تمام حصوں سے جو لوگ حج کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں، ان کی تعداد ہر سال بڑھتی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے اسلامی اثرات اور خیالات بھی لوگوں میں پھیل رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط تک ڈچ حکومت حاجیوں کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتی

Marfat.com

رہی ہے۔ چنانچہ اس نے ایک حکم جاری کیا تھا کہ کوئی شخص پروانہ راہداری کے بغیر حج کے لئے نہیں جا سکتا اور اس پروانے کے لئے اسے ایک سو دس فلورن ادا کرنے ہوں گے۔ جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا واپسی پر اسے اس سے دگنی رقم بطور جرمانہ ادا کرنی پڑے گی۔ لہذا یہ بات تعجب خیز نہیں کہ ۱۸۵۲ء میں ملایا کے حاجیوں کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف ستر رہ گئی تھی، لیکن اسی سال یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اس وقت سے حاجیوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشرے میں حاجیوں کی اوسط تعداد سات ہزار تھی اور بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں سات ہزار تین سو، لیکن ان کی تعداد میں سال بسال کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں ڈچ انڈیز کے حاجیوں کی تعداد چودہ ہزار دو سو چونتیس تھی۔

حاجیوں کی تعداد کی اس زیادتی کا بلاشبہ ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اب مکہ اور مجمع الجزائر ملایا کے درمیان سفر کی سہولتیں بڑھ گئی ہیں۔ لیکن ایک عیسائی مشنری نے لکھا ہے کہ ''سفر کی آسانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ حج کی وقعت اور اہمیت کم ہوگئی ہے۔ حاجیوں کی تعداد میں بڑی سرعت کے ساتھ اضافہ ہوا ہے، لیکن اس سے ان کی خوبیوں میں کمی نہیں آئی، بلکہ اس کے برعکس آج کل کے حاجیوں میں ایسے لوگ بہت سے ہیں جو عقائد اسلام کا کامل علم رکھتے ہیں اور پہلے حاجیوں کی بہ نسبت غیر مسلموں سے تعصب اور عداوت زیادہ رکھتے ہیں۔'' ہالینڈ کی گورنمنٹ اور عیسائی مشنریوں کی رپورٹیں اس بات کی متفقہ طور پر شہادت دیتی ہیں کہ جو حاجی اپنے وطن کو لوٹتے ہیں وہ اصلاح ملت اور تبلیغ دین کے کام میں بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں۔ بعض حاجی زیارت حرمین اور مناسک حج کی ادائیگی پر اکتفا کرتے ہیں اور پھر اپنے وطن کو چلے آتے ہیں، لیکن بعض حاجی دینی علوم کی تحصیل کے لئے مکہ میں ٹھہر جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کل مکہ میں ملائی قوم کے لوگوں کی ایک خاصی بڑی آبادی ہے جنہوں نے وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی ہے۔ یہ لوگ اپنے اہل وطن کے ساتھ مسلسل خط و کتابت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے ملایا کے مسلمانوں سے بت پرستی کے وہ تمام رسومات اور خیالات دور ہو گئے ہیں جو قدیم زمانے سے ان کے ہاں چلے آتے تھے۔ مکہ میں بہت سی مذہبی کتابیں ان مختلف زبانوں میں چھپتی ہیں جو ملایا کے مسلمانوں کے ہاں بولی جاتی ہیں اور پھر مجمع الجزائر کے تمام حصوں میں پہنچتی ہیں۔ پروفیسر ہرخرنیے نے کیا خوب کہا ہے کہ ترکی، ہندوستان اور بخارا کے لوگوں کی بہ نسبت جزائر ملایا کے باشندوں پر مکہ مکرمہ کا اثر زیادہ ہے۔

جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات کے مطالعے سے توقع کی جا سکتی ہے، کچھ عرصے سے جزائر ملایا میں تبلیغ اسلام میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے۔ جو حاجی واپس آتے ہیں، خواہ وہ تاجر ہوں یا مذہبی معلم، جہاں کہیں غیر مسلموں سے ملتے ہیں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ صوفیہ کے طریقوں نے بھی اپنے سلسلوں کو جزائر

Marfat.com

ملایا تک وسعت دی ہے۔ یہاں تک کہ جدید سنوسی طریقے کے معتقد بھی دور دور کے جزیروں میں موجود ہیں۔ اس طریقے کے اثر ونفوذ کی ایک علامت یہ ہے کہ ملایا کے بہت سے لوگ جب مکہ میں اپنا اصلی نام بدل کر عربی نام اختیار کرتے ہیں، تو سنوسی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ ضرور شامل کر لیتے ہیں۔

عیسائی مشنریوں نے ہالینڈ کی حکومت پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے اسلام کی اشاعت میں مدد پہنچائی ہے۔ یہ الزام صحیح ہو یا غلط، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مبلغین اسلام کے کام میں اس وجہ سے ضرور سہولت پیدا ہوئی ہے کہ ہالینڈ کی حکومت نے ملائی زبان کو، جس کو مسلمانوں کے سوا اور بہت کم لوگ جانتے ہیں، سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ ڈچ حکام کے ساتھ مسلمان اہل کاروں کا جم غفیر ہوتا ہے، جس میں پولیٹیکل ایجنٹ، محرر، ترجمان اور تاجر شامل ہیں۔ یہ مسلمان اہل کار جہاں کہیں جاتے ہیں، وہاں ان کے ساتھ اسلام کا قدم بھی پہنچتا ہے۔ جن لوگوں کو ڈچ حکومت کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے وہ ملائی زبان سیکھنے پر مجبور ہیں اور جب وہ ملائی زبان سیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی وہ اسلام اختیار کر لیتے ہیں۔ غرض کہ اس طرح سے اکثر با اثر لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں اور پھر عوام بھی ان کی پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج کل اسلام مجمع الجزائر ملایا سے بت پرستی کو خارج کر رہا ہے۔

(نوٹ از مترجم: اس صدی کی دوسری جنگ عظیم میں جب جاپانیوں نے مجمع الجزائز ملایا پر قبضہ کیا تو اس سے وہاں کی ڈچ حکومت کا نظام بالکل بگڑ گیا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر جاوا اور سماٹرا کے قوم پرستوں نے ۱۹۴۵ء میں ایک جمہوری حکومت قائم کر لی جس کی آزادی اور خودمختاری کو ہالینڈ کی حکومت نے ۱۹۴۷ء میں تسلیم کر لیا۔ چنانچہ اس طرح سے جنوب مشرقی ایشیا میں ایک نئی سلطنت ظہور میں آئی اس کی غالب آبادی مسلمان ہے۔ (پاکستان کی اسلامی حکومت بھی اسی سال میں قائم ہوئی تھی) یہ نئی سلطنت، "جمہوریہ انڈونیشیا" کے نام سے موسوم ہوئی۔ جس کا دارالحکومت جکارتہ کا شہر ہے جو جزیرہ جاوا میں واقع ہے۔ اس جمہوریہ میں سماٹرا، جاوا، مدورا، بالی، تیمور، سیلبیز، جزائر ملکا اور بورنیو کے ایک خاصے بڑے حصے کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں اور یہ تمام زرعی اور معدنی دولت سے مالا مال ہیں۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ مزلف کا لفظ بجنسہ قرآن شریف میں نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس میں اس آیہ شریفہ کی طرف اشارہ ہے کہ "وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝" (ترجمہ) اور بہشت پرہیزگاروں کے پاس لائی گئی۔ (سورۃ الشعراء آیت:۹۰)

۲۔ سعودی عرب کی حکومت نے حاجیوں کی تعداد کے متعلق جو اعداد و شمار شائع کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۸۹ء میں ملائیشیا سے ۵۳ ۸۳ مسلمان حج میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سنگاپور کے ۳۹۱ حاجی شامل نہیں ہیں۔ (مترجم)

۳۔ سیام، جس کو آج کل تھائی لینڈ کہتے ہیں، ایک آزاد مملکت ہے۔ یہاں کا حکمران اور اکثر لوگ بدھ مت کے پیرو ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً تین لاکھ مسلمان بھی آباد ہیں جو بیشتر ملائی قوم سے ہیں اور شافعی مذہب رکھتے ہیں۔ سیام کا دارالحکومت بنکاک ہے جہاں بیس مسجدیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۳۸۹ء میں سیام سے ۲۶۳ ۴ لوگ حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مترجم)

۴۔ چمپا میں قدیم قبروں اور میناروں کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔

۵۔ مذکورہ بالا بیان میں جن اشخاص کا ذکر آیا ہے، ان کے باہمی رشتے اور تعلقات مندرجہ ذیل شجرہ نسب سے ظاہر ہیں:

چمپا کا راجہ

ایک عرب = دختر

دار اوتی (دختر) = انگکا وجایا = ایک کنیز

حاکم مجاپہت

رادن رحمت

آریا دامر

رادن حسین

دختر = رادن پاکو

دختر = رادن پتہ

۶۔ اگرچہ مسلمانوں نے بالی کے باشندوں کو مسلمان کرنے کی بہت سرگرمی سے کوشش کی ہے لیکن انہوں نے اس کوشش کا آج تک سخت مقابلہ کیا ہے۔ تاہم کچھ لوگ وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ آٹھ لاکھ باسٹھ ہزار کی آبادی میں سے تین ہزار آدمی اسلام کے حلقہ بگوش ہیں۔ تجارت کے لحاظ سے اس جزیرے کا محل وقوع ایسا سازگار ہے کہ بیرونی ملکوں کے لوگ ہمیشہ اس کے ساحلوں پر آتے رہے ہیں، اور ان میں سے بہت سے لوگ یہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں۔ بعض نو آباد کار دیسی باشندوں سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں۔ لیکن بعض مسلمانوں نے ان کے ہاں شادی بیاہ کر لیا ہے اور یہاں کے لوگوں میں مل جل گئے ہیں۔ انہی لوگوں کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے بالی میں ترقی کی ہے، اگرچہ اس کی رفتار بہت سست ہے۔ کہتے ہیں کہ بالی کے مسلمان بڑے باہمت اور خوشحال لوگ ہیں جو اپنے مذہب کی ترقی میں بڑے سرگرم ہیں۔ اگرچہ بالی کے کافر لوگ دین اسلام سے متاثر ہیں، لیکن اہل اسلام ان کو اپنے دین میں لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو لحم خنزیر سے پرہیز کرنا پڑے گا جو ان کی ایک مرغوب غذا ہے۔

۷۔ ایک سیاح نے، جس نے ۱۵۹۶ء میں جاوا کا سفر کیا تھا، لکھا ہے کہ یہاں کفار کی دو یا تین ریاستیں تھیں جن کے اکثر باشندے بت پرست تھے۔

۸۔ مگیلن (۱۴۸۰ء۔۱۵۲۱ء) ایک پرتگالی جہاز ران تھا جس نے سپین والوں کی سرپرستی اور امداد سے مغرب کی طرف سفر کر کے جزائر مولکا میں پہنچنے کی کوشش کی، چنانچہ وہ پانچ جہاز لے کر ۱۵۱۹ء میں روانہ ہوا اور بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کو عبور کر کے جزائر فلپائن میں

Marfat.com

وارد ہوا لیکن وہاں کے باشندوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے جہازوں میں سے صرف ایک جہاز تین سال کے سفر و سیاحت کے بعد ۱۵۲۲ء میں واپس وطن پہنچا۔ یہ پہلا بحری سفر تھا جس میں مغربی جہاز رانوں نے تمام دنیا کے گرد پورا چکر لگایا۔ (مترجم)

۹۔ اس زمانے میں مولکا کے اکثر جزیرے چار بادشاہوں کی حکومت میں تھے جو ترنیٹ، تیدور، گیلولو اور تیجان کے فرمانروا تھے۔ ان میں سے پہلا حکمران سب سے زیادہ زبردست تھا جس کی سلطنت میں ترنیٹ اور قریب کے چھوٹے چھوٹے جزیرے، ہلماہیرا کا ایک حصہ، سیلیبز کا اکثر حصہ، امبونا اور بندا کے جزیرے شامل تھے، سلطان تیدور جزیرہ تیدور کے علاوہ قریب کے چند جزیروں، ہلماہیر کے ایک حصے اور ان جزیروں پر حکمران تھا جو تیدور اور نیوگنی کے درمیان واقع ہیں۔ ان کے علاوہ نیوگنی کا مغربی ساحل اور سرام کا ایک علاقہ بھی اس کی عمل داری میں شامل تھا۔ سلطان گلولو کی مملکت ہلماہیرا کے وسطی حصے اور سرام کے مغربی ساحل تک محدود تھی۔ تیجان کا سلطان بیشتر تیجان اور جزائر اوبی پر حکومت کرتا تھا۔

۱۰۔ ایک پرتگالی مصنف داباروس لکھتا ہے کہ "اہل جزیرہ کے بیان کے مطابق اس زمانے میں، جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اسلام کی وبا کو وہاں پھیلے ہوئے اسی برس سے کسی قدر زیادہ عرصہ گزر چکا تھا"۔

۱۱۔ ایک ہسپانوی مؤرخ آرگن سولا نے جزیرۂ ترناتے کے متعلق لکھا ہے کہ "اس مقام میں بہت سے مختلف مذہبی فرقے موجود ہیں اور یہاں پر ہر قسم کے مرتد تربیت حاصل کرتے ہیں، خصوصاً پیغمبر اسلام کے احمق اور خشک مزاج پیرو۔ ۱۵۸۵ء سے یعنی جب سے ہالینڈ کے لوگ ان سمندروں میں داخل ہوئے ہیں، انہوں نے اپنے ساتھ مسلمان فرقہ پرستوں اور بحری قزاقوں کا لانا بند نہیں کیا۔ یہ مسلمان ایشیا کی دولت کو لوٹ رہے ہیں اور اس کے بدلے میں اپنا جھوٹا مذہب دیتے ہیں جس نے ہزاروں آدمیوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے سے روک دیا ہے۔"

۱۲۔ صفی الدین نے ۱۶۷۷ء کے قریب وفات پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اپنا کوئی اسلامی نام نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ پانم بہن گری کسوما کے پرانے نام سے مشہور رہا۔

۱۳۔ بورنیو مجمع الجزائر ملایا میں سب سے بڑا جزیرہ ہے جہاں جنگل اور پہاڑ بکثرت ہیں اور لوہے، تانبے اور کوئلے کی کانیں پائی جاتی ہیں اور تیل کے ذخیرے بھی موجود ہیں۔ ملک کے اندرونی حصے میں دیاک اور ساحلی علاقوں میں چینی، جاوی اور ملائی لوگ آباد ہیں۔ مغربی اقوام میں سے سب سے پہلے پرتگالی یہاں وارد ہوئے۔ ان کے بعد ولندیزی اور انگریز آئے۔ اکیسویں صدی میں ولندیزیوں نے جزیرے کے اکثر حصے پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا، لیکن ۱۹۴۹ء میں یہ تمام علاقہ انڈونیشیا میں شامل ہو گیا جو آج کل کلیمانتان کہلاتا ہے۔ باقی حصہ ملایا والوں کے قبضے میں ہے۔ بورنیو میں برونائی کی ریاست غالباً اسلام کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں کی "عمر علی سیف الدین مسجد" قابل دید ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مسجد ایشیا کے جنوب مشرقی ملکوں میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ بورنیو میں مسلمانوں کی کل تعداد ساڑھے پانچ لاکھ کے قریب ہے جن میں عرب اور ملائی قوم کے لوگ بھی شامل ہیں، باقی ملائی باشندے ہیں۔ (مترجم)

۱۴۔ "اسلام کی اشاعت کے لئے بوگی قوم میں مدت دراز تک کوئی غیر معمولی کوشش نہیں کی گئی۔ ان مشرقی جزیروں کے دیگر قبیلوں کے مقابلے میں سیلیبز کے باشندوں میں نئی چیزوں سے نفرت اور قدیم رسوم کی پابندی بہت زیادہ ہے۔ ان وجوہات سے اسلام کی اشاعت کے راستے میں بڑی سخت مشکلات حائل رہی ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس نئے دین کی اشاعت ایک عرصہ دراز تک ان کے ہاں ملتوی رہی ہے۔ اسلام کو صرف اسی وقت قبولیت حاصل ہوئی ہے جب اس نے قدامت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا"۔ (تاریخ جزائر الہند، مؤلفہ کرافرڈ)

۱۵۔ ڈی ہالینڈر نے ۱۸۸۲ء میں لکھا تھا کہ لمبوک میں اہل بالی کی تعداد بیس ہزار اور ساسک قوم کی تعداد تین لاکھ اسی ہزار ہے۔

Marfat.com

۱۶۔لمبوک کا جزیرہ آج کل انڈونیشیا کی جمہوریت میں شامل ہے اور وہاں کی مجموعی آبادی بارہ لاکھ سے قدرے زائد ہے۔(مترجم)

۱۷۔کپتان ٹامس فارسٹ نے ۱۷۷۵ء میں لکھا تھا کہ "عربوں کو جزیرہ منداناؤ میں آئے ہوئے تین سو برس گزرے ہیں۔ پہلا عرب جو یہاں وارد ہوا مکہ کا ایک شریف تھا جس کی قبر آج تک سیاحوں کو دکھائی جاتی ہے، یہ قبر مرجان کے پتھروں کا ایک ڈھیر ہے۔

۱۸۔یسوعی فرقے کے پادریوں نے، جو فلپائن میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے گئے تھے، اپنے مراسلات میں لکھا ہے کہ "یہ لوگ خداوندی نعمتوں کے ایسے مخالف ہیں اور اپنے عقائد میں ایسے پختہ ہیں کہ ان کا عیسائی مذہب قبول کرنا خارج از امکان ہے۔"

۱۹۔جزائر فلپائن کے حالات میں ایک عیسائی نے لکھا ہے کہ "جس عیسوی دین کو انہوں نے قبول کیا ہے اس کے فرائض اور احکام کی پابندی سے وہ بے پرواہیں۔ ایسے احکام کی پابندی کے لئے ان کو سزا کا خوف دلانا ضروری ہے اور مکتب کے بچوں کی طرح ان کی نگرانی کرنا لازم ہے۔"

۲۰۔موسیو شاتلیہ نے لکھا ہے کہ "جزیرہ منداناؤ میں تگال قوم کے لوگ رومن کیتھولک آقاؤں کی حکومت سے بیزار ہو کر ہر روز اپنے قومی سرداروں کے پاس جمع ہو رہے ہیں اور تین لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ مسلمان ایسے ہیں جو ایک خود مختار سلطان کا دم بھرتے ہیں۔ جب یسوعی پادریوں کو جزیرے سے نکال دیا گیا جو سرکاری مذہب کے نمائندے تھے تو ان کی جگہ چین اور ہند کے مسلمان مبلغوں نے لے لی جو لوگوں کے مذہبی پیشوا اور معلم بن گئے۔ انہوں نے اس تبلیغ کو جاری رکھا جو عربوں کی لشکر کشی کے زمانے میں شروع ہوئی تھی۔"

۲۱۔فلپائن ۱۹۴۶ء سے ایک آزاد جمہوریت ہے جو بہت سے جزیروں پر مشتمل ہے۔ مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب ہے جو بیشتر جزائر سولو اور جنوبی جزیرے پلوان میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۳۸۹ھ میں جزائر فلپائن سے ۱۷۶۵ نفوس حج میں شریک ہوئے تھے۔ یہاں کے مسلمان مذہبی اور سیاسی لحاظ سے کافی بیدار ہیں۔ حکومت میں عیسائیوں کا زور ہے اور چونکہ مسلمان ان سے انصاف پانے سے مایوس ہو چکے ہیں اس لئے ان میں آج کل یہ تحریک چل رہی ہے کہ وہ جزیرے جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے، سیاسی اعتبار سے آزاد اور خود مختار ہونے چاہئیں۔ اللھم ایدھم بنصرک۔(مترجم)

۲۲۔باتجن کا پہلا فرماں روا، جو مسلمان ہوا، زین العابدین تھا۔ جب پرتگالی ۱۵۲۱ء میں سب سے پہلے ملکا میں وارد ہوئے تو یہی زین العابدین باتجن میں حکمران تھا۔

۲۳۔ایک ولندیزی مصنف جزیرۂ مسول کے بارے میں لکھتا ہے کہ "ساحل کے رہنے والے تمام مسلمان ہیں۔ لیکن پہاڑوں کے باشندے بت پرست ہیں۔" پھر وہی مصنف جزیرۂ سلاوتی کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس جزیرے کی آبادی کا ایک حصہ دین محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیرو ہے، لیکن یہاں کی پاپوہن قوم کے اکثر لوگ بت پرست ہیں اور ان میں سے صرف چند لوگ مسلمان ہوئے ہیں لیکن وہ صرف ظاہر میں مسلمان ہیں۔" کرافورڈ نے لکھا ہے کہ "جزیرہ گیبی جو ویگیو اور ہاماہارا کے درمیان واقع ہے، وہاں کی پاپوان قوم کے بعض لوگوں کو ملکا کے نوآبادکاروں نے مسلمان کرلیا ہے۔"

۲۴۔پاپوان قوم کے متعلق ایک ولندیزی مصنف نے یوں لکھا ہے کہ "نیا مذہب قبول کرنے میں جیسے پاپوان قوم کے لوگ نااہل ہیں، ایسا کوئی آدمی دنیا میں نہ ہوگا۔ ان میں عیسائی مذہب کی اشاعت نہیں ہو سکی، اسی طرح جب کبھی مسلمانوں نے ان میں اسلام کو رواج دینا چاہا ہے تو وہ عیسائیوں سے بھی زیادہ ناکام رہے ہیں۔ میں نے جزائر نیوگنی کا پانچ دفعہ سفر کیا ہے، لیکن مجھ کو جو کچھ تحقیق ہوا یہی تھا کہ نہ تو تید ور اور سیرام کے مسلمانوں نے اور نہ ہی اور جزیروں کے اہل اسلام نے پاپوان قوم کو مسلمان کرنے کی دل سے کوشش کی ہے۔ البتہ چند سردار ایسے تھے جن کے بارے میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ مسلمان ہیں۔ عام لوگوں میں اسلام پھیلانے کی کوشش شاید اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ دین اسلام پاپوان قوم کے فہم سے بالاتر ہے۔"

Marfat.com

باب سیزدہم

خاتمۂ کلام

آج کل مسیحی دنیا میں مشنری کام کے یہ معنے سمجھے جاتے ہیں کہ مذہب کی اشاعت کے لئے مشنری سوسائٹیاں یعنی تبلیغی انجمنیں قائم ہوں، تنخواہ دار واعظ مقرر ہوں، چندہ جمع کیا جائے اور رپورٹیں اور رسالے شائع کئے جائیں۔ چنانچہ جس مشنری کام کو باقاعدہ طور پر شروع کر کے مقررہ اصول و آئین پر نہ چلایا جائے، اسے عیسائیوں کے نزدیک مشن کا کام کہنا ہی غلط ہے۔ مسیحی کلیسا کا آئین و دستور ابتدا ہی سے ایسا بنایا گیا ہے کہ اس میں غیر مذاہب والوں میں عیسوی دین کی اشاعت کا انتظام کر دیا گیا ہے اور اس کی تبلیغ کے لئے اکثر اوقات سند یافتہ قسیس اور رہبان مقرر کئے جاتے ہیں۔ فرقہ بنیڈکٹائن سے لے کر آج تک عیسائی راہبوں کے جتنے سلسلے چلے ہیں اور فی زمانہ جتنی مشنری انجمنیں قائم ہوئی ہیں، ان سب نے اشاعت دین کے کام پر خاص توجہ مبذول کی ہے اور یہ وہ فریضہ ہے جس کو ابتدا ہی سے کلیسا کے اولین فرائض میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس چونکہ اہل اسلام میں قسیسوں کی طرح کی کوئی جماعت نہیں ہے اور نہ ہی ان میں کلیسا کی مانند کوئی نظام موجود ہے، اس لئے مسلمانوں کے جوش تبلیغ نے جو صورتیں اختیار کی ہیں، وہ عیسوی مذہب کے طریق اشاعت سے بالکل مختلف ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہاں نہ تو تبلیغی انجمنیں ہیں' نہ تربیت یافتہ کارکن ہیں اور نہ ہی تبلیغی مساعی میں کوئی تسلسل پایا جاتا ہے(۱)۔ البتہ مسلمان صوفیہ کے طریقے اس سے مستثنٰی ہیں، جن کی تنظیم ایک حد تک مسیحی دنیا کے راہبوں کے سلسلے سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی چونکہ مسلمانوں کے ہاں پادریوں کی سی جماعت کا کوئی تصور نہیں ہے، نہ ہی مذہبی معلموں کے مسلمانوں کی عام جماعت سے جدا ہونے کا کوئی نظریہ ہے اور نہ مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے کسی شخص کے باضابطہ تقرر کا دستور ہے، اس لئے دونوں مذہبوں کے طریق تبلیغ میں جو بنیادی فرق ہے، وہ ظاہر ہے۔

تبلیغ اسلام ایک فریضہ ہے:

اہل اسلام کے ہاں علماء کی کوئی ایسی جماعت نہیں جو اشاعت دین کے کام کے لیے مخصوص ہو۔ اس کی عدم موجودگی سے ملت اسلامیہ کو جو خسارہ یا نقصان پہنچ سکتا ہے، اسکی تلافی اس طرح ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک فرد میں تبلیغ کی ذمہ داری کا احساس موجود ہوتا ہے۔ مسلمان اور اس کے خدا کے درمیان کسی واسطے یا وسیلے کا ہونا ضروری نہیں ہے اس کی ذاتی نجات خود اس کے نیک اعمال پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان

Marfat.com

اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں بڑے محتاط ہیں اور اپنے دین کے اصول اور ارکان سیکھنے میں بڑی محنت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب اسلامی تعلیمات کی اہمیت کا نقش ایک دفعہ کسی کے دل پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ غیر مسلموں کے سامنے اپنے عقائد کی تبلیغ و توضیح کرنے کے لیے خوب مستعد ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان مبلغ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ نومسلم کو کسی مستند مذہبی پیشوا کے سامنے پیش کرے، اور وہ اسے کسی ضابطے کے مطابق دائرہ اسلام میں داخل کرے اور نہ ہی اس مبلغ کو قورح بن یصہار (۲) کے سے گناہ کے ارتکاب کے بعد علماء کی ملامت کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

یہ قول اکثر نقل ہوا ہے۔ کہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہے۔ (۳) اس قول میں شاید کسی قدر مبالغہ ہو، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہو سکتا ہے۔ بہت کم متقی مسلمان ایسے نکلیں گے جو غیر مسلموں کے ساتھ روزانہ میل جول رکھتے ہوں اور اس حکم خداوندی سے غافل ہوں: " اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْہُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" (سورۃ النحل آیت: ۱۲۵) یعنی اے رسول، لوگوں کو بلا اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور نیک نصیحت کے ساتھ، اور ان کے ساتھ بحث کر ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔"

مبلغین اسلام کا یک گروہ وہ ہے جو دین کے معلم تھے اور انھوں نے اپنا تمام وقت اور اپنی تمام قوتیں تبلیغ کے لیے وقف کر رکھی تھیں، لیکن ان کے دوش بدوش اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں ہمیں مسلمان معاشرے کے ہر طبقے میں ایسے مردوں اور خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے میں بڑی جانفشانی کی ہے۔ ان میں بادشاہ سے لےکر کسان تک ہر درجے کے لوگ شامل ہیں۔ (۴) خاص کر مسلمان تاجروں نے اپنے ہم پیشہ عیسائی تاجروں کے برعکس اس کام میں بڑی سرگرمی دکھائی ہے۔ انجمن حمایت اسلام کے ماہوار رسالہ بابت اکتوبر ۱۸۸۹ء میں ہندوستانی مبلغوں کی جو فہرست چھپی تھی اس میں ہمیں سکول کے مدرسوں، سرکاری محکموں کے محرروں اور تاجروں کے نام ملتے ہیں، جن میں سے ایک صاحب اونٹ گاڑیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اخبار کے ایڈیٹر تھے، ایک جلد ساز تھے اور ایک کسی چھاپہ خانہ کے ملازم تھے۔ یہ لوگ دن بھر کام کرنے کے بعد اپنے فراغت کے اوقات میں شہروں کے گلی کوچوں میں اپنے دین کا وعظ کہتے تھے اور عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذہبی عقائد پر جرح وقدح کر کے ان کو مسلمان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

اشاعتِ اسلام میں عورتوں کا حصہ:

یہ دلچسپ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام کی تبلیغ میں صرف مسلمان مردوں ہی نے کوشش نہیں کی، بلکہ عورتوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا ہے۔ کئی تاتاری شہزادے ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اپنی مسلمان بیویوں

Marfat.com

کی ترغیب سے اسلام قبول کیا۔ غالباً یہی صورت بہت سے بت پرست ترکوں کے ساتھ بھی پیش آئی جو اسلامی ملکوں پر یورشیں کیا کرتے تھے۔ سنوسی سلسلے کے مبلغوں نے، جو جھیل چاد کے شمالی اطراف میں توبوقوم میں تبلیغ کرنے کے لیے آئے تھے، لڑکیوں کے لیے مدرسے جاری کیے اور عورتوں کو ان قبیلوں میں بربروں کی طرح جو زبردست اثر ورسوخ حاصل ہوا، اس سے اسلام کی اشاعت میں فائدہ اٹھایا گیا۔ جرمن مشرقی افریقہ کے بت پرست باشندے جب ریلوے یا باغات میں مزدوری کرنے کے لیے چھ سات ماہ کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور مسلمان عورتوں کے ساتھ عارضی تعلق قائم کر لیتے ہیں، تو وہ بھی ان کے اثر سے مسلمان ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہ مسلمان عورتیں کسی غیر مختون کافر کو منہ نہیں لگاتیں۔ چنانچہ یہ لوگ اس ننگ و عار سے بچنے کے لیے جو لفظ کافر کے ساتھ وابستہ ہے، اپنا ختنہ کرا لیتے ہیں اور اسی طرح سے اسلامی برادری میں شامل ہو جاتے ہیں۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں حبشہ کے ملک میں اسلام نے جو ترقی کی ہے، وہ بھی بہت حد تک مسلمان عورتوں کی کوششوں کی رہین منت ہے، اور عیسائی سرداروں کی بیویوں نے خاص طور پر اس بارے میں سعی کی ہے۔ شادی کے موقع پر وہ عیسائیت کا اظہار کرتی تھیں۔ لیکن اپنے بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر کرتی تھیں اور اپنے مذہب کی ترقی کے لئے ہر طرح کوشاں رہتی تھیں۔ حبشہ کی مغربی سرحد پر ایک بت پرست قبیلہ ہے جس کو بورن کہتے ہیں۔ اس کے بعض آدمی حکومت سوڈان کی نیگرو رجمنٹ میں بھرتی ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب یہ رجمنٹ خرطوم کو واپس آئی تو اس کے سیاہ فام سپاہی اپنی بیویوں کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ قازان کی تاتاری عورتیں بھی اسلام کی اشاعت میں سرگرمی کا ثبوت دیتی ہیں۔ کوئی مسلمان عابدہ اور زاہدہ محض اس بناء پر کہ وہ عورت ہے، مبلغین اسلام کی صف میں جگہ پانے سے محروم نہیں رہتی۔ روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی اولاد میں چند ایک پاک نفس بیبیاں تھیں جو ہوا میں اڑ کر کربلا سے لاہور پہنچیں اور اپنی صوم و صلوٰۃ کی پاکیزہ زندگی کے اثر سے ہندوؤں کو مسلمان کرنے کا موجب ہوئیں (۵)۔ اگر مسلمانوں میں مقدس عورتوں کا وجود نہ ہوتا تو اس قسم کی روایت مشہور نہ ہو سکتی۔

سیّدہ نفیسہ کی رحم دلی:

قاہرہ کے مشہور و معروف مزاروں میں سیدہ نفیسہ کا روضہ بھی شامل ہے جو حضرت حسن بن علیؓ کی اولاد سے تھیں۔ ان کے علم و فضل کی ان کے ہمعصر امام شافعیؒ نے بھی تعریف کی ہے۔ اپنے زہد و ریاضت کی برکت سے وہ ولایت کے درجے کو پہنچ چکی ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ جب انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کی تو ان کے ہمسائے میں ایک ذمی رہتا تھا، جس کی بیٹی ایسی سخت بیمار تھی کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتی تھی، وہ

Marfat.com

سارادن بستر پر پڑی رہتی تھی۔ اس بیچاری لڑکی کے والدین کوایک دن بازار جانا تھالہذاانہوں نے بی بی نفیسہ سے درخواست کی کہ ان کی غیر موجودگی میں اس لڑکی کی خبر گیر رہیں۔ بی بی نفیسہ نے ، جن کے دل میں محبت اور خدا ترسی بھری تھی ،لڑکی کی خبر گیری کا ذمہ لیااور جب اس کے ماں باپ چلے گئے توانھوں نے اس بیکس اور لاچار مریضہ کے لیے جناب باری تعالیٰ کے حضور میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ابھی ان کی دعاختم نہ ہونے پائی تھی کہ لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھل گئے ۔ جب اس کے ماں باپ واپس آئے تو وہ اپنے پیروں سے چل کران سے ملی۔ یہ دیکھ کراس کے والدین ایسے ممنونِ احسان ہوئے کہ انھوں نے اپنی محسنہ کا دین قبول کرلیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مسلمان قیدیوں نے اپنے قید کرنے والوں کو یا اپنے ساتھ کے قیدیوں کواپنے مذہب کی تلقین کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چنانچہ مشرقی یورپ میں اول ہی اول اسلام کی اشاعت ایک مسلمان فقیہ کے ذریعے سے ہوئی جو بیزنطینی سلطنت اوراس کے مسلمان ہمسایوں کی کسی باہمی جنگ میں قید ہوگیا تھا۔ گیارہویں صدی کے اوائل میں لوگ اسے پکڑ کر پشنگ قوم کے ملک میں لے آئے تھے (٦)۔ اس نے ان کے سامنے اسلام کی تعلیم کو پیش کیا۔ انھوں نے اس دین کو سچے دل سے قبول کرلیااور اسلام ان کے ہاں پھیلنے لگا۔ لیکن قوم کے دیگر لوگ اپنے ہم وطن لوگوں کے مسلمان ہونے پر بگڑ بیٹھےاور آخر کاران کے ساتھ لڑ پڑے، مسلمانوں نے جن کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی ، کفار کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا، اگر چہ ان کی تعداد ان سے دوگنی تھی ۔ ہزیمت خوردہ فریق میں سے جولوگ بچ رہے، انھوں نے بھی فاتحین کا دین اختیار کرلیا۔ چنانچہ گیارہویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے تمام قوم مسلمان ہو چکی تھی ۔ اس میں ایسے علماء پیدا ہو چکے تھے جو دینیات اور فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں (١٦٠٥ء تا ١٦٢٨ء) اہل السنّت والجماعت کے ایک مشہور عالم شیخ احمد مجدد الف ثانی گزرے ہیں جنھوں نے اہل تشیع کے عقائد کی پُر زور تردید کی تھی ۔ اس زمانے میں دربار شاہی میں شیعوں کو بڑا دخل تھا، چنانچہ شیخ ممدوح کوایک فضول سے الزام کی بناء پر قید کر دیا گیا (٧)۔ دو برس تک آپ قید خانے میں رہےاوراس عرصے میں آپ نے ہزاروں کافروں کو، جوان کے ساتھ محبوس تھے، مسلمان کیا۔

زمانۂ حال میں انگریزی حکومت نے ایک ہندوستانی مولوی کوحبس دوام کی سزادے کرجزائرِ انڈمان میں بھیج دیا تھا، کیونکہ اس نے ١٨٦٤ء کی وہابی سازش میں عملی طور پر حصہ لیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی وفات سے پہلے بہت سے مجرم قیدیوں کومسلمان کرلیا تھا۔

وسطی افریقہ میں ایک مرتبہ بلجیم کی حکومت نے ایک عرب سردار کوموت کی سزادی تھی چنانچہ جب ایک پادری کواس کی روحانی تسکین کے لیے اس کے پاس بھیجا گیا تو اس سردار نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں اس

Marfat.com

پادری کو اسلام کی تعلیم دینے اور اسے مسلمان کرنے کی کوشش میں صرف کیں۔

مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا ایسا شوق ہے کہ وہ موقع اور بے موقع ہر وقت اس کی تلقین کے لیے تیار رہتے ہیں۔ چنانچہ ڈاوٹی نے بدوی عربوں کے متعلق کیا خوب لکھا ہے (اور اپنے بیان میں کمال بصیرت کا ثبوت دیا ہے) کہ "بدوی لوگ بلا کسی ریا کاری کے ہمیشہ مذہب کے متعلق گفتگو کرتے رہتے ہیں اور ان کو مذہب کے ذکر سے یک گونہ روحانی تسکین ملتی ہے۔" اب ہم ان اسباب پر غور کرتے ہیں، جن سے مسلمان مبلغین کو اپنے کام میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

تعلیمِ اسلام کی سادگی:

اسلام کی کامیابی کے اسباب میں سب سے پہلا سبب اس کی تعلیم کی سادگی ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، یعنی "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں" یہی وہ دو سادہ سے عقیدے ہیں جن کا اقرار نومسلم کے لیے ضروری ہے۔ اسلامی دینیات کی تمام تاریخ میں ہمیں کہیں اس بات کا پتا نہیں چلتا کہ علمائے اسلام کی مجالس نے عامۃ المسلمین پر اس سادہ سے کلمۂ شہادت کی بجائے کوئی ایسا رمز و کنایہ ٹھونسنے کی کوشش کی ہو، جس کی عبارت مشکل اور پیچیدہ ہو (۸)۔ یہ اسلامی عقیدہ اتنا صاف اور سادہ ہے کہ انسان کی قوتِ ایمان کو اس کے قبول کرنے میں کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ اس کے سمجھنے میں انسان کو کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں آتیں، بلکہ ادنیٰ فہم کے لوگ بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ چونکہ اس کلمہ کے ساتھ الٰہیات کے پیچیدہ اور دقیق مسائل شامل نہیں ہیں اس لیے وہ لوگ بھی جن کو الٰہیات کی مصطلحات کا مطلق علم نہ ہو، دوسروں کو یہ کلمہ سکھا سکتے ہیں۔ اس کلمہ کے پہلے حصے میں ایک ایسا عقیدہ بیان ہوا ہے جو تقریباً تمام بنی نوع انسان کے نزدیک ایک بدیہی امر ہے۔ اس کا دوسرا حصہ خدا اور انسان کے باہمی تعلق کے ایک ایسے نظریے پر مبنی ہے جو پہلے نظریے کی طرح عام ہے یعنی دنیا کی تاریخ میں خدا وقتاً فوقتاً پیغمبروں کے ذریعے سے لوگوں پر اپنی وحی نازل کرتا ہے۔ اسلامی عقیدے کی یہ خصوصیت کہ اس کا دارومدار عقل پر ہے اور اس سے اسلام کی اشاعت میں بہت سہولت پیدا ہوئی ہے، اس مضمون کو پروفیسر مونٹے نے مندرجہ ذیل عبارت میں نہایت خوبی سے بیان کیا ہے:

اسلام عقل پر مبنی ہے:

"اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کا اندازِ فکر بنیادی اور حقیقی طور پر عقلی (Rationalistic) ہے اور ہم عقلی اصطلاح کو لغوی اور تاریخی دونوں لحاظ سے اس کے وسیع ترین مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ عقلیت (Rationalism) کی اگر یہ تعریف کی جائے کہ وہ ایک ایسا نظامِ فکر ہے، جس کے مذہبی عقائد کی بنیاد عقلی

Marfat.com

اصول پر ہے تو یہ تعریف اسلام پر بعینہ صادق آتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایسے پُر جوش شخص تھے جن کے دل میں ایمان کی حرارت اور ایقان کی آتش موجزن تھی اور یہ وہ قابل قدر خوبی تھی جو انہوں نے اپنے بہت سے صحابہ میں بھی پیدا کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اصلاح کو آسمانی الہام اور وحی کی صورت میں ظاہر کیا، لیکن اس قسم کا الہام بیان وتفہیم کا ایک پیرایہ تھا، ورنہ ان کا مذہب ایسے عقائد کا مجموعہ جن کی بنیاد عقلی معلومات اور حقائق پر رکھی گئی ہے۔ مومنین کے نزدیک اسلام سے یہ مراد ہے کہ خدا کی وحدانیت اور اس کے پیغمبر کی رسالت کا اقرار کیا جائے، لیکن ہمارے نزدیک، جو بہت ٹھنڈے دل سے ان کی تعلیمات کا تجزیہ کرتے ہیں، اسلام سے مراد یہ ہے کہ خدا کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھا جائے۔ غرض کہ یہ دو عقیدے، جو مذہب کا خلاصہ ہیں، قرآن کی تمام تعلیم کا لب لباب ہیں اور ایک مذہبی آدمی کی نگاہ میں عقل کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اس تعلیم کی سادگی اور صفائی یقیناً ایسی بیّن قوتیں ہیں جو اسلام اور اس کی اشاعت وترقی میں برابر عمل کر رہی ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بہت سے عقائد اور دینی مسائل، حتیٰ کہ بہت سے اوہام باطلہ پیر پرستی سے لے کر سبحہ گردانی اور تعویذ گنڈوں کے استعمال تک اہل اسلام میں اس طرح پیدا ہو گئے ہیں گویا کہ شجر اسلام پر ان کا پیوند لگا دیا گیا ہے۔ لیکن باوجود اس تمام برگ وبار کے، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں پیدا ہوا، قرآن ہمیشہ اسلام کا بنیادی مبدأ رہا ہے۔ اس میں خدا کی وحدانیت کے عقیدے کو ایسے جلال وجبروت اور ایسی پاکیزگی اور ایسے ایمان وایقان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کی نظیر دائرۂ اسلام کے باہر نہیں ملتی۔ غرض کہ اہل اسلام کو اپنے دین کے بنیادی عقائد کے ساتھ جو گرویدگی اور وابستگی ہے، جس سادہ سے کلمے میں ان کو بیان کیا گیا ہے اور اسلام کے مبلغوں کو اپنے مذہب کی حقانیت پر جو یقین محکم ہے، یہ وہ اسباب ہیں، جن سے اسلامی تبلیغ کی کامیابی کا راز کھلتا ہے۔ ایک مذہب جو ایسا کھرا اور باضابطہ ہو، دینی مسائل کی تمام پیچیدگیوں سے پاک اور منزہ ہو اور جس کا سمجھنا ان وجوہات سے عوام کے لیے آسان ہو، اس کے متعلق بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس میں لوگوں کے دل ودماغ میں راہ پانے کی حیرت انگیز قوت اور صلاحیت ہوگی، اور ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں یہ قوت موجود ہے"۔(۹)

بشپ لافرائے کی رائے:

بشپ لافرائے کی رائے ہے کہ اسلام نے اپنے عہدِ عروج میں فتح پانے اور ترقی کرنے کی غیر معمولی قوت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا راز خدا کی وحدانیت کے اعتراف میں نہیں بلکہ اس کی ہستی کے اقرار میں مضمر ہے۔ توحید کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے، جتنا اس بات کا اعتقاد کہ خدا موجود ہے اور اس کی ہستی اس کائنات کی سب سے

Marfat.com

بڑی حقیقت ہے۔ اس کی مشیّت سب پر غالب ہے، وہ اپنی بادشاہت میں مختارِ مطلق ہے اور اس کی قوت و قدرت غیر محدود ہے۔ باوجود ان تمام ہنگاموں، پریشانیوں اور خرابیوں کے، جنھوں نے اس دنیا کو مکدّر کر رکھا ہے، ان سب سے بالا ایک صاحب مشیّت ہے جو سب پر غالب ہے اور جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انسان اس کی مشیّت کا آلۂ کار ہے، جو اس کی مشیّت کو آسان طریقوں سے نافذ کرتا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس نے اسلامی فوجوں کو ایک ناقابلِ تسخیر قوت کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا اور ان میں فوجی انضباط کی روح پیدا کر دی تھی۔ ان کے دل سے موت کے خوف کو اس طرح سے نکال دیا تھا جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ عقیدہ ایک حد تک مسلمانوں کے ہاں ابھی تک اثر انداز ہے اور ان میں کیریکٹر کی مضبوطی، عزمِ راسخ، قوتِ ارادہ، صبر و تحمل اور تلخ ترین مصائب کی موجودگی میں تسلیم و رضا کی خُو پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو اس امت کے بہترین افراد کا خاصہ ہیں اور ان کے لیے باعث زینت ہیں۔

جب کوئی نومسلم اسلام کا یہ سیدھا سادہ عقیدہ قبول کر لیتا ہے تو پھر اسے اس مذہب کے پانچ عملی فرائض کی تلقین کی جاتی ہے۔ یعنی (۱) کلمۂ شہادت کا پڑھنا (۲) نماز پنجگانہ مقررہ اوقات پر ادا کرنا (۳) زکوۃ ادا کرنا (۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا (۵) مکہ کا حج کرنا۔

فریضۂ حج کی اہمیت:

اس آخری فریضے یعنی حج پر اکثر یہ اعتراض ہوا ہے کہ اسلامی توحید میں یہ رسم زمانہ بت پرستی کی ایک عجیب یادگار ہے۔ لیکن اس اعتراض کے ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک حج کعبہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت تھی جن کے دین حنیف کو دوبارہ جاری کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ اشاعت اسلام کی تاریخ میں حج کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس موقع پر مکہ میں دنیا کے تمام ملکوں سے تمام قوموں اور زبانوں کے لوگوں کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے اور وہ اس حرمِ مقدس میں دعائیں مانگتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے وہ دور دراز ملکوں میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس بات کا احساس دلانے کے لئے کہ ان کا ایک مشترکہ معاشرہ ہے اور وہ سب اخوت اسلامی کے رشتے میں منسلک ہیں، کوئی مذہبی عبقری حج سے بہتر تدبیر اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ حرم کعبہ میں مناسک حج کے دوران میں مغربی افریقہ کا نیگرو چینی مسلمان سے ملتا ہے جو مشرق بعید سے آیا ہے۔ اسی طرح مہذب اور شائستہ ترک اس مسلمان بھائی کو پہچانتا ہے، جو بحر ملایا کے کسی جزیرے کا وحشی باشندہ ہے۔ اس کے علاوہ عیدالاضحیٰ کے دن (جس کو ترکی اور مصر میں بیرم کہتے ہیں) تمام عالم اسلام میں، جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں، ان کے دلوں میں بھی اسی قسم کے جذبات ابھرتے ہیں جو

Marfat.com

ان کے ان خوش قسمت بھائیوں کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں جو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ بہت سے مسلمان ایسے گزرے ہیں جن کے دل میں حج کے دوران میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا جذبہ پیدا ہوا۔ گزشتہ صفحات میں ہم کئی بار ایسے حاجیوں کا ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے اسلام کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔

حج کے علاوہ زکوٰۃ کا ادا کرنا دوسرا مذہبی فریضہ ہے جو مسلمان کو ہمیشہ یہ بات یاد دلاتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (انما المومنون اخوۃ)۔ یہ وہ مذہبی اصول ہے جس پر اسلامی معاشرے میں مؤثر طریقے پر عمل ہوتا ہے اور جس کی رو سے نومسلم کے ساتھ ہمیشہ مہربانی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نومسلم خواہ کسی قوم یا نسل کا ہو اور مسلمان ہونے سے پہلے اس کے حالات کچھ ہی ہوں، اسلام قبول کرتے ہی وہ مومنین کی برادری میں شامل ہو جاتا ہے اور اسے ان کے درمیان برابر کا درجہ ملتا ہے۔

یورپ کے بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ جب کسی مسلمان کا غلام اسلام قبول کر لے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ اسلامی شریعت کی رو سے کسی غلام کے تبدیل مذہب سے اس کی غلامی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ مسلمان غلام کی حالت اس کے آقا کی خصلت پر موقوف ہے۔ اکثر اوقات قبول اسلام کے بعد غلام کو بطور انعام کے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ بعض دین دار لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کو غلامی کے ذریعے سے دین حق کی طرف ہدایت ملی ہے، مثلاً بالائی نیل کے علاقوں کے نیگرو لوگ جن سے دیار عرب میں ڈاوٹی کی ملاقات ہوئی تھی (۱۰)۔ چنانچہ ڈاوٹی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''افریقہ کے ان باشندوں کے دلوں میں اس بارے میں کوئی کینہ یا بغض نہیں پایا جاتا کہ ان کو غلام بنا لیا گیا تھا اور بے رحم لوگوں نے ان کو اپنے ماں باپ سے جدا کر دیا تھا۔ ان کے آقاؤں نے ان کو خرید کر اپنے گھرانوں میں شامل کر لیا ہے اور جو مرد تھے ان کا ختنہ کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کو وطن کی یاد اکثر ستاتی ہے لیکن ان کو اس بات سے تسکین و تسلی ملتی ہے کہ اس مصیبت میں ان پر خدا نے اپنی نظر عنایت کی۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اس کا فضل و کرم تھا جس کی بدولت وہ دین حق کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں۔ لہذا وہ دیار عرب کو، جہاں ان کو اسلام کی نعمت ملی، اپنے وطن سے بہتر سمجھتے ہیں، کیونکہ اب وہ خدا کے آزاد بندے ہیں۔ یہ سرزمین زیادہ متمدن ہے۔ اس میں حرمین شریفین ہیں۔ یہ دیار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ان تمام باتوں کے لئے وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کو کسی زمانے میں لوگوں نے غلام بنا کر بیچ ڈالا تھا۔''

نماز باجماعت کا مؤثر نظارہ:

لوگوں کو اپنا گرویدہ کرنے اور ان کی عقیدت کو برقرار رکھنے میں نماز پنجگانہ کے اسلامی فریضے کو بھی بہت

Marfat.com

کچھ دخل ہے۔ چنانچہ موں تسکیو (۱۱) نے کیا خوب کہا ہے کہ "جس دین میں بہت سی عبادات کی پابندی کا حکم ہو اس کو ایسے مذہب کے مقابلے میں لوگ زیادہ عزیز رکھتے ہیں جس میں یہ بات نہ ہو۔ جن باتوں میں انسان ہمیشہ مصروف و مشغول رہتا ہے، ان کا اس کو زیادہ خیال رہتا ہے۔" مسلمان کا مذہب ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور روزانہ نماز کی صورت میں ایسے سنجیدہ اور مؤثر طریقے پر ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی اور تماشائی دونوں کے دل پر بغیر اثر پیدا کئے نہیں رہتا۔ اسکندریہ کا ایک یہودی سعید بن حسن' جس نے ۱۲۹۸ء میں اسلام قبول کیا' لکھتا ہے کہ "جمعہ کی نماز با جماعت کا جو نظارہ میں نے مسجد میں دیکھا تھا وہ میرے تبدیل مذہب کا فیصلہ کن سبب ثابت ہوا۔ ایک سخت بیماری کے دوران میں میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھ سے ایک آواز کہہ رہی تھی کہ تم اپنے اسلام کا اعلان کرو۔ اس کے بعد جب میں ایک مسجد میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو دیکھا کہ فرشتوں کی طرح صفیں باندھے کھڑے ہیں تو میرے دل سے آواز اٹھی کہ یہی وہ امت ہے جس کی آمد کی انبیاء (علیہم السلام) نے بشارت دی تھی۔ جب خطیب نمودار ہوا، جو ایک سیاہ جبے میں ملبوس تھا تو میرے دل پر ایک ہیبت چھا گئی۔ جب اس نے اپنے خطبے کو اس آیت کے ساتھ ختم کیا:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝" (سورۃ النحل: ۹۰) تو میں بے حد متاثر ہوا۔ جب نماز شروع ہوئی تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا مسلمان نمازیوں کی صفیں فرشتوں کی صفیں ہیں۔ ان کے رکوع و سجود کے وقت خدا اپنی تجلی دکھا رہا ہے اور میرے اندر سے ایک آواز مجھ سے کہہ رہی ہے کہ اگر خدا بنی اسرائیل سے اس تمام عرصے میں دو مرتبہ مخاطب ہوا ہے تو وہ اس امت سے ہر نماز کے وقت مخاطب ہوتا ہے۔ مجھے اپنے دل میں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لئے پیدا ہوا تھا۔"

مشہور فرانسیسی مصنف ریناں نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا کہ "میں جب کبھی کسی مسجد میں داخل ہوا ہوں تو میں نے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کی ہے اور اگر اجازت ہو تو کہہ دوں کہ وہ کیفیت کیا تھی؟ وہ اس بات کی حسرت تھی کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ (۱۲)" اگر ریناں جیسا فلسفی ایسا تاثر لے سکتا ہے تو اس سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ افریقہ کے کافر، جن کو دیگر ادنیٰ درجے کی قوموں کی طرح ہر چیز پراسرار معلوم ہوتی ہے، جس وقت کسی مسلمان تاجر کو نماز کی حالت میں رکوع و سجود کرتے اور ایک ان دیکھے خدا کی عبادت میں محو پاتے ہوں گے تو ان کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا۔ تجسس اور تعجب سے قدرتی طور پر تحقیق کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس سے اسلام کا جو علم حاصل ہوتا ہے، اس سے بعض اوقات ایسے لوگ بھی مسلمان ہو چکے ہیں جن کو اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے بغیر طلب کئے اسلام پیش کرتا تو وہ اسے قبول نہ کرتے۔

Marfat.com

رمضان کے روزے:

رمضان کے روزوں کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ان سے اس خیال کی پوری تردید ہوتی ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو لوگوں کے لئے عیش وعشرت کا سامان فراہم کر کے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جیسا کہ کارلائل (۱۳) نے کہا ہے ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذہب کوئی آسان مذہب نہیں ہے، اس میں روزوں کی سخت پابندی ہے، وضو اور غسل کی تاکید ہے، پانچ وقت کی نماز ہے اور شراب سے اجتناب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے جو کامیابی حاصل کی ہے، وہ اسے اپنی آسانی کی وجہ سے حاصل نہیں ہوئی۔''

اسلام کے احکام واضح ہیں:

دین اسلام کے جو اجزائے ایمان ہیں وہ اسلام کے مندرجہ بالا ارکان اور احکام کے ساتھ وابستہ ہے اور مومنین کی زندگی میں ان کا ایسے مسلسل طریقے سے اظہار ہوتا ہے، جس سے وہ ان کی روزانہ زندگی کا جز ولاینفک بن گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہر ایک مسلمان دوسروں کے حق میں اپنے دین کا معلم ہے اور یہ بات ایسی ہے جو اکثر دیگر مذاہب کے پیروؤں میں نہیں پائی جاتی۔ اسلام کے اجزائے ایمان ایسی مختصر اور سادہ عبارت میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کے سمجھنے کے لئے عقل پر بہت کم زور پڑتا ہے۔ اسی طرح عبادات کے متعلق جو احکام ہیں، وہ بھی ایسے ٹھیک ٹھیک اور صاف طور پر واضح کر دیئے گئے ہیں کہ کسی کو ان کی تعمیل میں شبہ نہیں رہتا کہ اس کو کیا کرنا چاہیے۔ جب یہ فرائض ادا ہو جاتے ہیں تو مسلمان کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس نے شریعت کے احکام کو پورا کر دیا ہے۔ غرض کہ مذہب کا عقل پر جو انحصار ہے اور احکام وفرائض کی جو وضاحت ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جن سے اسلام کی اس حکمرانی کا بھید کھلتا ہے جو اس کو لوگوں کے دلوں پر حاصل ہے۔ کوئے نن نے لکھا ہے کہ اگر تم عوام الناس کو بکثرت اپنے دین پر لانا چاہتے ہو تو سچائی کو ایسی صاف ستھری صورت میں پیش کرو جو واضح اور سریع الفہم ہو۔

مذکورہ بالا امور کے علاوہ اور بہت سے ایسے حالات ہیں جو تبلیغ اسلام کی کامیابی کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ حالات خاص خاص زمانوں اور ملکوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً افریقہ اور دیگر غیر مہذب ملکوں میں، جہاں کے باشندے غیر ملکوں کے لوگوں سے قدرتی طور پر بدظن رہتے ہیں، اسلام کی تبلیغ میں اس وجہ سے سہولت رہی ہے کہ یہ کام مسلمان تاجروں کے ذریعے سے انجام پایا ہے، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ تاجر کا پیشہ بے ضرر ہے، اس لئے وہ لوگوں کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ علاوہ اس کے مسلمان تاجر دیسی لوگوں کی عادات واطوار سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور اس کے تجارتی تعلقات کی بدولت سب لوگ اس سے اچھی طرح سے پیش آتے ہیں۔ ان کے دلوں سے وہ

Marfat.com

روک رکاوٹ اٹھ جاتی ہے جو اجنبی لوگوں سے طبعاً پیدا ہوتی ہے اور اس کو ان دشواریوں کا سامنا نہیں ہوتا جو پیشہ ور مشنری کو پیش آتی ہیں۔ عیسائی مشنری کی نیت کے متعلق صرف وہی لوگ سوءظن نہیں رکھتے، جن کا تجربہ اور دائرہ علم وعقل محدود ہے اور جن کے فہم سے یہ بات بہت بعید ہے کہ کس طرح ایک شخص محض لوگوں کو اپنے مذہب کا پیرو بنانے کے لئے دنیا کے سب دھندے چھوڑ کر اس قدر دور دراز سفر کی مصیبتیں اٹھا سکتا ہے، بلکہ یہ سوءظن مہذب دنیا داروں کو بھی ہوتا ہے جو تنخواہ دار مشنری کے خلوص اور ایمان داری کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اسلام کی مذہبی رواداری:

جب کسی اجنبی ملک میں اسلام کو عاجزی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، بلکہ اسے حکمران قوم کا مذہب ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہے تو اس کے حالات بہت مختلف صورت میں نظر آتے ہیں۔ ہم گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام مذہبی رواداری کی تلقین کرتا ہے اور غیر مذاہب کے ان تمام لوگوں کو مذہبی آزادی دیتا ہے جو اپنی حفاظت کے معاوضے میں جزیہ ادا کریں۔ اگرچہ تاریخ اسلام کے صفحات ظلم وستم کے ہنگاموں سے بھی خون آلودہ ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اسلامی سلطنت میں غیر مذاہب کے لوگوں کو ایسی مذہبی آزادی حاصل رہی ہے، جس کی نظیر یورپ میں سوائے زمانہ حال کے کہیں نہیں ملتی۔ کسی کو جبراً مسلمان کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ: ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (سورہ بقرہ آیت: ۲۵۶) یعنی دین کے معاملے میں جبرو اکراہ جائز نہیں ہے۔ سی طرح سورہ یونس میں آیا ہے: ''اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (سورہ یونس آیت: ۹۹۔۱۰۰) یعنی (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے تاکہ وہ ایمان لے آئیں حالانکہ اس شخص کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے۔'' ان ملکوں میں جو صدیوں تک اسلامی حکومت میں رہے ہیں، بہت سے عیسائی فرقے اور قومیں اب تک آباد ہیں۔ ان کی موجودگی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کو مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ متعصب مسلمانوں کی طرف سے جو ظلم وستم وقتاً فوقتاً عیسائیوں کو اٹھانے پڑے، وہ خاص خاص مقامی حالات کی وجہ سے ہوئے تھے، ورنہ عدم رواداری کے کسی مقررہ اصول نے ان کی تحریک نہیں کی تھی۔

مذہبی ہنگاموں کے اسباب:

مثلاً خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) کے زمانے سے پہلے مسلمانوں میں جو بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے، سنیوں میں ان کے خلاف ردعمل پیدا ہوا۔ اسی طرح تیرہویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایران اور

Marfat.com

ایشیا کے دوسرے ملکوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے اس بات کا انتقام لیا کہ قدیم تا تاری حکمرانوں کے زمانے میں جب عیسائیوں کو عروج اور غلبہ حاصل ہوا تھا تو انہوں نے از راہ تحکم مسلمانوں کی تحقیر و توہین کی تھی (تاریخ ممالیک مصر، از مقریزی)۔ ایک عیسائی مصنف یوسف سائمن السمعالی نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اسلامی سلطنت میں عیسائیوں پر سختیاں ہوئیں۔ اس ضمن میں لکھا ہے کہ ''جور و ستم کے اکثر ہنگامے خود عیسائیوں کی باہمی رقابت، پادریوں کی بدکاری، عیسائی حکام کے جور و تعدی اور عیسائی اکابر کے مناقشات سے برپا ہوئے جو اپنے ہم قوم عیسائیوں پر اختیارات حاصل کرنا چاہتے تھے۔'' صلیبی جنگوں کے زمانے میں مشرقی ملکوں کے عیسائیوں پر مسلمانوں کو اکثر اس بات کا شبہ ہوا کہ وہ یورپ کے عیسائیوں کی فوج کشی میں ان کی مدد کرتے ہیں اور زمانہ حال میں ترکی حکومت سے یونان کو آزاد کرنے کی جو تحریک جاری ہوئی، اس سے یورپ کے عیسائیوں میں ہمدردی کا جو جوش پیدا ہوا، تو اس تحریک نے ترکوں کی محکوم عیسائی رعایا کی زندگی بہت دشوار کر دی۔ اگر ان پر اپنے مسلمان حکمرانوں سے باغی اور سرکش ہونے کا شبہ نہ ہوتا تو ان کی حالت اتنی خراب نہ ہوتی۔ داگوبینو (De Gobineau) نے اسلام کی مذہبی رواداری کے مسئلے پر اپنے خیالات کو بڑے پرزور الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ ''اگر ہم مذہبی اصول سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں، جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا ہے، تو کوئی مذہب اسلام کی مثل روادار اور صلح کل نہیں ملے گا، جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو، بلکہ ان کے دین و ایمان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھا ہو۔ سوائے ایسی صورتوں کے کہ مسلمان سلطنتوں نے ملکی مصلحت کے خیال سے مذہبی اتحاد کے لئے ہر طریقہ اختیار کیا ہو۔ رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے، لہذا ہمیں اپنی توجہ جور و تعدی کے واقعات تک محدود نہیں رکھنی چاہیے جو کہیں کہیں پیش آئے۔ اگر ہم ان واقعات کو نزدیک سے دیکھیں تو ہمیں فوراً معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اسباب سیاسی تھے، یا کسی خاص حکمران کی ذاتی افتاد طبع یا لوگوں کے غیظ و غضب کا نتیجہ تھے۔ ایسے موقعوں پر مذہب کا نام محض حیلے بہانے کے طور پر لیا گیا ہے ورنہ یہ واقعات درحقیقت مذہب کے دائرے و احاطے سے خارج تھے۔''

مسلمانوں کی مذہبی رواداری:

جور و ستم کے ایسے زمانوں میں بہت سے لوگ حالات سے مجبور ہو کر مسلمان ہو گئے یا کم از کم بظاہر اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ایسے بہت سے اشخاص کی مثالیں دی جا سکتی ہیں، جن کو خاص موقعوں پر لوگوں نے اس قدر تنگ کیا کہ وہ اسلام اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس قسم کا جبر و اکراہ اسلامی شریعت میں کہیں بھی جائز نہیں

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ ہم اس کتاب کے ابتدائی باب میں قرآن شریف کی وہ آیات نقل کر چکے ہیں جن میں لوگوں کو جبراً مسلمان کرنے کی ممانعت آئی ہے اور صرف وعظ وتذکیر کے ذریعے سے اشاعت دین کی ہدایت ہوئی ہے۔ فقہائے اسلام نے اپنے فیصلوں اور فتووں میں اسی اصول کی حمایت کی ہے۔ چنانچہ جب موسیٰ بن میمون نے موحدین کے عہد حکومت میں بظاہر اسلام قبول کیا اور اندلس سے بھاگ کر مصر چلا گیا اور وہاں پہنچ کر اپنے تئیں یہودی بتایا تو اندلس کے ایک فقیہ نے اس پر ارتداد کا فتویٰ جاری کر دیا۔ اس نے چاہا کہ اسے اس جرم کی پاداش میں شرع کے مطابق قتل کی سزا دی جائے، لیکن قاضی الفاضل نے جو اپنے زمانے کا ایک بہت مشہور قاضی اور سلطان صلاح الدین کا وزیر اعظم تھا، اس فتوے کو کالعدم قرار دیا اور فیصلہ کیا کہ جو شخص جبراً مسلمان کیا گیا ہو اسے صحیح معنے میں مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔

اسی اصول کے مطابق ایران کے حکمران غازان خان (۱۲۹۵ء تا ۱۳۰۴ء) کو جب معلوم ہوا کہ اس کے عہد حکومت کے آغاز میں بدھ مت کے جو عالم مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے مندر مسمار کر دیئے گئے تھے، وہ صرف بظاہر مسلمان ہوئے تھے، تو اس نے ان کو تبت واپس جانے کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنے ہم وطن لوگوں کے درمیان اپنے قدیم مذہب کے مطابق آزادی سے زندگی گزار سکیں۔ فرانسیسی سیاح تاورنیر نے اصفہان کے بعض یہودیوں کے بارے میں بھی اسی قسم کا قصہ بیان کیا ہے۔ اصفہان کے حاکم نے ان پر ایسی سختی کی کہ جبر یا فریب سے ان کو مسلمان کر لیا لیکن جب شاہ عباس ثانی صفوی (۱۶۴۲ء تا ۱۶۶۷ء) کو معلوم ہوا کہ انہوں نے محض حاکم کے خوف کے مارے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو اس نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا قدیمی مذہب دوبارہ اختیار کریں اور اس کی مملکت میں امن وامان کے ساتھ آباد رہیں۔

یورپ کے ایک سیاح نے، جس نے تاورنیر سے پہلے ۱۴۷۸ء میں ایران کا سفر کیا تھا، ایک قصہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بدنظمی اور شورش کے زمانے میں بھی ایک حاکم نے مذہبی تعصب کے ایک اسی قسم کے ہنگامے کو بڑی سختی سے فرو کیا تھا۔ ایک دن شہر تبریز کا ایک مال دار ارمنی سوداگر اپنی دوکان میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک حاجی، جو اپنے تقدس کے لئے مشہور تھا، اس کے پاس آیا اور اس سے اصرار کے ساتھ کہا کہ اپنا عیسائی مذہب چھوڑ کر دین اسلام قبول کر لے۔ لیکن سوداگر نے اپنے مذہب پر ثابت قدم رہنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس کو کچھ خیرات دینے لگا، لیکن حاجی نے کہا کہ مجھے تمہاری خیرات کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہیں مسلمان کرنا چاہتا ہوں۔ آخرکار جب سوداگر نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو حاجی نے غضب ناک ہو کر ایک شخص کے ہاتھ سے، جو قریب کھڑا تھا تلوار چھین لی اور اس سے سوداگر کے سر پر کاری ضرب لگائی اور پھر بھاگ گیا۔ جب حاکم شہر کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس کو بہت غصہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ قاتل کا تعاقب کر کے

Marfat.com

اسے گرفتار کیا جائے۔ غرض کہ جب مجرم گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے لایا گیا تو حاکم نے اسے اپنے ہاتھ سے خنجر مار کر ہلاک کر دیا اور کہا کہ "کیا دین محمدی کی اشاعت اسی طریقے سے ہوتی ہے؟" اس نے حکم دیا کہ اس کی لاش کو باہر پھینک دیا جائے تا کہ اسے کتے کھا جائیں۔ جب رات ہوئی تو شہر کے عوام نے اس کی لاش کو اٹھا کر دفن کر دیا۔ اس حکم عدولی سے حاکم شہر بہت غضب ناک ہوا اور اس نے شہر کو تین چار گھنٹے تک غارت گری کے لئے اپنی سپاہ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں پر جرمانہ بھی کیا اور سوداگر کے بیٹے کو بلایا اور اس کو مہربانی اور شفقت کے الفاظ سے تسلی اور تشفی دی۔

مصر کے خبطی حکمران الحاکم (۹۹۶ء تا ۱۰۲۰ء) نے بھی، جس کے ظلم وستم سے تنگ آ کر بہت سے یہودی اور عیسائی اپنا مذہب ترک کر کے مسلمان ہو گئے تھے، ان کو پھر اپنا مذہب اختیار کرنے اور اپنے برباد شدہ عبادت خانوں کو از سر نو تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (۱۴)

مشرقی ملکوں کے عیسائیوں کو یورپ کے عیسائی بھائیوں نے نظر انداز کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اکثر مشرقی عیسائی نہتے تھے اور ان کے پاس اپنی حفاظت اور بچاؤ کا مطلق کوئی سامان نہ تھا۔ ان حالات میں اگر کوئی طاقت ور مسلمان بادشاہ چاہتا تو بہت آسانی سے اپنی عیسائی رعایا کی بیخ کنی کر سکتا تھا۔ ان کو اپنی سلطنت سے اسی طرح نکال سکتا تھا جس طرح سپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو سپین سے نکال دیا تھا یا جس طرح انگریزوں نے یہودیوں کو چار سو برس تک اپنے ملک سے خارج رکھا تھا۔ چنانچہ ۱۵۱۴ء میں سلطان سلیم اول یا ۱۶۴۶ء میں سلطان ابراہیم اپنے ان وحشیانہ منصوبوں کو عمل میں لا سکتے تھے جو انہوں نے اپنی عیسائی رعایا کو نیست و نابود کرنے کے لئے سوچے تھے۔ چنانچہ سلطان سلیم نے تو اس غرض سے کہ اس کی مسلمان رعایا ایک ہی مذہب کی پابند ہو، چالیس ہزار شیعوں کو قتل کرا ڈالا تھا، لیکن مفتیوں نے ان حکمرانوں کو اس قسم کے ظالمانہ قصد سے باز رکھا اور ان کا یہ اقدام اسلامی شریعت کی صحیح تفسیر تھی جو اسلامی رواداری اور مسامحت کے اصولوں کے عین مطابق تھا۔

جرمنی میں سترہویں صدی تک یہ ایک عام مسلمہ اصول رہا ہے کہ حاکم وقت کا جو مذہب ہو اس کی رعایا کو بھی اسی مذہب کی پیروی کرنی چاہیے۔ لیکن آج تک کسی مسلمان حکمران نے اس اصول کو اختیار نہیں کیا اور اس کو اپنا دستور العمل نہیں بنایا۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جس ملک میں اسلام سرکاری مذہب ہو گا تو اس سے مسلمانوں کی تعداد میں ضرور اضافہ ہوا ہو گا اور جن لوگوں پر مذہب کی پوری گرفت نہ تھی، ان کو دنیوی فوائد کا لالچ ہوا ہو گا اور لائق تحسین محرکات کی بجائے حب جاہ اور ذاتی منفعت کا خیال ان کے تبدیل مذہب کا موجب ہوا ہو گا۔ پانچویں صدی عیسوی میں سینٹ آگسٹائن (۱۵) نے خود عیسائیوں کے متعلق اسی قسم کی شکایت کی تھی۔ چنانچہ اس نے لکھا تھا کہ "بہت سے لوگ دنیاوی فوائد کی امید میں مسیحی ملت میں داخل ہوتے ہیں۔ کس قدر کثیر لوگ ہیں جو صرف دنیا

Marfat.com

کے لئے مسیح علیہ السلام کو تلاش کرتے ہیں۔ ایک شخص ہے کہ اس کا کوئی کام رکا ہوا ہے اور وہ پادریوں کی مدد چاہتا ہے۔ دوسرا ہے کہ اسے کسی زبردست نے ستایا ہے اور وہ کلیسا میں پناہ لیتا ہے۔ کوئی شخص اس لیے آیا ہے کہ اس کے معاملے میں کسی بڑے آدمی سے، جس تک اس کی رسائی نہیں ہے، سفارش کی جائے۔ غرض کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کلیسا میں بھیڑ لگی رہتی ہے۔''

اس کے علاوہ جن وحشی اور غیر مہذب قوموں نے عربی سلطنت کے جاہ وجلال کو اس کے زمانۂ عروج میں دیکھا ہوگا تو ان کی نگاہ میں دین اسلام ایسا ہی پُر رعب دکھائی دیا ہوگا اور ان پر اس کا ایسا ہی زبردست جادو اور افسون ہوا ہوگا جیسا کہ عیسائی مذہب نے شمالی یورپ کی قوموں پر کیا تھا۔ ''ان قوموں نے دیکھا کہ رومی سلطنت میں عیسائیت شائستہ، صاحبِ اقتدار اور شان وشوکت کی مالک تھی، بادشاہوں کے پہلو میں تختِ حکومت پر جلوہ گر تھی، بلکہ بعض اوقات ان پر بھی غالب تھی۔''

مسلمانوں کے میل ملاپ کا اثر:

اسلامی تبلیغ کی کامیابی کے جو اسباب مندرجہ بالا صفحات میں بیان ہوئے ہیں، ان میں اس اثر کا بھی اضافہ کرنا چاہیے جو لوگوں کے دلوں پر مسلمانوں کے ساتھ روزانہ میل ملاپ رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ اثر اگرچہ آہستہ آہستہ عمل کرتا ہے، لیکن پیہم اور مسلسل ہے اس قسم کے اثر سے بارہویں صدی عیسوی کے ایک نسطوری مصنف یعنی ماری بن سلیمان نے اپنی کتاب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے ان پر درود وسلام بھیجا تھا اور ان کے خلفاء کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خدا ان پر رحم کرے۔ زمانۂ حال میں عیسائی مشنریوں نے اس بات کی شکایت کی ہے کہ مصر میں انگریزوں کے دورِ احتلال میں جو نظام تعلیم قائم ہوا، اس کی وجہ سے جب مسلمان طالب علموں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے تو عیسائی لڑکے بھی ان کے ساتھ بیٹھنے اور اسلامی درس سننے پر مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے الگ بیٹھنے کے لیے کوئی کمرہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس طریق سے مسلمان عیسائی طالب علموں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چنانچہ مفتی محمد عبدہ مرحوم کا ایک سرگرم پیرو ایک قبطی طالب علم تھا جو اس وجہ سے مسلمان ہو گیا تھا کہ وہ سکول کے اوقات میں دینیات کے درس میں شریک رہ چکا تھا۔

اہل اسلام کی نیک عادات:

لیکن اس قسم کے محرکات سے تبدیل مذہب کے تمام واقعات کی توجیہ نہیں ہوتی اور تبلیغ اسلام کے ضمن میں ہمیں دوسرے اسباب کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جن کا اثر بیّن طور پر مذہبی نوعیت کا ہے۔ ان اسباب میں سب

Marfat.com

سے بڑھ کر پیروانِ اسلام کی پارسائی اور پرہیزگاری ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو عجیب معلوم ہوگی جن کے لیے اسلام ہر قسم کی برائی کے لیے محض ایک پردے کا کام دیتا ہے، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ پہلے وقتوں میں بہت سے عیسائی لوگ، جن کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے، ان کی خوبیوں سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اگر سیاح اور اجنبی پر ان خوبیوں نے اس قدر اثر ڈالا ہے تو ان لوگوں نے، جو مسلمانوں میں دن رات رہتے تھے، بلاشبہ ان کا اثر قبول کیا ہوگا۔

ڈومینیکن فرقے کے ایک مشنری نے، جس کا نام ریکولدوس تھا، تیرہویں صدی کے اخیر میں مشرقی ملکوں کی سیاحت کی تھی۔ جن مسلمانوں کی اس نے تبلیغ کی تھی ان کی ستائش اس نے ان الفاظ میں کی ہے ''یہ دیکھ کر ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ مسلمانوں کے مذہب میں کس کمال درجے کی خوبیاں موجود ہیں۔ اب ہم مسلمانوں کی نیک باتوں اور کاموں کو مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔ ایسا کون شخص ہوگا جو غور سے دیکھے اور اس بات پر متعجب نہ ہو کہ مسلمانوں کو تحصیل علم کا کس قدر شوق ہے، کس خشوع و خضوع سے وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں محتاجوں کے ساتھ کیسے فیاض ہیں، خدا اور انبیاء کے نام کی کیسی عظمت کرتے ہیں۔ ان کے ہاں آثار مقدسہ کا کس قدر احترام کیا جاتا ہے۔ ان کی باتوں میں کس قدر متانت اور سنجیدگی ہے اجنبی لوگوں کے ساتھ وہ کس قدر نیک سلوک کرتے ہیں اور مسلمان آپس میں کیسی الفت اور محبت رکھتے ہیں۔''

اسی طرح ولیم پٹیٹ نے بھی، جو نیوبرگ کا رہنے والا تھا اور جس کا زمانہ بارہویں صدی عیسوی کا ہے، مسلمانوں کی پرہیزگاری کی تعریف و تحسین کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی یہ پرہیزگاری ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ وہ ان میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ اخلاقی لحاظ سے عیسائیوں سے برتر ہیں ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شراب نوش اور پُرخور لوگوں سے نفرت کرتے تھے اور ان عاداتِ بد کے مقابلے میں انہوں نے پرہیزگاری اور قناعت کی تعلیم دی ہے ناپاک اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اور شراب نوشی کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ عرب لوگ جنسی شہوات کے غلام ہیں، لیکن ان حرام باتوں سے اجتناب میں اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ان باتوں میں ہم عیسائیوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہم پر اعتراض اور طعن کرتے ہیں۔ یہ جس قدر عار کا مقام ہے کہ ہماری ناپاکی اور پلیدگی، ہماری پُرخوری اور مسکرات کے کثرتِ استعمال کے سبب سے ہے۔ چند سال کی بات ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے ہمارے حالات دریافت کیے اور معلوم کیا کہ ہم کھانے کے وقت قیمتی ظروف استعمال کرتے ہیں تو اس نے کہا کہ ارض مقدس میں ایسے برتنوں کا استعمال لائق نفرین ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری شان و شوکت کا اظہار عربوں کو ہمارے خلاف ابھارتا ہے اور وہ سادگی اور کفایت شعاری کے معاملے میں ہم پر فخر کرتے ہیں۔ گویا وہ زبان حال

Marfat.com

سے کہہ رہے ہیں کہ خدا نے شرابیوں کو دھتکار دیا ہے، لہٰذا ہم کو چاہیے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان پر ایسا تسلط جمائیں کہ ان کو کوئی راہ فرار نظر نہ آئے''

صلیبی جنگوں کے زمانے میں جو کتابیں عیسائیوں کے قلم سے نکلی تھیں، وہ بھی اسلامی محاسن اخلاق کی تعریف سے مالا مال ہیں۔ ترکوں کی حکومت کی ابتدا میں بہت سے عیسائیوں نے ان کو خراج تحسین ادا کیا تھا، جیسا کہ اس کتاب کے باب ششم میں بیان ہو چکا ہے۔

وہابی تحریک:

جن اسباب سے اسلام کی اشاعت میں ترقی ہوئی ان میں سے بعض اسباب ابھی تک کارفرما ہیں۔ ان کے علاوہ آج کل عالم اسلام میں دو ذریعے اور بھی ہیں جن سے اشاعت دین کو ترقی ہو رہی ہے۔ ان میں پہلا ذریعہ اسلامی مذہبی زندگی کی تجدید ہے جس کی ابتدا اٹھارویں صدی کی وہابی تحریک سے ہوئی۔ اگرچہ یہ تحریک ایک عرصے سے نجد کی حدود سے باہر سیاسی اہمیت کھو چکی ہے، لیکن مذہبی اعتبار سے اس کا اثر ابھی تک افریقہ، ہندوستان اور جزائر ملایا میں موجود ہے اور اس سے بہت سی ایسی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں، جنھوں نے تمام اسلامی دنیا پر نہایت قوی اثر ڈالا ہے۔ ہم صفحاتِ گزشتہ میں لکھ آئے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام کی اشاعت کے لئے جو کوششیں ہوئی ہیں، ان کو اِحیائے دین کی اس وسیع تحریک سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہابی تحریک نے مسلمانوں میں ایک پُر جوش مذہبی جذبہ ابھارا ہے، ان کے مذہبی اداروں میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی ہے اور مذہبی علوم کے مطالعے کو تیز تر کر دیا، عبادت و ریاضت کی تنظیم کی ہے۔ ان تمام باتوں نے مسلمانوں کے طبعی اور فطری شوقِ تبلیغ کو بھی بیدار کیا ہے اور اس کو زندہ رکھا ہے۔

پین اسلامک تحریک:

وہابی تحریک کے ساتھ ساتھ ایک اور تحریک بھی جاری رہی ہے، اگرچہ وہ اپنی نوعیت میں اس سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے کہ دراں حالیکہ وہابی لوگ یورپی تہذیب کے سخت مخالف ہیں، لیکن پین اسلامک تحریک جس کا مقصد اسلامی دنیا کی تمام اقوام کو اتفاق واتحاد کے رشتے میں منسلک کرنا ہے، موجودہ زمانے کے فلسفہ وحکمت کے ساتھ ہم خیال ہے اور اسلام کو اسی رنگ میں پیش کرتی ہے۔ اگرچہ یہ تحریک وہابی تحریک کی طرح اہم نہیں ہے، تاہم اس کا جو اندازِ فکر ہے اس سے تبلیغ کے کام کو بڑی قوی تحریک ملتی ہے۔ اخوتِ اسلامی کے اصول کو عملی صورت دینے کے لیے جو کوشش کی جاتی ہے، اس کا دوسرے اسلامی عقائد پر بھی اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کی ایک عالم گیر برادری ہے اور تمام مسلم اقوام کی

Marfat.com

ایک مشترک زندگی ہے، تو اس سے ان کے دلوں میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ غیر مذاہب والوں کی موجودگی میں جرأت اور ہمت کے ساتھ بات کر سکتے ہیں۔

ان دونوں تحریکوں کا اسلام کی اشاعت پر کیا اثر ہوگا، اس کا حال صرف آئندہ زمانے ہی میں کھل سکتا ہے۔ لیکن ان کی موجودہ سرگرمی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام مردہ نہیں ہے بلکہ زندہ ہے۔ اسلام کی روحانی قوت اس کی سیاسی سطوت وصولت پر موقوف نہیں ہے (۱۶)۔ بلکہ اس کے برعکس جب کبھی سیاسی قوت اور دنیوی ثروت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی ہے، تو ان کے لطیف ونفیس روحانی جوہر نمایاں ہوکر بروئے کار آئے ہیں اور یہی وہ صفات ہیں جن سے تبلیغ کے کام کو ترغیب ملتی ہے۔ اسلام نے اپنی نکبت وفلاکت سے بہت سے مفید سبق سیکھے ہیں اور دنیوی نعمت کے زوال سے ان کے ایمان وایقان میں کبھی ضعف نہیں آیا۔ چنانچہ اس ضمن میں یہ بات بڑی معنی خیز اور قابل غور ہے کہ وہ ممالک جو مدت دراز سے عیسائیوں کی حکومت میں رہ چکے ہیں، تبلیغ دین میں سب سے زیادہ مستعد نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان اور ملایا کے مسلمانوں میں تبلیغ دین کا وہ جوش وخروش پایا جاتا ہے جس کو ترکی یا مراکو میں تلاش کرنا عبث ہے۔

Marfat.com

حواشی

۱۔مسیحی مشنری سوسائٹیوں کے نمونے پر جو اسلامی تبلیغی انجمنیں بنائی گئی ہیں، وہ بیسویں صدی سے پہلے ظہور میں نہیں آئیں۔ان کا کچھ حال ضمیمے میں دیا گیا ہے۔

۲۔قورح بن یصہار بنی اسرائیل کا ایک نامور شخص تھا جو حضرت موسیٰ کی مخالفت پر آمادہ ہوا اور ان کی طرح لوگوں کو موسوی دین میں داخل کرنے کے لئے مذہبی رسوم ادا کرنے لگا۔اس گناہ کی پاداش میں اس کو زمین نگل گئی (تورات، سفر العدد، باب ۱۶)

۳۔ولندیزی مستشرق سنوک ہرخرنیہ لکھتا ہے کہ " کوئی مسلمان خواہ کیسا ہی دنیادار ہو، اسلام کی تبلیغ کرنا بہرکیف اس کی فطرت میں داخل ہے"۔اسی طرح ایک جرمن مصنف من سنگر نے لکھا ہے کہ "ہر ایک مسلمان طبعاً اپنے مذہب کا مبلغ ہے جو تبلیغی کام کو اپنے صرفے سے جاری رکھتا ہے۔"

۴۔اس ضمن میں وہ دلچسپ خط قابل ذکر ہے جو مراکش کے فرمانروا مولائی اسماعیل نے ۱۶۹۸ء میں انگلستان کے بادشاہ جیمز ثانی کو لکھا تھا اور اس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔

۵۔خزینۃ الاصفیا: از مفتی غلام سرور، جلد ۲، ص ۴۰۷۔

۶۔کرمسین نے تاریخ روس میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں پشنگ قوم کے لوگ دریائے ڈینیوب اور دریائے ڈان کے درمیان آباد تھے اور وہاں نویں صدی کے اخیر میں ارال کے کناروں سے اٹھ کر آئے تھے۔

۷۔اس واقعے کی تفصیل کے لئے دیکھیے "رود کوثر" از شیخ محمد اکرام۔(مترجم)

۸۔مصنف علام نے اس موقع پر عیسائیوں کے عقائد کی دشواری اور پیچیدگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔جیسا کہ اس کتاب کے تیسرے باب میں بیان ہوا، عیسائی علماء کے درمیان حضرت عیسیٰؑ مسیح کی ذات وصفات اور ان کے خدا کے ساتھ تعلقات کے بارے میں جو خیالات اور نظریات رائج تھے، وہ اس قدر پیچیدہ اور عسیر الفہم تھے کہ عوام وخواص کی حیرانی اور پریشانی کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی مذہبی اختلافات بھی بڑھتے گئے۔(مترجم)

۹۔پروفیسر مونتے (Ed.montet) (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۷ء) سوئٹزرلینڈ کی جنیوا یونیورسٹی میں عبرانی، عربی اور تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے۔انہوں نے اسلام اور تاریخ اسلام پر بہت سے مقالے اور متعدد کتابیں لکھی ہیں جو فرانسیسی زبان میں ہیں اور پروفیسر ممدوح کی غیر معمولی بصیرت پر دلالت کرتی ہیں۔انہوں نے قرآن مجید کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا تھا (مترجم)

۱۰۔چارلس ڈاؤٹی (۱۸۴۳ء تا ۱۹۲۶ء) ایک انگریز مصنف اور سیاح تھا جس نے شمالی حجاز اور مغربی نجد کی سیاحت کی اور دو سال (۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۸ء) وہاں کے بدوی قبیلوں کے درمیان گزارے اور واپسی پر اپنے مشاہدات دو ضخیم جلدوں میں قلم بند کئے۔اس کے سیاحت نامے کا نام Travels in Arabia Deserta ہے جو کہ بدوی زندگی کی ایک مکمل اور صحیح تصویر ہے۔(مترجم)

۱۱۔مون تسکیو Montesquieu (۱۶۸۹ء تا ۱۷۵۵ء) فرانس کا ایک مشہور ادیب اور فلسفی مؤرخ گزرا ہے جس نے رومیوں کے عروج وزوال پر ایک پرمغز کتاب لکھی تھی، لیکن اس کی مشہور ترین کتاب L.Esprit des Lois ہے جس میں اس نے حکومت وسیاست کے اصول پر بحث کی ہے۔مندرجہ بالا جملہ اسی سے ماخوذ ہے۔اس کی تقریباً تمام تصانیف انگریزی میں ترجمہ

Marfat.com

ہو چکی ہیں۔(مترجم)

۱۲۔ آرنسٹ ریناں (E.Renan) متوفی ۱۸۹۲ء فرانس کا ایک مشہور ادیب اور مؤرخ گزرا ہے جس نے سامی مذاہب اور السنہ کی تحقیق میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔مندرجہ بالا جملہ اس کے ایک مقالے سے ماخوذ ہے جو اس نے ۱۸۸۳ء میں "اسلام اور سائنس" کے عنوان سے لکھا تھا۔اس کے بعد ڈاکٹر آرنلڈ نے بشپ لافرائے کی ایک کتاب سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کیا ہے، جس سے ریناں کے خیال کی تائید ہوتی ہے:

"جو شخص پہلی دفعہ مسلمانوں سے ملتا ہے وہ ان کے طریق عبادت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، خواہ وہ کھلے بازار میں ہو یا ریلوے سٹیشن پر ہو یا کسی کھیت میں کام کر رہا ہو، اس کا یہ عام معمول دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ بغیر کسی قسم کی ریاکاری یا نمود و نمائش کے اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر خاموشی اور عاجزی کے ساتھ مقررہ وقت پر نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔یہی بات ایک بڑے پیمانے پر نماز باجماعت کی صورت میں نظر آتی ہے۔رمضان کے مہینے میں جمعۃ الوداع کے روز دہلی کی جامع مسجد کا صحن نمازیوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے جن کی تعداد تقریباً پندرہ ہزار ہوتی ہے۔وہ ہمہ تن نماز میں مصروف ہوتے ہیں اور ان کے تمام حرکات و سکنات سے انتہائی درجے کا خشوع و خضوع ٹپکتا ہے۔جو شخص بھی ان کو دیکھتا ہے، اس منظر سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔اس مذہبی نظام کی تہہ میں جو زبردست قوت پوشیدہ ہے۔اس کی جھلک دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ہر روز علی الصبح دن کی روشنی سے پہلے بڑی باقاعدگی کے ساتھ مؤذن کی آواز بلند ہوتی ہے۔دن کے وقت بھی کاروبار کی گہما گہمی اور شور و غل میں سنائی دیتی ہے اور شام کے وقت بھی ہمارے کانوں میں گونجتی ہے۔سو یہ اذان بھی اسلام کا پیغام متواتر پہنچاتی ہے۔"

۱۳۔ ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle۔۱۷۹۵ء تا ۱۸۸۱ء) سکاٹ لینڈ کا ایک مشہور ادیب اور انشا پرداز گزرا ہے، جس کا یہ نظریہ تھا کہ نوع انسان کی تاریخ ان کے اکابر ہی کے کارناموں سے بنتی ہے۔چنانچہ اس نے ۱۸۴۱ء میں مختلف طبقوں کے ابطال پر لیکچرز دیے اور جب اس نے انبیاء میں سے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بطور ہیرو انتخاب کیا تو اس سے انگلستان کے مذہبی اور ادبی حلقوں میں ایک سنسنی پھیل گئی۔یہ لیکچرز On Heroes and the Heroic in History کے عنوان سے چھپ چکے ہیں اور اب تک ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔(مترجم)

۱۴۔ اسی طرح اس سے ایک صدی پہلے خلیفہ المقتدر (۹۰۸ء تا ۹۳۲ء) نے حکم دیا کہ رملہ (فلسطین) کے وہ گرجے دوبارہ تعمیر کئے جائیں جن کو مسلمانوں نے ایک ہنگامے میں برباد کر دیا تھا۔لیکن اس ہنگامے کا سبب نہیں بتایا گیا۔ابو صالح ذکر کرتا ہے کہ مصر کے بہت سے گرجے اور راہب خانے دوبارہ تعمیر ہوئے۔یہ گرجے اور راہب خانے وہ تھے جو غز اور کردوں کے حملوں میں ۱۱۶۴ء میں تباہ ہو گئے تھے یا جن کو متعصب مسلمانوں نے برباد کر دیا تھا، یا وہ بوسیدہ ہو کر خود بخود گر گئے تھے۔

۱۵۔ آگسٹن (Augustine۔۳۵۴ء تا ۴۳۰ء) عیسائیوں کا ایک مشہور عالم دین ہوا ہے جو بالآخر ولایت کے مرتبے پر پہنچا۔اس نے اپنے زمانے کے بہت سے مذہبی مباحثوں میں حصہ لیا اور بہت سی کتابیں لکھیں۔اس کی مشہور کتاب De Civitate Dei یعنی مدینۃ اللہ ہے جس میں اس نے مسیحی عقائد کی تائید و تصدیق کی ہے۔(مترجم)

۱۶۔ فریڈرک ماریس نے اپنی کتاب "مذاہب عالم" میں لکھا ہے کہ "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام صرف اسی وقت فروغ پا سکتا ہے جب وہ ملک گیری کے درپے ہو۔" اسلام کے متعلق یہ ایک ایسا عامیانہ خیال ہے جو عیسائیوں میں بالعموم رائج ہے۔

Marfat.com

ضمیمہ اول

مسلمانوں کی تبلیغی انجمنیں

تبلیغ دین کے کام کو ایک منظم اور با قاعدہ طریق پر چلانے کے لیے حال ہی میں جو انجمنیں بنائی گئی ہیں وہ اشاعت اسلام کی تاریخ میں ایک نئی بات ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ یہی بات مسیحی مشن کی تاریخ پر بھی صادق آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اس قسم کی تبلیغی انجمنیں مسیحی دنیا کی مشنری سوسائٹیوں کی تقلید میں بنائی گئی ہیں اور مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمی کے مخصوص مظاہر میں سے نہیں ہیں۔

جہاں تک مغربی دنیا کا تعلق ہے، اس بارے میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں معلوم ہوتی ہے۔ وہاں انیسویں صدی کے نصف آخر سے پہلے اس قسم کی انجمنیں بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جو کوششیں پہلے پہل ہوئیں، ان میں بہت کم کامیابی حاصل ہوئی۔ جب ۱۸۷۵ء میں ایچ۔ ایم۔ سٹنلے نے انگریزی اخبارات میں اس بات کی تحریک کی کہ موتیسا (Mutesa) شاہ یوگنڈا کے پاس ایک مسیحی مشن بھیجا جائے تو اس کی اپیل پر ہر جانب سے توجہ کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطنیہ میں ایک تبلیغی انجمن کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ یوگنڈا کے ملک میں اسلام کی اشاعت کی جائے، مگر کوئی مسلمان مبلّغ ارسال نہ کیا گیا۔ جب ۱۸۷۸ء میں روس اور ترکی میں جنگ چھڑ گئی تو اس نے ترکوں کی توجہ کو اس قسم کی تبلیغی کوشش سے ہٹا دیا۔ تبلیغی سرگرمی کی ناکامی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ جب بلاد السودان کی انگریزی مصری مشترکہ حکومت نے سوڈان کے ایسے اضلاع کو، جہاں بت پرست آباد تھے، مختلف مسیحی مشنری سوسائٹیوں میں بانٹ دیا، تو مسلمانانِ قاہرہ نے مطالبہ کیا کہ ملک کا ایک حصہ اہل اسلام کے لیے بھی مخصوص کر دیا جائے۔ اس پر گورنمنٹ نے جواب دیا کہ اگر وہ مبلّغ روانہ کریں تو انہیں بھی وہی آسانیاں دی جائیں گی جو مسیحی مشنریوں کو دی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ تنظیم مفقود تھی اس لیے اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ۱۹۱۰ء میں رسالہ ''المنار'' کے ایڈیٹر شیخ رشید رضا نے قاہرہ میں الدعوۃ و الارشاد کے نام سے ایک تبلیغی انجمن کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان مبلّغ تیار کیے جائیں اور انھیں اولاً بت پرستوں اور عیسائیوں کے ملکوں میں بھیجا جائے، نیز ان مسلم ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

مگر اس قسم کی انجمنوں کو ہندوستان میں سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے۔ ان میں سے غالباً سب سے زیادہ منظم انجمن حمایت اسلام لاہور ہے، مگر تبلیغی کام اس انجمن کی وسیع سرگرمیوں کا ایک قلیل حصہ ہے، لہٰذا اہم

Marfat.com

اسے محض ایک تبلیغی انجمن نہیں کہہ سکتے۔ اجمیر کی انجمن حامی اسلام کی اصلی غرض و غایت یہ تھی کہ جو اعتراضات آریہ سماج والے اسلام پر کرتے ہیں، ان کا جواب دیا جائے، مگر اس کے مقاصد میں اسلام کی تبلیغ کرنا اور نومسلموں کو خوراک اور پارچات بہم پہنچانا بھی شامل تھا۔ انجمن وعظ اسلام، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ تبلیغ اسلام پر زیادہ زور دیتی تھی۔ اور جب تک مولوی بقا حسین خان اس کے سیکرٹری رہے، وہ نومسلموں کی فہرستیں بھی شائع کرتی تھی۔ انجمن اسلام اور انجمن تبلیغ اسلام کا بھی یہی دستور تھا جو حیدر آباد دکن میں قائم ہوئیں۔ مؤخر الذکر انجمن کا مقصد یہ تھا کہ اچھوت ہندوؤں میں اسلام کی تبلیغ کی جائے۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ انجمنیں اب باقی ہیں یا نہیں۔ جو انجمنیں بیسویں صدی میں قائم ہوئیں ان میں حسبِ ذیل قابل ذکر ہیں: مدرسۃ الٰہیات کانپور، جو مسلمان مبلّغین تیار کرنے، اسلام کی حمایت کرنے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے قائم ہوا، انجمن اشاعت و تعلیمِ اسلام جو بٹالہ (پنجاب) میں انھی مقاصد سے قائم ہوئی۔ مگر ان میں سے سب سے بڑی انجمن، جو دہلی میں قائم ہوئی، انجمن ہدایتِ اسلام ہے جس کے ساتھ ہندوستان کے دیگر حصوں کی چوبیس انجمنیں ملحق ہیں۔ یہ انجمن مبلّغین کو اسلام کی اشاعت اور غیر مسلموں کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرنے کے لیے باہر بھیجتی ہے۔ غیر مذاہب والوں خصوصاً آریہ سماجیوں کے حملوں کے جواب میں مناظرانہ رنگ کی کتابیں اور رسالے شائع کرتی ہے۔

Marfat.com

ضمیمہ دوم

اہل اسلام اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے درمیان مناظرانہ تحریریں

اگرچہ مسلمانوں کے ہاں تبلیغ دین کے لیے کوئی مستقل انتظام نہیں ہے اور نہ ہی ایسی انجمنیں ہیں جو مذہبی کتابیں اور رسالے اشاعتِ اسلام کی غرض سے شائع کریں، لیکن ان کے ہاں ایسی کتابوں کی کمی نہیں ہے جن میں غیر مذاہب والوں کے اور خصوصاً یہودیوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں دین اسلام کی فضیلت کو حجت اور دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں اس موقع پر اس قسم کی کتابوں کا مفصل حال لکھنا ہمارا مقصود نہیں ہے مگر ان کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، تاکہ عوام کا یہ غلط خیال دور ہو جائے کہ جب بھی اسلام پھیلا ہے تو ہزاروں لوگوں نے مجبوراً اسلام اختیار کیا ہے اور افراد کے مخلصانہ اعتقاد اور دلی تصدیق کے لیے داعیان اسلام کے تبلیغی پروگرام میں کوئی جگہ نہ تھی۔

اگرچہ کفار کے خلاف اسلامی مباحثوں کی ابتدا قرآن مجید سے ہوتی ہے، مگر نویں صدی مسیحی سے مسلمانوں کی مناظرانہ تالیفات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو اب تک شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ اس قسم کی کتابیں، جو عیسوی مذہب کے خلاف لکھی گئی ہیں، تعداد میں ان کتابوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں جو نصاریٰ کی طرف سے اسلام کے رد میں تحریر ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلمان مفکرین میں سے بعض قابل ترین علماء مثلاً ابو یوسف بن اسحاق الکندی (۸۱۳ء۔۸۷۳ء)، المسعودی (متوفی ۹۵۸ء) ابن حزم (۹۹۴ء۔۱۰۶۴ء)، الغزالی (متوفی ۱۱۱۱ء) وغیرہم نے اس قسم کی کتابوں کی تحریر میں اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ متعدد عیسائیوں نے اسلام اختیار کرنے کے بعد دین اسلام کی حمایت میں اور اپنے قبول اسلام کی وجوہات کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ ابن جزلہ نے گیارہویں صدی مسیحی میں، یوسف لُبنانی اور شیخ زیاد بن یحییٰ نے تیرہویں صدی میں، عبداللہ بن عبداللہ نے پندرہویں صدی میں، درویش علی نے سولھویں صدی میں اور احمد بن عبداللہ نے جو (انگریز تھا اور انگلستان کے شہر کیمبرج میں پیدا ہوا تھا) سترہویں صدی میں اس قسم کی کتابیں لکھیں۔ یہ تمام لوگ قبول اسلام سے پہلے عیسائی تھے۔ مگر چند یہودیوں نے بھی اسلام اختیار کرنے کے بعد اس دین کی حمایت میں کتابیں لکھی ہیں، اگرچہ ان کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ ہندوستان میں علاوہ ان بہت سی کتابوں کے، جو عیسوی مذہب کے رد میں لکھی گئیں، ہندوؤں کے مذہب کے خلاف بھی مسلمانوں نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں، لیکن مجھے معلوم نہیں کہ آیا دوسرے ملکوں میں بھی، جہاں بت پرست رہتے ہیں، اہلِ اسلام اسی طرح سرگرم عمل رہے ہیں یا نہیں۔

Marfat.com

ضمیمہ سوم

الہاشمی کا تبلیغی مراسلہ الکندی کے نام

ذیل میں الہاشمی کے اس خط کا ترجمہ دیا جاتا ہے جو اس نے الکندی کو لکھا اور جس میں اس نے اسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں اس خط کو، جو تمھارے نام بھیج رہا ہوں، تمھاری سلامتی اور تم پر رحمت نازل ہونے کی دعا سے شروع کرتا ہوں۔ اور میں نے اس امر میں اپنے آقا اور انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی ہے، کیونکہ ثقہ اور عادل لوگوں نے، جنھوں نے ہمارے نبی علیہ السلام کے حالات سچائی کے ساتھ بیان کیے ہیں، ان کے بارے میں روایت کی ہے کہ ان کی یہ عادت تھی کہ جب وہ لوگوں سے گفتگو شروع کرتے تو پہلے ان کے لیے سلامتی اور ان پر رحمت نازل ہونے کی دعا کرتے تھے۔ اس بارے میں اپنی امت کے لوگوں اور ذمّیوں کے درمیان اور مومن اور مشرک میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اچھے اخلاق کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، سختی اور ترش کلامی کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ وہ اس بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتے تھے جس نے خود قرآن مجید میں اپنے رسول ﷺ کے بارے میں کہا ہے کہ "بالمومنین رؤف رحیم"، یعنی مومنوں کے حق میں بڑا مہربان اور رحم دل ہے۔ اسی طرح میں نے اپنے پیشواؤں اور راست رو خلفاء کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اپنے اعلیٰ آداب و اخلاق اور خاندانی شرافت کی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے تھے، اور اس بارے میں لوگوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کرتے تھے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ پس میں نے بھی اس مسلک کو اختیار کیا ہے اور اسی طریقے کی پیروی کی ہے اور انھی پسندیدہ عادات کو اختیار کیا ہے۔ پس میں اس مراسلے کو سلامتی اور رحمت کی دعا سے شروع کرتا ہوں تاکہ کوئی شخص، جو اس خط کو دیکھے، میرے طرزِ خطاب کو ناپسند نہ کرے۔

وہ چیز جس نے مجھے اس خط کی تحریر پر آمادہ کیا ہے، وہ تمھاری محبت ہے۔ کیونکہ ہمارے آقا اور پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریب کے لوگوں کی محبت دین وایمان کا جزو ہے۔ اس کے علاوہ اس خط کے لکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر رہا ہوں اور تمہاری خدمت اور خیر خواہی کا جو حق ہم پر واجب ہے، اس کو ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ محبت کرتے ہو اور ہماری دوستی کا اظہار کرتے ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میرے آقا اور عمزاد بھائی امیر المومنین (خدا ان کی مدد فرمائے) تمہاری عزت کرتے ہیں اور تم کو اپنا مقرب سمجھتے ہیں۔ وہ تم پر بھروسا کرتے

Marfat.com

ہیں اور تمہاری نسبت اچھی رائے رکھتے ہیں۔اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ میں تمہارے لئے بھی وہی بات پسند کروں جو اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے پسند کرتا ہوں۔تمہارے ساتھ خیر خواہی سے پیش آؤں اور اس دین کو تمہارے سامنے پیش کروں جس پر ہم قائم ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اور اپنی تمام مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے، اور اس پر آخرت میں ثواب دینے اور عذاب سے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔پس میں نے تمہارے لئے بھی وہی چاہا جو اپنے لئے چاہتا ہوں۔ مجھے تمہارے اعلیٰ اخلاق اور علمی لیاقت اور شائستگی اور خاندانی شرافت اور نیک روش اور اس امتیاز کو دیکھتے ہوئے، جو تمہیں اپنے ہم مذہب لوگوں میں حاصل ہے، تم پر ترس آیا کہ تم اپنے پرانے مسیحی مذہب پر قائم ہو، پس میں نے دل میں کہا کہ میں اس دوست کے سامنے اس چیز کو کھول کر رکھ دوں گا جس کی اللہ تعالیٰ نے ہم پر نوازش کی ہے۔جس دین پر ہم قائم ہیں، اسے نرمی اور خوش کلامی کے ساتھ پیش کروں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ "وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ" (سورۃ عنکبوت: آیہ ۴۶) یعنی اے مسلمانو! اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ اور مباحثہ نہ کرو مگر نہایت شائستہ طریق پر پس میں بھی تمہارے ساتھ خوش کلامی کے ساتھ اور نرم الفاظ میں مباحثہ کرتا ہوں۔شاید کہ تم سچائی کی طرف رجوع کرو اور حق بات تک پہنچ جاؤ، اور اللہ کے اس کلام کی طرف رغبت کرو جس کو میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جس کو خدا نے خاتم الانبیاء اور بنی آدم کے سردار اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے۔میں اس بات سے ناامید نہیں ہوں بلکہ تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کیونکہ وہ جسے چاہتا ہے، سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے تمہاری ہدایت کا سبب بنا دے۔ میں نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے: "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" (سورہ آل عمران، آیہ ۱۹) یعنی حقیقی دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔پھر اپنے پہلے قول کی تاکید میں یوں فرماتا ہے: "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝" (آل عمران، آیہ ۸۵) یعنی جو شخص اسلام کے سوائے کسی اور دین کی پیروی کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔اور پھر مزید تاکید کے لئے اس بارے میں قطعی طور پر حکم دیا "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝" (آل عمران آیہ، ۱۰۲) یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔

خدا تمہیں کفر کی جہالت سے بچائے اور تمہارے دل کو نور ایمان کے لئے کھول دے۔تم جانتے ہو کہ میں زندگی کی بہت سی منزلیں طے کر چکا ہوں اور میں نے عام مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کو خوب آزمایا

Marfat.com

ہے، اوران مذہب کی اور خصوصاً تمہاری ملت یعنی نصاریٰ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔(اس موقع پر الھاشمی عہد عتیق اور عہد جدید کی اہم کتابوں کے نام لکھتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ اس نے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کیا ہے)۔ میں بہت سے راہبوں سے ملا ہوں جو اپنی پارسائی اور اپنے علم وفضل میں مشہور تھے اوران کی عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں گیا ہوں، اوران کی نمازوں میں حاضر رہا ہوں۔۔۔ میں نے ان کی حیرت انگیز ریاضت کو دیکھا ہے اوران کے رکوع وسجود کو بھی مشاہدہ کیا ہے جس کے دوران میں وہ اپنے چہرے اور پیشانی زمین پر رگڑتے ہیں اور نماز کے ختم ہونے تک ہاتھ باندھے رکھتے ہیں، خصوصاً اتواروں اور تہواروں کی راتوں کو جب وہ شب بیداری کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر تسبیح، تقدیس اور تہلیل میں تمام رات گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح دن کے وقت تمام کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور نمازوں میں باپ بیٹے اور روح القدس کا بکثرت ذکر کرتے ہیں۔ ایام اعتکاف میں، جن کو وہ ایام البواعیث کہتے ہیں، ننگے سر بالوں کے بچھونے اور راکھ کے ڈھیر پر کھڑے ہوتے ہیں اور زار زار روتے ہیں اور پے در پے آنسو بہاتے ہیں اور بڑے درد کے ساتھ چلاتے ہیں۔ میں نے ان کی قربانی کو بھی دیکھا ہے کہ وہ کس احتیاط سے ادا کرتے ہیں اور قربانی کی روٹیاں کتنی صاف ہوتی ہیں۔ اس کو بناتے وقت لمبی دعائیں مانگتے ہیں اور پھر قربانی کو اس مشہور مقام میں، جو بیت المقدس میں ہے، شراب کے بھرے ہوئے پیالوں کے ساتھ قربان گاہ پر چڑھاتے ہیں۔ ایام صیام میں، جن میں چار بڑے اور دو چھوٹے روزے ہیں، راہب جو عبادت اور ریاضت اپنے حجروں میں کرتے ہیں، اس کو بھی دیکھ چکا ہوں۔ میں ان تمام موقعوں پر موجود رہا ہوں اور جو عیسائی ان موقعوں پر موجود تھے ان کو دیکھ چکا ہوں اور ان سب باتوں کو خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ میں ان مطرانوں اور اسقفوں کو بھی دیکھ چکا ہوں جو اپنے علم وفضل میں مشہور ہیں اور نصرانی مذہب میں سرتاپا غرق ہیں، اور دنیاوی زندگی میں انتہائی زہد اور پرہیزگاری کا ثبوت دیتے ہیں۔ پس میں نے ان کے ساتھ انصاف پسندی کے ساتھ محض طلب حق کے لئے مناظرہ کیا ہے اور اپنے اوران کے درمیان جھگڑے، نمود، خود پسندی اور تکبر کو دخل نہیں دیا۔ میں نے ان کو پوری طرح آزادی دی تا کہ وہ اپنے دلائل بیان کریں اور جو چاہیں کہیں۔ میں نہ ان پر مواخذہ کروں گا اور نہ کسی بات پر طعن اور ملامت کروں گا، جیسا کہ ہم میں سے عام بازاری اور نادان اور احمق لوگوں کا دستور ہے۔ وہ لوگ جن کا نہ کوئی اصول ہے جس پر وہ کاربند ہوں اور نہ عقل جس پر وہ بھروسہ کرسکیں، نہ ان کا دین یا اخلاق ہے جو ان کو بے ادبی سے روکے۔ ان کا کام سراسر زبان درازی اور مکابرہ ہے اور حکومت کے زور سے دوسروں کو نیچا دکھانا ہے۔ نہ ان کے پاس علم ہے اور نہ کوئی دلیل۔ جب کبھی میں ان عیسائیوں سے مناظرہ کرتا تھا اوران کے عقائد اور علوم کے بارے میں کوئی سوال کرتا تھا تو وہ سچائی کے ساتھ جواب دیتے تھے اور کسی بات میں، جس پر میں ان سے مباحثہ کرتا یا سوال کرتا تھا، جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ میں نے ان کے باطن کو بھی ایسا ہی پایا

Marfat.com

جیسا کہ ان کا ظاہر تھا۔ خدا تمہارا بھلا کرے! میں نے ان تمام باتوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے جن کو میں نے مدت دراز کے بحث و مباحثہ اور امتحان کے بعد دریافت کیا ہے، تا کہ میرے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ میں ان باتوں سے ناواقف ہوں۔ اور میرے مکتوب الیہ کو معلوم ہو کہ میں نصاریٰ کے تمام حالات سے کما حقہ آگاہ ہوں۔

بہ سبب اس واقفیت کے جو مجھ کو تمہارے مذہب کی نسبت حاصل ہے اور بوجہ زمانہ دراز کی محبت کے، میں تم کو اس دین کی طرف بلاتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پسند کیا اور میں نے خود اسے اپنے لئے اختیار کیا۔ میں تمہارے لئے جنت میں پہنچنے اور دوزخ سے محفوظ رہنے کا پورے طور پر ضامن ہوتا ہوں۔ وہ دین یہ ہے کہ تم خدائے یکتا و بے نیاز کی عبادت کرو جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ ہی بیٹا، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی نسبت بیان کی ہے، کیونکہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کو اس سے زیادہ نہیں جانتا، میں تمہیں اس خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتا ہوں جس کی یہ صفت ہے۔ میں اپنے اس خط میں خدا کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کر سکتا جتنی خود اس نے اپنی نسبت بیان کی ہے: "جل اسمه و تعالیٰ ذکره علواً کبیراً عما یشرکون۔" یہ ملت تمہارے باپ ابراہیم صلوات اللہ علیہ کی ہے، کیونکہ وہ حنیف اور مسلم تھا۔

خدا تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے! میں تمہیں اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کے اقرار اور شہادت کی طرف بلاتا ہوں، جو بنی آدم کے سردار اور رب العالمین کے برگزیدہ اور خاتم الانبیاء تھے، جن کو خدا نے تمام دنیا کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے، گو مشرکین کو برا ہی کیوں نہ لگے۔ "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾" (سورۃ توبہ، آیہ ۳۳) پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مشرق و مغرب، خشکی اور تری اور پہاڑوں اور میدانوں کے سب لوگوں کو نرمی اور مہربانی اور شیریں کلامی اور خوش اخلاقی سے دعوت دی اور تمام لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور اس بات پر گواہی دی کہ وہ خدا کے رسول ہیں ان کے لئے جو نصیحت ماننے کے لئے تیار ہیں۔ تمام دنیا نے دل سے ان کی اطاعت کا اقرار کیا کیونکہ سب لوگ ان کے قول کی صداقت اور ان کی نبوت کے صحیح ہونے کو جان چکے تھے اور ان کے برہان کی صراحت اور دلیل کی وضاحت کو معلوم کر چکے تھے۔ وہ دلیل اور حجت یہ کتاب ہے جو خدا کی طرف سے ان پر نازل ہوئی اور جس کی مثل کوئی انسان اور کوئی جن نہیں لا سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾"

Marfat.com

(سورۃ بنی اسرائیل، آیہ ۸۸) یعنی اے رسول! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تمام نوع انسان اور جنات جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا کلام بنا لائیں تو اس جیسا نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کی امداد کریں، یہی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوے پر کافی ہے۔ انہوں نے لوگوں کو ایک بے ہمتا اور بے نیاز خدا کی عبادت کی طرف بلایا۔ پس وہ اس کے دین میں داخل ہوئے اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ کے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان لوگوں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کا اعتراف کیا اور اس کے نور سے ہدایت پائی۔ اس کے نام کی برکت سے ان لوگوں پر غالب آئے جنہوں نے اس کی نبوت کا انکار کیا تھا اور جو از راہ تکبر اس کے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروؤں کو ملکوں پر حکمران بنایا اور قوموں کی گردنیں ان کے سامنے جھکا دیں، مگر جن لوگوں نے ان کی بات کو سنا اور ان کے دین کو اختیار کیا اور ان کے دین پر گواہی دی تو ان کے جان و مال اور عزت اس شرط پر محفوظ ہو گئے کہ وہ عاجزی کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ (اس موقع پر الہاشمی اسلام کے ارکان و فرائض مثلاً نماز پنجگانہ، صیام رمضان اور جہاد وغیرہ بیان کرتا ہے اور یوم قیامت اور مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے ہولناک عذاب کا ذکر کرتا ہے)۔

اب ہم تم کو سمجھا چکے۔ اگر تم ایمان لائے اور خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کی جو آیتیں تم کو سنائی گئی ہیں، ان کو تم نے قبول کر لیا تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ اور اگر تم نے نہ مانا اور کفر اور گمراہی اور حق کی مخالفت پر برابر قائم رہے تو ہم ضرور اجر پائیں گے، کیونکہ ہم نے عمل کیا ہے اس حکم پر جو ہم کو دیا گیا ہے اور حق تعالیٰ ہی تمہارا انصاف کرے گا، انشاء اللہ۔ (اس مقام پر الہاشمی دین کے مختلف فرائض اور ایک مسلمان کی صفات بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ) میں نے خدا کا کلام تم کو سنا دیا اور اس کا کلام سچا ہے، وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس کا کوئی قول جھوٹا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں اپنے خط میں اوپر لکھ آیا ہوں اور جو باوجود مختصر ہونے کے کافی ہے، اب تم کفر اور گمراہی اور بدبختی اور مصیبت انگیز باتوں کو چھوڑ دو، اس تخلیط و تحریف کو ترک کر دو جس کو تم جانتے ہو اور جس کا تم انکار نہیں کر سکتے، اور وہ باپ، بیٹے اور روح القدس کا قائل ہونا اور صلیب کی پرستش ہے جو بے فائدہ بلکہ ضرر رساں ہے۔ میں تمہیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں کیونکہ تمہارا علم اور تمہاری خاندانی شرافت اس خساست سے بالاتر ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا" (سورۃ النساء، آیہ ۴۸) یعنی اللہ ہرگز اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، مگر ہاں اس سے کمتر جو گناہ ہے، جس کو چاہے معاف کر سکتا ہے۔ اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو اس نے خدا پر افترا باندھا جو کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے"۔ خدا کا یہ

Marfat.com

قول بھی ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (سورۃ مائدہ، آیات ۷۲۔۷۵) یعنی جولوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی مریم کا بیٹا مسیح ہے تو انہوں نے کفر کیا، حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے تو خدا نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ جولوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا تیسرا ہے، وہ بھی کافر ہو گئے۔ کیا خدائے واحد کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اگر اس سے باز نہیں آئیں گے، تو جولوگ ان میں سے کفر کرتے رہیں گے، ان کو دردناک عذاب ضرور ملے گا۔ کیا یہ لوگ اللہ سے توبہ اور استغفار نہیں کرتے، اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے، مریم کا بیٹا مسیح تو محض ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اور اس کی ماں (خدا کی) ایک بہت سچی بندی تھی۔ یہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھو تو سہی ہم کس طرح دلائل کو ان سے کھول کر بیان کرتے ہیں، مگر دیکھو یہ لوگ کہاں بھٹکے چلے جارہے ہیں۔

پس تم اس گمراہی کو چھوڑ دو جس میں تم مبتلا ہو اور اس سخت تعصب کو جو تکلیف دہ ہے اور سخت روزوں کی محنت کو اور دائمی شقاوت اور طویل مصیبت کو جس میں تم ڈوبے ہوئے ہو، کیونکہ اس میں سوائے جسمانی تھکاوٹ اور روحانی تکلیف کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اس مضبوط دین میں داخل ہو جاؤ جس کا راستہ آسان ہے، جس کے عقائد صحیح ہیں، جس کی شریعت اچھی ہے، جس کا راستہ کشادہ ہے اور جس کو اللہ نے اپنے بندوں میں سے اپنے دوستوں کے لئے پسند کیا ہے اور تمام مذاہب میں سے اسی کی طرف تمام مخلوق کو دعوت دی ہے اور اس دین کا راستہ دکھا کر ان پر بڑا احسان کیا ہے۔

میں تم کو نصیحت کر چکا اور دوستی اور سچی محبت کا حق ادا کر چکا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ شامل کرلوں اور میں اور تم دونوں ہم خیال اور ہم مذہب ہو جائیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ خدا اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

Marfat.com

أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝ (سورہ بینہ، آیات ۶ ـ ۸) یعنی اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے انکار کیا وہ بے شک دوزخ کی آگ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے، یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ خدا ان سے خوش ہوا اور وہ اس سے خوش ہوئے۔ یہ اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔

اپنے کلام میں دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ ـ (سورہ آل عمران، آیہ ۱۱۰) یعنی لوگوں کے (فائدے) کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں، ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کیونکہ تم اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان میں سے کچھ ایمان لائے مگر اکثر فاسق ہیں"۔

خدا تم کو زندہ و سلامت رکھے! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم اہل دوزخ میں شامل ہو جو بدترین خلائق ہیں اور امید رکھتا ہوں کہ تم خدا کی توفیق سے ایمان والوں میں شامل ہو جاؤ گے جن سے خدا خوش ہوا اور وہ خدا سے خوش ہوئے اور وہی بہترین خلائق ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس امت میں شامل ہو جاؤ گے جو ان تمام امتوں میں سے بہتر ہے جو لوگوں کے (فائدے) کے لئے پیدا ہوئیں۔ لیکن اگر تم انکار کرو اور جھگڑو اور نادانی اور کفر اور سرکشی میں مبتلا رہو جس میں کہ تم ابھی تک مبتلا ہو، اور ہماری بات کو نہ مانو اور ہماری نصیحت کو قبول نہ کرو، حالانکہ ہم تم سے نہ اس کا بدلہ طلب کرتے ہیں اور نہ شکریے کے خواستگار ہیں، تو نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اپنے مذہب کی کیفیت لکھ بھیجو جو تمہارے نزدیک صحیح ہو اور جس پر تمہارے نزدیک دلیل قائم ہو چکی ہو۔ دلیل لانے میں ذرا کوتاہی نہ کرو اور نہ ہی اپنے اعتقاد کو چھپاؤ اور کسی قسم کا خوف اور باک نہ کرو کیونکہ میں تمہاری دلیل کو غور سے سنوں گا۔ جو حجت مجھ پر قائم ہو، اس کو تسلیم کروں گا۔ نہ اس کا انکار کروں گا اور نہ اس سے خوف کھاؤں گا۔ جو کچھ تم ہمارے سامنے پیش کرو گے اور ہم کو سناؤ گے، اس کا ہم اندازہ کریں گے اور جو معلومات ہمارے پاس ہیں، ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے اس کے بعد تم کو اطلاع دیں گے تاکہ تم اپنے دین کے دلائل کھول کر بیان کرو۔ ہمارے سامنے یہ عذر پیش نہ کرنا کہ تم خوف کے مارے رک گئے اور اپنی حجت کو پورا نہ کر سکے اور

Marfat.com

تمہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی زبان کو بند کرلو اور دل کھول کر اپنی دلیل کو بیان نہ کرسکو۔ اس لئے ہم نے تم کو اپنے دلائل پیش کرنے کے لئے پوری آزادی دے دی ہے تاکہ تم ہماری طرف تکبر کو منسوب نہ کرسکو اور ہم پر زبردستی اور بے انصافی کا الزام نہ لگاؤ، کیونکہ یہ باتیں ہماری شان کے خلاف ہیں۔

خدا تم کو تمام آفات سے محفوظ رکھے اب تم جو چاہو دلیل لاؤ اور جو چاہو بیان کرو۔ اور اپنے خیال میں جس بات کو سمجھو کہ اس سے تمہاری دلیل مضبوط ہوتی ہے اسے جی کھول کر بیان کرو۔ کیونکہ تم پورے امن و امان میں ہو، خدا تمہارا بھلا کرے۔ جب ہم نے تم کو اس قدر آزادی دی اور مجال سخن عطا کی تو ہمارا یہ حق بھی تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک منصف حکم مقرر کرو جو اپنے قبیلے میں بے انصافی نہ کرے اور ہوائے نفسانی کے غلبے سے ناحق بات کی طرف نہ جھکے۔ اور وہ حکم عقل ہے۔ جس کے اعتبار سے خدا لیتا اور دیتا ہے۔ ہم نے تم سے گفتگو کرنے میں انصاف سے کام لیا ہے اور تم کو وسیع طور پر آزادی دی ہے۔ اب ہم عقل کے فیصلے پر راضی ہیں، خواہ وہ فیصلہ ہمارے موافق ہو یا مخالف، کیونکہ مذہب کے معاملے میں جبر و اکراہ جائز نہیں ہے۔ ہم نے تم کو اپنے دین کی دعوت خوشی اور رضامندی کے طریق پر دی ہے اور جس مذہب پر تم ہو، اس کی خرابی بتا دی ہے والسلام علیك ورحمته الله وبركاته۔

اس امر میں کچھ شک نہیں کہ یہ خط ناقص اور نامکمل حالت میں ہم تک پہنچا ہے اور عیسائی نقل نویسوں نے اس میں قطع و برید کردی ہے۔ بعض مسائل، جو عیسوی مذہب کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں، مثلاً ثالوث مقدس، ان کا اس خط میں کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن الکندی کے جواب نامے میں رد تثلیث کے بارے میں جو عبارتیں دیکھنے میں آتی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ الہاشمی کے خط سے ایسے مضامین حذف کردیئے گئے ہیں جو عیسائیوں کی ناراضگی کا باعث ہوسکتے تھے۔

Marfat.com

ضمیمہ چہارم

وہ نومسلم جنہوں نے مبلغین اسلام کی براہ راست تبلیغ کے بغیر اسلام قبول کیا

اشاعت اسلام کی تاریخ اس وقت تک مکمل تصور نہیں ہوسکتی جب تک ایسے لوگوں کا ذکر نہ کیا جائے جنہوں نے مبلغین اسلام سے سابقہ پڑے بغیر، بلکہ بعض حالات میں کسی مسلمان سے ملے بغیر صرف بعض اسلامی، دینی کتابوں کے مطالعے سے اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں کی تعداد غالبًا اچھی خاصی ہے، مگران کے مسلمان ہونے کے متعلق جو حالات تحقیق ہوئے ہیں وہ بہت کم ہیں۔ ذیل کے صفحات میں اس قسم کے بعض نومسلموں کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے جاتے ہیں۔ قطع نظر اس تعلق کے جو انہیں اشاعت اسلام کی تاریخ سے ہے، یہ حالات بذات خود دلچسپ ہیں۔

سب سے پہلا شخص، جو اس طرح مسلمان ہوا، غالبًا ایک یونانی تھیوڈسکلوس (Theodisclus) نامی تھا جو اشبیلیہ کے بڑے اسقف سینٹ ازیدور (St.Isidore) متوفی ۶۳۶ء کے بعد اس کا جانشین ہوا۔ اس پر الحاد کا الزام لگا کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ باپ اور روح القدس کے ساتھ مل کر حضرت مسیح علیہ السلام خدائے واحد نہیں بنتا، بلکہ وہ خدا کا متبنّٰی ہے۔ لہٰذا اکلیسا کی ایک مجلس نے اسے مجرم قرار دیا اور اسے اپنے عہدے سے معزول کر دیا، بلکہ اسے پادریوں کے حلقے سے نکال دیا۔ اس کے بعد وہ عربوں کے پاس چلا گیا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا۔

یہ امر تحقیق نہیں ہوسکا کہ مذہب اسلام کی نسبت جو معلومات یورپ کو ملک سپین کے واسطے سے یا اس کے بعد حروب صلیبیہ کے دوران میں بلاد اسلامیہ کے ساتھ تعلقات پیدا ہونے سے حاصل ہوئیں، ان سے یورپ کے عیسائیوں کو قبول اسلام کی ترغیب ہوئی یا نہیں۔ یہ امر بھی ہنوز تحقیق طلب ہے کہ آیا قرون وسطٰی کے بہت سے عیسائی فرقے، جو ملحد سمجھے جاتے تھے، مذہبی خیالات کی آزادی کے لیے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بیزنطینی سلطنت کی رعایا کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں اور نہ ہی ان صلیبی مجاہدین کی جو براہ راست اسلامی عقائد اور معاشرت سے متاثر ہوئے، کیونکہ صفحات گزشتہ میں ہم ان کا بیان لکھ چکے ہیں۔

جن لوگوں نے مبلغین کی کوشش کے بغیر خود بخود اسلام اختیار کیا ان میں سب سے زیادہ عجیب اور مفصل حال ایک پادری کا ہے جو ایک مناظرے کی کتاب ''تحفة الاریب فی الرد علی اھل الصلیب'' میں مذکور ہے۔ اس کتاب کو اس پادری نے مسلمان ہونے کے بعد عبداللہ بن عبداللہ کے نام سے ۱۴۴۰ء میں مسیحی

Marfat.com

مذہب کی تردید اور اسلام کی حمایت میں لکھا تھا۔ کتاب کے دیباچے میں اس نے اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزیرہ میورقہ (Majorca) میں آسودہ حال ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی تعلیم بچپن ہی سے اس طریق پر ہوئی جس سے اسے پادری بنانا مقصود تھا۔ چنانچہ چھ برس کی عمر سے اسے انجیل پڑھنے بٹھا دیا گیا اور اس نے انجیل کے بہت سے حصے زبانی یاد کر لیے۔ نحو اور منطق پڑھنے کے بعد اسے صوبہ قطلونیہ کے شہر لاردہ کی یونیورسٹی میں بھیج دیا گیا، جہاں اس نے طبیعیات اور ہیئت کے مطالعے کے بعد اپنے آپ کو چار سال تک محض دینیات کی تحصیل کے لئے وقف کر دیا۔ اس کے بعد وہ بولونیہ (Bologna) کی مشہور یونیورسٹی میں گیا جو اس وقت شہرہ آفاق تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ میں ایک عمر رسیدہ پادری کے گھر میں ٹھہرا جس کا نام نکولس مارتل تھا۔ لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے اسے بولونیہ میں بڑا رتبہ حاصل تھا۔ وہ زہد اور پارسائی میں یگانہ روزگار تھا اور تمام اطراف عالم سے بادشاہ اور دوسرے لوگ اس کے پاس مشکل مسائل حل کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور بیش قیمت تحائف بھی اس کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔۔۔ اس پادری سے میں نے مسیحی دین کے اصول اور احکام سیکھے اور مدت تک میں نے اس کی خدمت کی، یہاں تک کہ اس نے مجھے اپنا مقرب خاص بنا لیا۔ چونکہ میں نے نہایت خلوص اور تندہی کے ساتھ اس کی خدمت گزاری جاری رکھی اس لیے اس نے تمام گھر بار اور مال ومتاع کی کنجیاں میرے حوالے کر دیں۔ اس طرح سے میں نے دس سال اس پادری کی ملازمت اور تحصیل علم میں صرف کیے۔ اتفاقاً ایک دن وہ پادری بیمار ہو گیا اور درس گاہ میں پڑھانے کے لیے نہ جا سکا۔ طالب علم، جو اس کے درس میں حاضر رہا کرتے تھے، اس کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے مختلف علمی مسائل پر بحث کرنے لگے، یہاں تک کہ مباحثے کے دوران میں خدا کے اس کلام کا ذکر آیا جو اس کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ادا ہوا تھا کہ ''میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا۔'' اس کلام پر دیر تک گرما گرم بحث ہوتی رہی، مگر کوئی بات فیصل نہ ہو سکی اور آخر کار مجلس برخاست ہوگئی۔

جب میں اپنے استاد کے گھر واپس آیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ ''آج میری غیر حاضری میں تم لوگوں نے کس مضمون پر بحث کی؟'' میں نے اسے بتایا کہ لفظ فارقلیط پر بحث ہوئی، مگر ہم کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے۔ کسی نے کچھ رائے لگائی اور کسی نے کچھ۔'' اس کے بعد میں نے وہ تمام رائیں بیان کیں جو فارقلیط کے مفہوم کے بارے میں طلبہ نے ظاہر کی تھیں۔ پادری نے پوچھا کہ خاص تم نے اس مسئلے کا کیا حل پیش کیا؟ میں نے عرض کی کہ فلاں عالم نے انجیل کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہی میں نے بیان کر دیا۔ یہ سن کر بولا کہ ''حق بات کے قریب تم پہنچ گئے تھے، تاہم بہت دور رہے۔ فلاں طالب علم نے سراسر غلطی کھائی اور فلاں طالب علم سچائی کے قریب پہنچ گیا تھا، مگر تم میں سے ایک شخص بھی اس لفظ کے حقیقی معنی کو نہ پا سکا۔ اس مقدس نام کی صحیح تفسیر کوئی شخص سوائے ان علماء

Marfat.com

کے نہیں کرسکتا جو راسخ العلم ہیں، مگر تم میں سے ابھی تک کسی شخص نے علم کے میدان میں اتنی ترقی نہیں کی۔''

یہ باتیں سن کر میں پادری کے قدموں پر گر پڑا، اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اس سے عرض کی ''اے میرے آقا! آپ جانتے ہیں کہ میں ایک دور دراز ملک سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ دس سال تک میں نے آپ کی خدمت گزاری کی ہے اور میں نے وہ وہ علمی فوائد آپ سے حاصل کیے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ اب اس مبارک نام کی تفسیر کر کے مجھ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دیجئے۔'' یہ سن کر بوڑھا پادری رونے لگا اور کہا ''اے میرے بیٹے! بے شک تم مجھے بہت عزیز ہو، کیونکہ تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔ فی الواقع اس مبارک نام کے معنی دریافت کرنے میں بڑا فائدہ ہے، مگر مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے اس کے معنی تم پر ظاہر کر دیئے تو عیسائی تجھے فوراً مار ڈالیں گے۔''

یہ سن کر میں نے کہا ''قسم ہے مجھ کو خدا تعالیٰ کی اور قسم ہے انجیل کی صداقت کی اور اس کے لانے والے کی کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا راز کسی پر فاش نہیں کروں گا۔''

پادری نے کہا ''اے فرزند! جب تو پہلے پہل میرے پاس آیا تھا تو میں نے تجھ سے تیرے وطن کی بابت پوچھا تھا' کیونکہ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ملک کے پاس ہے یا دور' اور یہ تمہارے اہل وطن مسلمانوں سے لڑنے جاتے ہیں یا مسلمان ان سے لڑنے آتے ہیں۔ غرض میں یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ تجھے اسلام کے ساتھ کس درجے کی نفرت ہے۔ پس اے فرزند! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ فارقلیط پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن پر وہ چوتھی کتاب نازل ہوئی جس کا اعلان دانیال نبی کی زبان سے ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام کا دین یقیناً سچا دین ہے اور اس کا مذہب وہی شان دار اور پرنور مذہب ہے جس کا ذکر انجیل میں آیا ہے۔

یہ سن کر میں نے پوچھا کہ ''اگر بات یوں ہی ہے تو پھر عیسائی مذہب کی بابت آپ کی کیا رائے ہے''

پادری نے جواب دیا کہ اے عزیز! اگر عیسائی یسوع مسیح علیہ السلام کے دین پر قائم رہتے تو خدا کا دین ان کے پاس رہتا' کیونکہ مسیح علیہ السلام کا دین دیگر انبیاء کے دین کی طرح منجانب اللہ ہے۔'' میں نے پوچھا ''تو اب اس کا کیا علاج ہے؟'' پادری نے کہا کہ ''اے عزیز! اسلام قبول کر لے۔'' میں نے پوچھا ''تو کیا جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ نجات کا مستحق ہے؟'' پادری نے جواب دیا ''ہاں' اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں نجات ملتی ہے۔'' پھر میں نے کہا ''اے آقا! ہر عاقل اپنے لیے وہی چیز پسند کرتا ہے جس کو وہ سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ جب آپ اسلام کی فضیلت کے قائل ہیں تو آپ کو قبول اسلام سے کون سی چیز مانع ہے؟''

پادری نے جواب دیا ''اے فرزند! خدا نے مجھ پر اسلام کی فضیلت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ

Marfat.com

و آلہ وسلم کی عظمت کا بڑھاپے میں انکشاف کیا ہے۔ اب میں عمر رسیدہ ہوں اور جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں، لیکن اس سے میری یہ مراد نہیں کہ یہ عذر قابل پذیرائی ہے بلکہ خدا کی حجت مجھ پر بدستور قائم ہے۔ اگر تمہاری سی عمر میں خدا کی طرف سے مجھ کو یہ ہدایت حاصل ہوتی تو میں سب چیزیں چھوڑ کر اسلام کا سچا دین قبول کر لیتا، لیکن دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ عیسائیوں میں مجھ کو کیا درجہ حاصل ہے اور وہ میری کیسی عزت اور توقیر کرتے ہیں۔ اب ان کو اگر معلوم ہو جائے کہ میرا میلان خاطر اسلام کی طرف ہے تو وہ سب مل کر مجھ کو فوراً قتل کر ڈالیں گے۔ فرض کرو کہ میں ان کی دار و گیر سے بچ نکلوں اور مسلمانوں کے ملک میں بخیریت پہنچ جاؤں تو پھر کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر میں نے مسلمانوں سے کہا کہ میں مسلمان ہو کر تمہارے درمیان آباد ہونا چاہتا ہوں تو وہ مجھ سے کہیں گے کہ سچے دین کو قبول کر کے تم اپنے اوپر احسان کرو گے، کیونکہ خدا کے مواخذے سے بچ جاؤ گے' لیکن تمہارے مسلمان ہونے سے ہمیں کیا فائدہ ہے۔ جب یہ جواب ملے گا تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ میں ستر برس کا بڈھا' مفلس مسلمانوں کی زبان سے ناواقف، فاقہ کشی سے مرنے کے لیے ان کے درمیان پڑا رہوں گا اور ان کو اس بات کی مطلق خبر نہ ہوگی کہ اس سے پیشتر مجھ کو کیا درجہ و مرتبہ حاصل تھا۔ پس میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسے گواہ کرتا ہوں کہ میں حضرت عیسیٰؑ کے دین پر اور اس کی وحی پر، جو اس پر نازل ہوئی' ثابت قدم ہوں۔

میں نے کہا ''تو کیا میرے حق میں آپ کی نصیحت یہ ہے کہ میں مسلمانوں کے ملک میں چلا جاؤں اور ان کا دین اختیار کر لوں؟''

پادری نے جواب دیا ''ہاں' اگر تم عقل مند ہو اور اپنی نجات چاہتے ہو تو فوراً جاؤ اور اسلام قبول کر کے دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کرو۔ لیکن یاد رہے کہ اس وقت تک ہماری ان باتوں کی کسی کو اطلاع نہیں ہے، آئندہ بے حد محتاط رہو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو، کیونکہ اگر ان باتوں کا ایک شمہ بھی کسی پر ظاہر ہو گیا تو لوگ تمہیں فوراً مار ڈالیں گے اور میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ مجھ پر الزام لگانے سے تم کو کچھ نفع نہ ہوگا، کیونکہ جو کچھ میں تمہارے خلاف کہوں گا، اس کو تو عیسائی سچ سمجھیں گے اور جو کچھ تم میرے خلاف کہو گے اس پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ اگر تم نے اس بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے کہا تو میں تمہارے خون سے بالکل بری الذمہ ہوں۔''

میں نے کہا: ''خدا مجھ کو اس خیال تک سے محفوظ رکھے کہ میں اس راز کو فاش کروں۔''

غرض اپنے استاد کے حسب منشا میں نے وعدہ کیا اور سامان سفر تیار کر کے اس سے رخصت ہوا۔ اس نے میرے حق میں دعا کی اور سفر کے اخراجات کے لیے مجھ کو پچاس دینار دیئے۔

اول میں نے اپنے وطن شہر میورقہ کا رخ کیا اور وہاں چھ ماہ تک ٹھہرا۔ پھر جہاز میں سوار ہو کر جزیرہ صقلیہ (سسلی) کو گیا۔ یہاں پانچ مہینے تک اس انتظار میں ٹھہرا رہا کہ کوئی جہاز بلاد اسلامیہ کو جاتا ہوا ملے۔ آخر کار

Marfat.com

ایک جہاز جو تونس کو جا رہا تھا، آیا اور میں اس میں سوار ہو گیا۔ شام کے دھندلکے میں ہم نے صقلیہ کو خیر باد کہا اور ایک دن دوپہر کے وقت جہاز نے تونس کی بندرگاہ میں لنگر ڈالا۔ جب میں جہاز سے اتر کر تونس کے چنگی خانے میں آیا تو چند عیسائی سپاہی میرا حال سن کر میرے پاس آئے اور مجھ کو اپنے گھر لے گئے۔ تونس کے چند دیگر عیسائی تاجر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ چار ماہ تک میں ان عیسائیوں کے ہاں ٹھہرا اور اس زمانے میں انہوں نے میری بہت خاطر ومدارت کی۔

جب چار مہینے گزر گئے تو میں نے ان عیسائیوں سے پوچھنا شروع کیا کہ سلطان تونس کے دربار میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو عیسائیوں کی زبان جانتا ہو؟ اس وقت یہاں کا حکمران سلطان ابوالعباس احمد تھا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس کے درباریوں میں یوسف طبیب ایسا شخص ہے جو عیسائیوں کی زبان جانتا ہے اور وہ سلطان کا طبیب مقرب اور ملازمین خاص میں سے ہے۔

یہ سن کر میں بہت خوش ہوا اور پتا پوچھ کر یوسف طبیب کے مکان پر پہنچا۔ جب اس سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اپنے خیالات بیان کیے اور کہا کہ قبول اسلام کی تمنا میرے یہاں آنے کا باعث ہوئی ہے۔ یوسف یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا، خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ امر خیر اس کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور مجھے اپنے ہمراہ سلطان کے محل میں لایا اور سلطان سے میرا حال کہہ کر اجازت چاہی کہ مجھے شرف باریابی بخشا جائے۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور میں سلطان کے حضور میں پیش ہوا۔

سلطان نے پہلے میری عمر پوچھی، میں نے عرض کیا کہ میری عمر پینتیس سال کی ہے۔ اس کے بعد پڑھنے پڑھانے کا حال پوچھا اور میں نے اس کا جواب عرض کیا۔ سلطان نے کہا ''ہم تمہارا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اب تم مسلمان ہو جاؤ اور خدا کی تم پر رحمت ہو۔''

میں نے یوسف طبیب سے، جو اس وقت میرا ترجمان تھا، کہا کہ سلطان کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیجئے کہ جو شخص اپنا مذہب چھوڑتا ہے، اس کو اکثر لوگ سخت سست کہتے ہیں اور اس کے بارے میں تہمتیں تراشتے ہیں۔ اس لیے میں سلطان سے اجازت چاہتا ہوں کہ عیسائی سوداگروں اور عیسائیوں کو دربار میں بلا کر میری نسبت پوچھا جائے تا کہ سلطان کو معلوم ہو کہ میرے ہم مذہب میری نسبت کیا کہتے ہیں۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

سلطان نے ترجمان کے ذریعے سے جواب دیا کہ ''تمہاری درخواست بالکل ایسی ہے جیسی کہ عبداللہ بن سلام نے قبول اسلام کے وقت رسول خدا ﷺ سے کی تھی۔'' اس کے بعد سلطان نے عیسائی سپاہیوں کو اور بعض عیسائی سوداگروں کو بلایا اور اپنی نشست گاہ کے قریب ہی ایک کمرے میں مجھ کو بٹھا دیا۔ پھر سلطان نے عیسائیوں

Marfat.com

سے پوچھا کہ فلاں جہاز سے جو پادری ہمارے ملک میں اترا تھا، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ عیسائیوں نے جواب دیا کہ ہمارے دین کا بہت بڑا عالم ہے اور ہمارے علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے علم و فضل میں اور پرہیزگاری میں اس سے بڑھ کر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

سلطان نے پھر عیسائیوں سے پوچھا کہ ''اگر یہ پادری مسلمان ہو جائے تو تم اس کی نسبت کیا خیال کرو گے "انہوں نے جواب دیا کہ معاذ اللہ! وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔

جب سلطان عیسائیوں کی رائے سن چکا تو اس نے مجھ کو بلایا اور میں نے اسی وقت سب عیسائیوں کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا۔ عیسائیوں نے ہاتھ اٹھا کر اپنے چہروں پر صلیب کا نشان بنایا اور کہا کہ ''اس شخص نے محض شادی کرنے کے شوق میں یہ حرکت کی ہے، کیونکہ ہمارے ہاں پادری شادی نہیں کر سکتے۔'' پھر سب عیسائی بہت رنجیدہ خاطر ہو کر دربار سے اٹھ گئے (تحفة الاریب فی الرد علی اهل الصلیب ،ص ۸۵۔ مطبوعہ ۱۲۹۰ھ)۔

مسلمان ہونے کے بعد اس شخص کے لئے سلطان ابو العباس احمد (۱۳۷۰ءتا۱۳۹۴ء) کی طرف سے چار دینار روزانہ مقرر ہو گئے اور کچھ عرصے کے بعد چنگی خانہ اس کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ اس شخص کا مزار تونس میں اب تک موجود ہے۔ لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں اور اس کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔

(فصل اول)

اس کتاب میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ریفریمیشن (Reformation) یعنی عیسائی کلیسا کی اصلاح کے زمانے میں ملک ہنگری اور دیگر مقامات کے پروٹسٹنٹ لوگوں نے رومن کیتھولک عیسائیوں کے مقابلے میں ترکوں کی حکومت کو ترجیح دی اور بعض صورتیں ایسی بھی پیش آئیں کہ پروٹسٹنٹ فرقے کے عیسائی بھاگ کر ترکوں کی قلمرو میں چلے آئے، کیونکہ انہیں یہاں عقائد اور عبادات کے معاملے میں پوری آزادی حاصل تھی، جو انہیں خود یورپ کے عیسوی ملکوں میں نصیب نہ تھی۔ بعض عیسائی فرقوں کے عقائد اور اصول اسلام میں اس قدر مشابہت اور مطابقت تھی اور باہمی اختلاف اتنا خفیف تھا کہ ہمارے لیے یہ امر باعث تعجب نہیں ہے کہ سوسنی (Socinian) فرقے کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

یورپ کی عیسائی قوموں کے بہت سے افراد عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے، جن کا ذکر ترکوں کی تاریخ میں آتا ہے اور جو اکثر اوقات حکومت کے اعلیٰ اور ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ ان کی مذہبی زندگی کے متعلق ہمیں اس سے کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی زمانے میں وہ عیسائی تھے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ مگر یہ امر دریافت

Marfat.com

نہیں ہو سکا کہ ان میں سے بعض ایسے اشخاص بھی تھے جنہوں نے محض اسلام قبول کرنے اور اہل اسلام کے درمیان سکونت اختیار کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا ہو۔

اب رہے وہ متعدد عیسائی جنہوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر شمالی افریقہ کے قرصان (Corsairs) یعنی بحری قزاقوں کی تعداد کو بڑھایا، تو ان لوگوں میں سے غالباً ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے دلی خلوص اور ایمان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہو، کیونکہ جس خوں ریزی اور قزاقی کی زندگی یہ لوگ بسر کرتے تھے وہ سوائے ان مفرور قیدیوں اور ہر قسم کے بدمعاشوں کے، اور کسی کے لیے باعث کشش نہیں ہو سکتی تھی جو سولہویں صدی سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک افریقہ کے شمالی ساحل پر آ کر آباد ہوتے رہے تھے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب جب کہ آزاد خیال لوگوں کی تصانیف کے اثر سے خصوصاً فرانس میں عیسائیوں کے قدیم عقائد میں ضعف آ چکا تھا، بعض آزاد خیال مصنفین کے قلم سے ایسی کتابیں نکل چکی تھیں جن میں عیسائی مذہب کی تحقیر اور اس کے مقابلے میں دین اسلام کی تعریف و تحسین پائی جاتی تھی۔ ان حالات میں یورپ کے متعدد اشخاص نے، جن میں بعض فرانسیسی پادری بھی شامل تھے، اپنے وطن کو خیر باد کہا اور ترکی میں آباد ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اسی قسم کے لوگوں کا کچھ حال پروٹسٹنٹ فرقے کے ایک پادری نے قلم بند کیا ہے، جو ۱۷۵۹ء سے لے کر ۱۷۶۸ء یعنی نو سال تک سمرنا میں مقیم رہا۔ اس نے اس عرصے میں قسطنطنیہ کی بھی سیاحت کی۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ذرا غور کا مقام ہے کہ دنیا میں بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ سنجیدہ مزاج اور متین لوگ جو عمدہ فہم و ذکا کے مالک سمجھے جاتے تھے اور اپنے وسیع مطالعے کے لیے مشہور تھے، وہی لوگ انتہائی غفلت بلکہ بے دینی کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں نے متعدد پادریوں اور دیگر لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا اور ترکی کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر اسلام اختیار کر لیا۔ اس قسم کی بوالعجبی کے اسباب اور محرکات کیا ہیں؟ یہ اسباب دو قسم کے ہیں۔ اول آزاد خیال لوگوں کی کتابوں کا مطالعہ جن میں فرانسیسی مصنف خاص طور پر شامل ہیں۔ ان میں ترکوں کی تصویر ایسی چابکدستی اور ہوشیاری سے کھینچی گئی ہے، جس سے خواہ مخواہ عیسائیوں کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ دوسرے آزادئ خیال کی کشش، کیونکہ ان کو ترکی میں آزادئ خیال، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آزادی کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی توقع دلائی جاتی ہے اور انہیں ترکوں کے ہاں جسمانی لذات سے اس طور پر متمتع ہونے کی امید دلائی جاتی ہے کہ اس میں نہ تو کسی عقوبت کا ڈر ہے اور نہ ہی ضمیر کی ملامت کا اندیشہ۔ غرض کہ ان کے سامنے ترکی کی زندگی کی ایسی دلکش تصویر پیش کی گئی ہے کہ وہ اسی دنیا میں بہشت کے مزے لوٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، کیونکہ اپنے کفر اور بے دینی کی وجہ سے انہیں آئندہ زندگی میں حصولِ جنت کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ تبدیلِ مذہب کے اس قسم کے واقعات کی خبریں یورپ میں شاذ و نادر ہی پہنچی ہیں، اور یہ امر اس سے

Marfat.com

بھی زیادہ شاذ ہے کہ ان نومسلموں میں سے کسی نے اپنی سرگزشت قلم بند کی ہو۔ اس قسم کی ایک نادر مثال فرانس کے ایک فوجی افسر کی ہے جو انیسویں صدی کے آغاز میں مسلمان ہوا اور جس نے اپنے اسلام لانے کا حال خود لکھا ہے۔ اس نے پہلے اسمٰعیل نام اختیار کیا اور بعد میں اپنا نام ابراہیم منصور رکھا، طالب علمی کے زمانے میں جب وہ پیرس کے شہر میں تھا تو اس نے ترکی زبان کا پڑھنا، لکھنا اور بولنا سیکھ لیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن چھوڑنے سے پہلے بھی اس نے اسلام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں۔

(فصل دوم)

گزشتہ سالوں میں تبدیلِ مذہب کے اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں جن کے متعلق کچھ تاریخی مواد موجود ہے: مثلاً ان میں سے ایک صاحب شومن (Schumann) شہر ہنوور (جرمنی) کے باشندے ہیں۔ اس نے قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے خط وکتابت کرنے کے بعد ۱۸۸۸ء میں اسلام قبول کیا۔ شیخ الاسلام نے جو خط شومن صاحب کے نام لکھا، وہ پہلے قسطنطنیہ کے اخبارات میں چھپا اور پھر اس کا ترجمہ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں ہوا۔ چونکہ آج کل اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسیحی دنیا کے سامنے اسلام کو جس قدر ہو سکے، دل کش پیرائے میں پیش کیا جائے اور بہت سے مسلمان اس بات کی دعا کرتے ہیں کہ انگلستان اور امریکہ کے ملک مسلمان ہو جائیں اس لیے یہ خط اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ اس میں اسلام کے ایک بڑے پیشوا نے اسلام کی تعلیم کو اس طرح بیان کیا ہے جس سے عیسائیوں کے دل ودماغ پر حتی الوسع اچھا اثر پڑے۔ یہ خط تبلیغ اسلام کی تاریخ میں بڑا وقیع اور معنی خیز ہے لہذا یہاں اس کا پورا ترجمہ دیا جاتا ہے:

''عزیز محترم! آپ کا خط جس میں آپ نے اسلام قبول کرنے کی درخواست کی ہے پہنچا اور ہماری کمال مسرت کا موجب ہوا۔ جو خیالات آپ نے اس خط میں ظاہر فرمائے ہیں، وہ ہماری رائے میں بہت تحسین کے لائق ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ آپ کا اسلام لانا ہماری مرضی یا منظوری پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ اسلام میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان مثل پادریوں کے کوئی واسطہ یا وسیلہ نہیں ہے۔ ہمارا فرض فقط یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مذہب کے حقائق سکھائیں، لہذا قبولِ اسلام کے لیے کسی مذہبی رسم کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کسی منظوری کی ضرورت ہے۔ ایمان لانا اور اس کا اعلان کرنا کافی ہے۔

اسلام کی بنیاد فی الواقع یہ ہے کہ انسان خدا کی وحدانیت اور اس کے عزیز ترین بندے محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے، یا بالفاظ دیگر کلمہ لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ کے معنی ومفہوم کا زبان سے اقرار

Marfat.com

کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے۔ جو شخص اس کلمے کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمان بن جاتا ہے، اس کو کسی دوسرے شخص کی منظوری اور رضامندی کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے، اگر آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں تو آپ مسلمان ہیں اور ہماری منظوری کی آپ کو ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو اپنی طرف سے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ مبارک باد دیتے ہیں کہ آپ پر خدا کی رحمت نازل ہوئی ہے۔ اور ہم اس دنیا میں اور آخرت میں گواہی دیں گے کہ آپ ہمارے بھائی ہیں کیونکہ مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

یہ ہمارا ایمانِ مجمل ہے، اب اس کی مزید تصریحات یہ ہیں کہ انسان جو دیگر حیوانات سے بوجہ اپنی عقل کے برتر ہے، نیستی سے ہستی میں اس لیے لایا گیا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرے۔ یہ عبادت دو جملوں میں بیان ہو سکتی ہے؛ ایک یہ کہ احکامِ خداوندی کی تعمیل کرے اور دوسرے یہ کہ اس کی مخلوق کے ساتھ نیکی کرے۔ یہ دوسری عبادت تمام مذاہب میں موجود ہے۔ اب رہا اس پر عمل کرنا، جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے آئین وقوانین، اوقات ومقامات اور مذہبی رسوم کی کمی وبیشی کے لحاظ سے مختلف ہیں، لیکن عقلِ انسانی کافی نہیں ہے کہ وہ کوئی عمدہ طریقہ عبادت کا، جو خدا کی شان کے لائق ہو، ہم کو بتا سکے۔ لہٰذا خدا نے اپنی رحمت سے اپنے خاص بندوں کو نبوت عطا کی اور فرشتوں کے ذریعے سے ان پر وحی نازل کی اور اس طرح سے سچے دین کا انکشاف کر کے اپنے بندوں کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔''

(اس کے بعد خط میں قرآن، انبیاء، قیامت اور دیگر عقائد کا بیان ہے اور پھر نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہے)۔

''جب کوئی گنہگار خدا کی جناب میں توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صرف اس کے ہمسایوں کے حقوق ایسے ہیں جو اس معافی سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ خدا کا وہ بندہ جس کو اس دنیا میں انصاف نہیں ملتا، قیامت کے دن خدا سے انصاف کا طالب ہوگا۔ خدا جو عادل ہے، ظالم کو مجبور کرے گا کہ مظلوم کو اس کا حق دیدے۔ جو لوگ راہِ حق میں شہید ہوئے ہیں، وہ بھی اس قائدے سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ پس اس جواب دہی سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے ہمسائے سے، جس کی تم نے حق تلفی کی ہے، بریت حاصل کرو۔ بہر حال کسی مرشد یا مذہبی پیشوا کی شفاعت کی ضرورت نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ تمام باتیں ان لوگوں کو عجیب معلوم ہوں گی جو پادریوں کی مذہبی حکومت کی پابندی کے عادی ہیں۔ جب عیسائیوں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو اس کو ملت میں شامل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو پادری اصطباغ (بپتسمہ) دے۔ جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کی شادی کے لیے بھی پادری درکار ہوتا ہے۔ اگر وہ عبادت

Marfat.com

کرنی چاہے تو اسے گرجا میں جانے اور پادری کو تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہے تو بھی اسے کسی پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور آخر کار جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے کفن دفن کے لیے بھی پادری ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔

مسلمانوں کے ہاں عیسائیوں کی طرح پادری نہیں ہیں اور ہمارے مذہب میں اس قسم کی پابندیاں نہیں ہیں۔ جب مسلمان بچہ پیدا ہوتا ہے، اس کا باپ یا خاندان کا بزرگ آدمی اس کا نام رکھتا ہے اور جب عقد نکاح کا موقع پیش آتا ہے تو مرد اور عورت یا ان کے وکیل دو گواہوں کے سامنے عقد کر لیتے ہیں۔ جن فریقین نے عقد کیا ہے، انہی کو اس سے تعلق ہوتا ہے، دوسرے لوگ اس میں نہ دخل دے سکتے ہیں اور نہ شریک ہو سکتے ہیں۔

مسلمان جس جگہ مناسب سمجھے، تنہا عبادت کرسکتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی کے لیے وہ براہ راست خدا کے سامنے توبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کا اقرار دوسروں کے سامنے نہیں کرتا اور نہ اس کو ایسا کرنا چاہئیے۔ مرنے کے بعد شہر کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو تابوت میں رکھ کر دفن کر دیں۔ ہر ایک مسلمان یہ فرض کفایہ ادا کرسکتا ہے، کسی مذہبی پیشوا کے موجود ہونے کی ضرورت نہیں۔

مختصر یہ کہ دینی کاموں میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان کسی رابطے یا واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ خدا کے احکام کو، جو پیغمبر خدا ﷺ پر وحی کے ذریعے سے نازل ہوئے، ان کو ہر مسلمان جانے اور ان پر عمل کرے۔

صرف بعض مذہبی رسوم ایسی ہیں، مثلاً نماز جمعہ اور نمازِ عیدین جن کا انتظام خلیفہ پر موقوف ہے، کیونکہ مذہبی رسوم کا انتظام خلیفہ کے مقدس فرائض میں داخل ہے۔ خلیفہ کے احکام کی تعمیل اہم مذہبی فرائض میں سے ہیں اور بحیثیت شیخ الاسلام کے ہمارا کام صرف یہ ہے کہ جو مذہبی معاملات اس کی طرف سے ہمارے سپرد ہیں، ان کا انتظام کریں۔

ایک چیز جس کی طرف ہر مسلمان کو بڑی توجہ کرنی چاہیے، اخلاق و خصائل کی نیکی ہے، کیونکہ اخلاقِ ذمیمہ مثلاً غرور، تکبر، خود غرضی اور تمرد مسلمان کے شایان شان نہیں۔ بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت بھی ہمارے مذہب کے احکام میں داخل ہے۔"

(فصل سوم)

مسٹر کیولیم:

مندرجہ بالا مکتوب کی تاریخ یعنی ۱۸۸۸ء سے چند سال پہلے ایک انگریز قانون دان نے، جس کا نام

Marfat.com

ولیم ہنری کیولیم (W.H. Quilliam) تھا، قرآن مجید اور اسلام کے متعلق دیگر کتابیں از خود مطالعہ کر کے اسلام قبول کیا۔ اس کی توجہ اسلام کی طرف اُس وقت مبذول ہوئی جب ۱۸۸۴ء میں اس نے مراکش کا سفر کیا۔ اسے یہ بات دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پیروانِ اسلام بڑے مخلص لوگ ہیں اور شراب خوری اور دوسری برائیوں سے پاک ہیں جو انگلستان کے بڑے بڑے شہروں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ چنانچہ اس نے شہر لور پول میں ایک مسلم مشن قائم کیا اور پانچ سال کی کوشش کے بعد تیس اشخاص کو مسلمان کر لیا۔ پھر تبلیغ کے کام میں زیادہ سرگرمی کا ثبوت دیا گیا۔ عام لوگوں کو لیکچر دیے گئے، چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع ہوئیں، ایک رسالہ جاری کیا گیا اور واعظین نے کھلے مقامات میں عقائدِ اسلام کے اثبات میں وعظ کہے۔ مسٹر کیولیم کے مسلمان ہونے کے بعد انگریز نومسلموں کی تعداد ۱۳۷ تک پہنچ چکی تھی۔ انگلستان کی اس تبلیغی تحریک نے اسلامی ملکوں خصوصاً ہندوستان میں بڑا جوش پیدا کر دیا جہاں انگریز نومسلموں کی مذہبی زندگی کی بابت ہر واقعہ اخباروں میں چھپ جاتا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں سلطان روم نے مسٹر کیولیم کو ملاقات کے لیے قسطنطنیہ میں بلایا اور اس کے تین سال بعد مسٹر کیولیم کی خدمت میں سلطان نے ایک مسلمان سوداگر کو اپنی طرف سے تمغہ دینے کے لیے بھیجا جس نے افریقہ کے مغربی ساحل پر لاگوس کے مقام میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔

رسل ویب:

امریکہ میں ایک اور شخص محمد الیگزانڈر رسل ویب (Russell Webb) مسلمان ہوا جس نے محض اسلامی کتابیں پڑھ کر از خود اسلام قبول کیا اور ۱۸۹۳ء میں امریکہ میں ایک اسلامی مشن قائم کیا (۱)۔ اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت پریسبی ٹیرین (Presbyterian) فرقے کے عقائد کے مطابق ہوئی تھی، مگر اس نے جلد ہی عیسائیت کو خیر باد کہا اور مادہ پرست (Materialist) بن گیا۔ اس کے بعد اس کو مشرقی مذاہب کی تحقیق کا شوق ہوا اور اسلام کی طرف خاص طور پر اس کا میلان خاطر ہوا۔ بمبئی کے ایک شخص بدرالدین عبداللہ کور سے اس کی خط و کتابت شروع ہوگئی۔ یہ خط و کتابت تقریباً دو برس تک جاری رہی۔ اس زمانے میں مسٹر ویب جزائر فلپائن کے شہر منیلا میں امریکہ کی طرف سے قونصل تھے۔ یہاں جدہ کے ایک دولت مند سوداگر حاجی عبداللہ عرب سے اس کی ملاقات ہوئی جس نے امریکہ میں ایک مسلم مشن قائم کرنے کے لیے ایک بھاری رقم دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد مسٹر ویب ہندوستان میں آئے اور یہاں کے بڑے بڑے شہروں میں، جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی، لیکچر دے کر نیویارک کو روانہ ہو گئے۔ انہوں نے یہاں ایک اسلامی مشن قائم کیا اور ایک رسالہ مسلم ورلڈ (The Muslim World) کے نام سے جاری کر کے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

Marfat.com

جدید تبلیغ کے اصول:

انگلستان اور امریکہ کی یہ دو تحریکیں وہ کوششیں ہیں جو زمانہ حال میں اسلام کی اشاعت کے لیے کی گئی ہیں۔ یہ تحریکیں اس لحاظ سے خاص توجہ کے لائق ہیں کہ اُن کے ذریعے سے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ مہذب دنیا کے سامنے اسلام کو ایک قابلِ قبول صورت میں پیش کیا جائے۔ انگلستان اور امریکہ میں جو اسلامی مشن جاری ہوئے ہیں، ان کے چلانے والے علمائے اسلام کی تصانیف کے وسیع ذخیرے سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان کو اسلام کا جس قدر علم ہے وہ بیشتر قرآن کے تراجم سے ماخوذ ہے یا زمانہ حال کے ان مصنفین کی کتابوں سے جو اسلام کو عقل کے مطابق دکھاتے ہیں اور دیگر مذاہب کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتے ہین۔ ان نومسلموں نے اپنی عبادت میں بعض طریقے پروٹسٹنٹ فرقے کے اختیار کر لیئے ہیں، جیسے مناجات کا گانا اور انگریزی زبان میں نماز پڑھنی وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ ان اسلامی مشنوں میں اسلام پر ایسے طریقے سے عمل ہوتا ہے جو سب سے نرالا ہے۔ اس سے اسلام کی اس استعداد کا ثبوت ملتا ہے جس سے وہ اپنے تئیں مختلف خصائل اور ترقی کے مختلف درجوں کے لوگوں کے خاص مزاج کے مطابق بنا لیتا ہے۔

حاشیہ

۱۔ امریکہ میں تبلیغ اسلام کی یہ پہلی کوشش نہ تھی کیونکہ متھوڈسٹ (Methodist) فرقے کا ایک پادری نارمن (Norman) نامی عیسائی مشنری کی حیثیت سے قسطنطنیہ گیا تھا اور وہاں ۱۸۷۵ء میں وہ مسلمان ہو گیا۔ امریکہ میں واپس آ کر اس نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

Marfat.com

ضمیمہ پنجم

جہاد

تبلیغ اسلام کی کوئی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں جہاد کا ذکر نہ آئے جس کا ترجمہ بالعموم مذہبی لڑائی سے کیا جاتا ہے۔ جہاد کا ذکر اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلام کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور ایک سچے مسلمان مبلغ کی تصویر یوں کھینچی جاتی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے میں قرآن۔ وہ غیر مسلموں سے کہتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو۔ اگر اشاعتِ اسلام کی توجیہہ اس طور پر کی جائے تو جیسا کہ گزشتہ صفحات سے ظاہر ہے، اس قسم کا بیان ناکافی ہوگا۔ اب اس بات کی تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا قرآن کسی شخص کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور کیا وہ مومنین کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ مسلح ہو کر نکلیں اور جنگ وجدال کر کے دین پھیلائیں۔

قرآن میں کہیں ایسی آیات نہیں ہیں جن میں کسی طرح جبری تبدیلِ مذہب کا حکم پایا جائے، بلکہ اس کے برعکس بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں تبلیغی سرگرمی کو محض وعظ ونصیحت اور ترغیب دہی تک محدود رکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض مصنفوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے یہ حکم نہیں نکلتا کہ کافروں پر از خود بغیر کسی انگیخت کے حملہ کیا جائے، لہذا اس تعلیم وتلقین کی رو سے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام لڑائیاں دفاعی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ 'جہاد' کے جو معنی غیر مومنین کے ساتھ لڑائی کرنے کے عام طور پر لیے جاتے ہیں اور رواج پا گئے ہیں، یہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے بعد تراشے گئے ہیں، اور یہ کہ جن آیات میں یہ لفظ یا اس کے مشتقات آئے ہیں، ان کے معنے اس لفظ کے اصلی اور قدیمی مفہوم کے اعتبار سے لینے چاہئیں۔ فعل مجرد جہد کے معنے ہیں کوشش کرنا، محنت ومشقت کرنا، زور لگانا، محنتی یا مطالعے کا شوقین ہونا، عرق ریزی کرنا، یہاں تک کہ اس کے معنے دودھ بلونے اور کھانا کھانے کے بھی آئے ہیں۔ بابِ افعال میں ''اِجہاد'' قسم کھانے یا کسی چیز کے بڑھنے اور پھیلنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ باب افتعال کی صورت میں ''اِجتہاد'' کے معنے ہو جاتے ہیں ''صحیح رائے قائم کرنے کے لیے پوری کوشش کرنا'' یا کسی فقیہ کا فقہ کے کسی مسئلے کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے اپنی دماغی قوتوں کو بدرجہ غائت کام میں لانا۔ اور جہاد کے معنے ہیں کسی ''ناپسندیدہ چیز کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی قوت، کوشش یا لیاقت کو بدرجۂ اتم کام میں لانا۔''

بیانِ بالا سے معلوم ہوا کہ مادہ ''جہد'' سے جو مختلف الفاظ مشتق ہوئے ہیں، ان کے معانی میں کوئی

Marfat.com

اشارہ جنگ وجدال کی طرف نہیں ہے۔ کجا یہ کہ اس سے کفار کے ساتھ لڑائی کرنے یا ان کو بہ جبر مسلمان بنانے کے معنے لیے جائیں۔ خاص خاص معنے جو یہ لفظ اختیار کرتا ہے، وہ صرف سیاق وسباق سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

ذیل میں وہ تمام آیاتِ قرآنی نقل کی جاتی ہیں جن میں جہاد کا لفظ آیا ہے یا جہد کے دوسرے مشتقات۔ ان آیات کو یہاں تاریخِ نزول کے اعتبار سے درج کیا جاتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾ (سورۃ الفرقان، آیات ۵۱، ۵۲) یعنی! اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیجتے۔ اے رسول! کافروں کی بات نہ مانو اور ان کے ساتھ جہادِ عظیم کرو۔۔ ان آیات میں صاف طور پر وعظ ونصیحت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اور جہاد کا ترجمہ لڑائی کرنا جس قدر مہمل ہے اسی قدر نامناسب بھی ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔۔۔ الخ (سورۃ النحل، آیہ ۳۸) (ترجمہ) اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی بڑی سختی کے ساتھ۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔۔۔ الخ (سورۃ النحل، آیہ ۱۰۶) یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر پر مجبور کیا جائے، مگر دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس سے کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾۔ (سورۃ النحل، آیہ ۱۱۰) یعنی جو لوگ فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہوئے اور پھر انہوں نے اپنے گھر بار چھوڑے اور سخت کوشش کی اور صبر اختیار کیا، ان باتوں کے بعد بے شک تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

[کہا جاتا ہے کہ آیت ۱۰۶ میں ان مصیبتوں کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کو ابتدا میں اٹھانی پڑیں اور آیت ۱۱۰ میں ہجرتِ حبشہ کی طرف، لہٰذا ان مسلمانوں کا جہاد وہ محنتیں اور مشقتیں تھی جو ان کو کافروں کی ایذا رسانی اور اپنی ہجرت کے دوران میں اٹھانی پڑیں]۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ ۔ (سورۃ العنکبوت، آیہ ۶) یعنی جو شخص محنت اٹھاتا ہے، وہ اپنے ہی لیے محنت اٹھاتا ہے ورنہ خدا تو سب اہلِ جہان سے بے نیاز ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ۔ (سورۃ العنکبوت، آیہ ۸) یعنی ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ

Marfat.com

کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک عبادت کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کر۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ - (سورۃ عنکبوت، آیہ ۶۹) یعنی جن لوگوں نے ہمارے بارے میں کوششیں کیں تو ہم بھی ان کو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے۔

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا ۔۔۔ الخ (سورۃ لقمٰن، آیہ ۱۵) یعنی اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک بنائے جس کا تجھے علم نہیں ہے، تو ان کی اطاعت نہ کرنا۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۔۔۔ الخ (سورۃ فاطر، آیہ ۴۲)۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۔۔۔۔ الخ (سورۃ الانعام، آیہ ۱۱۰)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (سورۃ البقرۃ، آیہ ۲۱۸) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد (کوششیں) بھی کیے، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ (الانفال آیہ: ۷۲)۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی، وہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ مِنْكُمْ ؕ (الانفال آیہ: ۷۴۔۷۵) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راستے میں جہاد کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ جو لوگ بعد از اں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ہمراہ جہاد کیا تو وہ بھی تم میں داخل ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ

Marfat.com

لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰی لَهُمْ ۝ (سورہ محمد، آیہ ۲۵) وہ لوگ جو الٹے پاؤں پھر گئے بعد اس کے کہ راہِ راست ان پر ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ڈھیل دے رکھی ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ ۔ (سورہ محمد، آیہ ۲۹) (ترجمہ) کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، گمان کرتے ہیں کہ خدا ان کی دلی عداوتوں کو کبھی ظاہر نہیں کرے گا؟۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝ (سورہ محمد، آیات ۳۱۔۳۲) (ترجمہ) اور ہم تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ تم میں سے جو جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے ہیں، ان کو ہم معلوم کرلیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت کی، بعد اس کے کہ سیدھا راستہ ان پر ظاہر ہو چکا تھا، تو ایسے لوگ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ ان کے اعمال کو اکارت کردے گا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (آل عمران، آیہ ۱۴۲)۔ (ترجمہ) کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے یہ نہیں جانچا کہ تم سے میں جہاد (کوشش) کرنے والے کون ہیں اور ثابت قدم کون ہیں۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الصف، آیہ۔۱۱) (ترجمہ) یہ بات کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرو، تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (النساء آیہ: ۹۵) مسلمانوں میں سے گھر بیٹھ رہنے والے، سوائے ان لوگوں کے جو ضرر رسیدہ ہوں، اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی درجے و مرتبے میں ان لوگوں پر جو گھروں میں بیٹھ رہنے والے ہیں۔ ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ نے مجاہدین کو فضیلت دی ہے گھر بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے لحاظ سے۔

Marfat.com

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (سورۃ النور، آیہ ۵۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ (سورۃ الحج، آیات ۷۷۔۷۸) (ترجمہ)۔اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی پرستش کرو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔اللہ نے تم کو انتخاب کرلیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی، وہ دین جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ (سورہ التوبہ، آیہ ۷۳) اے نبی! کافروں اور منافقوں کے خلاف خوب کوشش کرو اور ان پر سختی کرو۔

(چونکہ رسول خدا منافقوں سے کبھی لڑے نہیں اس لیے یہاں "جاہد" کے معنے جنگ کرنے کے نہیں لئے جاسکتے۔ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو روش اختیار کی وہ اس آیت سے ظاہر ہے: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞ (سورۃ احزاب، آیہ ۴۸)۔اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو اور ان کی ایذا رسانی کی پروا نہ کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور خدا کارساز ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔پس سورہ توبہ کی مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کافروں اور منافقوں کو وعظ ونصیحت کرنے کی کوشش کرو اور ان کے ساتھ سختی کرو یعنی ان کے ساتھ نرم نہ ہو جاؤ اور ان سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۞ (سورۃ الممتحنہ، آیہ ۱)۔(ترجمہ) اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔تم ان کی طرف دوستی کے ڈورے ڈالنے لگے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو حق آچکا ہے اس سے وہ انکار کرتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور تم کو گھروں سے نکال رہے ہیں صرف اس بنا پر کہ تم اللہ پر، جو تمہارا پروردگار ہے، ایمان رکھتے ہو۔اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے گھروں سے نکلے ہو اور اس کے باوجود ان کے پاس پوشیدہ طور پر دوستی کا پیغام بھیجتے ہو تو پھر میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر

Marfat.com

کرتے ہو۔ اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا تو (سمجھو کہ) وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ (الحجرات، آیہ ۱۵) سچے ایماندار صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر کسی قسم کا شک وشبہ دل میں نہ لائے اور خدا کے راستے میں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو سچے مسلمان ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (التوبہ، آیہ ۱۶)۔ کیا تم نے خیال کیا کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے۔ اور ابھی تک خدا کو نہیں معلوم وہ لوگ جو تم میں سے جہاد کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو چھوڑ کر اور کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ (سورۃ التوبہ آیات ۱۹۔۲۰)۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص (کے اعمال) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا؟ یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھلاتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے میں بڑے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ (سورۃ التوبہ، آیہ ۲۴)۔

کہہ دو اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اگر تمہارے ماں باپ اور اولاد اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے قرابت دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ ہے اور گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

Marfat.com

و آلہ وسلم سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے، تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبہ، آیہ ۴۱)۔ تم نکل کھڑے ہو ہلکے اور بوجھل، اور اپنے جان و مال کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد (کوشش) کرو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ، آیہ ۴۴)۔ جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اس بات کی رخصت نہیں مانگتے کہ اپنی جان و مال کے ساتھ شریکِ جہاد نہ ہوں، اور اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ (التوبہ، آیہ ۸۱)۔ رسول اللہ کے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے، اور ناپسند کیا انہوں نے کہ جہاد کریں اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال کے ساتھ اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں (گھروں سے) نہ نکلو۔

وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ، آیہ ۸۶)۔ اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوئی (اس مضمون کی) کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو تو ان میں سے صاحبِ مقدور لوگ اجازت مانگنے لگے تجھ سے اور کہا انہوں نے کہ ہمیں چھوڑ دیجیے تاکہ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہ جائیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ التوبہ، آیہ ۸۸)۔ لیکن رسول خدا نے اور ان لوگوں نے جو ان کے ساتھ ایمان لائے، جہاد کیا اپنے جان و مال کے ساتھ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے نیکیاں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

(سورۃ توبہ کی منقولہ بالا نو آیات ہجرت کے نویں سال کے بعد نازل ہوئیں جب اہل مکہ نے صلح نامۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تھی اور بنو خزاعہ پر، جو رسول خدا کے حلیف تھے، حملہ کیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ، آیہ ۱۳) کیا تم نہ لڑو گے اس قوم

Marfat.com

کے ساتھ جس نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نکالنا چاہا اور اس بارے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، مگر اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔ مگر اہلِ مکہ نے جلد ہی مصالحت کر لی اور انتقامی کارروائی کی ضرورت جاتی رہی۔ جو چار حرام مہینوں کے بعد ہی ہو سکتی تھی (سورۃ توبہ، آیہ ۵)۔ اس صورت میں جہاد کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ رسولِ خدا کے حلیفوں کی حفاظت کے لیے جنگ کی جائے، اگرچہ اس کے اصلی معنوں سے اس بات کا کچھ تعلق نہیں۔ پس اس بات سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ زمانہ مابعد میں جہاد کے معنے کافروں سے جنگ کرنے کے کیونکر ہو گئے)۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ (سورہ مائدہ، آیہ ۳۵) اے ایمان دارو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور کوشش کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَکُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ (سورہ مائدہ، آیہ ۵۳)۔ ایمان دار کہیں گے کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی سخت قسم کھائی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾ (سورہ مائدہ آیہ ۵۴) اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے پھر جائے اپنے دین سے تو اللہ عنقریب ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جن کو وہ چاہتا ہے اور وہ اسے چاہتے ہیں۔ وہ مومنوں کے حق میں متواضع ہیں اور کافروں کے لیے سخت گیر ہیں، وہ اللہ کے راستے میں جہاد (کوشش) کرتے ہیں۔

حاشیہ

مولوی چراغ علی (Critical Exposition of the popular jihad p. 186)

Marfat.com

AUQAF
DEPARTMENT

Marfat.com